بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ چہاردہ صد سالہ یادگار شہادت امیر المومنینؑ (۴۰ھ - ۱۴۴۰ھ)، اشاعت نو

نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد (۴)

معروف بہ

حضرت امیر المومنین علیہ السلام

حصہ اولیٰ

مصنفہ

مجاہد ملت مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ

(سابق مدیر مجلۂ اصلاح)

ابن علامہ سید علی حیدر نقوی اعلی اللہ مقامہ

ناشرین

ولایت پبلکیشنز
نئی دہلی (انڈیا)
E-mail:welayatpublications@gmail.com
www.welayat.in
Contact: 09958225575

ادارۂ اصلاح
مسجد دیوان ناصر علی، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳
E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in
www.islah.in

مشخصات

کتاب کا نام	:	نفس رسولؐ جلد (۴) حضرت امیرالمومنینؑ حصہ اولیٰ
مؤلف	:	مجاہد ملت مولاناسید محمد باقر نقوی طاب ثراہ
کمپوزنگ	:	-------------
طبع	:	عنبر پریس، لکھنؤ
تاریخ طبع	:	شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ، اپریل ۲۰۱۹ء
صفحات	:	۳۴۴
قیمت	:	240/روپئے
ناشر	:	ادارۂ اصلاح، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

ISBN-13 : 978-93-87479-
ISBN-10 : 93-87479-

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

فون و فیکس نمبر: 0091 522 4077872

E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

فہرست کتب

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلہا

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق سربراہ علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر''المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ'' نامی کتاب لکھی تھی جس کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے دیباچہ کی ابتدا میں انہوں نے عمومی الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

''یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سی تاریخ ساز، عہد آفریں، اور نادرۂ روزگار شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی مکمل سیرت (جو ان کی روشن ترین خصوصیات پر حاوی اور ان کے مرکزی اور اہم کمالات ومحاسن پر روشنی ڈالتی ہو) عرصۂ دراز تک مرتب نہیں ہوئی اور یہ بات ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں پر ایک اخلاقی دینی وعلمی قرض کی نوعیت رکھتی ہے۔ جس کی ادائیگی بعض اوقات انہوں نے بھی نہیں کی جو ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتے اور ان سے محبت ووابستگی کو سرمایہ ایمان وآگہی سمجھتے ہیں۔ (سخن ہائے گفتنی)

آخری سطور میں اشارہ کس گروہ کی طرف ہے ان کے علم میں بہتر رہا ہوگا اسی تحریر میں آگے انہوں نے اپنے برادر بزرگ مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی کے ایک حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے ایک روز بڑے دادا کے ساتھ گلوگیر لہجہ میں کہا علی تم کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت پر کتاب لکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ تم یہ کام کرسکو'' (سخنہائے گفتنی)

اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت جب تین دہائیوں کے بعد آئی تو اس سلسلہ میں مزید اقدام سے پہلے ان کا یہ تجزیہ تھا:

''مجھے اسلامیات کے کتابی ذخیروں میں اک شدید کمی کا احساس پیدا ہوا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات (جو بقدر امکان) ان کے اہم اور مرکزی خصائص وکمالات پر روشنی ڈالتی ہو موجود نہیں ہے'' (سخنہائے گفتنی)

المرتضیٰ کی پہلی ہی اشاعت کے بعد منقولہ جملے جب میری نظر سے گزرے تھے تو مجھے مشہور اہل علم کی غفلت پر سخت تعجب ہوا

تھا۔اس لئے کہ خود ادارۂ اصلاح سے دس ضخیم جلدوں میں "نفس رسولؐ" کے نام سے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام شائع ہو چکی تھی جو ایک کارنامہ ہے لیکن چونکہ یہ شیعی حلقہ کا کام ہے لہٰذا اسے نظر انداز کیا گیا۔ادعا کے باوجود المرتضیٰ 20x26/8 سائز پر 500 صفحات تک بھی نہیں پہنچ سکی جبکہ "نفس رسولؐ" ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود نامکمل رہی اور جو منصوبہ تھا اس کی حد آخر کو حاصل نہیں کر سکی ہے جو اس حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا اعلان ہے کہ:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لو ان الریاض اقلام ، البحر مداد والجن حسّابٌ والانس کتّاب ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب علیہ السلام (بحارالانوار جلد ۴۰ صفحہ ۴۰)

"اگر باغات قلم بن جائیں اور سمندر، روشنائی بن جائیں اور تمام جن شمار کرنے والے بن جائیں اور تمام انسان لکھنے والے بن جائیں پھر بھی فضائل علیؑ کا احصا نہیں کر سکتے"۔

اوصاف علی، بہ گفتگو ممکن نیست
گنجایش بحر در سبو، ممکن نیست
من ذات علی بہ واجبی نشناسم
اما دانم کہ مثل او ممکن نیست

جب مجلہ اصلاح کے مدیر اول اور بانیٔ اصلاح فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے قابل فخر فرزند حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر طاب ثراہ نے دس جلدوں پر مشتمل سیرت امیر المومنینؑ "نفس رسولؐ" کو قلم بند کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں شدید بے چینی تھی۔اس سلسلہ میں ان کا جو منصوبہ تھا وہ نفس رسولؐ کی پہلی جلد "اعجاز الولی" میں موجود ہے۔اپنے منصوبہ کا اعلان انہوں نے بذریعہ مجلہ اصلاح کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ اپنے وصیت نامہ میں انہوں نے ذکر بھی کیا ہے کہ:

"میں ماہ مئی ۱۹۵۰ء سے رسالہ اصلاح میں ایک عظیم الشان تاریخی اور تحقیقی کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا ڈھنڈھورا پیٹ رہا ہوں اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سب سے بڑی سب سے زیادہ جامع سوانح عمری گویا حضرت علی علیہ السلام کے حالات کی انسائیکلوپیڈیا ہوگی جو سات آٹھ جلدوں غالباً چار ہزار صفحوں میں پوری اور سات آٹھ سال میں ختم کی جائے گی۔اس طرح میں نے ابھی سات آٹھ برس اور اس دنیا میں اپنے کو زندہ سمجھنے کا سامان کر لیا ہے کیا بغیر اس سوانح عمری کے مکمل شائع ہوئے جناب ملک الموت کو میرے پاس آجانے میں افسوس نہیں ہوگا لیکن اگر نہ مانے تو میں کیا کر لوں گا۔

"کار دنیا کسے تمام نہ کرد" اس حالت میں آپ میرے کل خطوط کی تعمیل کرتے رہئے گا"۔

والسلام احقر علی حیدر عفی عنہ (ایک عزیز کے نام مکتوب اصلاح نومبر دسمبر ۱۹۵۰ء)

''چونکہ ہم کو علمی خدمتیں کرتے بفضل تعالیٰ ۴۵ سال گزر گئے اور اب اس عظیم الشان سوانح مبارکہ نفس رسولؐ دس جلدوں پر مشتمل سوانح امیر المومنینؑ کے مکمل شائع ہو جانے کے لئے بہت بے چین ہیں۔ مگر معلوم نہیں ہماری عمر یا قوت وفا کر سکے یا نہیں۔ اس وجہ سے بندہ زادوں مولوی سید محمد باقر صاحب ادیب فاضل (الہ آباد) فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی مولوی فاضل (پنجاب یونیورسٹی) اور صدر الافاضل سے جن کی بہت مفید مقبول کتاب ''مذہبی تعلیم'' کے پانچ حصوں کی خدا کے فضل سے ہر طرف دھوم ہوگئی ہے۔ اور مولوی سید آغا جعفر سلمہ متعلم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ سے وصیت بھی کر رکھی ہے کہ اس سوانح مبارکہ کو صرف خدائے کریم وقدیر کی تائید پر بھروسہ کر کے ہم نے شروع تو کر دیا ہے لیکن جب ہم زندہ نہ رہیں تو ''اگر پدر نتواند پسر تمام کند'' اور ''الولد سر لابیہ'' کے مطابق اس کو ضرور مکمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ دونوں فرزند قادر مطلق پر توکل کر کے اس کے مکمل کرنے میں جناب مولانا علی نقی صاحب قبلہ، جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ لکھنؤ، مولانا سید رضی صاحب زنگی پوری، جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب، جناب مولوی سید سبط الحسن صاحب ہنسوی، جناب ڈاکٹر مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، جناب الحاج پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی تعلقدار شمس آباد، جناب سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے پروفیسر علی گڑھ، جناب ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسین صاحب مینجر وقف ہوگلی، جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پانی پتی، جناب آغا سلطان مرزا صاحب جج پنشنر کراچی، جناب ڈاکٹر محمد علی الحاج سالمین صاحب بمبئی، جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب لاہور، اور جناب مولانا محمد بشیر صاحب ٹیکسلا سے پوری مدد لیتے رہیں۔''

(احقر علی حیدر عفی عنہ، ۷ رصفر ۱۳۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸ رنومبر ۱۹۵۰ء)

وصیت میں مزید تحریر فرمایا ہے:

''سوانح مبارکہ کے لئے وصیت کا مضمون بھی ہم اصلاح میں شائع کر چکے ہیں۔ چند ناموں کا اضافہ اس میں بھی ضروری ہے جن سے مدد اور مشورہ لیتے رہنا بہت مفید اور اہم ہے۔:

۱) جناب سید امتیاز حسین صاحب ترمذی وکیل پٹنہ۔ ۲) جناب سید حسن عسکری صاحب پروفیسر پٹنہ۔ ۳) جناب مولوی سید ابن حسن صاحب جارچوی، لکھنؤ۔ ۴) جناب مولوی سید اختر علی صاحب تلہری۔ ۵) جناب مولوی مرزا احمد علی صاحب امرتسری۔ اور ۶) جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب جوہر کراچی۔

مذکورہ بالا حضرات نیز ان حضرات سے جن کے اسمائے گرامی دسمبر کے اصلاح میں شائع ہو چکے ہیں التماس ہے کہ

ہماری عمر ۶۵ سال کی ہو چکی ہے اور علمی خدمات کرتے ہوئے تقریباً ۵۰ سال گزر چکے ہم کو بہت افسوس ہے کہ سوانح مبارکہ کے مرتب کرنے کی توفیق بہت دیر کر کے ہوئی جب آفتاب لب بام پہنچ گیا ہے اس وجہ سے ہم بے چین ہیں کہ سوانح مبارکہ کیونکر اچھی سے اچھی ہوگی۔ آپ کل حضرت اس اہم دینی خدمت میں ہماری علمی اور قلمی مدد کر کے شکر گزار کریں اس طرح کہ کل حضرات سوانح مبارکہ کی دسوں جلدوں کے لئے جن قیمتی مضامین نادر تحقیقات، مفید مباحث اور ضروری افادات کا اندراج پسند کریں۔ ان سب کو جلد از جلد ہمارے پاس ارسال فرمانا شروع کر دیں۔ تاکہ ہم سب کو مرتب کرتے جائیں۔ اور دسوں جلدوں کے مسودات کو آپ حضرات کی اعانت سے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر ڈالیں۔ اس کے بعد اگر اجل نے مہلت دی تو انشاء اللہ خود چھپوا کر شائع کریں گے۔ ورنہ خود آپ حضرات دفتر اصلاح سے شائع کراتے رہیں گے۔" (اصلاح مئی جون ۱۹۵۱ء)

علامہ علی حیدر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے پہلے ۶۔۷ جلدوں میں پھر دس جلدوں میں سوانح عمری امیر المومنینؑ کا ارادہ اس وقت کیا جب عمر ڈھل رہی تھی۔ جب اندازہ ہوا کہ عین حیات میں یہ کام پورا نہیں کر سکوں گا تو یہ کام اپنی اولاد کے سپرد کیا۔ مدیر دوم اصلاح مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ ۴ جلدیں خود لکھیں مگر اپنے والد مرحوم کے نام سے باقی دیگر مصنفین و مبلغین کی کتابوں کو شامل کر کے دس جلدیں پوری کر دیں۔ والد مرحوم مولانا سید محمد باقر جوراسیؒ ان کے ہم نام بھی تھے اور چالیس سال تک گہرے رفیق رہے تھے ان کی وفات کے بعد اپنے ایک مضمون "امام عصرؑ کا ایک خادم" کے عنوان سے مضمون میں تحریر فرمایا ہے:

"ان کے تالیفات و تصنیفات اور مضامین و تراجم کی تعداد تو بہت ہے جن کی فہرست پیش کرنا میرے لئے بھی دشوار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی حیثیت دس جلدوں میں مکمل ہونے والی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم و ضخیم سوانح عمری کو حاصل ہے یہ بات میرے علم میں ہے کہ مرحوم کے پدر بزرگوار مولانا سید علی حیدر صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اس کی صرف ابتدائی دو جلدیں ہی اپنے قلم سے تحریر فرمائی تھیں۔ اس کے بعد یہ اہم کام اپنے ہونہار فرزند کے سپرد کر دیا تھا۔ جسے مرحوم نے ان کے اعتماد اور توقعات کے مطابق پوری مہارت اور کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

(اصلاح صدی نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۰۷)

۳ سے ۷ جلدوں تک کی محنت مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی اعلی اللہ مقامہ کی کاوش ہے۔ ایک لائق فرزند ہونے کی حیثیت سے اور اپنے والد مرحوم کے جذبہ اخلاص کی قدردانی میں انہوں نے اس محنت کو بھی اپنے والد علام سے منسوب رکھا لیکن اب جبکہ اس کا انکشاف ہو چکا ہے کہ بعد کی جلدیں ان کا کارنامہ ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان جلدوں کو انہیں سے منسوب

کیا جائے۔ ۷ جلدوں کے بعد دس جلدیں مکمل کرنے کے لئے مقبول و معروف جن تین کتابوں کا سہارا لیا گیا ان کے ترجمہ کی زحمت بھی مرحوم ہی نے فرمائی تھی۔

چونکہ شہادت امیر المومنین کی چودہ سو سال مکمل ہونے کی یادگار منائی جا رہی ہے لہٰذا اس مناسبت سے ترتیب میں معمولی تبدیلی اور دیگر تالیفات و تراجم کو شامل کر کے نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدیں پیش ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ مرحوم نے جو خاکہ مرتب فرمایا تھا کام کا تکملہ اس نہج کے عین مطابق تو نہیں ہو سکا لیکن پھر بھی اس نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدوں کی اشاعت کے ذریعہ ایک غیر معمولی کام انجام پا گیا ہے۔

اب تمام ۱۴ جلدوں کی ترتیب اس طرح ہے:

جلد (۱): اعجاز الولی (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۲): قرآن ناطق (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۳): ثقل اکبر (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۴): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ اولیٰ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۵): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثانیہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۶): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثالثہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۷): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ رابعہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۸): ندائے عدالت انسانی ترجمہ: صوۃ العدالۃ الانسانیہ، جارج جرداق (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد ۹): تہذیب المتین فی سیرت امیر المومنینؑ (مولانا مظہر حسن سہارنپوریؒ)۔

جلد (۱۰): غدیر، تالیف حجۃ الاسلام مولانا وصی محمد صاحب قبلہ و حجۃ الاسلام ابوالفضل اسلامی۔

جلد (۱۱): امیر المومنینؑ کے فیصلے، مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ۔

جلد (۱۲): علیؑ و فرزندان علیؑ ترجمہ: علیؑ و بنوہ، ڈاکٹر طہٰ حسین (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد (۱۳): اصحاب امیر المومنینؑ، (آیۃ اللہ ناظم زادہ) (مترجم حجۃ الاسلام سلیم علوی)۔

جلد (۱۴): صفات شیعیان امیر المومنینؑ، ترجمہ صفات الشیعہ شیخ صدوقؒ۔ (مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید رضی جعفر نقوی مدظلہ)

نفس رسولؐ کی اس جلد (۴) ''حضرت امیرالمومنینؑ'' حصہ اولیٰ میں حضرت امیر علیہ السلام کے خاندان کے حالات اور آپ کی ولادت باسعادت سے وفات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے حالات درج ہیں۔

میں نے جب المرتضیٰ کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا اور شروع میں منقولہ جملے نظر سے گزرے تھے تو یہ جذبہ پیدا ہوا تھا کہ کیوں نہ نفس رسولؐ کی تمام جلدیں سامنے آجائیں تاکہ ان لا علم لوگوں کو معلوم ہوسکے جو نہیں جانتے کہ سیرت امیرالمومنینؑ پر متعدد ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر کتاب موجود ہے۔ لیکن مالی وسائل کی دقت کی وجہ سے اس سلسلے میں اقدام کی ہمت نہیں پڑی۔ مگر جب امیرالمومنینؑ کی شہادت کے چودہ سو سالہ یادگار کے منصوبے بننا شروع ہوئے تو مجلہ اصلاح کے مدیر اعزازی مولانا محمد حسنین باقری نے یہ عزم کیا کہ اس موقع کے اوپر نفس رسولؐ کی جلدوں کی اشاعت نو ہوجانا چاہئے اور اس سلسلے میں انہوں نے محنت بھی بہت کی۔ جس کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اوقات دعا میں ادارۂ اصلاح کو شامل کرنے کو فراموش نہ فرمایا کریں۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارۂ اصلاح لکھنؤ

۱۳؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

پنجشنبہ ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الاولین والاخرین۔ خاتم الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین

خادم دین مبین احقر علی حیدر عفا عنہ اللہ الاکبر اپنے خالق محسن اور منعم کا کیونکر اور کن الفاظ میں شکریہ ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم اور توفیق وتائید سے اس بندہ حقیر سے اس کی آخر عمر میں (کہ اب اُسی کے حکم سے ہجری سال کے ستر سال پورے ہو چکے) وہ کام لے رہا ہے جس کی عظمت وجلالت کو کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ خدائے کریم ہی نے اپنی قدرت کاملہ سے اس بندۂ ضعیف کو اس امر اہم پر آمادہ کردیا کیا آپ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مفصل سوانح حیات کو دس جلدوں میں لکھ کر مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کرے اور اسلامی گاڑی کے دوسرے پہیہ کے واقعات زندگی سے بھی اہل ایمان کے دل دماغ کو روشن کرنے کا شرف حاصل کرے۔ چنانچہ اس جلیل القدر کارنامے کے تین حصے میں (اعجاز الولی، قرآن ناطق اور ثقل اکبر) شائع ہو کر اہل علم وارباب معرفت حضرات سے پورا پورا خراج ثناء وتحسین وصول کرچکے اب اسی منعم حقیقی کی توفیق وتائید واکرام واحسان پر توکل کرکے یہ چوتھی جلد بھی شائع کی جارہی ہے جس میں حضرت کے خاندان کے حالات لکھ کر حضرت کی ولادت باسعادت سے وفات تک کے پورے حالات درج کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

وھو حسبی ونعم الوکیل ونعم المولیٰ ونعم النصیر۔

حضرت امیرالمومنینؑ کی مفصل تحقیقی سوانح عمری کی شدید ضرورت

اگرچہ اس منبع انوار بزرگ کی جامع سوانح عمری کی شدید ضرورت کمال منفعت اور بے انتہاء اہمیت پہلی جلد (اعجاز الولیٰ) میں شائع کر دی گئی ہے۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جلد میں کچھ واضح کر دیا جائے۔ اگرچہ حضرتؑ کی سوانح عمری میں اردو زبان میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں مثلاً (۱) امرتسر (پنجاب) کے قابل قدر بزرگ جناب حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے المرتضیٰ نے لکھ کر عامۂ مسلمین کو حضرت کے حالات سے باخبر کرنے کی پوری کوشش کی۔ ہم کو افسوس ہے کہ اب تک اسکے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مگر موصوف کی دوسری کتابوں (کتاب الصرف وکتاب النحو وعربی بول چال کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے المرتضیٰ اگرچہ مختصر لکھی ہوگی لیکن وہ حضرت کے حالات کا اچھا مجموعہ ہوگا۔ ممدوح نے اس میں تعصب سے کام نہیں لیا ہوگا۔ اور مسلمانوں کو حضرت کے حالات سے باخبر کرنے کی جو سعی کی ہے وہ ضرور مشکور ہوگی۔ خاص کر اس وجہ سے کہ ممدوح نے اس ضروری اور اہم کام کی طرف دوسروں کو بھی متوجہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ (۲) دوسری اہم کتاب ارجح المطالب لکھی گئی اس کے لکھنے والے بھی اسی امرتسر کے باشندے تھے جن کا نام نامی اس طرح شائع ہوا ہے۔

''مؤلفہ ومرتبہ سند المحققین علامہ فطین فاضل عدیم السہیم مقتدائے اہل اللہ جناب مولانا مولوی عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری سابق رجسٹرار کتب خانہ سرکار رامپور دامت اقبالہ۔ ان کتابوں کے علاوہ بھی حضرات علماء اہلسنت نے حضرت کی متعدد سوانح عمری شائع کیں۔ شیعوں میں (۳) جناب عالم جلیل مولانا سید مظہر حسن صاحب سہارنپوری نے تہذیب المتین کی دو جلدیں۔ پھر (۴) مصنف محترم جناب سید ریاض علی صاحب ریاض مرحوم ساکن بنارس نے الکرار اور (۵) جناب خان بہادر سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی ساکن کواتھ ضلع آرہ نے دو جلدوں میں سراج مبین لکھ کر بہت قابل قدر خدمتیں انجام دیں۔

باوجود ان کتابوں کے اہل علم حضرات زیادہ تحقیق وتفصیل واہتمام وجامعیت کی سوانح عمری کے لئے بے چین رہے چنانچہ شمس العلماء نجم الملۃ والدین مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ مدرس اعلیٰ مدرسۂ ناظمیہ ومتولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ نے اس کی ضرورت اور اہمیت کو اخبار سرفراز لکھنؤ میں اس طرح ظاہر فرمایا ''میری تمنا ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ کی سوانح حیات مکمل صورت میں شائع ہو۔ اب تک جو کتابیں لکھی گئیں وہ سراسر قاصر نظر آتی ہیں جس بزرگ ومقدس ذات کے فضائل ومناقب کی تحریر میں بحور عالم کی مداد

ریاض عالم کے اقلام، جن وانس کی کتابت محاسبت ناکافی، جس کی محبت وعداوت مدار ایمان وکفر جس کا ہر کلمہ حکمت کا دفتر، جس کا ہر فعل ہدایت کا سرچشمہ جو نفس رسولؐ جس کے کمالات کا سکہ غیر اسلامی دنیا کے قلوب پر بھی اور جسے خدا اور رسولؐ نے اپنا محبوب قرار دیا ہو اسکی سیرت لکھنے میں بڑے عظیم الشان اہتمام کی ضرورت ہے، پھر بھی ایک شمہ سمجھا جائے گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم ارباب ہمم کو متوجہ فرمائے اور سیرت علویہ کی اشاعت سے زمانہ فیضیاب ہو۔ نجم الحسن عفی عنہ،، (مکتوب ۱۳؍رجب ۱۳۴۵ھ)

مذکورہ بالا تحریر کو شائع ہوئے ۲۵ رسال گزر چکے تھے۔ مولانا مرحوم بھی اس کے بعد کافی مدت تک زندہ رہے۔ علماء کرام ومحققین بھی اس ضرورت کی اہمیت کا اعتراف کرتے رہے اس مضمون نے بھی لوگوں کو بہت زیادہ اس دینی خدمت کی طرف متوجہ کیا۔ متعدد حضرات نے اردو زبان میں تاریخ کی بعض مفید کتابیں بھی لکھی اور شائع کیں۔ دوسرے مسلمانوں کی تاریخی کتابیں بھی اعلان کرتی رہیں۔ کہ شیعوں کو بھی اپنے مولا وپیشوا کی ایک مفصل سوانح عمری شائع کرنے کی ضرورت ہے مگر کسی نے اس کا شرف حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وجہ سے دفتر اصلاح نے جو خدا کے فضل سے ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء سے دین حق کی حمایت اترقی کی قابل شکر خدمات انجام دے رہا ہے۔ ۱۳۷۰ھ سے اس ضروری کام کو بھی صرف خدا کا نام لے کر اور محض اسی کی حمایت واعانت پر توکل کر کے شروع کر دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ارادے پر ہندوستان وپاکستان وافریقہ وغیرہ کے مومنین نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اس کی واقعی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ اس کے متعلق بے حساب خطوط دفتر میں آئے جن سے صرف چند خطوط اور رایوں کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے:

(۱) جناب زبدۃ الحاج پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی تعلقہ دار شمس آباد نے لکھا: حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سوانح عمری ضرور معرض تحریر میں لائیے مگر خدا کے لئے تہذیب المتین کی غیر محققانہ روش عام سے علٰحدہ رہیئے۔ اور سعی بلیغ فرمائیے کہ مولانا شبلی کی سیرت النبیؐ سے بہتر ترتیب ہو کیا خوب ہوا گر حضرات اہل سنت کی روایات پر جرح کرنے کے ساتھ ساتھ رجال کشی، رجال نجاشی رجال کبیر اور رجال مامقانی کی مدد سے اپنے یہاں کی تمام بے سروپا روایات (بیعت فدک، عقد ام کلثوم وغیرہ) کی بھی تضعیف فرما دیجئے تاکہ یہ کتاب مناظرہ کے لئے بھی مفید ہوسکے؛؛ (کارڈ ۷ ستمبر ۱۹۵۰ء)

(۲) جناب روح القدس محمد شافی صاحب ریٹائر پولیس انسپکٹر مسلح پور پٹنہ شروع صفحہ میں عظیم الشان سوانح عمری حضرت امیر المومنین کا اشتہار دیکھ کر از حد خوشی اور مسرت حاصل ہوئی اور روح القدس کی روح میں الگ تازگی آگئی ہے۔ وہی مولا مشکل کشا علیہ السلام اس کی اشاعت میں کامیابی اور ترقی عطا فرمادیں ؛؛ (کارڈ ۵ ر اکتوبر ۱۹۵۰ء)۔

(۳) جناب پرنس سید محمد عباس صاحب تعلقہ دار شمس آباد نے پھر تحریر فرمایا زبدۃ المحققین قدوۃ المناظرین شمس المحدثین ملک الناطقین حضرت مولانا سید علی حیدر صاحب دامت مکارمکم السامیہ سلام علیکم۔ صحیفہ شریفہ نظر افروز ہوا۔

تہذیب المتین کی غیر محققانہ روش کے تذکرے سے ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ ملا زمان سامی کی طرف سے غیر محققانہ روش کا خدشہ تھا۔ یہ گوشہ نشین زاویہ گمنامی جناب سامی مرتبت کو نہ صرف بہار بلکہ ہندوستان میں تحقیق وتدقیق میں فرد فرید مانتا ہے اور اگر اس کے کسی فقرے

سے ملازمان گرامی کی دل شکنی ہوئی ہے تو طالب صفوی طالب عفو ہے واللہ درّ من قال تا منفعل زرنجش بے جانہ بنیمش می آرم اعتراف گناہ نہ بودہ را حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی مقدس سوانح عمری لکھنے کے لئے آپ سے بہتر اور کون ہے؟ ہاں یہ امر ملحوظ خاطر عاطر رہے کہ بیعت یا عقد ام کلثوم وغیرہ کی بحث میں صرف حضرات اہلسنت کی روایات پیش کرنے پر اکتفانہ کی جائے۔ اگر اصلاح کے دفتر میں رجال نہ ہوں تو میں اس کار خیر میں ہاتھ بٹانے کے لئے موجود ہوں اسی طرح شواہد النبوت، روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب مدارج النبوت وغیرہ سے ضعیف السند روایات نہ نقل کی جائیں اور نہ کسی قلمی کتاب کا حوالہ دیا جائے؛؛ (کارڈ ۲۷/ ستمبر ۱۹۵۰ء)۔

(۵) جناب ڈاکٹر سید ممتاز علیصاحب بہرام کھاٹ؛؛ میرا نام برائے خرید ایک جلد سوانح حضرت امیرالمومنین علیہ السلام درج کر لیجئے۔ خداوند عالم آپ کو جزائے خیر دے اور عمر نوح عطا فرمائے؛؛ (کارڈ ۲۹/ اگست ۵۰ء)

(۶) جناب مولوی سید محمود حسن صاحب راج نند گاؤں سی، پی مولائے کائنات کی سوانح عمری ضرور شائع فرمائیں (کارڈ ۷/ ستمبر ۵۰ء)۔

(۷) جناب پرنس سید محمد عباس صاحب شمس آباد اگر کسی شیعی روایت کے نقد کی ضرورت ہو تو اسناد فرما دیجئے گا۔ انشاء اللہ العزیز اس کار خیر میں نقد رجال کی حد تک میں جناب سامی مرتبت کا ہاتھ بٹانے پر آمادہ ہوں؛؛ (کارڈ ۲۹/ ستمبر ۵۰ء)

(۸) جناب سید علی احمد صاحب اور سیر منشیز ماہر پور ضلع اعظم گڈھ سوانح عمری آقائے دو جہاں حضرت امیرالمومنینؑ کا میں شوق سے خریدار ہوں؛؛ (کارڈ ۱۰/ نومبر ۵۰ء)

(۹) جناب حکیم ڈاکٹر سید عباس علی شاہ صاحب نقوی النجاری کوڈنیار کاٹھیاواڑ؛؛ عرصہ دراز کے بعد اخبار درنجف سیالکوٹ میں زیر عنوان سوانح عمری جناب آقائے نامدار امیرالمومنین علیہ السلام کی طباعت کے متعلق پڑھا۔ الحمد للہ کہ آپ حوادث زمانہ سے محفوظ بدستور دریائے علوم سے مخلوق خدا اور تشنگان علوم کو ساقی کوثر کے فیوض سے سیراب فرما رہے ہیں۔ پروردگار عالم آپ کے ارادوں میں استحکام اور برکت عطا فرمائے۔ آمین مکلف ہوں کہ پرچہ نمونہ اور فہرست مضامین مذکورہ سوانح عمری حضرت موصوف یعنی آقائے قنبر وارث منبر علیہ السلام کی ترسیل فرما کر مشکور فرما دیں؛؛ (کارڈ ۲۲/ اکتوبر ۵۰ء)۔

(۱۰) جناب معصوم حیدر صاحب جونپور خدا آپ کے ارادے کو کامیاب کرے اور سوانح عمری لکھنے کے لئے عمر خضری عطا کرے۔ (کارڈ ۲۱/ نومبر ۵۰ء)۔

(۱۱) جناب حکیم ہاشمی علی صاحب بمبئی ”عموماً اصلاح میں حضرات خصوصاً محترمہ فاخرہ بیگم صاحبہ کا خیال ہے کہ شہادت عظمیٰ اور سوانح عمری حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اگر مجلد ہو کر جلد از جلد ہمارے ہاتھوں میں آجاتی تو بہتر تھا۔ اس سلسلہ میں اخراجات کا اندازہ ہو جاتا تو کچھ امکانی کوشش کی جاتی۔ مجھے امید ہے کہ غالباً محترمہ کی تمناؤں میں آپ بھی برابر کے شریک ہوں گے۔ امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرما کر شکرگذار فرما دیں گے۔ خداوند عالم آپ کا سایہ تادیر قوم کے سر پر باقی رکھے اور فیوضات و برکات کو جاری مختلف کتابوں کے چند صفحات ایک ہی رسالہ میں دیکھ کر لوگ بدظن ہو رہے ہیں؛؛ (خط ۱۱/ نومبر ۵۰ء)

(۱۲) جناب مولوی محمد موسیٰ صاحب صدر الافاضل امام الجمعہ والجماعت دیلور (مدراس) ادام اللہ ظلکم العالی۔ بندہ غائبانہ جناب کا حلقہ بگوش اور جناب کے قلمی مجاہدانہ کارناموں کا عرصہ سے مداح ہے اور وقتاً فوقتاً اپنے حلقہ تعارف میں لوگوں سے ادارہ اصلاح کی شائع کردہ کتب کی تعریف وتوسیع اشاعت کرتا رہتا ہے۔

میں نے سال گزشتہ مدارس سے مولوی غلام محمد تقی عرف مولوی متقی صاحب کو خریدار اصلاح بنایا اور دو تین کتابیں اُن سے منگوا دیں۔ میں اس طرف کچھ اپنے افکار میں ایسا مبتلا رہا کہ بہت سی باتوں کی خبر نہ ہوسکی۔ منجملہ ان کے جناب کے اس عظیم الشان علمی کارنامہ کی اشاعت کا اہتمام یعنی سوانح عمری امیر المومنین علیہ السلام بے ساختہ چاہا کہ کیا کروں اور کس طرح سے آپ کی اس کام میں اعانت کروں بہر حال اس وقت میں نے دو پروگرام بنا رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کو رسالہ کی خریداری پر آمادہ کرنا۔ دوسرے کم ازکم لوگوں کو سوانح عمری کی پہلی جلد کا خریدار بنانا۔۔۔۔۔۔ انشاء اللہ میں اور کوشش کرنے والا ہوں۔ خداوند عالم جناب کو سوانح عمری امیر المومنین کی تکمیل اور اسکے بعد سوانح امام حسین علیہ السلام اور واقعات کربلا پر جامع ومکمل کتاب لکھنے کا موقع عنایت فرمائے (کارڈ ۲۴ نومبر ۵۰ء)

(۱۳) جناب مولوی سید راحت حسین صاحب بھیکپوری امام الجمعہ والجماعت کانودر دامت معالیکم السامیہ۔۔۔۔۔ جناب نے بڑی دور اندیشی، تدبّر اور دانائی سے کام لیا اور مختلف بلاد کے مومنین کا چناؤ بھی بے مثل ہے بے شک اس کی ضرورت تھی۔ عقلائے روزگار یہی کرتے ہیں۔ وقف علی الاولاد۔ سبحان اللہ ! اُردو زبان میں بہت ہی جامع ومانع مکمل ومبسوط حکیم اسلام جناب امیر علیہ السلام کے علمی وعملی کارناموں کی ضرورت تھی۔ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ نے لکھنؤ میں اہل علم کے سامنے بڑی اہمیت کے ساتھ اس مسئلہ کو پیش فرمایا تھا۔ ہمارے حیدر حسین بھائی ؒ اڈیٹر شیعہ بھی اس مجمع میں تھے۔ طباعت واشاعت کے لئے اُن کو بھی متوجہ کیا تھا۔ بہر کیف قدرت نے آپ کو تیار کر دیا لاریب آپ اس کے لئے ہر طرح موزوں ہیں۔ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ یہ جناب شاہکار قابل دید ہوگا جزاکم اللہ خیر الجزاء،، (کاڈر ۸ر دسمبر ۵۰ء)

(۱۴) جناب حکیم ہاشم علی صاحب بمبئی،، محترم ومعظم،، ظلہ، سلام علیکم۔ والانامہ نے عزت بخشی۔ خداوند عالم آپ کو صدوسی سال خدمت قوم ومذہب کے لئے زندہ وسلامت رکھے۔ مجھ جیسے ستر سالہ ضعیفوں کو تو جن کا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا ہے اب باغ دنیا کی دو چار بہاریں دیکھنے کی بھی امید نہیں۔ رخت سفر بندھ چکا ہے۔ اس کے فضل وکرم کی امید اور دامن رحمت پر نگاہ ہے۔ یہی وجہ تھی جو میں نے اپنے پہلے خط میں دلی آرزو کا اظہار دبی زبان سے کر دیا تھا جناب والا کے جواب باصواب کو سن کر اب کوئی تمنا نہیں رہی۔ خداوند عالم آپ کے پائے استقلال میں اور زیادہ استقامت عطا فرمائے اور آپ کے ہاتھوں اس کار عظیم کو انجام تک بخیر پہنچائے۔ آمین،، (خط ۹ر دسمبر ۵۰ء)۔

(۱۵) جناب حکیم محمد نواب علی خاں صاحب رئیس محلہ چنگلی امروہہ،، افضل العلماء اکمل الکملا جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ دامت برکاتہ۔ آپ کے پرچہ اصلاح نے جو فیوض شیعی دنیا کو خصوصاً اور دیگر مذاہب کو عموماً پہنچائے وہ اظہر من الشمس ہیں۔،، (کارڈ ۲۸ر جنوری ۵۱ء)

(۱۶) جناب مولوی سید محمد موسیٰ صاحب از ویلور،، آپ کے والد علام قبلہ مولانا علی حیدر صاحب مدظلہ کی علالت کی خبر سے بے حد تشویش

وفکر پیدا ہوگئی ہے۔

خدا کرے کہ مولانا مدظلہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر کار اہم کو انجام دیں جس کو سوائے اُن کے اور کوئی بہ احسن وجوہ نہیں کرسکتا۔ خداوند عالم آپ کو اور مولوی محمد باقر صاحب زیدہ فضلہ کو اپنے اب وجد کا نام باقی و زندہ و روشن رکھنے کی طاقت عطا فرمائے۔،، (کارڈ ۳۱ رجنوری ۵۱ء)

(۱۷) جناب سید محمد امیر صاحب ایڈوکیٹ مظفر نگر سوانح عمری کی پہلی جلد کے لئے بھی سلسلہ جنبانی شروع کردی گئی ہے۔،،

(۱۸) جناب نواب سید زین الدین مرزا صاحب بہادر آف کھگڑا اسٹیٹ ,, مولانا و مقتدانا سلام علیکم۔ یہ رقم جناب شاہ ولایت پناہ کی سیرت مبارکہ کی پہلی جلد کے لئے خدمت اقدس میں روانہ کی جاتی ہے۔،،

(۱۹) جناب سید محمد سعید صاحب مورنا ضلع میرٹھ ,, میں انشاء اللہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی سوانح عمری بھی منگاؤں گا۔،،

(۲۰) جناب سید نذیر حسین صاحب زیدی پنیش کار پنشنز گورکھ پور رسالہ اصلاح کے مضامین کی تعریف نہیں کرسکتا یہی وہ سب سے پہلا پرچہ ہے جس نے ہندوستان میں نور ایمان پھیلایا۔

جناب فخر الحکماء اعلیٰ اللہ مقامہ کے بعد جو خدمات آپ نے فرمائے ہیں وہ لائق صد ہزار تحسین ہیں۔ اب جو آپ نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی سوانح عمری کی اشاعت کا خیال ظاہر فرمایا ہے یہ جناب کا عظیم الشان کارنامہ ہوگا۔ خدا کرے کہ جس شان و انتظام سے آپ نے شائع فرمانے کا قصد کیا ہے اس میں آپ کامیاب ہوں۔ خدا کی قسم میری استطاعت اس قدر ہوتی تو میں تنہا اس خدمت کو بہترین عنوان سے انجام دیتا اس کی اشاعت میں دیگر حضرات سے مشورہ کرنا اور ان کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھاتے رہنا چاہیے مثلاً خواجہ السیدین صاحب و مولوی مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری وغیرہ تاکہ سوانح عمری اپنی شان میں لاجواب رہے۔،،

(۲۱) جناب آغا محمد یحییٰ علی شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل سیالکوٹ (مغربی پاکستان) ,, اصلاح مئی صفحہ ۳ تا ۷ اور جون صفحہ ۳ و ۴ پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی عظیم الشان سوانح عمری اور پاکستان اصلاح پریس کے متعلق پڑھا۔ میں آپ سے پورا متفق ہوں۔ سوانح عمری کے لئے فی الحال میرا نام درج رجسٹر فرمالیں بلکہ میرا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل اخباروں میں یہ دونوں مضامین اشاعت کے لئے روانہ فرمائیں تاکہ پوری اشاعت ہو۔

آپ کے یہ دونوں مضامین جرائد و اخبارات میں شائع ہو جانے پر انشاء اللہ اس سوانح عمری کی اشد ترین ضرورت واضح ہوگی۔ اس باب العلوم علیہ السلام کی ایسی جامع سوانح عمری نہ ہونے سے قوم کے لئے واقعی مقام افسوس ہے۔ میں آپ کا مضمون پیام عمل سیال کوٹ میں شائع کرادوں گا۔ انشاء اللہ اپنے حلقہ اثر میں یہ مضمون دکھلا کر متعدد خریدار پیدا کروں گا میری اس تجویز پر ضرور بالضرور عمل کریں۔ فی زمانناً اشتہار اور پروپگنڈا ہی باعث اشاعت ہے اگر دونوں مضامین ہینڈ بل کی صورت میں شائع ہو جائیں تو احباب میں تقسیم کرا کر جلد از جلد خریدار بنایا جاسکتا ہے

(۲۲) جناب مولوی سید راحت حسین صاحب بھیکپوری امام الجمعہ والجماعت کانو در دامت معالیکم السامیہ حقیقت میں تقسیم عمل کے صحیح

اصول پر کام ہوا کرتے ہیں۔ جناب والا کی علمی، قومی، مذہبی، دینی خدمات قابل قدر ہیں۔ ہم سب کو حصہ بقدر جثہ آپ کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔،،

(۲۳) جناب خاں صاحب آغا محمد سلطان مرزا صاحب بہادر دہلوی ایم، اے، ایل، ایل، بی۔ ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ وسشن جج از کراچی ,,قبلہ وکعبہ مولانا سید علی حیدر صاحب دام ظلہ، تسلیم۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم الشان جامع ومکمل سوانح عمری کا جو آپ نے اعلان فرمایا ہے خدا اُس کو کامیاب کرے۔ یہ بہت بڑا احسان قوم شیعہ پر ہوگا۔ میری دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ آپ کو تادیر قائم رکھے تا کہ یہ اور ایسے ہی کئی دیگر کام آپ کے ہاتھوں سے مکمل ہو جائیں۔ ساری قوم کا فرض ہے کہ اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹائے۔ کراچی میں بہت سیٹھ صاحبان شیعہ ہیں آپ اس طرف کیوں تحریک نہیں فرماتے۔ یہ میدان بالکل خالی ہے۔ میں تو کس گنتی میں ہوں کہ اس کی مدد کر سکوں لیکن اس لئے کہ میرا نام بھی آپ کے ناصرین کی فہرست میں لکھا جائے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے حال ہی میں ایک کتاب سیرت فاطمہؑ لکھی ہے وہ پرسوں دفتری کے مکان سے آجائیگی اس کا ہدیہ چھ روپیہ ہے اگر آپ وہاں اس کی کچھ جلدیں فروخت کر سکیں تو میں آپ کی خدمت میں بھجوادوں اور اُن کی جو قیمت وصول ہو وہ آپ میری طرف سے اپنی اس عظیم الشان تجویز میں خرچ کریں اگر یہ منظور ہو تو بواپسی تحریر فرمائیں۔ بہر صورت ایک کتاب تو ہدیۃً آپ کی خدمت میں ضرور ارسال کروں گا۔۔۔۔ میں نے اصلاح کے چند جدید خریدار تیار کر لیئے ہیں اور محض اس نیت سے کہ آپ کی اس عظیم الشان تجویز میں حصہ لے کر وہ بھی ثواب دارین حاصل کریں۔

(۲۴) جناب ملا ظلق الحسن ملا فدا حسین صاحب نور پور سورت ,,حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سوانح عمری اس قدر جامع اور مکمل شائع کرنے کا جو کام آپ نے ہاتھ میں لیا ہے وہ نہایت اہم اور بڑی عظیم الشان نیکی ہے خداوند عالم آپ کو اس کی تکمیل میں ہر طرح اعانت فرمائے۔،، (کارڈ ۱۶ر دسمبر ۵۰ء)۔

(۲۵) جناب عباس علی صاحب حیدری، بی، اے۔ پریسڈنٹ ادارۂ اثناء عشری مومن لورہ رائے پوری، پی ,,جناب قبلہ وکعبہ۔ ناچیز آپ کے ادارے کی کتب اور اس پرچہ کا اشتہار کرتا رہتا ہے۔ اگر خداوند کریم کا رحم وکرم شامل حال رہا تو انشاء اللہ میں آپ کے اصلاح کے لئے زیادہ سے زیادہ خریداران مہیا کرنے کی کوشش وسعی پیہم کروں گا۔ آپ اس تحریر کو عہد سمجھیئے۔ میری یہ خواہش ہے کہ اکٹھا رقم آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کی سوانح حیات کی طباعت کا انتظام جلد از جلد ہو سکے۔ آپ دعا فرمائیں۔ میں کوشش کرتا رہوں ،، (کارڈ ۲۱ر نومبر ۵۰ء)

(۲۶) جناب مولوی محمد موسیٰ صاحب امام الجمعہ والجماعت دیلور ,, ادام اللہ ظلکم العالے خداوند جناب کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک بصحت وعافیت باقی رکھ کر خدمت دین ومذہب وتکملہ سوانح امیر المومنین علیہ السلام و دیگر ضروری کتابوں کی تالیف وتصنیف کا موقع دے۔ کم از کم اتنا تو ہو کہ جناب صاحبزادے جناب کے سامنے ادارۂ اصلاح کو سنبھالنے، چلانے، ترقی دینے اور مسلسل تالیف وتصنیف کتب علمیہ وتحقیقیہ کے قابل ہو جائیں۔ بہ ظاہر دنیا والے تالیف وتصنیف کو سہل وآسان سمجھتے ہیں لیکن سرسری تالیف وتصنیف اور ہے اور تحقیقی وذمہ دارانہ تحریر اور ہی ہے جس میں دنیا کے جملہ مصنفین ومؤلفین کی کثیر تعداد میں مشکل سے شاید دس پندرہ نکل سکیں۔ مرحوم حجۃ الاسلام مولانا سید

علی اظہر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ۔ اور جناب کی تالیفات وتصنیفات کے حوالہ جات آنکھ بند کر کے دیے جاسکتے ہیں اور کوئی اندیشہ وفکر نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جو وسعت نظر اور کتابوں پر اطلاع جناب مرحوم کو تھی اور آپ کو ہے وہ جناب کی اولاد میں بھی بدرجہ اتم ہو تب تو ادارۂ اصلاح دن دونی رات چوگنی ترقی کریگا۔

اور اس کے لئے محنت شاقہ، شب وروز کا مطالعہ، شوق تحقیق وطرز تحریر کی سخت ضرورت ہے بغیر اس کے مؤلف ومصنف کامل بننا ممکن نہیں۔ اگر جناب خود اپنے صاجزادوں کو علمی مشق کرایا کریں تو انسب ہوگا۔ زیادہ حدِّ ادب،، (کارڈ ۲۲؍فروری ۵۱ء)۔

(۲۷) جناب خاں بہادر سید اصغر عباس صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کراچی مکرمامی۔ سلام مسنون جناب امیرؑ کی سوانح عمری کی جو شان اشتہار سے معلوم ہوتی ہے اس کی یقیناً بڑی ضرورت ہے۔ اور جناب کے ادارہ کی خدمات دینی سے یہ امید قائم ہوتی ہے کہ جناب کا ادارہ یہ ضرورت خیر وخوبی سے پوری کرے گا۔ نمونہ کا پرچہ بھیج دیجئے،، (مکتوب ۶؍اپریل ۵۱ء)

(۲۸) لکھنؤ کا مشہور اور معزز علمی وتحقیقی اخبار پیام اسلام ادارہ اصلاح کا زیر تجویز مذہبی کارنامہ اس وقت مذہبی تبلیغ کے جتنے شیعی ادارے ہیں ان میں کھجوا ضلع سارن کا ادارہ اصلاح غالباً سب سے قدیم ہے اور اس نے اپنے بانی جناب فخر العلماء مولانا سید علی اظہر صاحب مرحوم۔ اور ان کے بعد ان کے خلف الصدق مولانا سید علی حیدر صاحب دامت برکاتہ کے مسلسل مجاہدات قلمی سے مذہبی معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیش کیا ہے جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ اب اس ادارہ کی طرف سے جس جدید کارنامہ کا اعلان ہوا ہے وہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی جامع مکمل اور تحقیقی سوانح عمری ہے جس کے متعلق ارادہ یہ کیا گیا ہے رسالہ اصلاح کے ساتھ مستقل طور پر چالیس صفحہ ماہوار اس کے شائع کیے جائیں اس طرح ہر سال تقریباً پانچ سو صفحات پر سوانح عمری کی ایک جلد مکمل ہوجائے گی اور سات برس میں اس سوانح مبارکہ کی سات جلدیں مکمل جائیں گی۔

ہم اس کارنامہ کے بخیر وخوبی انجام پانے کے لیے دست بدعا ہیں اور افراد قوم کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وہ اس اہم دینی خدمت کی تکمیل کے لیے ادارہ اصلاح کے ساتھ بیش از بیش تعاون سے کام لیں،، (مورخہ ۱۶۔ ۲۴ مارچ ۱۹۵۱ء)

(۲۹) جناب خاں بہادر ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسین صاحب مظفر پوری مولوی فاضل ملا فاضل بی، اے، پی، ایچ، ڈی (لندن) سابق متولی وقفہ محسنیہ ہوگلی وحال ریلیف افیسر گورنمنٹ اسیٹ بنگال ڈھاکہ حضرت حجۃ الاسلام حامی الایمان قامع المنکرات والبدعات، کاشف رموز الاحادیث والآیات عالم یگانہ محقق فرزانہ فخر بہار نازش۔

شیعیان ائمہ اطہار دامت برکاتکم وزینت افاداتکم واطال اللہ عمرکم آمین بحق طٰہٰ ویاسین والہ المنتجبین سلام اللہ علیہم اجمعین۔

سلام عن الرحمان نحو جنابکم فان سلامی لا یلتق بیابکم
وسلام الطف من الرحیق وجاك عن الود الوثیق؟

امید کہ مزاج عالی قرین افضال جناب باری ہو۔۔۔۔اصلاح آنے لگا اور اس میں سوانح جناب امیر المومنین علیہ السلام اور اس کے متعلق آپ کا بندوبست جلدوں کے نام اور کچھ حالات کی طرف اشارہ جو مسرت بے پایاں حاصل ہوئی اس کا لکھنا تو زبان قلم سے ناممکن ہے بس اسی وقت سے دعاؤں میں اضافہ کر دیا کہ خداوندی دقیوم آپ کی عمرو اقبال وقوت وہمت میں ترقی عطا فرمائے۔اور اگر خدانہ کردہ حیات مستعار باقی نہ ہو تو کم از کم ہماری عمر بیکار میں سے اس قدر آپ کو دے دے کہ یہ سوانح عمری ختم ہو جائے خدا شاہد ہے کہ قلب سے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتا ہوں اور آپ کی تحقیق وتجسس اور ہمت پر ناز کرتا ہوں۔بس دعا کرتا ہوں کہ آپ سو برس اور زندہ رہیں۔آپ آریا سے لڑے۔قادیانیوں سے بھڑے اشاعرہ کا مقابلہ کیا اور سب میں کامیاب ہوئے خدمت دین کا یہ شوق جو آپ کو ہے یا حضرت سلطان المحققین فخر الحکماء طاب ثراہ کو تھا۔خدا کرے یہی شوق، یہی ہمت، یہی حوصلہ آپ کے اخلاف میں بھی ہو۔۔۔۔آپ نے تو یہ سب کڑیاں جھیلی میں اور ہر میدان میں مرد رہے ہیں بیٹا بھی ویسا ہی اپنا سا بنائیے کہ دار التبلیغ بہار (کھجوہ) اپنی ۷۵ سالہ خدمت دین وملت باقی رکھ سکے میں اصلاح کے لیے اور خصوصیت سے سوانح عمری کے لیے کوشش کر رہا ہوں۔عید ایک جنرل اپیل کر چکا ہوں۔وہ اسٹیڈ ورک تھا۔اب تفصیلی کام شروع کروں گا۔مگر اس کے لیے اگر آپ کے پاس رسید بہیاں ہوں یا فارم خریداری ہوں تو فوراً مجھے بھیج دیجئے۔میں اپنی عمر میں حاجی چندہ اور حاجی شکم بندہ کبھی نہ بنا مگر انجمن وظیفہ سادات ومومنین کے لیے بھیک کی جھولی گلے میں لٹکائی تھی اور اب اصلاح کے لیے دریوزہ کرنے پر آمادہ ہوں جو جمود وخمود ہماری ملت میں ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں مگر پھر بھی میں ناامید نہیں ہوں،،

یہ سوانح عمری کیسی ہورہی ہے؟

مذکورہ بالا رایوں سے واضح ہوا کہ ہندوستان وپاکستان کے تمام مومنین حضرت کی عظیم الشان سوانح عمری کے لیے بے چین تھے۔غرض خدا کے فضل سے سوانح عمری کی اشاعت شروع کر دی گئی۔اور پہلی جلد اعجاز الولی ۱۹۵۱ء میں پھر اور دوسری جلد قرآن ناطق ۱۹۵۲ء میں اور تیسری جلد ثقل اکبر سنہ ۱۹۵۳ء میں مکمل ہو کر اردو داں دنیا کے مومنین تک پہنچ گئی۔منعم حقیقی کے بے حد وانتہاء احسانوں سے یہ تین جلدیں کیسی ہوئیں۔اس امر کا اندازہ ان خطوط سے ہو سکتا ہے جو برابر موصول ہوتے رہتے ہیں جن سے چند کی عبارتیں یہ ہیں:

(۱) جناب سید نجیب حسین صاحب سکندر پور ضلع فیض آباد جناب قبلہ وکعبہ مولانا سید علی حیدر صاحب مدظلہ العالی اصلاح ماہ جنوری وفروری ۵۱ء ملا پڑھ کر جو خوشی ہوئی عرض نہیں کر سکتا۔درگاہ مجیب الدعوات میں دعا یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور کا سایہ ہم سب پر تادیر قائم رکھے بحق محمد وآلہ الامجاد،،

(۲) جناب سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل سیالکوٹ (پاکستان)؛؛ محترمی مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ مدیر ماہوار رسالہ اصلاح۔سلام مسنون رسالہ اصلاح مع ضمیمہ نفس رسول موصول ہوا نہایت ہی لا جواب اور عمدہ مضامین ہیں۔اللہ تعالیٰ بحق جناب امیرؑ ان مجلدات کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔مزید امداد کے لیے کوشاں رہوں گا تا کہ ان جواہر ریزوں کی قدر ہو۔:

(۳)Ahmad Husain Sharib Deoji Ashura (T.T Africa)Maulana Syed Ali Haider Saheb Qibla.

It gives me a graet pleasure in addressing this latter wich i hope will find your good health. being greathy intrested in urdu litrature one of my freinds here pased out to me awhob set of your moulhty اصلاح of the year /1950.on reading them i was greatly the high standerd of your prapgation Shia Mazhab of

(۴) جناب سید ظہیر حیدر صاحب پھول پور ضلع اعظم گڈھ ''جناب مولانا مدظلہ۔ مجھے بے حد مسرت ہے کہ آپ نے ایسا کام شروع کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ سیرت علیؑ کی سخت ضرورت ہے خدا آپ کو کامیاب کرے آمین۔''

(۵) جناب خاں صاحب آغا سلطان مرزا صاحب دہلوی ریٹائرڈ جج از کراچی ''رسالہ اصلاح ماہ جنوری ۵۱ء ملا۔ اس میں نفس رسول کے پہلے حصہ اعجاز الولیٰ کے چند صفحات جو شامل ہیں وہ میں نے دیکھے ماشاء اللہ بہت اچھی رفتار ہے اگر اس بنیاد پر پوری عمارت بنی تو ایک یادگار ہوگی۔ خدا آپ کی ہمت میں ترقی اور عمر میں زیادتی دے تاکہ یہ کام پورا ہو سکے۔ میں نے اپنے وعدہ کے ایفاء میں آٹھ نسخے سیرت فاطمہؑ کے روانہ کر دیئے ہیں اگر چہ جو عظیم الشان کام آپ نے شروع کیا ہے اور جس امداد کا وہ مستحق ہے اس کے آگے یہ حقیر مدد کچھ بھی نہیں لیکن اس زن مصر کا ہم خیال ہوں جس کے خیالات کو شاعر نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے

ایں قدر باشد کہ دشمن یا کہ دوست　　　گوید ایں زن از خریداران دوست

مجھے تسلیم ہے کہ میں نے لکھا تھا یہاں بہت بڑے دولتمند سیٹھ ہیں اور اگر ان سے طلب اعانت کی جائے تو ایک کیا ایسی کئی سوانح عمریاں طبع ہو سکتی ہیں لیکن ۔۔۔۔ دولت و علم اکثر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ امریکہ، انگلستان، اور جرمنی میں ایسی مثالیں ہیں کہ دولت مند افراد نے اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ اشاعت علم میں دیا لیکن ۔۔۔۔۔ بہر صورت کوشش کیے جائیے۔

(۶) جناب مولوی محمد موسیٰ صاحب قبلہ امام الجمعہ والجماعت دیلور ''سوانح امیر المومنین علیہ السلام کی ابتداء جس عنوان سے کی گئی ہے ۔۔۔ میں چونکہ جناب کی اکثر و بیشتر تصنیفات و تالیفات کو پڑھ چکا ہوں ۔۔۔ اب تک امیر المومنین علیہ السلام کی جتنی سوانح عمریاں شائع ہوئی ہیں ان میں فقط حضرت کی زندگی کے چند پہلو پیش کیے جا سکے ہیں۔ زیادہ تر حضرت کے فضائل کی حدیثیں ہی جمع کی گئی ہیں یا فقط کچھ علمی کمالات و مجاہدانہ سعی و محاربات کو لکھا گیا ہے۔ حضرت کی زندگی کے دوسرے رخ و اوصاف و کمالات و طرز معیشت وغیرہ کے لکھنے کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اس لیے اس تالیف کا کام اسی نیت سے شروع کیا گیا کہ حضرت کی زندگی کے حالات و واقعات و اوصاف و کمالات جو عوام تو عوام اکثر خواص کی نظروں میں نہیں ہے وہ سب لکھتے جائیں تاکہ حضرت کی زندگی کا کوئی پہلو تشنۂ تحریر و توضیح نہ رہ جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر چہ حضرت جامع صفات و مخزن کمالات تھے اور حضرت میں از ولادت تا شہادت کسی قسم کا عیب و نقص نہ ذات میں نہ صفات میں تھا جیسا کہ ہم آئندہ ثابت کریں گے مگر پھر بھی حضرت کے زمانہ میں اور بعد میں صدہا برس تک آپ کے مخالفین اور دشمنوں نے جو

اتفاقات زمانہ کے ہاتھوں طاقتور، اور باحکومت تھے حضرت کے اوصاف وکمالات چھپانے اور مٹانے اور بے بنیاد عیوب ونقائص لگانے اور ظاہر کرنے میں تحریراً وتقریراً ایسی کوششیں کیں ناواقف لوگ ان کو سچ سمجھنے لگے جیسا کہ کسی سنی عالم کے والد ماجد کا عقیدہ سن سنا کہ یہ تھا (جو جناب ہی کی کسی تالیف میں شاید ہے) کہ حضرت علی علیہ السلام سے ایک انڈے کے برابر بغض ضرور رکھے وغیرہ وغیرہ ۔۔۔اب تک اُردو میں جتنی سوانح عمریاں لکھی گئیں وہ سب بہت کچھ دعوے اور زور وشور سے لکھی گئیں جو بعد میں مطابق دعوی نہ ہوسکیں ۔جناب اور جناب کا ادارہ ان باتوں سے بہت بلند ہے۔

ادارہ اصلاح اور جناب نے جو ٹھوس اور مستحکم کتابیں پیش کیں وہ اردو زبان میں دوسروں سے ناممکن ہے۔اگر جناب اپنی تالیف میں ضعیف وموضوع روایتوں سے دامن بچاتے ہوئے صحیح ومستند روائیتیں اور چیزیں پیش فرمائیں تو انشاء اللہ تاقیام قیامت یہ تالیف فرد فرید رہے گی۔میں نے فقط اپنے جذبات دلی اور جناب سے تعلق قلبی کی بناء پر اتنی جرأت کی ہے۔:(خط مورخہ ۳۰ رمئی ۱۹۵۱ء)

(۷) جناب میر علی اکبر صاحب موسوی مرچنٹ کوٹا پڑ ضلع کوراپٹ (اڑیسہ) حضرت عماد الملۃ والدین ادام اللہ فیوضکم ۔تسلیم خدا گواہ ہے میرے کو اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ عرض نہیں کرسکتا۔خداوند عالم بطفیل ائمہ اطہار آپ کا سایہ تمام شیعان ومومنین کے سروں پر قائم ودائم رکھے۔آمین ثم آمین حضرت مولائے متقیانؑ کی سوانح حیات جب سے شروع ہے سب بھیج دیجئے۔میں نے جو کچھ حاصل کیا وہ اصلاح سے ہی حاصل کیا ورنہ جنگل میں سوائے جہالت اور رذالت کیا دھرا ہے۔خداوند عالم آپ کے وجود کو سلامت رکھے اصلاح جاری ہوگیا انشاء اللہ مومنین کے لیے اچھا ذخیرہ مہیا کردے گا۔

(۸) جناب مولوی سید زین العابدین صاحب پرشین ٹیچر گورمنٹ اسکول سہارنپور "محترمی سلام علیکم۔انیس لائبریری میں ماہ اپریل کا اصلاح دیکھ کر مجھے اپنے اصلاح کی فکر ہوئی۔گھر میں دریافت کیا۔اسکول میں پتا لگایا، ڈاک خانہ آدمی روڑائے لیکن ہر جگہ سے نہیں نہیں کی آواز سنائی دی اب پریشان ہوکر کھجوا تک چلا آیا کہ اس در سے ردسوال ناممکن ہے جب تک اصلاح کی صورت نہ دیکھ لوں گا ماہی بے آب کی صورت تڑپتا رہوں گا۔ہم اس کے پرانے پروانے ہیں اوروں کو پروانہ ہو نہ ہو۔دل اس سے ایسا پرچا ہوا ہے کہ اگر اتفاقاً کوئی پرچا وقت سے نہیں ملتا تو ہاتھ ملتا ہے۔بچے اسے تعویذ کی طرح رکھتے ہیں اور بیوی شوق نیند سے زیادہ اسکی شوقین ہیں ایسے گوہر شب چراغ کے گم ہونے سے گھر میں اندھیرا ہے۔اندھیرا ہی نہیں بلکہ اندھیر مچا ہے میں کیسے کیسے سمجھاؤں بس اب آپ ہی اصلاح سے ان کی اصلاح کیجئے۔آئندہ پھر کبھی حاضر ہوکر کچھ عرض کروں گا اس لیئے کہ بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے کارڈ: کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیان کے لئے "

(۹) جناب ماسٹر سید فقیر حسین صاحب رضوی کربلائی ہلوری "جناب مولانا دام ظلہ۔اگرچہ پایاں عمر ہے مگر آپ نے وہ کام شروع کیا ہے۔جو بہت بڑا عظیم الشان کارنامہ ہے یعنی سوانح عمری جناب امیرؑ کا ارادہ کرکے اتمام کی فکر ہے خداوند کریم بحق محمد وآل محمد اتمام کو پہنچائے۔سبحان اللہ سبحان اللہ سیرت علیؑ یہی ہم معتقدین کی منجی وباعث نجات اور آپ کے لئے باعث صد ہزار فخر ومباحات ہے۔خداوند عالم مومنین ومومنات کے قلوب میں اس کی امداد واعانت مستقر کرے کہ جلد از جلد پہلی جلد تمام ہوجاوے خداوند عالم دارین میں جناب کو

جزائے خیر عطا فرمائے کہ اپنے مولائے دو جہاں کہ سوانح عمری چھاپ کر شائع کر دیجئے۔ کمترین حسب حیثیت اعانت کے لئے طیار ہے''۔

(۱۰) جناب سید صابر حسین صاحب دریاباد الہ آباد جناب مولانا تسلیم جو کام آپ نے شروع فرمایا ہے بڑا عظیم المرتبت ہے۔ جن علم و دست احباب سے آپ نے مشورہ طلب کیا ہے وہ دینی تاریخ میں فرد ہیں۔ خداوند کریم آپ کو آپ کے کام کو برکت عطا کرے تاکہ یہ نادر کام جلد انجام پاوے خداوند کریم آپ کی عمر میں مع صحت اضافہ فرمائے تاکہ یہ امر عظیم آپ ہی کی نگرانی میں سر انجام پاوے''

(۱۱) جناب خاں صاحب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی جج پنشنر از کراچی ''قبلہ و کعبہ۔ تسلیم۔ ماہ مئی و جون کا اصلاح میری نظر سے گذرا اور عجاز الولی کو میں نے پڑھا۔ اس کی تو کماحقہ تعریف کرنی بھی میری لیاقت سے باہر ہے۔ اتنی علمی کتاب صدیوں تک ایک مستند مخزن علم کا کام دے گی۔''

(۱۲) جناب سید محمد رضا شاہ صاحب خوشاب ضلع سرگودھا ''جناب مولانا صاحب قبلہ دام ظلکم۔ السلام علیکم۔ جناب امیرالمومنینؑ کی عظیم الشان سوانح عمری کا جو سلسلہ آپ نے شروع کر رکھا ہے۔

قابل صد آفرین و تحسین ہے انشاءاللہ العزیز کافی تعداد میں خریدار پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔''

(۱۳) جناب سید منظور عباس صاحب ''بی، اے'' ڈھاکہ ''قبلہ و کعبہ جناب مولانا صاحب دام ظلکم۔ سوانح عمری کے عنوانات بہت پسند آئے۔ دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم اس کام کی تکمیل آپ کے زیر سرپرستی ہی کرائے۔''

(۱۴) جناب مولوی غلام حسین صاحب زاہد فاضل دہلوی از تلہار سندھ ''جناب قبلہ و کعبہ مدظلکم العالی۔ دعا ہے کہ جلد جلد رسالہ اصلاح کے خریداروں کی توسیع ہوتی رہے اور سوانح مبارکہ جناب امیرالمومنینؑ اس آب و تاب سے شائع ہو کہ اپنے نور سے تمام عالم کو منور کر دے خداوند عالم آپ کو بہ صحت و عافیت ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ حقیقتاً آپ نے وہ دینی خدمت ادا کی ہے کہ ہماری زبان کو اس قابل ستائش و مدح الفاظ نہیں ملتے بس اس کا حقیقی صلہ دربار خدا میں و ائمہ اطہار علیھم السلام سے آپ کو ملے گا''۔

(۱۵) جناب سید عقیل حسین صاحب بھگاہی ضلع فیض آباد رسالہ اصلاح موصول ہوا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی وہ تحریر نہیں کر سکتا۔ خداوند عالم و قبلہ و کعبہ کا سایہ تادیر ہم سب پر رکھے بحق محمد و آل محمد آمین۔''

(۱۶) جناب مولوی غلام حسین صاحب تلہار (پھر لکھا) رسالہ اصلاح موصول ہوا۔ بے حد مسرت روحانی حاصل ہوئی۔ ماشاءاللہ آپ کا جو مضمون ہے حقیقتاً لا جواب ہے میری زبان قاصر ہے کہ اس کی شان کے موافق مدحیہ الفاظ لا سکوں۔ دعا ہے کہ حضرت رب العزت جناب والا کو ایک عرصہ دراز تک سلامت با کرامت رکھے تاکہ آپ کے تبحر علمی کے فیوض سے استفادہ و استفاضہ حاصل ہوتا رہے اور اسی طرح دین حق کی تائید ہوتی رہے۔''

(۱۷) جناب سید الطاف حسین صاحب اٹاوا یو، پی، ''جناب مولانا خداوند عالم آں جناب کو سوانح امیرؑ کے تکملہ تک کو زندہ و سلامت رکھے۔ زبان اُردو میں یہ نادر الوجود تالیف ناقابل فراموش احسان ہے۔

(۱۸) جناب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی پنشنر جج از کراچی بفضل خدا آپ نے ۲۰۰ صفحات اعجاز الولی کے نہایت خوبی وحسن ظاہری وباطنی کے ساتھ طبع کر دیئے ہیں۔ خدا مبارک کرے۔ اب آپ میدان میں اتر آئے ہیں لہذا ہر ایک مومن کا فرض ہے کہ کم سے کم ایک خریدار آپ کو مہیا کرے میں نے فی الحال دس خریدار مہیا کر لیے ہیں۔ اور کراچی کے بعض مومنین کو یہ خط لکھا ہے میں آج آپ سے پانچ روپے فی سال لینا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ماہ نامہ اصلاح نے ملت حقہ کے لیے کتنا کام کیا ہے۔ مجھے تو جب سے شعور آیا ہے اسی غازی کو میدان میں لڑتے ہوئے دیکھا۔ اب انھوں نے جناب امیرؑ کے سوانح حیات لکھنے شروع کیے ہیں دو صد صفحات ہو گئے ہیں بہت بڑی اسکیم ہے جو یادگار رہے گی اصلاح کے ساتھ چھپ رہی ہے میری درخواست آپ سے یہ ہے کہ آپ ہر ایک صاحب علیٰحدہ علیٰحدہ اس کے subscriber ہو جائیں۔

(۱۹) جناب بابو محمد تقی صاحب رئیس وزمیندار بدایوں یو، پی فخر قوم جناب مولانا دام ظلکم۔ اعجاز ولی درحقیقت چودھویں صدی کا اعجاز ہے جو آپ کے قلم اعجاز رقم سے نکل رہا ہے خدا آپ کی عمر ودولت میں برکت دے اور آپ اس کو نہایت اطمینان سے انجام دیں۔
یہ آپ کی یادگار تا قیامت رہے گی۔ اگر چہ مولائے کائناتؑ کے وزیر اور روح مقدس کے ذکر کی تکمیل تو ناممکن ہے تاہم آپ سے بہت کچھ امید ہے۔ رب العالمین آپ کو جزائے خیر دے خریداران جدید کی کوشش کر رہا ہوں مطمئن رہیں۔

(۲۰) جناب سید علی امام صاحب بی، اے پٹنہ یونیورسٹی" خدا کرے کہ جو بیش بہا کام آپ نے شروع کیا ہے اس کو بخیر وخوبی انجام دلوا دے کیونکہ آپ کی ہستی قوم کے لیے مائیہ ناز ہستی ہے۔ اس پرچہ سے ہم کو وہ بات معلوم ہو رہی ہے جو کہ اب تک نہ معلوم تھیں۔

(۲۱) جناب سید محمد امیر صاحب ایڈوکیٹ مظفر نگر: اب جس قدر صفحات زیادہ چھپتے جاتے ہیں پڑھنے والوں کی دلچسپی پیدا ہوتی جاتی ہے چنانچہ ایک صاحب نے بہت تعریف کی کہ بہت اچھی کتاب چھپ رہی ہے پچھلے دو تین نمبروں سے دلچسپی زیادہ پیدا ہوتی جارہی ہے۔ میری رائے ہے کہ نومبر ودسمبر کا رسالہ ایکجائی چھپوا دیا جائے اور مضامین اس نمبر میں متروک کر دیئے جائیں اور صرف کتاب سوانح کی پہلی جلد کے بقیہ صفحات مکمل کر دیں

(۲۲) جناب سید علی نصیر صاحب پنشنر تحصیلدار انباری ضلع اعظم گڈھ" میرے قبلہ وکعبہ پروردگار عالم وعالمیان پیدا کنندہ زمین وآسمان بحق وبواسطہ اپنے حبیب اور ان کی آل طاہرینؑ کے حضور کو بصحت وعافیت رکھے تاکہ سوانح عمری حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی جملہ جلدیں زیر پرستی آں جناب شائع ہو جائیں۔ دل تو یہی دعا دیتا ہے کہ جناب کو عمر طویل عطا فرمائے۔ اور ظہور قائم میں ساتھ ہوں انشاء اللہ آمین یہ وہ کام خیر وبرکت کا جناب کر رہے ہیں جس کا کرنے والا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا نہ کسی نے آج تک کیا ہے۔ پھر اپنے خدا سے یہی دعا کرتا ہوں کہ جناب کو بہمہ وجوہ تندرست ہمیشہ رکھے ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد بوجہ پیرانہ سالی خود دورہ کرنے سے معذور ہوں ورنہ جی یہی چاہتا ہے۔
کہ دوڑ دھوپ کر کے جتنے خریدار ممکن ہوں بہم پہنچاؤں۔ تاہم کوشش سے غافل نہیں ہوں کئی احباب سے تاکید بھی کر چکا ہوں

(۲۳)G.M.V.Dharsi esqrz amzib or

I understand the amx letyaudzeal fowr hostorical books pertanining the life of our dord Imam Hazrat Ali my opinion is such books would be refered like eucyclapediasoa occasion the books will permalleutly ermaiu as a good guide for futre generation.

(۲۴) جناب سید زائر حسین صاحب کراچی اصلاح کو بہت توجہ سے پڑھ رہا ہوں۔ میں نے جہاں تک شیعہ مذہبی رسالہ پڑھے اصلاح سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ گو کہ آج تک رسالہ میں امیر المومنین علیہ السلام کی سوانح عمری مسلسل آرہی ہے لیکن جو دو تین مضمون اس کے علاوہ تھے وہ بھی ہر لحاظ سے بہت مفید اور پراز معلومات تھے۔ رسالہ کے نئے خریداروں کی انتہائی کوشش کر رہا ہوں اور انشاء اللہ کم از کم دس خریدار جنوری تک ضرور پیدا کر دوں گا۔ (خط ۱۴ر نومبر ۵۱ء)۔

(۲۵) جناب حکیم غلام بنی اظہر صاحب از بینڈہ اسحاق ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) اعجاز الولی کی تعریف نہ تو زبان قلم سے ہو سکتی ہے اور نہ ہی زبان خلائق سے انشاء اللہ عنقریب اس پر اظہار ہوگا"

(۲۶) جناب سلطان حسین صاحب صدر بازار لاہور کینٹ جناب قبلہ جس قدر کوشش آپ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ بہ تصدق ائمہ ہدیٰ علیہم السلام آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے سوانح عمری کیا ہے؟ اسلام کی سچی تصویر ہے اور اگر ایمان کی بات پوچھی جائے تو ایمان کامل کی سوانح عمری ایسی ہی ہونی چاہیئے تھی

(۲۷) جناب سید نذیر صاحب زیدی پیشکار پنشنر گورکھ پور دعا کرتا ہوں یا جناب باری اس وقت تک مولانا کو زندہ وسلامت رکھو۔ جب تک سوانح عمری کی مکمل جلدیں شائع ہوں اور اس کے بعد جو کرنے کا مولانا خیال ہے اس وقت تک آپ کو زندہ وسلامت رکھے۔

ساتھ آپ کے مولوی محمد باقر صاحب سلمہ کی صحت سلامتی واقبال یاوری وطول عمری کی دعا کرتا ہوں جن کی زندگی سے ہماری قومی ومذہبی امیدیں وابستہ ہیں۔ جناب فخر الحکماء اعلیٰ اللہ مقامہ کے لیے برابر دعا کرتا ہوں ان کے مرتبہ علیا بابت سوانح عمری کو پڑھ کر ایمان میں جلا ہوئی۔ جناب رسولؐ خدا فلاں فلاں عمر میں مبعوث رسالت کیوں نہیں ہوئے کی ہے اس کو جن براہین قاطعہ سے جناب نے تحریر فرمایا ہے ایسے ہیں کہ شبہ کا کوئی گوشہ باقی نہ رکھا اور ہر ہر موقع پر جناب امیر علیہ السلام کی فضیلت کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی ہے انشاء اللہ یہ سوانح عمری دنیائے اسلام میں قدیم المثال ہوگی۔ مطالعہ مضامیں سے جناب کی وسعت نظر وتبحر علمی وکمال مافوق قوت بشری کا اظہار ہو رہا ہے۔ جواہرات میں تولنے کے قابل مضامین ہیں۔

افسوس ہے کہ شیعوں میں علمی دلچسپی کا فقدان ہے ورنہ اگر دلچسپی ہوتی تو ایک صاحب ہمت و دولت تنہا اس کی اشاعت کا انتظام کر سکتے تھے۔ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قدر وسعت دی ہوتی تو میں تنہا اس امر عظیم کو انجام دیتا۔"

(۲۸) جناب مولوی سید محمد احسن صاحب راج نند گاؤں رسالہ اصلاح اور اس کے مضامین کی تعریف نہیں کر سکتا میں تو عرصہ دراز سے اس کا خریدار ہوں۔ اس لیے ہم لوگوں کی تعریف قابل اہمیت نہیں ہے جو لوگ خریدار نہیں ہیں وہ بھی معترف ہیں کہ اصلاح نے اپنے مضامین سے دین حق کی تبلیغ کا نہایت نمایاں کام انجام دیا ہے۔ اصلاح زندہ باد۔

(۲۹) جناب سید تہذیب حسین صاحب دہرہ دون سوانح عمری کے پڑھنے سے یہاں ایک صاحب نے مذہب شیعہ اختیار کرلیا ہے نام اور پورہ پتہ بعد میں تحریر کروں گا،،

(۳۰) سرپرست اصلاح محترمہ قومی بہن بمبئی' قبلہ نے دین کی بڑی خدمت کی ہے خدا ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ساتھ صحت کے صدوسی سال سلامت رکھے۔ آمین اعجاز الولی شاندار کتاب ہے۔ شاید ہی شیعی دنیا میں ایسی کتاب شائع ہوئی ہو۔ میں انشاء اللہ تعالی ۲۰ راپریل کو حیدرآباد جارہی ہوں۔ وہاں اعجاالولی اپنے ہمراہ لیے جاؤں گی۔ کوشش کروں گی کہ کچھ رقم دستیاب ہوئے اگر رقم حاصل ہوگئی تو روانہ کردوں گی۔،،

(۳۱) جناب مولوی موسیٰ صاحب امام الجمعہ والجماعت ویلور بقیہ اجزاء اعجاز الولی کے دیکھ کر آنکھوں میں نور دل میں سرور آگیا۔ خداوند آپ کے والد ماجد مدظلہ ودام فیوضہ کو عمر نوحؑ باصحت وعافیت عطا فرمائے کہ اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر دین حق کی اشاعت واعانت وحفاظت کا سودا مہیا کرتے رہیں آپ کے والد ماجد دام فیوضہ کی دماغی کاوشوں اور ابکار افکار کو مشاقین اصلاح تک پہنچانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔

درحقیقت آپ کے خاندان کی خدمات جلیلہ دینیہ فقط اس قابل نہیں ہیں کہ تحریروں اور خطوط میں تعریفوں کے پل باندھ دیئے جائیں بلکہ سچی تعریف اور حقیقی قدرشناسی یہ ہے کہ آپ کی خاندان کے مؤلفات زیادہ سے زیادہ خریدے اور اس کے خریدار پیدا کیے جائیں۔ اور اگر بدقسمتی سے کوئی نہایت ضروری اور قابل قدر نسخہ سرمایہ کی کمی سے اشاعت پذیر نہ ہوسکے تو اس کی طباعت واشاعت کا انتظام کیا جائے اس جلد کے مکمل ہونے پر آپ کے والد ماجد دام فیوضہ آپ اور آپ کے بھائی وغیرہ دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

(۳۲) جناب قریشی محمد حسین صاحب ہاشمی بھکر ضلع میانوالی (پاکستان) رب العالمین" سے التجا ہے کہ آقا و مولانا سید محمد علی حیدر صاحب قبلہ کو عمر خضر بخشے تا کہ وہ اپنے خیالات ہمارے لیے چھوڑ جائیں۔ آمین۔ اعجاز الولی دو ماہ سے زیر مطالعہ ہے اگر مضامین کتاب معجزہ ہیں۔ تو ترتیب وتحریر مضامین بھی تو معجزہ سے کم نہیں۔:

(۳۳) جناب سید محمد تقی صاحب بخاری بی، اے، بی، ٹی گورنمنٹ ہائی اسکول ضلع لائل پور (پاکستان) آج کل آپ جس گراں قدر خدمت کو انجام دے رہے ہیں اس کی وجہ سے اصلاح کی قدر وقیمت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔،،

(۳۴) جناب سلطان حسین صاحب لاہور اللہ تبارک وتعالیٰ جناب کو اتنی قوت عطا فرمائے کہ آپ اپنے مشن یعنی تکمیل کتاب نفس رسولؐ میں کماحقہ کامیابیاں حاصل فرما کر مزید کتب تصنیف وتالیف فرمائیں۔ اس میں شک نہیں کی کتاب اعجاز الولی اپنی نظیر آپ ہی ہے

مجھے یقین ہے کہ کوئی انصاف پسند انسان اس کو پڑھنے کے بعد انکار حقیقت ہرگز نہیں کرسکتا اس کا عربی، فارسی، اور انگریزی میں ترجمہ ہونا لازمی امر ہے تاکہ ترقی پسند دنیا حضرت کی کیفیات سے واقف ہوکر باب علم کے توسل سے شہر علم تک پہنچے۔ میری رائے میں اس کا غیر شیعہ حضرات تک پہنچانا زیادہ مفید ہوگا۔ میں نے اکثر اس کو سنی اور قادیانی احباب کو مطالعہ کرایا اور اس سلسلہ میں یہ معلوم ہوکر آپ کو مسرت ہوگی کہ ان کے معتقدات میں کافی اصلاح ہوئی۔"

(۳۵) جناب سید وزیر احمد صاحب پنشنر ہیڈ کلرک میمن ضلع بجنور "میں نے سوانح عمری حضرت علیؑ کی جلد موسومہ اعجاز الولی بہت غور سے دیکھی اور پڑھی۔ مولوی شبلی کی تمام جلدیں سیرۃ النبیؐ بھی میری نظر سے گذر چکی ہے۔ اس میں بھی مناظرہ ہے لیکن نہایت قابلیت کے ساتھ۔ شاندار الفاظ میں چھپا کر حقیقت پر پردہ ڈالنے کی سعی کی ہے۔ لیکن وہ کتابیں سوانح عمری کہی جا سکتی ہیں۔ آپ کی کتاب اعجاز الولی نہایت محنت اور قابلیت سے لکھی گئی ہے اور مکمل تحقیقات سے۔ حضرت علیؑ کی وہ جلد جس میں خلافت راشدہ کے زمانہ میں گوشہ نشینی مجبوراً اختیار کی اور جلدیں جس میں آپ کی ظاہرا خلافت ہوئی ان دو حصوں کے ترجمے انگریزی زبان میں ہونا چاہیے یہ دونوں جلدیں الفاروق کے طرز پر لکھی جاویں۔"

(۳۶) جناب اللہ بخش صاحب ماتوم مدرس رجانہ ضلع جھنگ (پاکستان) "نفس رسولؐ کی تکمیل پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ ایں کارساز تو آید و مرداں چنیں کنند اللہ تبارک وتعالیٰ حضور والاشعور کو عمر نوحؑ عطا کرے تاکہ دینی خدمات کما حقہ ادا کرسکیں ۔۔۔۔۔ آپ کے تحقیقی مضامین، طرز تحریر نہایت پسندیدہ ہے۔ اغیار کے بزرگان کا ادب کرنا قابل ستائش ہے۔ محبت اہلبیتؑ میں اہلسنت کو شیعہ شمار کرنا بالخصوص پسند آیا۔ حوصلہ افزائی ہی کلید کامیابی متصور ہوتی ہے حصہ اول مکمل ہو چکا ہے جزاک اللہ۔"

(۳۷) سرپرست اصلاح جناب لطف حسین صاحب ڈھاکہ "قرآن ناطق کی ابتدا ماشاء اللہ خوب ہوئی ہے خاص کر حضرت کے فضائل مخالفین کی زبان سے ہی بیان کیا جا رہا ہے مولوی وحید الزماں صاحب کے پاروں کے سلسلہ سے عبارت نقل کی گئی ہے یہ بھی ایک طریقہ ہے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ QUOTATION ہر عنوان سے علیحدہ علیحدہ ہوتیں مثلاً شجاعت سے متعلق یکجا ہوجاتیں سخاوت یک جا۔ علم کی یکجا وغیرہ اس میں جاں فشانی ضرور زیادہ ہوتی لیکن نتیجہ ظاہر ہے۔ مگر مولانا ایک جان کیا کیا کرسکتے ہیں؟ یہ ایک آدمی کا کام نہیں ہے اس کے لئے پورا عملہ چاہیے۔:

(۳۸) جناب سید فقیر حسین صاحب کربلائی از پھولپور ضلع اعظم گڈھ جناب قبلہ کعبہ مدیر اصلاح دامت فیوضہ۔ آداب وتسلیم ۔۔۔۔۔ اعجاز الولی اول سے آخر تک دیکھی سبحان اللہ نہایت تحقیق وتوضیح کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔ خداوند عالم بحق محمدؐ وآل محمدؐ اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین ہر ہر نکتہ ہر ہر جواب قابل توصیف ہے۔ اسی طرح قرآن ناطق کی بھی تحریر۔ زور قلم وتحقیق ظاہر ہے۔ خداوند عالم ظل عاطف عالی ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی بات تھی کہ ایسی سوانح حیات مرتب ہوئی اور مرتب ہو رہی ہے اور دشمنوں کا دنداں شکن جواب ہے۔ اعجاز الولی کی تحریر نہایت عمدہ ہے جو جو باتیں تحریر میں لائی گئی ہیں حق ہیں۔ زیادہ حدّ ادب۔" (۳۹) جناب خاں

صاحب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی، ایم، اے، ایل ایل، بی ریٹائر جج کراچی، ،قبلہ کعبہ مدظلہ العالی تسلیم۔ پرچہ اصلاح ملا۔ اس میں قرآن ناطق کا حصہ بھی شامل تھا۔ یوں تو ہر وقت آپ کی طول عمر کے لیئے دل سے دعا نکلتی رہتی ہے۔ لیکن جب اعجاز الولی یا قرآن ناطق پڑھتا ہوں تو خاص طور سے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند تعالی آپ کو کم از کم اتنی مہلت ضرور دے کہ یہ سب جلدیں آپ پوری کر سکیں۔ اگر اس سے زیادہ مہلت ملے تو سبحان اللہ ماشاء اللہ آپ خوب لکھ رہے ہے۔ خداوند تعالی آپ کو جزاء خیر دے اور مومنین ہند و پاکستان کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا کرے۔:

(۴۰) جناب مولانا سید غلام حیدر صاحب قبلہ وکعبہ مولوی فاضل واعظ شیعہ۔ شاہ پور، ،دوریڑ ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) بعالی خدمت فخر الا فاضل مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ جملہ علماء شیعہ میں صرف آپ ہی کا خاندان ہے کہ جن کی محنت شاقہ کیوجہ سے ہر فرد شیعہ مرہون منت ہے۔ خداوند عالم آپ کی مساعی جمیلہ میں اپنی توفیق ہر وقت رفیق رکھے۔"

(۴۱) جناب سید محمد عباس صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر پولیس لائن پشاور، ،عالی مرتبت مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ حفظکم اللہ۔۔۔۔۔۔۔ واقعاً اصلاح بہترین پرچہ ہے۔:

(۴۲) جناب مولوی سید عنایت علی شاہ صاحب مدیر اخبار درنجف سیالکوٹ، ،عالی جناب مستطاب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ دامت برکاتکم۔ سلام علیکم۔ کتاب قرآن ناطق پر آج نظر پڑی جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ جس خوش اسلوبی سے اسے تصنیف فرمایا ہے ویسی ہی صحت صفائی سے طبع کرایا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کتاب مکمل ہو جائے اور اس پر ریویو کیا جاسکے۔

(۴۳) جناب آغا سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل لائل پور (پاکستان) آج رسالہ الکلام (مرحوم) جو جناب قبلہ وکعبہ مولانا سید علی حیدر صاحب مدظلہ العالی کے زیر ادارت نکلتا تھا۔ نمبر ا جلد ا بابت ۱۵ رشعبان المعظم ۱۳۳۳ھ میرے زیر مطالعہ ہے۔ میں مضامین صفحہ رسالہ ہذا (الف تای) پڑھ کر بیساختہ پھڑک اُٹھا۔ عناوین سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی علمی زر وسیم کے انبار اپنے سامنے ڈھیر کئے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ کاش! یہ تمام رسائل مندرجہ الف تای یعنی ماہ رمضان المبارک تا رجب ۱۳۳۴ھ آپ مجھے عاریتاً یا قیمتاً ارسال فرمادیویں میں انکے لئے بے حد بے قرار اور بیتاب ہوں۔ یہ مضامین ساری عمر کتابوں میں پڑھوں۔۔۔۔ ہائے نایاب کسی جگہ نہ پاسکوں گا۔ جو آپ نے ان جواہر ریزوں کو ارزاں کاغذ میں بند کر دیا ہے۔ براہ نوازش یہ آپ کا مجھ پر احسان عظیم ہو گا کہ پرچے بہر حال بھیج دیویں۔ قیمت بھی دینے کو تیار ہوں اور پڑھ کر واپس بھی کرنے کو تیار ہوں۔

(۴۴) جناب شفاء الملک حکیم محمد میرن صاحب از بمبئی: "جناب قبلہ وکعبہ مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ دام مجدکم اس میں کلام نہیں کہ کتاب قرآن ناطق بھی اپنی آپ نظیر ہے۔ واقعی قوم پر آپنے جو احسان کیا ہے وہ قیامت تک فراموش نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک دنیا باقی ہے انشاء اللہ آپ کا نام زندہ رہے گا۔ خداوند کریم آپ کو ساتھ سلامتی کے زندہ سلامت رکھے اور مولا آپ کو اس کار خیر کا اجر دیں اور پوری جلدیں جلد از جلد مکمل ہو جائیں۔:

(۴۵) جناب سید علی مہدی صاحب رانی منڈی الہ آباد: حقیقت یہ ہے کہ ایسی گراں قدر کتاب دیکھنے میں نہیں آئی خدا آپ کی حیات میں ترقی عطا فرمائے اور اس کتاب کو بحسن وخوبی مکمل کرا دے۔ آمین

(۴۶) جناب مولانا خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری پروفیسر موگا کالج ڈسکا ضلع سیالکوٹ (پاکستان) نے اپنے مضمون مرقع عبرت،، مندرجہ اخبار رضا کار لاہور میں یہ عبارت بھی شائع کی ہے،، ادارہ اصلاح کھجوا کے علماء نے جو حقیقی معنوں میں برعظیم ہند و پاکستان کے شیعوں کے محسن ہیں اور جنھوں نے اردو زبان میں شیعہ مذہب کی تبلیغ واشاعت سب سے بڑھ کر کی ہے ایک رسالہ الکلام کے نام سے جاری کیا تھا اس میں نہج البلاغہ کا اُردو ترجمہ اور شرح شائع ہو رہی تھی مگر افسوس ہے کہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔:(اخبار رضا کار لاہور صفحہ ۵ مورخہ ۱ر مئی ۵۳ء)

(۴۷) جناب سید حسن اختر صاحب ایم، اے اسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ انٹر کالج اٹاوہ،، جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ دامت برکاتہٗ وفیوضہ سلام مسنون ۔۔۔۔ جناب نے اپنی تصانیف عالیہ میں سوانح حیات حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو بہ تسلسل محققانہ انداز کافہ ناس کے روبرو منظر شہود پر لانے کا جو عزم بالجزم فرمایا ہے الحق آپ کا یہ اقدام مستحسن ترویج مذہب حق میں ممد و معاون ثابت ہوگا اور طالبان حقیقت کو مشعل راہ ہدایت بن کر صراط مستقیم پر گامزن کرے گا۔ خدائے عزوجل جملہ مسلمین کو ان حقائق ومعارف سے جو آپ نے ان مجلدات مستطاب میں زیب قرطاس فرمائے ہیں مستفیذ ہونے کا شرف بخشے اور آپکو اعلاء کلمۃ الحق کے لیے عمر طبعی عطا فرمائے آمین ثم آمین۔:

(۴۸) جناب سید شاہد حسین صاحب ایڈمنسٹریشن سکشن اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ چاٹگام (پاکستان) جناب قبلہ وکعبہ۔ اعجاز الولی اور قرآن ناطق کی جلدیں زیر مطالعہ رہیں۔ مجھ جیسا کم علم کیا سمجھ سکتا کہ ہے ان نسخوں میں دریائے علم کے بیش بہا موتی کتنے ہیں اور کیا ہیں لیکن اس سے تو انکار نہیں کرسکتا کہ یہ ایسے موتی ہیں کہ کم علم بھی مستفیض ہوسکتا ہے۔ ہاں لیکن اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق یہ وہ احسانات ہیں حضرت مولانا آپ کے قوم شیعہ پر جو تا قیامت فراموش نہیں کیئے جاسکتے۔ خدائے رب العزت محمدؐ وآل محمد کے صدقہ میں مولانا مدظلہ کا سایہ ہمارے سر پر رکھے تاکہ وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب ہوں اور جناب امیرؑ کی سوانح مکمل دس جلدوں میں شائع کردے۔ آمین ساتھ ہی دفتر اصلاح کو فراموش کرنا عین احسان فراموشی ہوگی جو مدت دراز سے قوم وملت کی خدمت اور دین حق کی اشاعت اور اعانت میں ہمہ تن مشغول ہے خدا سے اس کی بقاء کے لئے دست بدعا ہوں۔:

(۴۹) جناب قریشی محمد حسین صاحب بھکر ضلع میانوالی،، جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ واقعی حضرت علیؑ قرآن پاک کے ہر ہر لفظ میں نظر آتے ہیں۔ اور قرآن مقدس کا ہر ہر لفظ علیؑ میں نظر آتا ہے لیکن یہ سب کمال آں جناب قبلہ مولانا سید علی حیدر صاحب کا ہے جنھوں نے قرآن ناطق لکھ کر ہمیں اپنے مرشد حقیقی کی شان دکھلائی خدا انھیں درازی عمر بخشے تاکہ انکی اسکیم پایۂ تکمیل کو پہونچے آمین

(۵۰) جناب حکیم غلام نبی اظہر صاحب از بندہ اسحاق ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) سیدی مولائی السلام علیکم۔ اعجاز الولی وہ کتاب ہے جسے اعجاز کہے بغیر چارہ نہیں پھر قلم اعجاز رقم کا اعجاز مخالف وموالف (اودیے بغیر نہیں رہ سکتے قرآن ناطق کا کیا کہنا گویا سطر سطر شہادت دینے پر ناطق ہیں کہ ہیرو) (درحقیقت) بولنے والا قرآن ہے۔:

(۵۱) جناب مولانا خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری سابق پروفیسر موگا کالج ڈسکا ضلع سیالکوٹ (پاکستان) علامہ حکیم سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے جو سرکار فردوس مآب مولانا السید حامد حسین اعلی اللہ مقامہ کے شاگرد تھے کجھوا ضلع سہارن (صوبہ بہار) کو تصنیف و تالیف کا مرکز بنایا اور اس سلسلہ کو ان کے فرزند ارجمند مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدظلہٗ نے جاری کیا اور تقویت دی اب ان کے سپوت مولانا محمد باقر اپنے آبائی روایات کی بقا کے لئے مصروف جد جہد ہیں مرکز تالیف کجھوا سے رسائل اصلاح ،الشمس، الکلام، اور متعدد کتب کے ذریعہ مذہب شیعہ کی ہندوستان میں وہ نشر واشاعت ہوئی کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے موضع چاند تحصیل موگا ضلع فیروز پور (پنجاب) کے ایک سید صاحب سید فضل حسین سلمہ اللہ تعالے ملا یا گئے۔ اور اپنے ساتھ اصلاح کی اٹھائیس ۲۸ جلدیں لے گئے۔ اور ان تالیفات کے ذریعے مشرق بعید کے ایک دور افتادہ ملک میں جہاں کی تمام مسلم آبادی شافعی مذہب تھی تبلیغ شروع کی' آج وہاں ہزار ہا شیعہ موجود ہیں "مضمون مرقع عبرت مندرجہ اخبار رضا کار لاہور ۲۴ جون ۱۹۵۳ء)

(۵۲) جناب سید غلام حیدر صاحب پٹرول نہر ضلع بریلی حضور قبلہ وکعبہ۔ خداوند عالم حضور کو عمر نوحؑ عطا فرمائے نیز اللہ تعالیٰ آپ کے قلم میں ذوالفقار حیدری کی قوت عطا فرمائے۔ حضور میری ناقدر دان قوم پر بڑا احسان فرمارہے ہیں۔ جزاک اللہ میں ایک نہایت غریب طبقہ کا انسان ہوں۔ اتنی وسعت نہیں رکھتا جو دل کھول کر اس کار خیر میں امداد کرسکوں"۔

(۵۳) جناب مرزا عباس علی صاحب سب اور سیر کرپیٹ ضلع منڈیا ریاست میسور" عالی جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ وکعبہ مدظلہٗ العالی۔ ہم (یعنی شیعہ) آپ کی قومی خدمتوں کے شکرگذار ہیں بس یہی تمنا ہے کہ خدائے عزوجل آپ کے پدر بزرگوار جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدظلہم کو شفا کامل عطا فرمائے۔ آمین۔ خاکسار نے سوانح عمری حضرت امیرالمومنینؑ کی دونوں جلدوں (اعجاز الولی اور قرآن ناطق) کا مطالعہ کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا انمول ذخیرہ ہے جس سے دنیا کو شیعیت کی اصلیت ظاہر کرنے کے لیے ایک معجزہ ہے یہ کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے دنیا والو سنو (اپنے دل کے کانوں سے سنو) سوچو اور سمجھو کہ آخر مذہب شیعہ کیا چیز ہے؟"

(۵۴) جناب بابو محمد تقی صاحب رئیس وزمیندار بدایوں حضرت مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ سرپرست رسالہ اصلاح قبلہ تسلیم یہ ثقل اکبر تو اعجاز الولی وقرآن ناطق سے بھی بڑھ گیا آپ کو شکوخوابمیں ضرور الہام ہوتا جو ایسے دنداں شکن مضامین آپ کے قلم اعجاز رقم سے نکلتے ہیں ۔یہ خدائی باتیں ہیں ورنہ یہ الفاظ اور اہل سنت کی معزز کتب صحاح ستہ کے حوالے لکھنا معمولی انسان کا کام نہیں ہے۔ جل جلالہ آں جناب کی عمر دراز کرے کہ یہ کل جلدیں آقائے مومنین کی آپ بہ آسانی ختم کرسکیں۔ یہ بیش بہا موتی مثل بخاری ومسلم کتب اہلسنت کے آپ کی یادگار تا قیامت رہیں گی مومنین آپ کے اس احسانات کو فراموش نہیں کرسکتے خدا آپ کو جزائے خیر دے آمین (۵۵) جناب سید عقیل صاحب بھگاہی ضلع فیض آباد ثقل اکبر کے چند صفحات دیکھ کر طبیعت بہت مسرور ہوئی۔ نفس رسول مکمل ہونے پر اپنی آپ نظیر ہوگی دعا ہے کہ پروردگار عالم بطفیل محمد آل محمدؐ جناب قبلہ وکعبہ کی موجودگی میں مکمل کرادے۔:

(۵۶) جناب مولوی سید رضا حیدر صاحب زیدی مدرس عربی شورکوٹ ضلع جھنگ (پاکستان) جناب قبلہ وکعبہ مولوی سید علی حیدر قبلہ مدظلکم

العالی۔سوانح عمری امیر المومنینؑ کی ابتدائی دو جلدیں بھی ارسال فرمائیں جناب نے یہ سلسلہ جاری فرما کر قوم و مذہب کی بہترین خدمات انجام دی ہے۔ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند امید ہے کہ یہ کتاب تاریخ اور مناظرہ میں حرف آخر کی حیثیت رکھے گی۔میں اصلاح کا جدی خریدار ہوں میرے جد مرحوم اور ان کے بعد میرے والد مرحوم اور اُن کے بعد حقیر برابر خریدار رہا۔:

(۵۷) جناب غلام حسن صاحب جھنگی محلہ راول پنڈی (پاکستان) مکرمی تسلیم۔میں نے چند کتابیں آپ کی پڑھیں جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ ایک اہم خدمت اسلام بجالا رہے ہیں۔حضرت ابوبکر کی سوانح عمری اور حضرت عمر کی سوانح عمری سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کی تحقیق کامل اور نظر بہت وسیع ہے۔اس قسم کی کتب جہاں مذہب شیعہ حقہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں وہاں غیر متعصب حضرات کو جادہ حق کی طرف رہنمائی بھی کرتی ہیں۔اللہ تعالی آپ لوگوں کر اس سے زائد ہمت و استقلال دے کہ آپ اپنی کوششوں کو جاری رکھ سکیں۔:

(۵۸) جناب مہدی حسین صاحب کاظمی از مظفر گڈھ (پاکستان) جناب قبلہ و کعبہ مولانا صاحب اعجاز الولی اور قرآن ناطق مکمل ہو چکی ہیں ثقل اکبر بھی انشاءاللہ مکمل ہو جائے گی سبحان اللہ جناب نے اور قبلہ مولانا صاحب مدظلہ نے دریا کو کوزہ کے اندر بند کیا ہے۔حقیر کے پاس کہاں الفاظ جو تعریف میں لکھ سکوں دعا ہے کہ خداوند کریم آپ صاحبان کا سایہ ہم لوگوں پر قائم رکھے۔عمر دراز ہوتا کہ قوم کی خدمت ہوتی رہے۔آپ وہ کام انجام دے رہے ہیں جو قیامت تک یاد رہے گا اور قوم فائدہ اُٹھاتی رہے گی۔

(۵۹) جناب چودھری نیاز محمد صاحب لاہور چھاؤنی "جناب مولانا سید محمد باقر صاحب مدظلہ العالی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت امیر المومنین کی عظیم الشان سوانح عمری کی پہلی جلد اعجاز الولی اور دوسری جلد قرآن ناطق اس بلند پایہ پر لکھی گئی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہے۔مذکورہ بالا دونوں جلدیں پڑھ کر مجھے بیحد مسرت حاصل ہوئی۔خداوند عالم قبلہ و کعبہ کا سایہ تادیر ہم سب پر رکھے بحق محمدؐ و آل محمدؐ۔آمین اور خدا آپ کی عمر و دولت میں برکت دے

(۶۰) جناب حاجی سید غضنفر حسین صاحب رئیس بدھان رسول پور دھولڑی ضلع میرٹھ" آپ کی تحریر نے جمہور مسلمین میں تہلکہ مچا دیا۔بہت سمجھ دار طبقہ حیران ہے۔کوئی جواب نہیں بنتا

(۶۱)Mohammed Ali R. abedina from mumra .

I Highly appreciate your continuous work of issuing the great biography of Hazrat Amir-UL-momenin and after going through them , realy have no suittable works to express for the major work which you undertake.

(۶۲) جناب سید صابر حسین صاحب دریا آباد" جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ۔تسلیم الحمد للہ ثقل اکبر سوانح عمری حضرت علیؑ کا تیسرا حصہ بہ حسن و خوبی تمام ہوا خداوند عالم جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ کو اجرء عظیم اس بے مثال قومی خدمت کے لیے عطا فرمائے۔اس کا

معاوضہ بشری قوت کے باہر ہے۔ خداوند عالم اور ائمہ معصومینؑ ہی ان کو اس کا اجر دے سکتے ہیں۔

(۶۳) جناب حکیم سید فضل حسین صاحب زبدۃ الحکماء جڑاں والا ضلع لائل پور (پاکستان) حضور کی یہ علمی اور قلمی خدمت شیعی دنیا پر احسان عظیم ہے جس سے قوم کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ مولائے کریم صدقہ مولی المومنین آپکی عمر اور صحت میں برکت کرے اور جملہ آفات و بلیات سے محفوظ اور مصئون رکھے۔ آمین

(۶۴) جناب سید افتخار علی صاحب جعفری مدرس ضلع لائل پور (پاکستان) آپکی تصنیف کردہ متعدد کتب میں نے منگوا کر مطالعہ کیا۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں تعریف کرسکوں۔ آپ دنیائے علم کے واحد مالک ہیں اور ایسے سمندر ہیں جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ آپ کو ضرور الہام ہوتا ہے۔ بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اے اللہ قبلہ صاحبان کو عمر خضرؑ اور صحت عطا فرما تاکہ آپ کے علمی خزانوں سے مخلوق خدا زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوسکے آمین ثم آمین۔

(۶۵) جناب سید علی شاہ صاحب رضوی پروپرائٹر کوئٹہ جنرل اسٹور کوئٹہ بلوچستان،، جناب مولانا۔ سلام علیکم۔ جناب کی کتاب مستطاب نفس رسول مسمیٰ بہ اعجاز الولی کی تعریف میری لیاقت سے کہیں بالا ہے۔ ابتداء سے انتہا تک چند مرتبہ پڑھا ہے اور بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے مگر تاہم سیری نہیں ہوتی۔ اگر سچ پوچھیں تو یہ کتاب اہل تشیع کے لئے نعمت عظمیٰ ہے اور میری دعا ہے کہ آپ اسی طرح لکھتے جائیں اور ہم پڑھتے جائیں کتاب ہذا میں جابجا مختلف کتابیں، رسالے اور متفرق تحقیقات جمع کر کے کافی سعی فرمائی ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے تاکہ دنیا والے اپنی چشم سے دیکھ لیں اور سمجھ لیں اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر نظر غائر ڈال کر تعصب کو بالائے طاق رکھ کر کتاب کا مطالعہ کرلیں اور حق و باطل میں خود بخود تمیز ہوجائے گی۔ آخیر میں پھر آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مابعد کی جلدوں میں بھی اسی طرح حوالہ جات سے کام لیتے جائیں گے۔ کتاب جوہر قرآن کے متعلق گزشتہ عرض کیا تھا کہ بھیج دیں۔

(۶۶) جناب احمد حسین صاحب شریف دیوجی صاحب از مقام موشی ملک افریقہ (انگریزی خط کا ترجمہ) حالی جناب مولانا صاحب میں نے بہت ہی توجہ اور شوق سے آپ کی ان تحقیقات کو پڑھا جو آپ نے ہمارے بڑے امام حضرت علیؑ کی سوانح عمری کے متعلق بے مثل کتابوں اعجاز الولی اور قرآن ناطق میں لکھا ہے۔ اور جو قیمتی مضامین آپ نے ان کتابوں میں درج کیئے ہیں ان کو نہایت مفید ضروری اور اہم سمجھتا ہوں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کل حالات جمع کرنے کے لیئے کوئی پتھر ایسا نہ تھا جس کو اُٹھا کر اور اُلٹ پلٹ کر ہر واقعہ کو نہ نکالا اور ان کتابوں میں نہ جمع کر دیا ہو۔ میری تمنا اور آرزو ہے کہ ہمارے شیعہ بھائی بہت کثرت سے آپ کے قیمتی مصنفات و مولفات میں دلچسپی لیں اور آپ کی دینی تحقیقات سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ میں اس لفافہ میں خوشی سے ایک رقم بھیج رہا ہوں جو میری طرف سے اس کتاب کی اعانت کے لیئے مختصر سا چندہ ہے۔،،

(۶۷) جناب چودھری سید اشفاق حسین صاحب رئیس اناؤ،، جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ مدیر اصلاح۔ سوانح عمری حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام جو آپ تحریر فرما رہے ہیں اس کی تعریف و توصیف میرے احاطہ تحریر سے باہر ہے واقعی یہ کتابیں بے مثل ہوں گی۔

خداوند عالم جناب مولانا مقتدانا مولوی علی حید رصاحب قبلہ کی عمر میں برکت دے کہ کل جلدیں طبع ہو جائیں کیونکہ موصوف نے یہ کام نہایت اہم و دشوار اٹھایا ہے۔ اللہ جل شانہ پایۂ تکمیل کو پہنچائے۔

(۶۸) جناب واعظ جلیل وخطیب نبیل حامی دین وایمان خان بہادر ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسین صاحب جعفری مظفر پوری مولوی فاضل ملا بی، اے، پی، ایچ ڈی (لندن) سابق متولی وقف محسنیہ ہوگلی وحال ریلیف آفیسر ڈھاکہ،، حامی ملت، ماحی بدعت، فخر بہار، فخر ہندستان، فخر شیعہ سلمکم اللہ تعالی ووقاکم عن الشرور والآ فات۔ بعد ہزاروں سلام خلوص اور لاکھوں دعائے صحت وسلامتی عرض ہے کارڈ موصول ہوا۔ آنکھوں سے لگایا۔ سر پر رکھا۔ بار بار پڑھا۔ آپ کی مقدس صورت دل کے آئینہ میں جھلک رہی تھی مجھے عبارت آرائی نہیں آتی۔ مجلس بھی دو اور چار پڑھتا ہوں۔ نہ آورد۔ نہ بنوٹ۔ نہ سخن پروری۔ خدا شاہد وعادل ہے کہ دن رات ہر نماز میں ہر مجلس کے بعد آپ کی صحت وسلامتی واطمینان قلب اور عمر واقبال کی دعا کرتا ہوں۔ آپ نے اردو زبان میں علامہ حلی وسید مرتضیٰ علیہما الرحمہ جیسی خدمات کئے ہیں۔ مذہب جعفری کے لیئے آپ کی خدمات رہتی دنیا تک کے لئے مشعل ہدایت رہیں۔ اور عبقات واستقصاء سے زیادہ عوام اس بحر فیوض سے مستفید و مستفیض ہوں گے میں اپنی خدمات اصلاح وسوانح مبارکہ کے لیئے وقف کر چکا ہوں اور کوشش کرتا رہتا ہوں مگر افسوس کوئی خاطر خواہ خدمت نہ کر سکا جس کے بہت سے اسباب ہیں پھر بھی انشاء اللہ میں امید کرتا ہوں کہ از سر نو اس تحریک کو پھر چلاؤں گا اور خود ایک ایک شخص کے پاس جا کر اصلاح کا خریدار بناؤں گا۔ اور انشاء اللہ ماہ رجب میں یہ کام زور سے کروں گا مجھے امید کامیابی ہے۔،،

---

[۱] آپ زیادہ انکسار سے کام نہ لیں آپ کی مجلسوں کی دھوم بمبئی میں مدت دراز تک رہی اور ان دنوں ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) میں آپ کا طوطی بول رہا ہے آپ کے والد مرحوم جناب حاجی سید محمد حسین جعفری صاحب عرف میر نواب جان صاحب متخلص بہ نواب مظفر پور (صوبہ بہار) کے بڑے باکمال بزرگ گزرے ہیں جن کے منظوم کلام قیمتی جواہر پارے ہیں مرحوم کے کلام سے مثنوی، بحر فیوض۔ طریق مرثیہ خوانی بھی ایک کتاب ہے۔

نرجس ورد کا مناظرہ مرقومہ نفحۃ الیمن کا سلیس منظوم ترجمہ بھی ہے صد کلمہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا منظوم ترجمہ بھی ہے۔ مرثیے اور سلام وقصائد وقطعات ورباعیات قابل دید ہیں انھیں کے آپ خلف الصدق ہیں جو ڈھاکہ کے مومنین کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو رہے ہیں۔ آپ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی اس سوانح عمری میں بھی علمی مدد کی کوشش کریں۔ اس طرح کہ یورپین مؤرخین ودیگر مصنفین نے شیعوں ائمہ اثنا عشر۔ جناب امیرؑ اور جناب سیدہؑ کے موافق جو قیمتی رائیں ظاہر کی ہیں ان سب کو جمع کریں سب کی تلاش میں پوری محنت کریں اور سب کو ہمیں بھیجیں کہ شائع کر دیں۔ ڈھاکہ میں کافی انگریزی کتابیں موجود ہوں گی پھر آپ پاس پورٹ لے کر پٹنہ بھی آسکتے ہیں اور پٹنہ کالج اور خدا بخش خاں کی لائبریری سے اس کام کو مکمل کر سکتے ہیں۔ ۱۲

باب اوّل

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا خاندانی فضل وشرف اور نسبی عزّت

اس خاندان کی عزت وجلالت کے بارے میں بڑے بڑے مورخین ومحدثین اسلام نے سیکڑوں صفحوں میں جو باتیں لکھی ہیں ان سب کا خلاصہ اردو زبان میں بہت جامعیت اور انشاپردازی سے زمانہ حال کے مشہور مصنف شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے جس کا اہم اقتباس درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔تحریر کیا ہے عرب کی آبادی کی ابتداء ابراہیمؑ سے ہوئی۔۔۔۔سارے عرب کا معبد ابراہیمؑ کا بنایا ہوا خانہ کعبہ تھا۔۔۔۔خانہ کعبہ کے مجاور اور متولی قبیلہ قریش کے لوگ تھے اور یہ قبیلے کا قبیلہ خانہ کعبہ کی خدمت تولیت کی وجہ سے معزز ترین قبائل سمجھا جاتا تھا پیغمبر ؐصاحب قبیلہ قریش کے معزز ترین خاندان میں پیدا ہوئے۔ہر چند قریش کا ادب خانہ کعبہ کی وجہ تھا اور خانہ کعبہ کا ادب بنائے ابراہیمؑ ہونے کی وجہ سے۔اور ابراہیمؑ بڑے پکے موحد تھے یہاں تک کہ ان کو عقیدۂ حقہ توحید کا موجد کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں۔اور موجد نہ سہی تو مروج اور مجدد ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔بہر کیف باوجود کہ اہل عرب نسل ابراہیمؑ اور فی زعمھم ابراہیمؑ کے مذہب پر قائم بھی تھے مگر مرورِ زمانہ کی وجہ سے توحید کو چھوڑ کر مشرک اور بت پرست ہو گئے تھے۔خدا نے پیغمبرؐ صاحب کو اسی ابراہیمی عقیدۂ توحید کو از سرنو زندہ کرنے کی غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا۔۔۔عرب کے لوگوں میں جو کچھ بھی خرابیاں رہی ہوں وہ بہادری اور مہمان نوازی میں پیش پیش تھے خصوصاً پیغمبرؐ صاحب کے اجداد امجاد۔۔۔۔۔

چار ہزار برس

کے لگ بھگ ہونے آئے کہ ابراہیم علیہ السلام جن کو یہود ونصاریٰ اور مسلمان کل اہل کتاب یکساں طور پر پیغمبر برحق مانتے ہیں اپنی بی بی ہاجرہؑ اور فرزند اکبر اسمٰعیل علیہ السلام کو جو ہاجرہؑ کے بطن سے تھے سرزمین مکہ میں لا کر بسایا۔اس وقت شہر مکہ کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا سنگلاخ پہاڑی زمین اُجاڑ پڑی تھی۔وہیں باپ بیٹوں نے عبادت کے لیئے چار دیواری سے کوٹھے کی طرح لمبوتڑی جگہ گھیر دی جو کعبہ کہلائی۔کچھ کم چار ہزار برس کی بات ہے۔اسی سے سمجھ لو کی ابراہیمؑ نے کس طرح کعبہ بنایا ہوگا چھت تک نہیں پاٹی۔مگر تھا کیا کہ ابراہیمؑ جبکہ ہر طرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی بڑے شدومد کے ساتھ عقیدۂ توحید کے پہلے رواج دینے والے تھے تو کعبہ اور اکیلی مسجد تھی جو خدائے واحد کی عبادت کے لیئے بنائی گئی۔۔۔۔خدا نے ابراہیمؑ کو اور ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے خانہ کو برکت دی تھی ابراہیمؑ کے فرزند اسماعیلؑ نے قبیلہ بنی جرہم میں اور اسمٰعیلؑ کے بیٹے نابت نے بنی خزاعہ میں شادیاں کیں اور یوں ابراہیمؑ کی نسل بڑھتے بڑھتے بجائے خود ایک قبیلہ بن گئی۔اُدھر خانہ خدا کی برکت سے نسل اسمٰعیل کے علاوہ عرب کے دوسرے دوسرے قبائل نے دین ابراہیمؑ کی پیروی اختیار کی اور خدا کعبہ ایک حساب سے تمام عرب کا معبد قرار پایا۔لوگ گروہ گروہ سال در سال حج

اور وقتاً فوقتاً عمرہ کرنے زیارت کعبہ کو آتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ متولیان کعبہ یعنی پیغمبرؐ صاحب کے اجداد۔۔۔ کیا کرتے کہ قبیلے کا قبیلہ تجارت پیشہ تھا۔ کبھی تو مصارف۔۔۔۔۔۔۔ کے لیئے متولی اپنے قبیلے میں چندہ کرتا اور باہمت ہوا تو سارا خرچ آپ اٹھاتا۔۔۔ پیغمبرؐ صاحب کا شجرہ نسب

عدنان

معد

مضر

الیاس

مدرکہ

خزیمہ

کنانہ

نضر

مالک

فہر

غالب

لوئ

کعب

مرہ

کلاب

قصیٰ

عبدالمناف

ہاشم	عبدالشمس
عبدالمطلب	امیہ
عبداللہ	حرب
محمد رسول اللہ	ابوسفیان

قصئ بن کلاب:

نے جو جناب پیغمبرؐ کے اجداد میں پانچ پشت اوپر تھا۔۔۔ مکہ کی حکومت اور خانہ خدا کی تولیت۔۔۔۔ کی اب سے قریش کے اقتدارات

بڑھنے اور پھلنے شروع ہوئے۔قصیؑ کا اصلی نام زید۔۔۔۔۔۔۔تھا۔مگر اس کے زمانے کے لوگ مجمع بھی کہتے تھے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے قبائل قریش کو بعد اس کہ وہ مختلف مقامات میں منتشر تھے قصیؑ کے زمانے میں اُس کی کوشش سے مکّہ میں جمع کر دیا تھا۔قصیؑ ابتداء ہی سے نیک چلن اور بامروت اور سخی اور دلیر تھا اور شروع سے اس کی طینت میں ہمدردی اور حمیت قومی خمیر کر دیا گیا تھا۔اس کے خیالات پاک اور بے لوث تھے اور اخلاق بالکل شائستہ اور مہذب اسی وجہ سے حلیل خزاعی نے جو بنوخزاعہ کا ایک نہایت دانشمند اور ممتاز سردار تھا اور خدا کے مقدس گھر کی تولیت جو ابھی تک بنوخزاعہ میں وراثتہ چلی آتی تھی اس کے ہاتھ میں تھی اپنی بیٹی حبی کو قصیؑ کے نکاح میں دے دیا تھا۔حلیل کی موت کا زمانہ قریب ہوا تو اس نے اپنی بیٹی قصیؑ کی بی بی کو خانہ کعبہ کی تولیت کی وصیت کی لیکن اس نے اپنے باپ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں خدا کے مقدس معبد کی خدمت کے قابل نہیں ہوں۔۔۔۔۔یہ خدمت کسی قومی اور ہوشیار مرد کے سپرد کرنی چاہیئے چنانچہ حلیل نے خانہ خدا کی تولیت کی باگ ابوغبشان خزعی کے ہاتھ میں دے دی۔۔۔مگر پھر چند ہی روز کے بعد قصی نے شراب کی کئی مشکیں اور کچھ اونٹ اور کچھ کپڑے ابوغبشان کو دے کر خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت خرید لی۔قبیلہ خزاعہ کو خبر ہوئی تو وہ نہایت جوش کے ساتھ قصی کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا۔قصی نے بھی نہایت چستی کے ساتھ قریش کو اور بنی کنانہ کو اپنی مدد کے لیئے جمع کیا۔دونوں فریق عین حرم اور خاص ایام تشریق میں معرکہ آرا ہوئے۔۔۔۔آخر کار صلح کی تحریک ہوئی۔۔۔یعمر بن عوف۔۔۔فیصلے کے لیئے منتخب ہوا۔۔۔۔یعمر نے بہ آواز بلند کہا۔۔۔میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے مقدمے میں میں نے ایسا صاف اور سیدھا فیصلہ تجویز کیا ہے جس میں ذرہ بھر ایک کا حق دوسرے پر چھوڑا نہیں گیا۔اس میں کچھ شک نہیں کہ قصی مکے کی تولیت کا استحقاق رکھتا ہے اور خانہ کعبہ کی حفاظت کا تعلق اُسی کو شایاں ہے اور وہی اس کو نباہ بھی سکتا ہے۔۔۔۔۔اُس وقت سے قصی مکے کا خود مختار اور مستقل حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایت اور رفادت اور حجابت اور ندوت اور لواء اور قیادت کے تمام عہدے اس کے ہاتھ میں آگئے۔اصل میں خانہ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت و بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اُس کا انتہا سے زیادہ ادب واحترام کرتا تھا۔(۱) سقایت یعنی حجاج کو پانی پلانے کی خدمت (۲) رفادت یعنی حاجیوں کو کھانا دینے کی خدمت (۳) حجابت یعنی خدا کے مقدس معبد کی حفاظت کی خدمت (۴) ندوت یعنی دارالندوہ میں صدر انجمن بننے کا استحقاق (۵) لواء یعنی لڑائی کے وقت علم برداری کی خدمت (۶) قیادت یعنی جنگ کے وقت لشکر کی سپہ سالاری کرنے کی خدمت قُصیؑ کے یوں تو کئے فرزند تھے مگر بلحاظ عمر میں سب سے بڑا عبدالدار اور بہ حیثیت فضل وشرف میں ممتاز تھا۔

عبد مناف

عبد مناف اپنے باپ قُصی کی زندگی ہی میں عظمت و بزرگی کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا۔اور اُس کے فضل و بزرگی کی دلچسپ حکایتیں قبائل قریش کی زبان پر جستہ جستہ آنے لگی تھیں۔چنانچہ اسی زمانے میں قریش نے اس کے وفور کرم اور سخاوت کی وجہ سے اس کو فیاض کا لقب دیدیا تھا اور عام قبائل میں وہ اسی لقب سے پکارا جاتا تھا مگر اکبر اولاد ہونے کی وجہ سے قُصی۔۔۔۔نے اپنے مرض وفات میں خانہ کعبہ کے تمام مذکورہ بالا عہدے عبدالدار کے نامزد کر دئے تھے۔۔۔الغرض قصی کے انتقال کے بعد عبدالدار اس جگہ سردار ہو گیا اور جو خاص خاص عہدے خود قصی کے متعلق تھے سب عبدالدار کے ہاتھ میں آگئے مگر بعد کو عبدالدار نے اپنی مرضی سے اپنے بھائی عبد مناف کو ان عہدوں میں اپنا شریک کر لیا۔۔۔۔۔۔۔

ھاشم

عبد مناف کے کئی فرزند تھے مگر سب میں زیادہ سیر چشم اور فیاض ہاشم تھے۔ ان کا اصلی نام عمرو تھا مگر علو شان کی وجہ سے لوگ ان کو عمر و العلاء بھی کہتے تھے یہ اور عبدالشمس حقیقی بھائی تھے اور اتفاق سے دونوں جوڑواں پیدا ہوئے تھے اور اس طرح پیدا ہوئے تھے کہ ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبدالشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ چپکا ہوا تھا کہ بجز سیلان دم الگ ہونا ممکن نہ تھا چنانچہ جب ہاشم کا پنجہ عبدالشمس کی پیشانی سے چھڑایا گیا تو اس قدر خون بہا کہ عبدالشمس سر سے تک پاؤں تک لہو میں نہا گیا اس پر اس زمانے کے کاہنوں اور نجومیوں نے دونوں کے متعلق یہ پیشن گوئی کی کہ عنقریب ان دونوں کی اولاد میں ایسی سخت اور عام خوں ریزی ہوگی جو تاریخ کے صفحوں سے کبھی نہیں مٹے گی اور ایسا ہی ہوا کہ ہاشم اور عبدالشمس کے بعد دونوں کی اولاد میں خوں ریزی متوارث ہوگئی یہاں تک کہ ۱۳۲ ہجری میں بنوالعباس جو ہاشم کی اولاد میں تھے اور بنوامیہ جو عبدالشمس کی نسل میں تھے دونوں میں حد سے زیادہ خونریزی ہوئی جس نے بنی امیہ کی قوت کا چراغ ہمیشہ کے لیئے گل کر دیا۔ ہاشم نے جو فطرۃً فیاض اور سر چشم تھا اہل موسم کی نگرانی کی خدمات شاہانہ عظمت کے ساتھ ادا کی۔ وہ خود بڑا دولت مند تھا اور قبائل قریش کے بہت سے عمائد اور روٴسا نے اس کے پاس ایک معقول رقم چندے کی جمع کر دی تھی کہ حاجیوں کی تواضع اور مدارات میں حسب مواقع اپنے ہاتھ سے خرچ کرے۔ جس رات ذی الحجہ کا چاند دیکھائی دیتا ہاشم اس کی صبح کو تمام قبائل قریش کو جمع کرتے اور خود کعبہ کی دیوار سے پیٹھ لگا کر دروازہ کے سامنے منہ کر کے کھڑے ہوتے اور ایک نہایت موٴثر خطبہ دلکش لہجے میں پڑھتے۔ جملہ عمائد قریش کو مخاطب کر کے نہایت زوردار لفظوں میں کہتے معاشر قریش تم عرب کے سردار ہو تمھاری وجاہت اور شرافت نسب اور ہوشمندی کا شہرہ عرب کے کونے کونے میں پڑا گونج رہا ہے اور تمھاری فضیلت و بزرگی سارے حجاز کو تسلیم ہے۔ تم خدا کے مقدس معبد کے ہمسائے ہو اور اس کے محافظ قرار دئے گئے ہو۔ خدا نے اپنی ولایت اور اپنے حق جوار کی وجہ سے تمام بنی اسمٰعیل میں تمھیں ممتاز فرمایا اور اپنے معزز گھر کی محافظت و خبر گیری کی خدمت تمھارے ہاتھ میں دیکر تمھیں خصوصیت کا تمغہ عنایت کیا ہے جو لوگ خدا کے اس تقدس مآب گھر کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی خاطر مدارات کرنے کے سب سے پہلے تم مستحق ہو۔ پس خدا کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائروں کی خوش دلی سے تعظیم وتوقیر کرو اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا پانی دو میں اس مقدس معبد کے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرے پاس اس قدر دولت ہوتی جس سے یہ سارے کام کاج چل جاتے تو میں تمھیں ایک درم کی بھی تکلیف نہیں دیتا اور بے دریغ اپنی ساری دولت خدا کے مہمانوں کی خدمت میں خرچ کر ڈالتا۔ میں اس موقع پر اپنی حلال کمائی اور طیب مال میں سے وہ رقم نکال کر چندہ میں دیتا ہوں جس میں نہ تو قطع رحمی کا شائبہ ہے اور نہ ظلماً جمع کی گئی ہے تو تم میں سے بھی جو شخص چاہے تنگ دلی سے نہیں بلکہ خوش دلی کے ساتھ ایسا کرے لیکن ساتھ ہی تمہیں بھی اس مقدس معبد کی حرمت وعظمت کی قسم دلاتا ہوں کہ جو مال خانہ خدا کے زائروں کی مہمانی اور ان کی خاطر و مدارات کے لیئے نکالو بالکل پاک اور بے لوث ہو۔ غرض کہ جب ہاشم اس طرح کا خطبہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو سامعین دولت کے جمع کرنے میں انتھک کوشش کرتے اور بہت سا مال اکٹھا کر کے دارالندوہ میں لا ڈالتے۔ خلاصہ یہ کہ ہاشم نے بڑی دریا دلی اور فیاضی کے ساتھ حجاج کی خدمت کر کے اور اپنا ذاتی بہت سا مال خرچ کر کے مکہ میں ایک عمدہ نظیر قائم کی اور ساتھ ہی قبائل قریش نے بھی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اس کو مال سے مدد دی۔ ہر ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے اپنی گنجائش کے موافق چندہ دیا اور حجاج کی ایک کثیر جماعت کو کھانے اور

پینے کی طرف سے مطمئن کردیا۔

جب تک اہل موسم کا ہجوم رہتا کھانا پانی نہایت سیر چشمی کے ساتھ برابر تقسیم ہوتا رہتا۔ اس طرح مکہ کی نام آوری ہاشم کی وجہ سے بخوبی قائم رہی مگر جس وجہ سے ہاشم کا نام بہت زیادہ مشہور ہوا وہ اس کی اعلیٰ درجے کی خیرات ہے جس کی اہل مکہ کو ہمیشہ سخت ضرورت رہتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرب میں کال پڑا اور قریش بھوکوں مرنے لگے۔ ہاشم سے یہ تکلیف دیکھی نہیں گئی۔ اپنی ذاتی بہت سی دولت لے کر ملک شام گیا اور وہاں سے آٹے اور روٹیوں کا بڑا ذخیرہ خرید کر اونٹوں پر لادلایا یہاں آ کر بہت سے اُونٹ ذبح کیئے اور کعک (بسکٹ) اور روٹیوں کو توڑ کر سالن میں بھگو اور ثرید بنا لوگوں کو یہاں تک کھلایا کہ وہ خوب سیر ہو گئے۔ اس وقت سے لوگ اُس کو ہاشم کہنے لگے ہشم کے لغوی معنی توڑنے کے ہیں۔ ہاشم نے سالن میں روٹی توڑ کر بھگوئی اور اُسے ثرید بنایا تھا اس سے ہاشم کے نام سے مشہور ہوا۔ ہاشم کو فیاضی اور سیر چشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت اور تمکنت و وقار بہت کچھ حاصل تھا اور قدرت نے اس کے جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص طرح کا اعتدال ودیعت رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائد اور وفود احبار اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کرتے تھے یہاں تک بادشاہ روم نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس بایں مضمون بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے نہایت حسین اور حسین ہونے کے علاوہ لطیفہ گو، بذلہ سنج۔ اگر تم یہاں آجاؤ تو میں تمہارے ساتھ اُسکی شادی کردوں کیونکہ میں نے تمہارے مکارم اخلاق اور جود وسخا کا شہرہ سنا ہے۔ ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کردیا اور روم کے بادشاہ کے پیام کی مطلق پروا نہیں کی[۱]

خزرجیوں میں کا ایک قبیلہ بنی عدی بن النجار یثرب (مدینہ) میں بستا تھا۔ ہاشم نے اس قبیلہ میں کی ایک شریف النسب اور نجیب الطرفین عورت سے شادی کی اور اسی عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا۔

عبدالمطلب

جو آگے چل کر عبدالمطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانہ حیات لبریز ہو کر چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ کر نہایت حسرت کے ساتھ عالم آخرت کا سفر کر گیا۔ عبدالمطلب کچھ عرصہ تک اپنی ماں کی آغوش محبت اور پھر اپنے چچا مطلب کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتے رہے اور جب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن شعور کو پہونچے تو الولد سر لابیہ (بچہ اپنے باپ کا فوٹو ہوتا ہے) کے مطابق تمام کمالات وفضائل کو اپنے میں جمع کرلیا اور آبائی شرف و بزرگی کے علاوہ بعض اُن خصوصیتوں کی وجہ سے جوان میں موجود تھیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنے باپ ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ متجاب الدعوۃ بھی تھے انھوں نے اپنے اوپر شراب کا استعمال مطلقاً حرام کرلیا تھا۔ یہ پہلے شخص تھے جو تعبداً غار حرا میں بیٹھے۔ سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کا مہینہ آتا تو عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور لوگوں سے علیحدہ ہو کر عالم خموشی میں خدا کے جلال و عظمت اور اس کے اسماء وصفات میں غور وفکر کرتے اور مساکین کو نہایت سیر چشمی کے ساتھ کھانا تقسیم کرتے۔ اُن کے دسترخوان سے پرندوں کے لیئے کھانا اٹھایا جاتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر دور تک پھیلا دیا جاتا اور اسی سے لوگ ان کو مُطعِم الطّیر بھی کہا کرتے تھے۔

عبدالمطلب پیدا ہوئے تو ان کے سر پر سفید بال تھے۔ اس سے لوگوں نے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا۔ شیبہ اس لیئے کہ عربی میں

---

[۱] عربی زبان کی مشہور کتاب تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ مطبوعہ مصر میں بھی یہ مضمون ہے ۱۲

سفیدی سر کو شیب کہتے ہیں اور الحمد اس لیئے کہ خاندان کے بڑے بوڑھوں کو توقع تھی کہ یہ بڑھاپے میں پہنچیں گے اور لوگ ان کو حمد ثناء کے ساتھ یاد کریں گے۔

اور ایسا ہی ہوا بھی کہ عبدالمطلب ایک سو چالیس (۱۴۰) برس کی عمر کو پہنچے اور ان کی کمال شرافت وسیادت اور قومی ہمدردی اور مصیبت زدوں کی تعداد اور اپاہجوں کی خبر گیری کی وجہ سے اس زمانے کے لوگ انھیں ہمیشہ نیک نامی اور تعریف کے ساتھ یاد کرتے رہے ان کے عبدالمطلب کے ساتھ نامزد ہونے کے متعلق کتابوں میں نہایت دلچسپ روایتیں مذکور ہیں۔ از آں جملہ یہ کہ ہاشم کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک شیبۃ الحمد ماں کے آغوش محبت میں رہے اور یہاں تک رہے کہ چلنے پھرنے کھیلنے کودنے کے لائق ہو گئے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینہ کے ایک وسیع میدان میں چند بچے تیروں سے کھیل رہے تھے۔ ایک شخص اس طرف سے گزرتا ہوا ذرا دم لینے اور بچوں کا تماشا دیکھنے کی غرض سے یہاں ٹھہر گیا۔ بچے نہایت آزادی کے ساتھ تیر چھوڑتے اور اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دفعۃً ایک بچے کا تیر نشانہ پر جا لگا اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا انا سیّد البطحاء۔ جوں ہی یہ جملہ بچے کے منہ سے نکلا گزرنے والا شخص جو یہاں کھڑا بچوں کا تماشا دیکھ رہا تھا نہایت تیزی کے ساتھ بچے کی طرف بڑھا اور لگا پوچھنے کہ صاجزادے! تمھارا کیا نام ہے؟ بچے نے سادگی سے جواب دیا کہ مجھے شیبۃ الحمد کہتے ہیں۔ کہا اور تمھارے والد کا نام؟ جواب دیا ہاشم بن عبد مناف۔ یہ سن کر وہ شخص یہاں سے چل کھڑا ہوا اور مکہ میں آکر ہاشم کے حقیقی بھائی مطلب بن عبد مناف کو تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ مطلب حطیم کعبہ میں موجود ہے۔ یہ اس کے پاس گیا اور جو واقعہ آنکھوں سے دیکھا تھا زبان سے ادا کیا۔ مطلب فوراً مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچا اور شیبۃ الحمد میں اپنے باپ عبد مناف کی شباہت پا کر پہچان لیا۔ بے ساختہ اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ مگر اس نے بڑے ضبط سے اپنے دلی جوش کو روکا۔ شیبۃ الحمد کو پیار کیا اور تھوڑی دیر تک گلے سے لگائے چپکے چپکے روتا رہا۔ پھر تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں بولا۔ پیارے شیبۃ الحمد ! میں تیرا چچا ہوں اور تجھے تیرے خاندان کے لوگوں میں لے جانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں شیبۃ الحمد یہ سن کر خاموش ہو گئے مطلب نے اپنی اونٹنی بٹھا اور چچا بھتیجے دونوں سوار ہو یہ جا، وہ جا، شیبۃ الحمد کی ماں کو معلوم ہوا تو اس کی نظروں میں ساری دنیا اندھیر ہو گئی۔ مگر غریب کر ہی کیا سکتی تھی۔ صبر کر کے اور کلیجہ مسوس کے بیٹھ رہی۔ مطلب شیبۃ الحمد کو اونٹنی پر سوار کیئے ہوئے مکہ میں داخل ہوا تو قریش نے دیکھ کر بہ آواز بلند کہا۔ ھذا عبدالمطلب۔ یعنی یہ لڑکا مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے جواب دیا، نہیں، میرا غلام نہیں، میرے مرحوم بھائی ہاشم کا پیارا فرزند اور میرا بھتیجا ہے۔ بس اس وقت سے شیبۃ الحمد کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔ الغرض عبدالمطلب نے اپنے چچا مطلب کے کنارے عاطفت میں پرورش پائی اور وہ جو کہتے ہیں کہ پوت کے پاؤں پالنے میں

پہچانے جاتے ہیں۔عبدالمطلب ابتداء ہی سے نیک سیرت ،نیک خصلت نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب پورے جوان ہوئے تو تمام صفات حمیدہ اور خصائل بزرگانہ ان میں جمع ہو گئے تھے۔مطلب کے مرے پیچھے اُن کے تمام مناصب ان کی طرف عود کر آئے اور مکہ کی ریاست کی باگ ان کے ہاتھ میں آ گئی۔

حلبی اپنی سیرت میں عبدالمطلب کے ذاتی حالات لکھتے ہوئے ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالمطلب آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کر کے خدا کی وحدانیت کے قائل ہو گئے تھے اور مکہ کی چار دیواری کے اندر بہت سے اُن طریقوں کی بنیاد ڈال دی تھی جن کی تعلیم بعد کو اسلام کے ذریعہ سے اول عرب میں پھر تمام روئے زمین میں دی گئی مثلاً وفاء نذر۔محارم سے نکاح کی ممانعت قطع ید سارق۔دختر کشی کی مناہی تحریم خمر و زنا۔اور یہ کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا ننگا طواف نہ کرے۔

عبدالمطلب کے واقعات زندگی میں ایک بڑا واقعہ۔

چاہ زمزم

کا ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب خدا کے اس مقدس معبد کا نام جو سر زمین مکہ میں واقع ہے کعبہ رکھا گیا ساتھ ہی اس چشمے کا نام زمزم رکھا گیا۔بلکہ بناء کعبہ کی تاریخ سے اس چشمے کی تاریخ کچھ پہلے ہی تسلیم کی گئی ہے گویا یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور بناء کعبہ کا سبب واقع ہوا اس چشمے کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی دو بیویاں تھیں ۔ ہاجرہ اور سارا۔اور دونوں سوکنوں میں ناز گاری نہ تھی اس لیئے حضرت ابراہیم ہاجرہ کو ان کے بیٹے اسمٰعیل سمیت اُس جگہ لے آئے جہاں اب خانہ کعبہ موجود ہے اور دونوں ماں بیٹے کو اس غیر آباد صحرا میں چھوڑ کر ملک شام واپس چلے گئے۔ یہاں ہاجرہ اور اُن کے معصوم بچے کو پیاس لگی کیونکہ جو پانی وہ اپنے ساتھ لائی تھیں ختم ہو چکا۔ پیاس کی شدت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے ان پر مایوسی طاری ہوئی تو بے قراری کی حالت میں ہر چہار طرف پانی کی تلاش کرتی پھرتی تھیں۔اتفاق سے کنکروں، پتھروں اور کوڑے کرکٹ کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا کنکروں، پتھروں کو ہٹایا تو پانی نکل آیا۔ ہاجرہ اس نعمت غیر مترقبہ پر شکر خدا بجا لائیں۔خود بھی سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے فرزند کو بھی پلایا اور چشمہ کو محفوظ رکھنے کے لیئے اس کے گرداگرد منڈیر بنا دی۔ برسوں تک یہ چشمہ جاری رہا اور اس کی وجہ سے ارد گرد کے بہت سے قبائل یہاں آبسے ایک مدت کے بعد جرہمیوں نے جو سب سے پہلے چشمہ زمزم کے قریب آباد ہوئے جب خدا کے مقدس عبادت گاوں میں طرح طرح کے فسادات برپا کیئے تو عمرو بن حارث جرہمی نے جو ان کا سردار تھا بہ ایں خوف اس سر زمین سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا کہ مبادا جرہمیوں پر اُن کے کردار ناشائستہ کی وجہ سے عذاب الٰہی ٹوٹ پڑے اور میں بھی انکے ساتھ مبتلائے عذاب ہو جاؤں۔ چنانچہ اس نے اپنی ساری قوم کو جمع کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔قوم کے سر برآوردہ لوگوں

نے اس کی رائے سے اتفاق اور سب نے سرزمین مکہ سے نکل جانے پر عزم مصمم ظاہر کیا عمرو نے قوم کے نفیس وقیمتی مال مثلاً سونے کی دو ہرنیاں اور تلواروں اور زرہیں اور حجر الرکن یا حجر المقام جو کچھ بھی کعبے کا چڑھاوا تھا اس چشمے میں جو مرور زمانہ کی وجہ سے ایک خاص عمیق گڑھا ہوگیا تھا ڈال دیے منڈیریں توڑ تاڑ کنکروں پتھروں سے پاٹ دیا یہاں تک کہ اس کا نام ونشان تک بھی باقی نہیں رہا۔ پھر عمرو اپنی قوم کو یمن کی طرف لے بھاگا اس زمانے سے مدتوں تک یہ چشمہ پٹا پڑا رہا۔ اور سیکڑوں برس گزر گئے کسی کو اس کی طرف خیال بھی نہیں ہوا مگر عام الفیل کے سال عبد المطلب کو اس کا خیال ہوا اور انھوں نے وہ جگہ کو کھود کر پانی نکالا۔ عبد المطلب کو اس مقام خاص کے دریافت ہونے کی نسبت مؤرخوں نے بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں مگر ایک روایت جو عقل ونقل دونوں کے مطابق صحیح تسلیم کی گئی ہے۔ مشہور مؤرخ ابن اسحاق نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس موقع پر نقل کی ہے کہ عبد المطلب کا بیان ہے کہ میں ایک روز حطیم کعبہ(۱) میں سوتا تھا خواب میں ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکال ۔میں نے پوچھا طیبہ کہاں ہے؟ اس کا اس نے کچھ جواب نہیں دیا اور غائب ہوگیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہ شخص نئے نئے نام لیتا رہا۔ چوتھے روز کہا زمزم کو کھود میں نے زمزم کا پتہ پوچھا تو کہا قریۃ النمل کے متصل۔ میں صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے اُس موقع پر پہنچا اور کھودنا شروع کیا۔ تین روز تک ہم دونوں باپ بیٹے برابر کھودا کئیے چوتھے روز ایک پختہ منڈیر نمودار ہوئی اور اندر سے پانی چمکا عبد المطلب زمزم کو کھودنے میں کامیاب ہوئے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نعرہ اللہ اکبر نکلا اور ساتھ ہی یہ بھی ھذا طیّ اسماعیل یہ سن کر بہت سے لوگ زمزم پر آ جمع ہوئے اور عبد المطلب کی مزاحمت کر کے فساد پر آمادہ ہو گئے اور لگے کہنے کہ یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیل کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں ہم اور تم دونوں شریک رہیں گے۔ اگر تم ہماری شرکت تسلیم کرو بہتر ورنہ ہم تم کو اس پر مجبور کریں گے کہ یا تو تم ابھی اس پر سے قبضہ اٹھا لو یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ہم اس کنویں کو بدستور سابق پاٹ دیں گے اور پھر اپنے خرچ سے کھدوا کر تیار کریں گے۔

عبد المطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا اور کسی تدبیر سے اپنے مقصد پر کامیاب ہو گئے(۲)

---

(۱) حطیم وہ مقام کعبہ کا جو حجر اسود اور دروازے کے درمیان ہے۔ یا حجر اسود اور زمزم کے درمیان۔ یا مقام ابراہیمؑ اور دروازے کے درمیان۔ اور مشہور یہ ہے کہ حطیم اس خالی جگہ کو کہتے ہیں جو میزاب رحمت کے تلے کعبہ سے باہر چھوڑ دی گئی ہے۔ اس کو حطیم اس لیئے کہا کہ توڑ کر وہ جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ بعضوں نے کہا اس لیئے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ طواف کے کپڑے وہاں ڈال جاتے وہ پڑے پڑے ریزہ ریزہ ہو جاتے بعضوں نے کہا حطیم اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ عرب لوگ جب کسی بات پر قسم کھا کر عہد وپیمان کرتے تو ایک کوڑا یا جوتی یا کمان اس عہد کے یادگار میں وہاں رکھ دیتے۔: (انوار اللغۃ پارہ ۶ صفحہ ۹۴ مطبوعہ بنگلور)

(۲) افسوس شمس العلماء صاحب نے یہاں حضرت عبد المطلب کے مقرب بارگاہ خدا ہونے کا بہت بڑا ثبوت غائب کر دیا اس وجہ سے اس کی تفصیل بھی بیان کر دی جاتی ہے۔
جناب عبد المطلب کو جس وقت یہ بشارت ملی اس وقت تک ان کے ایک ہی فرزند تھا جس کا نام حارث تھا جس کے ساتھ وہ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہوئے جب کچھ کامیابی نظر آئی تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قریش سمجھے یہ کامیاب ہوئے۔ حصہ لینے کو آموجود ہوئے کہ یہ کنواں تو ہمارے جد حضرت اسماعیل کا ہے اس وجہ سے ہم سب بھی اس میں شریک ہیں۔

جناب عبدالمطلب نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا نے اس کو خاص ہمارے حصہ میں دیا ہے۔ مگر قریش اور تیز ہو کر کہنے لگے نہیں۔ نہیں تم تنہا اس میں متصرف نہیں ہو سکتے ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس میں سب کا حصہ مساوی ہے۔ اب ایک طرف جناب عبدالمطلب تنہا ہیں۔ دوسری طرف قریش کا مجمع ہے طرفین میں رد و بدل ہوتی رہی۔ آپ فرماتے کہ یہ ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے اور وہ لوگ اس کو جمہوری جائداد بنانی چاہتے تھے۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ بنی سعلہ کی کاہنہ کے پاس چلو جو مشارف شام میں رہتی ہے۔

وہ جو کچھ فیصلہ کردے اُس پر سب راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب ہوا جو اُس خاندان کا بزرگ تھا اور سب کے سب مع حشم و خدم شام کی طرف روانہ ہوے۔ جناب عبدالمطلب بھی اپنے دو چار ساتھیوں کے ہمراہ چلے۔ یہ سفر بہت طولانی تھا کہ اونٹ کی سواری پر ملک شام جانا تھا۔ اس سبب سے خاص کر پانی کا زیادہ مقدار میں ساتھ رکھنا ضروری ہوا۔ مگر ابھی اس سفر کی چند ہی منزلیں طے ہونے پائی تھیں کہ اثناء راہ میں جناب عبدالمطلب کے پاس کا سب پانی ختم ہو گیا۔

اس کے بعد سب پیاسے ہوئے لیکن نہ کہیں کنواں نظر آیا۔ نہ گڈھا نہ چشمہ۔ اس کے ساتھ سفر کا تعب جس سے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے ساتھی قریب بہ ہلاکت پہنچ گئے۔ اب زندگی اور موت کا فیصلہ تھا۔ مجبوراً ان بیچاروں نے سرداران قریش سے جو اس نزاع میں فریق مخالف تھے پانی مانگا کہ ہم لوگ پیاسے مرا چاہتے ہیں۔ تھوڑا پانی پلا دو۔

مگر ان سب نے قطعی انکار کر دیا اور ایک شخص کو بھی رحم نہ آیا۔ جب جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ یہ لوگ جو ہمارے ہم وطن، ہم قبیلہ سب ہی ہیں کسی طرح نہیں دیتے اور ہماری سخت پیاس پر کسی کو رحم نہیں آتا اور اب پیاس سے مرنا یقینی ہے تو بہ خیال اِس رسوائی کے کہ سب بُرے حال سے مرے پڑے رہیں گے اور کسی کو کفن و دفن میسر نہیں ہوگا یہ رائے کی کہ ہم سب اپنے اپنے لیے ایک گڈھا (بطور قبر) طیار کریں تا کہ جو شخص مرتا جائے اس کو دفن کرتے جائیں۔ آخر میں ایک ہی شخص ایسا رہے گا جو بے دفن پڑا رہے اور ایک شخص کا اس طرح پڑا رہنا بہتر ہے اس سے کہ سب بے دفن رہیں۔

ساتھیوں نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً اس کی تعمیل شروع کر دی۔ گڑھے کھودنے لگے اور قریش جو آپ کے مخالف جا رہے تھے کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ دوسرے روز جناب عبدالمطلب نے سوچا کہ اس طرح سے ہاتھ پر ہاتھ دے کر بیٹھے رہنا اور اپنے کو موت کے حوالے کر دینا نامردی اور بزدلی ہے۔ کچھ کوشش کرنی اور اِدھر اُدھر پانی کی تلاش میں نکلنا چاہیے تا کہ اس طرح ہم لوگوں کے نام میں عاجزی کا دھبہ نہ لگے اور بے بسی کی موت نہ ہو۔ یہ طے کر کے جناب عبدالمطلب اونٹ پر سوار ہوئے۔ جیسے ہی جناب عبدالمطلب کی اونٹنی آپ کو اُٹھا کر چلی فوراً اس کے پاؤں سے ریت ہٹی اور دفعتہً آب سرد و خوشگوار کا چشمہ نمایاں ہوا جس پر جناب عبدالمطلب نے تکبیر کہی۔

آپ کے ساتھیوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر جو خوشی ہوئی کیونکر بیان کی جائے سب اس چشمہ سے سیراب ہوئے اور اپنی مشکیں بھی اس سے بھر لیں۔ اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے قریش کے ان قبیلوں کو بھی جن سے نزاع تھی آواز دی کہ آؤ تم بھی پانی لو کہ خدا نے ہم لوگوں کو سیراب کر دیا۔

اس پر جناب عبدالمطلب کے کچھ ساتھیوں نے کہا ہم تو ان کو اس پانی سے نہیں پینے دیں گے کیونکہ ہم پیاسے تھے تو ان کو کچھ بھی رحم نہ آیا اور ایک قطرہ بھی کسی نے ہمیں نہیں دیا مگر جناب عبدالمطلب نے ان کی بات نہیں مانی اور فرمایا اگر ہم بھی ان کے ہی ایسا کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہی کیا رہے گا!!!

غرض وہ قریش بھی جمع ہو گئے اور سب نے اس سے پانی پیا اور اپنی مشکیں بھی بھر لیں۔ جس کے بعد دوسرے فریق والوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اے عبدالمطلب! خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمھیں فتح دے دی۔ خدا کی قسم اب چاہ زمزم کے بارے میں ہم تم سے کبھی نزاع نہ کریں گے۔ کیونکہ خدا برحق نے اس بے آب و گیاہ میدان میں یہ چشمہ ظاہر کر کے تم کو سیراب کیا اُسی نے چاہ زمزم سے بھی تم کو سیراب کیا ہے۔ اب مکہ واپس چلو اور تم اس کنویں پر اطمینان سے اور بے کھٹکے قبضہ کر لو۔ ہم لوگ کچھ نہیں بولیں گے۔ اس طرح وہ لوگ کاہنہ کے پاس پہنچنے بھی نہ پائے اور وہیں سے پلٹ آئے اور وہ کنواں جناب عبدالمطلب کے لیے چھوڑ دیا جناب عبدالمطلب مکہ میں واپس آ کر پھر چاہ زمزم کھودنے لگے یہاں تک کہ سونے کی ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں بھی برآمد ہوئیں۔ اس وقت پھر قریش نے ہجوم کیا اور کہا اس میں ہمارا بھی حصہ ہے

جناب عبدالمطلب نے کہا۔ بلکہ یہ بھی ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے۔ مگر وہ لوگ نہیں مانے۔ تو آپ نے فرمایا اچھا آؤ قداح (قرعہ یا فال) سے اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ ان سب نے پوچھا وہ کس طرح؟ فرمایا دونوں ہرنیاں ایک جگہ۔ تلواریں ان سے الگ اور زرہیں علٰحدہ رکھی جائیں اور دو تیر خانۂ کعبہ کے۔ دو تمہارے۔ اور دو ہمارے ان پر ڈالیں جائیں جس کا تیر جس پر پڑ جائے وہ چیز اسی کی ہو جائے اور جس کے حصہ میں کوئی چیز نہ پڑے وہ کچھ نہ بولے۔ سب راضی ہو گئے۔ تو خانۂ کعبہ کے دونوں تیر دونوں ہرنیوں پر اور جناب عبدالمطلب کے دونوں تیر تلواریں اور زِرہوں پر پڑے مگر قریش کے تیر کسی چیز پر نہیں پڑے۔ اس طرح فیصلہ جناب عبدالمطلب ہی کے موافق ہوا۔ اب جناب عبدالمطلب نے دونوں تلواریں خانۂ کے دروازے میں لٹکا دیں اور دونوں ہرنیوں کو توڑ کر ان کے چوڑے چوڑے ٹکڑے

کر کے خانۂ کعبہ میں آویزاں کر دیے۔ اسی طرح یہی وہ پہلا سونا تھا جس سے خانۂ کعبہ کی زینت کی گئی۔ اور ایک روایت ہے کہ وہ دونوں ہرنیاں اسی طرح خانۂ کعبہ میں رکھ دی گئیں اور بعد میں کسی نے چرالیں (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۶ کی عربی عبارت کا ترجمہ)۔ حیرت ہے کہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسولؐ کی مفصل سوانح عمری سیرۃ النبی لکھی مگر جناب عبدالمطلب کے اس قابل فخر واقعہ کو بالکل غائب کر دیا۔ اس کی کیا وجہ سمجھی جائے؟

جناب ابوطالب

یوں تو عبدالمطلب کی اولاد ذکور بقول بعض دس (۱۰) اور بقول بعض تیرہ تھی مگر سب میں زیادہ باوقار اور عقلمند ابوطالب تھے۔ یہ ہمارے نبی اکرمؐ پر بہت مہربان تھے اور اپنے باپ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب کی پرورش کے متکفل یعنی پیغمبر صاحب کی کفالت و تربیت ان ہی سے متعلق تھی۔ پیغمبر صاحب نے ان ہی کے کنارے عاطفت میں نشوونما پایا اور جب تک زندہ رہے پیغمبر صاحب کی حمایت و نصرت میں مصروف رہے۔ عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند۔

عبداللہ

پیغمبر کے والد نہایت متین اور سنجیدہ اور شریف طبیعت کے آدمی تھے اور نہ صرف جلالت نسب بلکہ مکارم اخلاق کی وجہ سے تمام جوانان قریش میں امتیازی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسن اعمال اور شمائل مطبوع میں فرد تھے۔ حرکات موزوں اور لطف گفتار میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کی شادی وہب بن عبد مناف کی بیٹی آمنہ سے قرار پائی۔ وُہب اس وقت مر چکے تھے اور بی بی آمنہ اپنے چچا وہب کی سرپرستی میں زندگی بسر کرتی تھیں۔ وہیب کو اس تجویز کی اطلاع ہوئی تو گھر کی بات تھی۔ اُس نے اس پیام کو خوش دلی کے ساتھ منظور کر لیا اور عبدالمطلب کو عبداللہ سمیت بلا بھیجا اور عظمائے قریش کے ایک بڑے مجمع میں عبداللہ کا آمنہ سے اور عبدالمطلب کا ہالہ بنت وہیب سے نکاح ہو گیا۔۔۔ جس سال عبداللہ کی شادی ہوئی ملک عرب پر چاروں طرف سے آفات کی بھرمار تھی اور طرح طرح کے لشکر مصائب لوگوں پر ٹوٹ رہے تھے اگرچہ یہ سارا سال واقعات ہائلہ سے پُر اور مصائب و آفات کا دنگل بنا ہوا تھا لیکن ایک وہ واقعہ جس نے عرب کی بنیادوں تک کو ہلا ڈالا اور تمام ملک میں عام طور پر ہل چل ڈال دی یعنی یمن کے حاکم کا خانۂ خدا پر خونخوار حملہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

یمن کا حاکم اُبرہۃ الاشرم ایک نہایت سخت متعصب عیسائی تھا جس نے مذہبی تعصب کی وجہ سے خانۂ کعبہ کی تخریب کا ارادہ کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ لوگ موسم حج میں نہایت ذوق و شوق سے دُور دراز کا سفر طے کر کے جوق جوق خانۂ کعبہ میں آتے اور طواف و زیارت سے آتش شوق کو بجھاتے ہیں تو اس کے مذہبی تعصب کی آگ اور بھڑک اُٹھی اور خانۂ کعبہ کی تعظیم اور انتہا سے زیادہ جاہ و جلال دیکھ کر آتش حسد پر لوٹنے لگا۔ شہر صنعاء میں ایک عظیم الشان گرجا بنایا اور زوّار کعبہ کو اس کی زیارت کی تکلیف دی لیکن جب لوگ اس گرجا کی زیارت کو نہ آئے تو ابرہہ غصّے میں جھلا اُٹھا اور ایک خونخوار لشکر کی سرکردگی میں خوفناک

اور مہیب ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف بڑھا۔ مکہ کے لگ بھگ پہنچا تو قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل کے قبائل سب مل کر لڑنے کو تیار ہوئے لیکن جب انھوں نے اُبرہہ کی فوج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں دیکھی تو اپنے اہل وعیال کو لے کر مکہ کی اونچی اونچی پہاڑیوں پر جا چڑھے۔۔۔۔اُبرہہ نے رستہ میں سے حمیر کو بطریق سفارت سرداران قریش کی طرف روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں سے لڑنے کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف کعبہ کے ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم لوگ میری مزاحمت کرو گے اور جنگ کی طرف مائل ہو گے تو میرے پاس بہت سا سامان حرب موجود ہے۔۔۔۔اس گفت وشنید میں کئی روز گزر گئے اور قبائل قریش میں سے کسی کو اُبرہہ سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اُبرہہ نے راستہ صاف دیکھا تو جھٹ شہر مکہ میں آدھمکا۔ قبائل قریش پہلے ہی سے مکہ کی پہاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ تاہم کعبہ مقدس کی عمارت میں کچھ لوگ اس غرض سے جمع بھی تھے کہ لشکر یمن کعبہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم ایک خوں ریز جنگ کر کے اپنی جانیں کعبہ پر قربان کر دیں گے۔ اُبرہہ کو معلوم ہوا تو اس نے اُس روز کعبہ پر دھاوا کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آج کے حملے کو کل کے لیے اُٹھا رکھا۔

دوسرے دن صبح کو اپنی خونخوار فوج ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ لیکن قبل اس کے کہ فوج کو دھاوے کا حکم دے اسے خیال آیا کہ جو لوگ کعبے میں موجود ہیں اُنھیں پیام تو پہنچا دیا جائے تا کہ غفلت میں مر کر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اُس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کعبے کے مجاوروں کا سردار کون ہے؟ سب نے کہا عبدالمطلب اُبرہہ نے عبدالمطلب کو بلایا اور تخلیہ میں گفتگو کی۔ عبدالمطلب یہ کہتے ہوئے اُبرہہ کی مجلس سے باہر نکل آئے جو اس گھر مالک ہے وہی اس کا محافظ بھی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے گھر کو مخالفوں کی زد سے بچائے گا اور اپنے گھر کے خادموں کو ذلیل ورسوا نہیں کرے گا۔

الغرض ابرہہ لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور جب کعبہ کی دیوار نظر آنے لگیں تو یکبارگی دھاوا کر دینے کا حکم دے دیا۔ خدا کا کرنا جوں ہی گستاخ لشکر نے خانۂ کعبہ کی جانب قدم اٹھائے مکہ کی غربی سمت سے لشکر الٰہی نمودار ہوا یعنی بہت سے پرند چھوٹی چھوٹی کنکریاں پنجوں اور چونچوں میں لیے ہوئے فوج فوج آ گئے اور لشکر یمن پر کنکریاں برسانے لگے۔ جس پر کنکری پڑتی گولی کا اثر کرتی۔ تھوڑی دیر میں سارا لشکر خداوندی غضب میں مبتلا ہو کر غارت ہو گیا۔ ظالم اور گستاخ اُبرہہ اگرچہ زخموں سے چور ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن اس کا مرغ روح عقاب موت کے چنگل سے بچ نہیں سکا اور راستے ہی میں مر کر رہ گیا۔ اس عبرتناک واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد جناب پیغمبر خداؐ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ تجارت کا کچھ سامان لے کر ملک شام گئے ہوئے تھے اور اُن دنوں شام ہی ایک ایسا ملک تھا جو تجارت کا مرکز اور اہل تجارت کا جولان گاہ بنا ہوا تھا۔ عبداللہ شام سے لوٹے تو کچھ روز مدینہ میں ٹھہرے اور وہیں بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ عبدالمطلب نے اپنے قابل اور فخر خاندان وقوم فرزند کی خبر

علالت سن کر اپنے دوسرے فرزند زبیر کو مدینہ روانہ کیا لیکن یہ وہاں تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ عبداللہ کے انتقال کی خبر ان کے کانوں میں پہنچی تاہم جوں توں کر کے تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور دار نابغہ کی سرائے میں عبداللہ کو دفن کیا۔ عبداللہ اور ابوطالب اور زبیر تینوں حقیقی بھائی جو عمرو بن عائذ کی بیٹی فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد ایک لونڈی امّ ایمن ۔ پانچ اونٹ ۔ بکریوں کا ایک مختصر سا ریوڑ ایک تلوار۔ تھوڑی سی چاندی یہ چیزیں باقی رہیں جو بعد کو بحق وراثت جناب پیغمبر خدا کے لیے اُٹھا رکھی گئیں۔ ہم نے سیر کی کتابوں سے چن کر پیغمبر صاحب کے اجداد کا جو تھوڑا تھوڑا حال لکھ دیا ہے اس سے ضرورۃً یہ بات تو تا حد تیقن ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبر صاحب کے اجداد اپنے اپنے وقت میں مکارم خصائل اور محاسنِ اخلاق کے اعتبار سے کابراً عن کابرٍ بڑے باوقار لوگ ہوتے آئے ہیں۔ ہم نے فی محلہ دو باتیں ثابت کی ہیں۔ ایک یہ کہ تمام ادیان میں دین فطرت ہی دین برحق ہے۔

اور دین اسلام بھی وہی دین فطرت ہے یعنی فطرت اور اسلام نام دو ہیں مصداق اور مسمّٰی ایک، دوسری یہ کہ دین فطرت کی غرض و غایت ہے دنیا میں امن و عافیت کا قائم کرنا اور چونکہ دنیا میں امن و عافیت کا قائم کرنا مکارم اخلاق کے بدون ہو نہیں سکتا نتیجہ یہ نکلا کہ مکارم اخلاق عین دین اسلام ہیں ۔ دین فطرت شروع سے اب تک نہیں بدلا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں ردّ و بدل نہیں ہوسکتا۔ یہی دین کا سیدھا رستہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے) اور جب تک یہی آدمی ہیں اور یہی زمین و آسمان ہے بدلے گا بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ قانون خدا کا بنایا ہوا ہے اور اس کی کسی بات میں تغیر اور تبدل کو دخل نہیں ۔ ما یبدل القول لدیّ (ہمارے یہاں جو ایک بات قرار پا چکی ہے پھر نہیں بدلی جایا کرتی) ۔ بشری طبیعت تو ناممکن التبدیل ہے مگر تعلیم ، تربیت ، تقلید زمانی مکانی ، خارجی تاثیرات کی وجہ سے قوی اور ضعیف ہوتی رہتی ہے۔

طبیعت بشری کو خلقی اعتدال پر قائم رکھنے کی غرض سے خدائے تعالیٰ وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتا رہا ہے مگر بشری طبیعت خود قبول حق کے لیے ہمہ وقت آمادہ ہے۔ اُس میں قبول حق کی صلاحیت منجانب اللہ ودیعت رکھی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اقوام روزگار ہر جگہ ہر ملک میں مکارم اخلاق کا ادب کرتی رہی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اختلافِ عقائد جہاں تک امن و عافیت سے تعلق ہے سب لوگ اچھے کام کو اچھا اور بُرے کام کو برا سمجھتے ہیں یعنی مقصود قریب قریب سب کا

---

[1] ناظرین کتاب اس امر کو برابر پیش نظر رکھیں کہ حضرت پیغمبر خداؐ کے جو اجداد اور جدّات تھیں وہی حضرت علیؑ کے بھی اجداد اور جدات تھیں۔ دونوں حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ دونوں کی دادی بھی ایک ہی تھیں جن کا نام اوپر معلوم ہوا کہ فاطمہ تھا اور عمرو بن عائذ کی بیٹی تھیں ۱۲

ایک ہے اس لیے کہ طبیعتیں سب کی قریب قریب یکساں ہیں۔:(امھات الامت صفحہ ۴۲) پھر لکھا ہے ,,ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامہ میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے۔تو مذہب سے ہماری مراد ہے دین فطرت جس کا بعد کو دین اسلام نام ہوا اور جس کا مذکور اس تحریر میں بار بار آچکا ہے۔پھر دین فطرت کی دو قسمیں ہیں:۔

ایک وہ جو خدا سے شروع ہو کر قوانین امن وعافیت پر ختم ہوتا ہے۔دوسرا جو صرف قوانین امن وعافیت پر بولا جاتا ہے۔ پہلی قسم دین کامل ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری قسم دین ناقص۔

پہلے دین کی تشریح یہ ہے کہ آدمی نے پہلے فطرت کی رہنمائی سے خدا کو پہچانا جتنا پہچان سکتا ہے۔پھر اسی فطرت کی رہنمائی سے دریافت کیا کہ دنیا کا انتظام بہ زبان حال بتلا رہا ہے کہ کارخانۂ عالم کا پیدا کرنے والا اور اس کو ایک انتظام کے ساتھ چلانے والا الحی القیوم یہ چاہتا ہے کہ ایک وقت خاص یعنی قیامت تک جس کا علم اس کے سوائے کسی کو نہیں اکاد اخفیھا (اور ہم اس کے یعنی قیامت کے وقت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں) سکون کے ساتھ چلتا رہے۔اور چونکہ سکون میں انسان بہت کچھ خلل انداز ہو سکتا تھا اس حکیم علی الاطلاق نے خود انسانی طبائع میں ایسی باتیں القاء کیں الھمھا فجورھا وتقواھا (خدا نے اُس انسان کی بدکاری اور پرہیزگاری کی دونوں باتیں اُس کو سمجھا دیں) جن پر عمل کرنے سے آدمی دنیا کی چلتی گاڑی میں روڑے نہ اٹکا سکے۔

وہی باتیں قوانین امن وعافیت اور شرائع انبیاء کہلائے۔صلوات اللہ علیھم اجمعین۔دوسری قسم کا دین فطرت بھی پہلی قسم کا سا جملہ ہے۔خبر وہی ہے۔مبتدا نہ دارد۔یا پہلی قسم کا سا قصیدہ ہے مقطع وہی ہے مطلع نہ دارد۔پیغمبر صاحب کے نسب نامے پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کا دین فطرت پیغمبر صاحب ہی کے اجداد اعلیٰ ابراہیمؑ نے ایجاد کیا۔اور ایجاد نہیں بھی کیا تو شدّ ومدّ کے ساتھ اس کو رواج دیا کہ ایسا رواج دینا بھی ایجاد کا ہم پلّہ ہے۔ابراہیم کی دو بی بیاں تھیں۔سارا اور ہاجرہ انھوں نے ہاجرہ اور ان کے فرزند اسمٰعیل کو اس سرزمین میں لا کر بسایا جہاں شہر مکہ واقع ہے اور وہیں خدائے واحد کی عبادت کے لیے مسجد بنائی جو کعبہ کہلاتی ہے۔اس وقت یہ جگہ بالکل اجاڑ تھی۔۔۔۔خدا نے ابراہیم کی نسل اور ان کی بنائی ہوئی مسجد میں برکت دی کہ ابراہیم کی نسل ایسی پھولی پھلی کی اس اُجاڑ جگہ میں تو شہر مکہ بس گیا۔اور بہت سے قبائل جہاں جس کے سینگ سمائے اطراف میں پھیل گئے۔دین ابراہیمؑ تمام جزیرہ عرب کا دین اور کعبہ تمام عرب کا معبد عام قرار پایا۔ابراہیمؑ کو اپنے بنائے کعبے کی خبر رکھنی ضرور تھی اور خدا کا حکم بھی تھا۔۔۔۔یوں خانۂ کعبہ کی تولیت ابراہیم اور اُن کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں متوارث

ہوتی چلی آئی۔ اور جوں جوں مکہ کی آبادی بڑھتی گئی اور حاجی لوگ کثرت سے زیادہ کعبہ کے لیے آنے لگے۔۔۔۔ خدمتیں تولیت کعبہ کے ساتھ شامل ہوتی گئیں اور متولی کعبہ ایک طرح کا عظیم عرب سمجھا جانے لگا اور کعبہ کے تعلق سے اہل عرب سارے قبیلہ قریش کا ادب کرنے لگے اسی اثناء میں خاندان قریش بھی بڑا وسیع خاندان ہو گیا تھا۔

خاندان کے لوگوں نے متولّی کے وسعت اختیارات پر حسد کرنا شروع کیا اور لگے ہمارے مجاوروں کی طرح آپس میں لڑنے یہاں تک کہ بعض خدمتیں متولی سے چھین کر خاندان کے دوسرے لوگوں کے حوالے کی گئیں۔ خلاصۂ مقال یہ ہے کہ پیغمبر صاحب کی خاندانی عظمت مذہبی عظمت تھی متفرع ابراہیمؑ کے نسب پر اور خانۂ کعبہ کی تولیت پر۔ اگرچہ پیغمبر صاحب نے اپنی زندگی میں ایسے ایسے کارنمایاں کیے کہ اپنی ذات سے تمام خاندان پر شرف لے گئے۔

لا بقومی شرفت بل شرفوابی وبجدّی علوت لا بجدودی

(میں اپنی قوم کی وجہ سے شرف و بزرگی کو نہیں پہنچا بلکہ اُن کو میری وجہ سے شرف حاصل ہوا۔ اور میں اپنی کوشش کے سہارے بلند مرتبہ کو پہنچا نہ آباء واجداد کی وجہ سے)

قالوا ابو الصقر من شیبان قلت بھم کلا لعمری ولکن منه شیبان

و کم اب قد علا بابن ذری شرف کما علا برسول الله عدنان

(لوگوں نے کہا کہ ابوالصقر شیبان کے قبیلے سے ہے اور اسی وجہ سے معزز ہے میں نے ان سے کہا مجھے اپنی جان کی قسم یہ بات ہرگز نہیں بلکہ شیبان کو جو تعزز حاصل ہوا ابوالصقر سے حاصل ہوا کیونکہ بہت سے باپ بیٹے کی وجہ سے عزت و بزرگی کے اونچے درجے کو پہنچ جاتے ہیں جس طرح جناب پیغمبر خدا کی وجہ سے عدنان بلند مرتبے کو پہنچا)

المنۃ للہ کہ نیاز بہ نسب نیست۔ اینک بشہادۃ طلم لوح وقلم را۔ مگر ہم نے صرف اتنی بات دکھانے کے لیے پیغمبر صاحب کے نسب نامہ کا نام بھی لیا کہ یوں تو پیغمبر صاحب نہایت سلجھی ہوئی طبیعت خدا کے یہاں سے لے کر آئے تھے اور دین کے جچے تلے خیالات خود ان کے دل میں پیدا ہوتے تھے مگر خاندانی اثر نے بھی سونے پر سہاگہ کا کام دیا تھا اور اگرچہ ابراہیمؑ کے مدتوں بعد دین میں بڑے رخنے پڑ گئے تھے یہاں تک کہ قریش اپنے خدا کے گھر کو بت خانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پجوانے لگے تھے مگر وہ جو کہتے ہیں کہ اول بہ آخر نسبتے دار دفطرت کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی۔ عبدالمطلب اور ابوطالب میں از سرِ نو چمکی اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو بزرگ ایسے قریب کے بزرگ تھے کہ

ا تحقیق یہ ہے کہ قریش صرف قصی اور ان کی اولاد تھے۔ دیکھو دفتر اصلاح کھجوا کی چھپی ہوئی کتاب سوانح عمری حضرت ابوبکر حصہ اوّل ۱۲

خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا پڑتا۔ پیغمبر صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُن کے والد انتقال کر گئے۔ آٹھ برس کی عمر تک دادا عبدالمطلب نے پرورش کیا۔

اُن کی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے لے کر پچیس برس کی عمر تک چچا ابوطالب نے۔ اور عبدالمطلب اور ابوطالب کے حالات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ دونوں دین فطرت گو ناقص ہی سہی بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ اور چونکہ اُن کا زمانہ فترۃ کا زمانہ تھا دین فطرت ہی کے وہ مکلف بھی تھے۔: (امہات الامۃ ص ۴۷)

حضرت ابوطالب

کے حالات کتاب تاریخ ائمہ میں ص ۹۷ سے ص ۱۰۱ تک تفصیل سے لکھ دیے گئے ہیں جن حضرات کی خواہش ہو دفتر اصلاح سے منگا کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اس کتاب میں ہم حضرت کے حالات علامہ آفاق السید محمد علی شرف الدین موسوی کی کتاب شیخ الابطح سے مختصر کر کے اردو زبان میں درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں لکھا ہے ''آپ کے تین نام ہیں عبد مناف، عمران اور شیبہ۔

آپ کے القاب سے شیخ ابطح، سید بطحاء اور رئیس مکہ مشہور ہیں۔ آپ کی کنیت ابوطالب ہے اور اسی سے آپ مشہور ہیں۔ جناب ابوطالب کی ولادت باسعادت ۵۳۵ء میں حضرت رسولؐ سے ۳۵ برس قبل مکہ معظّمہ میں ہوئی اور آپ نے جناب عبدالمطلب کی آغوش میں پرورش پائی قریش میں آپ کا پایہ حضرت عبدالمطلب سے کم نہ تھا۔

جناب عبدالمطلب کے انتقال پر آپ نے تن تنہا حضرت رسولؐ کی پرورش کی۔ آپ باوجود ناداری صرف اپنی قابلیت نفس، مکارم اخلاق اور اقتدار کی وجہ سے تمام قریش کے سردار مان لیے گئے۔ آپ نے اپنے اوپر فقرائے مساکین اور مسافروں کی ضیافت واجب ولازم کر لی۔ مہمانوں کو اپنے مہمان خانے میں ٹھہراتے اور ان کے کھانے پینے کا پورا انتظام کرتے تھے۔

جب موسم حج گزر جاتا تھا ان بڑے بڑے پیالوں کا تذکرہ اور ان بڑی دیگوں کا بیان جن میں ان کی دعوتیں کی جاتی تھیں تمام عرب میں ہوتا رہتا تھا۔ مؤرخین ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی وغیرہ نے لکھا ہے ابوطالب حاکم قریش، سردار قریش اور مصیبت کے اوقات میں قریش کی جائے پناہ اور ملجا و ماویٰ تھے۔ (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۶۱ و بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۳۲۴ و سیرۃ حلانیہ برحاشیہ سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۱۶) (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۷۷ا وغیرہ) آپ کے والد عبدالمطلب نے غالباً ۵۷۸ء میں انتقال کیا تو جناب ابوطالب پر تمام عرب کی نگرانی اور حضرت رسول کی کفالت کا اتنا بڑا بوجھ پڑا جس کا اٹھانا آپ ہی کا کام تھا۔ آپ کی شادی آپ کی چچا زاد بہن حضرت فاطمہ بنت اسد سے ہوئی۔

آپ نے ان سے نکاح کے وقت جو خطبہ پڑھا اس کا مطلب یہ تھا کہ ''اُس خدا کے لیے دنیا کی سب خوبیاں مخصوص ہیں

جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے۔ جو عرش عظیم مقام کریم اور شعر و حطیم کا رب ہے۔ وہ خدا جس نے ہمیں سید و سردار کی حیثیت سے منتخب کیا۔ ہم کو عارفین مخلصین میں شمار کیا اور رہبر بنایا۔ ساتھ ہی اس نے ہم کو فحش و شک، اذیت (نجاست) و عیب سے محفوظ رکھا۔ اس نے ہمارے لیے مشاعر قائم کیے اور ہم کو قبائل عالم پر فضیلت دی۔ ہم خلاصہ خاندان ابراہیمی جوہر صفوت خلیلی ہیں۔ ہم ہی حضرت ابرہیم کی کھیتی ہیں۔ میں نے فاطمہ بنت اسد سے شادی کی ان کا مہر ادا کر دیا اور امر تزویج نافذ کر دیا۔ اے حاضرین بزم! آپ لوگ اس بات کو دریافت کر لیں اور اس عقد کے گواہ رہیں اس کے بعد آپ کے چچا جناب اسد نے جواب دیا کہ ہاں ہم نے اپنی بیٹی فاطمہ سے تمہاری تزویج کر دی اور ہم اس بات پر تم سے راضی ہوئے۔ اس تقریب سعید کے بعد جناب ابوطالب مسلسل سات روز تک دعوت ولیمہ کرتے رہے جس میں کثرت سے اونٹ ذبح کیے اور لوگوں کو کھلائے جاتے رہے۔ اس دعوت ولیمہ کا ذکر امیہ بن الصلت نے اپنے ان اشعار میں کیا ہے۔

اغمرنا عرس ابی طالب وکان عرسا لین الجانب

اقراؤہ الضیف باقطارھا من رجل خف ومن راکب

فنازلوہ سبعۃ احصیت ایامھا للرجل الحاسب

رسالہ ابوطالب صفحہ ۹

ترجمہ: ابوطالب نے اپنی شادی کی دعوت ولیمہ سے ہم لوگوں کو ڈھانپ لیا اور وہ شادی بہت اخلاق کے ساتھ ہوئی۔ انھوں نے سب مہمانوں کی ضیافت کی خواہ وہ سوار ہوں یا پیدل۔ سب مہمان سات روز تک مسلسل اس دعوت سے فیض پاتے رہے۔

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آں حضرت کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگئی کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آں حضرت کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آں حضرت کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے ابوطالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔

عام مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بُصریٰ میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آں حضرت کو دیکھ کر کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟

اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لیے جُھک گئے۔:(سیرۃ النبی

جلد ا صفحہ ۱۲۹) پھر لکھا ہے عرب اور خصوصاً قریش یعنی بنی اسماعیل ظہور اسلام کے ہزاروں برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے۔ آں حضرت کے جد اعلیٰ ہاشم نے قبائل عرب سے تجارتی معاہدہ کر کے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کر دیا تھا۔ آں حضرتؐ کے چچا ابوطالب بھی تاجر تھے اس بناء پر سنِ رشد کو پہنچنے کے ساتھ آں حضرتؐ کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا۔ ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے۔

جناب رسولؐ اللہ کی عمر اب ۲۵ / برس کی ہو چکی تھی۔۔۔ حضرت خدیجہ نے۔۔۔ آں حضرت کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اُس کا مضاعف (دوگنا) دوں گی۔ آں حضرتؐ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بُصریٰ تشریف لے گئے۔

واپس آنے کے تقریباً تین مہینے کے بعد خدیجہ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔۔۔ تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سوطلائی درہم مہر قرار پایا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۳۷) پھر لکھا ہے ''جب آں حضرتؐ نے اعلان دعوت (اسلام) کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آں حضرت ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔۔۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لیے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا اب حالت نازک ہو گئی ہے۔

قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آں حضرت سے مختصر لفظوں میں کہا کہ جانِ عم! میرے اُوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اُٹھا نہ سکوں۔ رسول اللہؐ کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے۔ آں حضرت نے دیکھا کہ اب اُن پائے ثبات میں لغزش ہے۔ آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا۔ آپ کی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ سے کہا، جا! کوئی تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا (صفحہ ۱۶۲) پھر لکھا ہے ''قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔۔۔ اس لیے اب یہ تدبیر سوچی کہ آں حضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی

ہاشم سے نہ قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھوں خرید و فروخت کرے گا نہ ان سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لیے حوالے نہ کردیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندانِ ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں (یہ پہاڑ کا ایک درّہ تھا جو خاندانِ ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزین ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔

یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتّے کھا کھا کر رہتے تھے۔ بچّے بھی بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی،، (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۷۹) شعب ابی طالب میں حضرت ابوطالب نے حضرت رسولؐ سے جو محبت بلکہ اولادنثاری کی ہے اُس کی نظیر دنیا کے کسی زمانے اور کسی قوم، میں نہیں مل سکتی۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے **وکان ابوطالب فی کل لیلۃ یأمر رسول اللہ ﷺ ان یاتی فراشہ ویضطجع بہ فاذا نام الناس اقامہ وامر احد بنیہ او غیرھم ای من اخوتہ او بنی عمہ یضطجع مکانہ خوفا علیہ ان یعتالہ احد ممن یرید بہ السوء۔**

یعنی حضرت ابوطالب نے یہ معمول کرلیا تھا کہ ہر رات حضرت رسوؐل سے فرماتے کہ تم میرے بستر ہی پر سو رہو۔ پھر جب سب لوگ سو جاتے تو آپ حضرت رسوؐل کو اُس جگہ سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو حکم دیتے کہ وہ حضرت رسوؐل کی جگہ سو رہے۔ اس خوف سے کہ شب کو کوئی دشمن دھوکے سے حضرت کو قتل نہ کردے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۴۲) سبحان اللہ! یہ اولادنثاری دنیا میں (واقعہ کربلا سے پہلے اور اُس کے بعد) آج تک کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں سنی گئی۔ جناب ابوطالب حضرت رسوؐل کے بارے میں اس درجہ احتیاط برتتے کہ خوف کرتے شاید کسی دشمن نے دن کے وقت یا سرِشام حضرت رسولؐ کے سونے کی جگہ دیکھ لی ہو۔ اس وجہ سے لوگوں کے سونے پر حضرت کو اس جگہ سے اُٹھا دیتے اور اپنے جگر کے ٹکڑوں یعنی بیٹوں یا بھائیوں سے کسی کو وہاں سُلا دیتے کہ اگر وہ دشمن اُس جگہ کو یاد رکھ کر حملہ کردے تو حضرت رسوؐل وہاں سے ہٹ جانے کی وجہ سے بچ جائیں گے اور جناب ابوطالب کا کوئی بیٹا یا حقیقی یا چچازاد بھائی قتل ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر روز اپنے لڑکوں کو اپنے یتیم بھتیجے اور خدا کے آخری رسول پر فدا کرتے رہتے تھے۔

جناب ابوطالب کا ادبی کمال

جس طرح حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی متعدد کتابیں مثلاً (۱) درروغرر (۲) دستور معالم الحکم (۳) نہج البلاغہ وغیرہ آج تک بے مثیل و نظیر ہیں حضرت کے والد جناب ابوطالب کا ادبی کمال بھی نہایت اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ مثلاً اپنے بھائی جناب حمزہ سے جب وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے فرماتے تھے۔

فصبرا ابا یعلی علی دین احمد و کن مظهر اللدین وفقت صابرا

یعنی اے ابویعلی (حمزہ) آپ دین احمدؐ پر ثابت قدم رہیں۔ اور پورے استقلال سے دین اسلام کا اظہار کرتے رہیں۔ خدا کرے آپ موفق من اللہ ہوں۔ یا جب قوم قریش آپ سے درخواست کرتی تھی کہ آپ حضرت رسولؐ کو اسلام کی طرف دعوت کرنے سے روکیں تو جناب ابوطالب حضرت رسولؐ سے کہتے۔

واللہ لن یصلوا الیك بجمعهم حتی اوسد فی التراب دفینا

اے رسولؐ! خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں۔ یہ (تمہارے دشمن) لوگ تم تک نہیں آسکتے۔

جب کفار مکہ کے عہد نامہ پر خدا نے دیمک کو مسلط کر دیا جس نے اُس عہد نامہ کو چاٹ لیا اور جناب ابوطالب نے کفار قریش کو اس کی خبر دی مگر پھر بھی وہ نہ مانے تو جناب ابوطالب نے قریش کے ظلم اور ہٹ دھرمی کی شکایت میں کئی شعر کہے جن میں سے چند یہ ہیں:۔

وقد کان فی امر الصحیفة عبرة متی ما یخبر غائب القوم یعجب

(اس مکتوب کے بارے میں مقام عبرت ہے وہ صحیفہ کہ جب اس سے غائب خبردار کر دیا جائے تو متعجب ہوجا)

محی اللہ عنها کفرهم وعقوقهم وما نقموا من ناطق الحق معرب

(خدا نے قریش کے کفرونافرمانی کو محو کر دیا اور اس انتقام کو بھی محو کر دیا جو ایک سچے سے وہ لے رہے تھے)

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا ومن یختلق ما لیس بالحق یکذب

(جو کچھ قریش نے کہا تھا وہ باطل ثابت ہوا۔ اور جو بھی حق کو گڑھے گا جھوٹ بولے گا)

ایک موقع پر آپ نے حضرت رسولؐ سے فرمایا۔

اذهب بنیّ فما علیك مخافة وابشر بذالك وقومنك عیونا

(بیٹا! جاؤ اپنا کام دعوت اسلام کرتے رہو کوئی ڈر نہیں۔ خوش ہو اور مطمئن رہو۔)

ایک موقع پر آپ نے یہ اشعار پڑھنے شروع کیے اور حضرت رسولؐ کی طرف ہاتھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے۔

انت النبی محمد قرم اغر مسود

(یقیناً تم خدا کے نبی محمدؐ ہو۔ تم ذی عزت، روشن اور سردار ہو)

لمسوا دین اکادم طابوا وطاب المولد

(تم بھی پاک اصل اور تمہارے والدین بھی بزرگ اور پاک اصل ہے)

نعم الا رومة اصلها عمرو الحطيم الاوحد

(کیسی عمدہ ہے وہ اصل نسب یعنی عمر حطیم (جناب ہاشم) یگانۂ روزگار۔)

هشم الربيكة فى الجفان وعيش مكة افكد

(انھوں نے بڑے پیالوں میں اس وقت روٹی توڑ کر بھگوئی جب قحط سے اہل مکہ کا عیش مکدر تھا)

فجرت بذالك سنة فيها الخبيزة تثرد

(اسی دن سے یہ سنت جاری ہوگئی کہ مہماں نوازی کے لیے بڑے پیالوں میں روٹی بھگوئی جانے لگی۔)

ولنا السقاية للحجيج بها يماث العنجد

(خانۂ کعبہ کے حاجیوں کو پانی پلانا ہمارے ہی متعلق ہے جس میں زبیب ملا دیا جاتا ہے۔)

والمازمان وماحوت عرفاتها والمسجد

(مازمان (تنگ نائے مکہ ومنیٰ) ہمارے ہی ہیں اور جن مقامات کو اس کے عرفات ومسجد شامل ہیں)

انى تضام ولم امت وانا الشجاع العربد

(اے رسول تم پر کوئی بھی کیونکر ظلم کر سکتا ہے کیونکہ ہم ابھی زندہ ہیں اور ہم شجاع و بہادر ہیں)

وبطاح مكة لا يرمے فيها نجيع اسود

(مکہ کے نشیبوں میں ابھی سیاہ خون جمع نہیں ہوا۔)

وبنوا ابيك كانهم اسد العرين توقد

(اور تمہارے بھائی تو ایسے بہادر ہیں جو جوش میں بیشۂ شجاعت کے شیر ہیں۔)

ولقد عهدتك صادقا فى القول لا تتزيد

(اے خدا کے سچے رسول! میں نے تم کو ہر بات میں سچا پایا اور حق سے تم زدہ برابر تم نہیں بڑھے۔)

مازلت تنطق بالصواب وانت طفل امرد

(تم ہمیشہ سچ ہی بولے۔ اُس وقت بھی جب تم بالکل لڑکے تھے۔)

ایک اور موقع پر جب عثمان بن مظعون کے لیے آپ کو غصہ آیا تھا کیونکہ قریش نے ان کو اذیت پہنچائی تھی آپ نے کہا۔

امن تذكر دهر غير مامون اصبحت مكتئبا تبكى لمخرون

(کیا تم بے وفا زمانے سے رنجیدہ ہو اور محزون و مغموم کے لیے رو رہے ہو۔)

امن تذ کر اقوام ذوی سفه یغیثون بالظلم من یدعیٰ الی الدین

(کیا تم سبک عقل لوگوں کا خیال کر کے رنجیدہ ہو جو ظلم سے ان لوگوں کو بچا لیتے ہیں جو دین میں داخل ہوتے ہیں۔)

لا ینتهون عن الفحشاء ما امروا والعذر فیهم سبیل غیر مامون

(یہ لوگ بُری باتوں سے رُکتے نہیں اور حیلہ تو ان کا دستور ہی ہے۔)

الا یرون اذل الله جمعهم انا غضبنا لعثمان بن مظعون

(خدا انھیں ذلیل کرے کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ہم عثمان بن مظعون کے لیے غضبناک ہوئے۔)

اذیلطمون ولا یخشون مقلته طعنا دراکا وضربا غیر موهون

(جب وہ لوگ عثمان بن مظعون کو طمانچے مار رہے تھے اور ان کی آنکھ کی پروانہ کرتے تھے ان کی مار پے در پے تھی اور خفیف نہ تھی۔)

فسوف نجزیهم ان لم امت عجلا کیلا بکیل جزاء غیر مغبون

(اگر میں مر نہ گیا تو بہت جلد اس کا انتقام لے لوں گا جیسے پیمانہ ظلم انھوں نے بھرے ویسے ہی میرے بھی ہوں گے اور میں گھاٹا اٹھانے والا نہ ہوں گا۔)

اوینتهون عن الامر الذی وقفوا فیه ویرهنون منا بعد بالدون

(یہاں کہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آئیں اور ہمارے سامنے سرمذلت خم کریں۔)

وتمتع الصیم من یبغی مضامتنا بکل مظروفی الکف مستون

(ہم ظلم کو رد کرتے ہیں منع کرتے ہیں جو ہم پر ظلم کرنا چاہتا ہے کھنچی ہوئی اصیل تلوار سے۔)

ومرهفات کان الملح خالطها یشفی بها الداء من هام المجانین

(اور ان تلواروں سے جن کے جوہر اُبھرتے ہوئے ہیں اور صیقل ہیں جو مجنونوں کے سر سے مرض جنون دور کر دیتے ہیں۔)

حتی تقر رجال لا حلوم لها بعد الصعوبة بالاسماح واللین

(یہاں تک کہ بے وقوف لوگ بعد سختی نرم ہو جائیں اور قول حق قبول کریں۔)

اویومنوا بکتاب منزل عجب علی نبی کموسیٰ او کذی نون

(یا وہ کتاب منزل من اللہ پر جو انوکھی ہے ایمان لائیں جو موسیٰ اور ذوالنون ایسے نبی پر اُتری۔)

یاتی بامر جلی غیر ذی عوج کما تبین فی آیات یاسین

(وہ نبی جو امر روشن وحق کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ آپ کی علامتوں میں ظاہر ہو چکا۔)

جناب ابوطالب کا قصیدہ لامیہ

جناب ابوطالب کا ایک بہت مشہور قصیدہ لامیہ ہے جس کے اشعار سے یہ بھی ہیں۔ یہ آپ کا بہت بڑا اور طویل قصیدہ ہے جو سو شعروں سے بھی زائدہ ہے اور جس کا تذکرہ مع شرح "لب لباب لسان عرب، میں موجود ہے۔ عبدالملک بن ہشام نے بھی اس کو اپنی سیرت جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے اور صاحب ناسخ التوارخ نے اس کو نقل کیا ہے۔ آلوسی نے بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ طبع اول میں بھی اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔

اس قصیدے کے بہت سے اشعار شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۶ مطبوعہ مصر میں بھی ہیں۔ علامہ دحلانی نے صفحہ ۱۱ پر اس میں کے بعض اشعار نقل کیے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس قصیدہ میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو جناب ابوطالب کے ایمان اور تصدیق رسالت پر واضح دلیل ہیں۔

علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن کثیر نے اس قصیدہ کی مدح میں کہا ہے کہ یہ قصیدہ بے حد بلیغ ہے اور کسی شخص میں اتنی قابلیت نہیں کہ ایسا قصیدہ کہہ سکے سوا اس بزرگ کے جن کی طرف یہ منسوب ہے یعنی ابوطالب کے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کا یہ تصیدہ معلقات سبع،، سے بہتر اور تادیہ معنے میں رفیع تر ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) خلیلے ما اذنی لاذنی عاذل بصغواء فی حق ولا عند باطل

(میرے دوستو! میں ملامت کرنے والے کی کوئی بات سنی نہیں چاہتا وہ حق ہو یا باطل۔)

(۲) خلیلے ان الرای لیس بشرکۃ ولا نہنہ عند الامور البلابل

(رہ گئی رائے تو نہ وہ سامنے کی بات ہے اور نہ سخت وقتوں میں اس میں رکاوٹ ہے۔)

(۳) ولما رائت القوم لا ودعندھم وقد قطعوا کل العرے والوسائل

(جب میں نے دیکھ لیا کہ قوم میں محبت کا نام نہیں اور انھوں نے کل لگاؤ اور وسیلے کاٹ ڈالے)

(۴) وقد صارجونابالعداوۃ والاذے وقد طاوعوا امرا بعد والمزایل

(اور انھوں نے کُھلّم کُھلا دشمنی کی اور اذیت دی اور انھوں نے دشمن کے کہنے کو مانا۔)

(۵) وقد حالفوا قوما علینا اظنۃ یعضون غیظا خیلفنا بالانامل

(ان لوگوں نے ہمارے خلاف اس قوم کو حلیف بنایا جو ہمارے پیچھے غصہ میں اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹا کرتے ہیں۔)

(۶) صبرت لهم نفسی بسمراء سمحة وابیض عضب من تراث المقاول

(نیزہ خوں ریز اور تیز شمشیر کے لیے میں نے اپنے نفس کو روک رکھا جو سرداروں کی میراث ہے۔)

(۷) واحضرت عند البیت رهطی واخوتی وامسکت من اثوابه بالوصائل

(جب یہ دیکھا کہ میں اپنے کنبے اور بھائیوں کو خانہ کعبہ کے پاس لایا اور اُس کے پردوں سے تمسک کیا۔)

(۸) قیاما معا مستقبلین رتاجة لدی حیث یقضی خلفة کل نافل

(ہم سب کعبہ کے سامنے رخ کر کے کھڑے ہوے۔ جہاں ہر نافلہ گزار اپنا نافلہ ادا کرتا ہے۔)

(۹) اعوذ برب الناس من کل طاعن علینا بسوءٍ او ملح بباطل

(میں ہر بدگو اور باطل کوش کے طعنوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں)

(۱۰) ومن کاشح یسعی لنا بمعیبة ومن ملحق فی الدین مالم نحاول

(اور اُس دشمن سے پناہ مانگتا ہوں جو عیب جوئی میں لگا رہتا ہے اور جو دین میں وہ باتیں ملا دیتا ہے جن کا ہم نے ارادہ نہیں کیا)

(۱۱) وننصره حتی نصرع دونه ونذهل عن ابنائنا والحلائل

(ہم رسول کی مدد آخری وقت تک کیے جائیں گے اور اس وقت تک کہ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھول نہ جائیں یعنی مرتے دم تک)

(۱۲) وحتی نری ذا الردع یرکب ردعه من الطن فعل الاتکب المتحامل

(یہاں تک کہ کینہ ور کو ہم دیکھیں کہ نیزے سے منہ کے بل اس طرح گرا جیسے کنارے پر چلنے والا)

(۱۳) وانا وبیت الله من جدجدنا لتلتبن اسیافنا بالاماثل

(ہم تو کعبہ کی قسم یہی جانتے ہیں کہ اپنی تلوار سے منتخب لوگوں کو قتل کریں)

(۱۴) بکفی فتی مثل الشهاب سمیدع اخی ثقة عند الحفیظة البسل

(جو اس جوان کے ہاتھوں میں ہوگی جو سردار قوم ہے اور تیر شہاب کی طرح ہی قابل وثوق ہے اور وقت جنگ بہادری)

(۱۵) وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل

(سپید رنگ سردار جس کے چہرے سے ابر برسایا جاتا ہے جو یتیموں کا فریادرس بیوں کا محافظ)

(۱۶) یلوذ به الهلاك من اٰل هاشم فهم عنده من نعمة وفواضل

(وہ ذات جس کے سایہ میں ہاشم کے مجبور لوگ پناہ لیتے ہیں اور نعمتیں پاتے ہیں)

(۱۷)ومیزان صدق لا یخیس شعیرۃ وذان صدق وزنہ غیر غافل

(وہ ذات جو سچائی کی ترازو ہے تول میں جو ذرہ بھر کمی نہیں کرتا اور سچا تولنے والا ہے)

(۱۸)الم تعلموا ان ابننا لا مکذب لدینا ولا نعبا بقول الاباطل

(تمھیں معلوم نہیں کہ ہمارا بیٹا (احمد) جھوٹا نہیں اور ہم یاوہ گویوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے)

(۱۹)لعمری لقد کلفت وجدا باحمد واجببته حب الحبیب المواصل

(اپنی عمر کی قسم میں دل و جان سے احمد کو چاہتا ہوں اور بے حد محبت رکھتا ہوں)

(۲۰)فلا زال فی الدنیا جمالا لاھلھا وشینا لما عادی وزین المحافل

(اے رسول تم ہمیشہ جمال اہل دنیا زینت محافل اور دشمنوں کے لیے مضر رہو)

(۲۱)وایدہ رب العبادہ بنصرہ واظھر دینا حقہ غیر باطل

(خدا نے رسول کی مدد کی اور اس کے دین حق کو جو باطل نہ تھا ظاہر فرمایا)

یوں ہی آپ کی وہ نظم ہے جو آپ نے اس وقت فرمائی تھی جب قریش نے پیغمبر اور بنی ہاشم سے مقاطعہ کیا تھا اور عہد نامہ اس بارے میں لکھ کر دستخط کیے تھے جس کے چند اشعار یہ ہیں

(یہ تمام اشعار سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۱۵ طبع ثانی میں اور شرح ابن ابی الحدید جلد ا صفحہ ۲۱۲ پر موجود ہیں)

الم تعلموا انا وجدنا محمدا نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب

(کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم نے محمد کو اس طرح نبی پایا جیسے موسیٰ تھے جن کی بابت اگلی کتابوں میں مذکور ہے)

وان الذی لقستم فی کتابکم یکون لکم یوما کراغیۃ السقب

(جو کچھ تم نے اپنے عہد نامہ میں لکھا ہے وہ تمھارے لیے غیر مفید ثابت ہوگا)

اقیفوا اقیفوا قبل ان یحفر الثری ویصبح من لم یجن وبنا کذی ذنب

(ہوش میں آؤ ہوش میں آؤ قبل اس کے کہ موت آئے اور غیر مجرم قرار دیا جائے)

ولا تتبعوا امر الغواۃ تقطعوا اوامرنا بعد المودۃ والقرب

(دیکھو گمراہوں کی بات میں نہ آؤ اور آپس کے تعلقات بعد محبت و قرابت قطع نہ کرو)

وتستجیبوا حرباعوانا وربما امر علی من ذاقه حلب الحرب

(جنگ کو اُبھارو نہیں کیونکہ اکثر اس کا مزا کڑوا ہوتا ہے)

فلسنا ورب البیت نسلم احمداً لغراء من عض الزمان ولا کرب

(خدائے کعبہ کی قسم ہم احمد (رسول) کو سختیوں کے حوالہ نہ کریں گے چاہے زمانہ تکلیف دہ او ایذا رساں ہو)

ولما تبین منکم ومنا سوالف وایدا ترت بالقساسیة الشهب

(اور ہم میں تم میں تو اس سے پہلے ایسی باتیں نہیں ہوئیں کہ ہاتھوں میں چمک دار تلواریں کھینچ لی جائیں۔)

بمعترك ضنك ترے قصد القنا به والضباع العرج تعكف كالشرب

(جنگ کے اس تنگ میدان میں جہاں نیزہ بازی ہوتی ہے اور بجو پیاسے اونٹوں کی طرح جمع ہوتے ہیں)

کان محال الخیل فی حجراته وغمغمة الابطال معرکة الحرب

(بہادروں کے سمھے اور گھوڑوں کی دوڑ مقامات حرب میں، اسی کا نام معرکہ ہے۔)

الیس ابونا هاشم شدازره واوصیٰ نبیه بالطعان وبالضرب

کیا ہمارے باپ ہاشم نے کمرِ شجاعت چست نہیں باندھی تھی اور کیا انھوں نے اپنے بیٹوں کو نیزہ بازی اور تیغ زنی کی وصیت نہیں کی تھی۔)

ولیس نمل الحرب حتی نملنا ولا نشتکی ماقدینوب من النکب

(ہم جنگ سے تھکتے نہیں اور نہ جنگ کی سختیوں کی شکایت کرتے ہیں۔)

ولکننا اهل الحفائظ والنهی اذاطار ارواح الکماة من الرعب

لیکن ہم صاحبان حفیظہ اور ارباب عقل ہیں (ہم ثابت قدم رہتے ہیں) جب بہادروں کی روحیں میدانِ جنگ میں رعب سے پرواز کرتی ہیں۔)

---

[1] علامہ وحلانی نے کتاب اسنی المطالب میں صفحہ ۱۰ پر اشعار کو لکھتے ہوئے تحریر کیا،، یہ قصیدہ ابوطالب کا ہے جو اُس وقت کہا گیا جب قریش نے بنی ہاشم کا محاصرہ شعب میں کیا تھا۔ یہ قصیدۂ غرائے بلیغ اس بات پر دلیل ہے کہ ابوطالب کو بے حد محبت رسول سے تھی یہ کہ ابوطالب نے بے انتہا حمایت رسول کی یہ کہ آپ نے رسول سے دشمنوں کو دفع کیا اور یہ کہ تصدیق نبوت فرمائی

ایضاً

واللہ لن یصلوا الیك بجمعھم حتی اوسد فی التراب رھینا[1]

(خدا کی قسم اے رسول قریش اپنے جتھے سمیت تم تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میں خاک میں نہ مل جاؤں)

فاصدع بامرك علیك فضاضۃ والبشرك بذالك وقومنك عیونا

(جو کچھ تم کو خدا کا حکم ہے اسے ظاہر کرو۔ اور اس سے خوش ہو اور اپنی آنکھیں خنک رکھو۔)

ودعوتنی وعلمت انك صادق ولقد صدقت وکنت ثم امینا

(اے رسول! تو نے مجھے دعوت اسلام دی اور میں تو سچا تھا اور تو صادق بھی ہے اور امین بھی)

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریۃ دینا

(میں نے جان لیا کہ دین محمد بہترین ادیان ہے اور بہترین مذاہب عالم)

ایضاً

اذا جمعت یوما قریش لمفخر فعبد مناف سرھا وصمیھا[2]

(اگر کسی دن قریش مقام فخر وافتخار میں جمع ہوں تو عبد مناف فقط بے عیب ثابت ہوں گے)

وان حصلت انساب عبد منافھا ففی ھاشم اشرافھا وقدیمھا

(جب انساب عبد مناف کا تذکرہ ہوگا تو بنی ھاشم میں اشراف وشرف قدیم کا شمار ہوگا)

---

[1] ان ابیات کو دحلانی نے اپنی کتاب اسنی المطالب میں صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور تحریر کیا ہے کہ اس بات پر کہ یہ حضرت ابوطالب ہی کے اشعار ہیں مقاتل، عبداللہ بن عباس قاسام بن مخیمرہ اور عطاء بن دینار نے اتفاق کیا ہے۔ ابوالفداء نے اس کی تائید کرتے ہوئے اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۲۰ جلد ا پر یہ اشعار درج کیے ہیں اور اس میں ایک شعر کا اور اضافہ کیا ہے اور یہ عبارت لکھی ہے (ومن شعر ابی طالب مما یدل علی انہ کان مصدقا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قول) مفہوم عبارت: یہ ابوطالب کے اشعار ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ نے نبوت کی تصدیق کی جیسا کہ آپ کا قول شاہد ہے ودعوتنی وعلمت انك صادق۔ سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۲۸۷ میں بھی یہ اشعار ہیں۔

[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۶۵ طبع ۲ میں یہ اشعار ہیں اور علامہ دجلانی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ پر ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابوطالب کے بہترین، نمایاں اور روشن اشعار میں سے یہ اشعار ہیں جو تصدیق نبوت پر دلیل ہے۔

وان فخرت یوما فان محمدا هو المصطفیٰ من سرها و کریمها

(اوراگروہ کبھی فخر کریں تو محمد مصطفیٰ جو کریم ترین قریش ہیں کی ذات پر فخر کر سکتے ہیں جو بزرگ ترین وکریم ہیں۔)

تداعت قریش غثها وسمینها علینا فلم تظفر وطاشت حلومها

(ہم پر قریش نے اچھے بُرے سبھی دعوے کیے مگر انھیں ظفر نہ نصیب ہوئی اوران کی عقلیں پٹا گئیں)

و کنا قدیما لا نقر ظلامة اذما ثنوا صعرا الخدود نقیمها

ہم تو پہلے سے ہی ظلم نہیں سہ سکتے تھے (لہذا) جب وہ ٹیڑھے ہوکر چلے (متکبرانہ انداز میں تو ہم نے اُن کو سیدھا کردیا)

ونحمی حماها کل یوم کریهة ونضرب عن احجارها من یرومها

(ہم روز جنگ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دشمن سے جنگ کرتے ہیں۔)

بنا انتعش العود والذواء وانما باکنا فنا تندی وتنمی اروما

(ہمیں وہ ہیں جس کے سبب سے خشک شاخ سرسبز ہوجاتی ہے اور ہمارے ہی اطراف میں اس کی جڑ نہ نبر ہوتی ہے اور پھپکتی ہے۔)

حضرت ابوطالب کے یہ اشعار اُس وقت کے ہیں جب آپ ابولہب کو نصرت رسولؐ پر برانگیختہ کرنا چاہتے تھے۔

وان امرءاً ابو عتبه عمه لفی معزل من ان یسام المظالما[1]

(وہ شخص جس کا چچا ابولہب ہے یعنی رسولؐ وہ ایسے مقام میں ہے کہ اُس پر ظلم نہیں کیا جاسکتا۔)

ولا تقبلن الدهر ما عشت خطة تسب بها اما هبطت المواسما

(جب تک جیو ایسی خصلت نہ قبول کرو جس کی وجہ سے تم پر عرب کے میلوں میں گالیاں پڑیں)

اقول له واین منه نصیحتی اباعتبة ثبت سوادك قائماً

(میں ابولہب کو نصیحت کرتا ہوں اور میری نصیحت کو وہ کیا مانے گا کہ اے ابولہب رسول کی مدد کر)

دول سبیل العجز غیرك منهم فانك لم تخلق علی العجز لازما

(اور عاجزی دوسروں کے لیے رہنے دے کیونکہ تو عاجز نہیں پیدا کیا گیا)

وحارب فان الحرب نصف ولن تری اخا الحرب یعطی الخسف حتی لیسالما

---

[1] سیرۃ ہشامیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶ شرح حدیدی جلد ۲ صفحہ ۳۷

(اور لڑ کیونکہ یہی انصاف ہے۔ اور جنگ جو جب تک صلح نہ کرے ذلیل نہیں ہوتا)

کذبتم وبیت اللہ نبزے محمداً ولما تروا یوما من الشعب قائماً

(تم نے جھوٹ کہا کہ ہم نے رسول کو چھوڑ دیا۔ کس دن رسول کو شعب سے اُٹھتے ہوئے دیکھا تھا؟)

ایضاً

[1]ان علیا وجعفرا ثقتی عند مسلم الزمان والنوب

(مصیبت اور ناموافقت زمانہ کے وقت میرے معتمد (میرے دونوں لڑکے) علی وجعفر ہیں)

لا تخذلا وانصرا ابن عمکما اخی لامی من بینھم وابی

(اے علی وجعفر! دیکھو اپنے بھائی رسول کی مدد کیے جانا اور ان کو تنہا نہ چھوڑنا)

واللہ لا اخذل النبی ولا یخذل لہ من بنی ذو حسب

(خدا کی قسم نہ میں ترک نصرت رسول کروں گا اور نہ میرے شریف اور صاحب حسب لڑکے ترک نصرت کریں گے)

ایضاً

فلا تسھوا امکم فی محمد ولا تتبعوا امر الغوات الاشائم [2]

(قریش والوں!) رسول کے معاملہ میں بیوقوف نہ بنو اور منحوس گمراہوں کا اتباع نہ کرو۔)

تمنیموا ان تقتلوہ وانما امانیکم ھذی کاحلام نائم

(تم نے یہ تمنا کی کہ تم رسول کو قتل کرڈالو گے۔ یہ تمھاری تمنائیں سونے والے کا خواب تھیں۔)

وانکم واللہ لا تقتلونہ ولما تروا قطف اللحی والجماجم

(خدا کی قسم تم انھیں قتل نہیں کرسکتے جب تک جنگ سے سر اور جبڑے کی ہڈی نہ ٹوٹے۔)

زعمتم بانا مسلمون محمدا ولما نقازف دونہ ونزاحم

(تم نے یہ گمان کرلیا کہ ہم محمد کو بغیر لڑے بھڑے تمھارے سپرد کردیں گے)

من القوم مفضال ابی علی العدی تمکن فی الفرعین من آل ھاشم

---

[1] شرح نہج حدیدی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴

[2] شرح نہج حدیدی جلد ۳ صفحہ ۳۱۳

(قوم میں صاحب وہ لوگ ہیں جو دشمن کے حملے نہیں سہ سکتے اور جو ماں باپ دونوں طرف سے خاندان ہاشم میں ہیں۔)

امین حبیب فی العباد مسوم بخاتم رب قاھر فی النحوتم

(محمد امین وحبیب بندوں میں ہیں۔ اور مہر خداوند قہار سے پہچانے ہوئے ہیں)

یری الناس برھانا علیه وھیبة وما جاھل فی قومه مثل عالم

(لوگ رسول کے دلائل نبوت اور ہیبت رسالت دیکھتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ عالم وجاہل برابر نہیں ہوتے)

نبی اتاه الوحی من عند ربه ومن قال لا یقرع بها سن نادم

(یہ وہ نبی ہیں جن پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اور جو انھیں رسول مانے گا وہ نادم نہ ہوگا)

ایضاً

وقالو الاحمد انت امرء خلوف الحدیث ضعیف السبب

(قریش نے رسول سے کہا تم وہ آدمی ہو جس کی باتیں ٹھیک نہیں اور کمزور وضعیف ہیں)

وان کان احمد ما جاء ھم بصدق ولم یاتھم باکذب

(اگر چہ احمد نے جو کچھ ان سے کہا وہ سب سچ تھا اور اس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہ تھا)

فانا ومن حج من راکب وکعبة مکة ذات الحجب

(ہم کہتے ہیں کہ حجاج بیت اور کعبہ کی قسم)

تنالون احمد او تصطلوا ظناة الرماح وحدّ القضب

(وہ رسول کو مجھ سے نہیں لے سکتے جب تک تلوار کی آنچ میں تاپ نہ لیں)

وتعترفوا بین ابیاتکم صدور العوالی وخیلا شزب

(یہاں تک کہ تم اپنے مقامات پر طویل نیزوں اور سریع السیر گھوڑوں کو پہچانوں گے)

علیھا صنادید من ھاشم ھم الانجبون فی المنتخب

(جن پر نجیب وشریف سرداران بنی ہاشم سوار ہوں گے)

حضرت ابوطالب کی ادبیت نثر

بہت سی چیزیں آپ کے کلام میں سے گزریں۔اب یہاں مثلاً آلوسی صاحب بلوغ الارب [1]، دیار بکری صاحب تاریخ خمیس [2]، دحلانی [3] اور حلبی [4] نے لکھا ہے تاکہ آپ کی ادبیت نثر پر روشنی پڑے

صاحب بلوغ الارب کی تحریر کا خلاصہ

ہشام بن محمد بن سائب کلبی سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ کی وفات قریب ہوئی تو آپ نے سرداران قریش کو جمع کیا اور ان کو وصیت کی اور کہا:

هيا معشر قريش انتم صفوة الله من خلقه وقلب الحرب فيكم السيد المطاع وفيكم المقدام الشجاع الواسع الباع ۔واعلموا انكم لم تتر كواللعرب فى المآثر نصيباً الا احرز تموه ولا شرفاً الا ادركتموه فلكم بذالك على الناس الفضيلة ولهم به اليكم الوسيلة والناس لكم حرب وعلى حربكم اليه وانى اوصيكم بتعظيم هٰذا البيتة يعنى الكعبة۔ فان فيها مرضاة للرب وقوماً للمعاش۔ صلوا ارحامكم فان فى صلة الرحم منسأة فى الاجل وزيادة فى العدد، اتركوا البغى والعقوق ففيهما هلكت القرون قبلكم ۔اجيبوا الدعى، وعطوا السائل فان فيهما شرف الحياة ويلمماة وعليكم بصدق الحديث واداء الامانة ۔فيهما

اے گروہ قریش؛ تم تمام مخلوقات میں اللہ کے چنے ہوئے بندے ہو اور تم عرب کے دل ہو تمہیں میں وہ سردار ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور تمہیں میں سے وہ بہادر، پرہمت، حوصلہ مند اور سخی ہے جو آگے بڑھتا ہے (تم خود سمجھتے ہو) اور (اب بھی) جان لو کہ عرب کے لئے خوبیوں میں کوئی ایسا حصہ نہ تھا جس کو تم نے حاصل نہ کر لیا ہو اور نہ کوئی ایسا شرف باقی رہا جس کو تم نے نہ پالیا ہو اس حیثیت سے تم کو لوگوں پر فضیلت ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ تمہارا وسیلہ ڈھانڈھتے ہیں۔

---

[1] جلد ا ص ۳۲۷ و ۳۲۸ طبع ثانی۔

[2] ج ا ص ۳۴۹ طبع اولی

[3] ص ۵

[4] ج ا ص ۳۵۲ طبع مصر

لوگ تمہاری حمایت پر لڑنے کے لئے آمادہ اور تمہاری طرف سے جنگ پر کمر باندھے رہتے ہیں۔ سنو؛ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کے اس گھر یعنی خانہ کعبہ کی برابر تعظیم کرتے رہنا کیوں کہ اس میں تمہارے تمہارے پروردگار کی خشنودی اور تمہارے ذرائع معاش کا سامان ہے۔

تم لوگ صلہ رحم بھی کرتے رہو کیوں کہ صلہ رحم سے عمریں زیادہ ہوتی ہیں اور اپنی تعداد خوب بڑھتی رہتی ہیں۔ ساتھ ہی بغاوت اور نافرمانی سے دور رہنا کہ ان دوعیبوں کی وجہ سے تمہارے پہلے بہت سی قومیں ہلاک ہوگئیں مظلوم کی فریاد کو پہنچو اور سائل کی حاجت پوری کرو کیوں کہ ان دوخوبیوں میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ ہمیشہ سچ بولو اور لوگوں کی امانت ادا کرتے رہو

محبة فی الخاص ومکرمة فی العام ۔ وانی اوصیکم بمحمد خیرا فانه الامین فی قریش والصدیق فی عرب وهو جامع لکل ما اوصیکم بی وقد جاء نا بامر قبله الجنان وانکره اللسان مخافة الشنان ۔ایم الله کانی انظرا الی صعالیك العرب واهل الاطراف ومستضعفین من الناس قد اجابوا دعوته وصدقوا کلمته و عظموا امره فخاض بهم غمرات الموت وصارت روساء قریش و صنا دیدها اذنابا ودورها خراباً۔ وضعفاء ها اربابا واذا اعظمهم علیه احوجهم الیه قد محضته العرب ودائوها واصغت له بلادها واعطته قیادها ۔یامعشر قریش کونوا الیه ولاة والحزبه حماة والله لا یسلك احس سبیله الارشد ولا یا خذ بهدیه علی سعد ولو کان لنفسی مدة ولا جلی تأخیر لکففت عنه الهزا الهزا ولد فعت عنه الدواهی۔ وقال لهم مرة لن تزالو ابخیر ما سمعتم بمحمد وما ابتعتم امره فاطیعوه ترشدوا۔

کیونکہ ان دونوں صفتوں سے خاص طبقہ میں محبت اور عام طبقہ میں عزت بڑھتی ہے۔ اور میں تم کو (اپنے بھتیجے) محمد کے بارے میں بھی وصیت کیے جارہا ہوں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کرنا۔ تم خوب جانتے ہو کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں بڑے سچے کے لقب سے مشہور ہیں۔

اور میں نے تم سے جن خوبیوں کی وصیت کی ہے وہ سب ان میں موجود ہیں وہ ایسا مذہب تم پر پیش کررہے ہیں جس کو سب کا دل قبول کررہا ہے مگر دشمنی کے خوف سے زبان انکار کررہی ہے۔ اور خدا کی قسم گویا وہ زمانہ میرے پیش نظر ہے کہ عرب کے نادار لوگ اردگرد کے رہنے والے اور کمزور جماعتیں ان کی دعوت اسلام قبول کررہی ہیں۔ ان کی بات کی تصدیق کرتی ہیں اور ان مسئلہ کی تعظیم کررہی ہیں تو وہ (محمدؐ) اُن کے ساتھ موت کے بعد کے دریا میں کود پڑے جس کے بعد قریش کے سردار اور ان کے بڑے بڑے لوگ حقیر ہو گئے۔ ان کے سردار اور ان کے بڑے بڑے لوگ حقیر ہو گئے۔ ان کے گھر ویران ہو گئے اور ان کے کمزور لوگ مالک بن گئے اور وہ حالت ہوگئی کہ جو اُن میں سب سے بڑے لوگ تھے وہی ان کے سب سے زیادہ محتاج ہو گئے۔

عرب کے لوگوں نے ان کے لیے اپنی محبت خالص کر دی تو کتنے شہران کے فرماں بردار ہو گئے اور ان کی سرداری قبول کی ۔اے قریش والو! تم لوگ بھی ان کے دوست بن جاؤ اوران کی جماعت کی حمایت کرنے لگو۔ خدا کی قسم جو شخص ان کے مذہب پر چلے گا وہ ضرور نجات پائے گا۔

خدا کی قسم جو شخص ان کے دین کو قبول کرے گا وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہو کر رہے گا۔ اگر میں اور زندہ رہتا اور موت مجھے کچھ مہلت دیتی تو میں ان سے مخالفتوں کو دُور ور مصیبتوں کو دفع کرتا رہتا۔ اوران لوگوں سے ایک دفعہ یہ بھی کہا کہ جب تک تم لوگ محمدؐ کی پیروی کرتے رہو گے بھلائی پاتے رہو گے تو ہمیشہ ان کی اطاعت کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

دُنیا اس کلام کو دیکھے

اور سمجھے کہ اس عبارت سے حضرت ابوطالب کی کون کون صفت ثابت ہوتی ہے۔:

(ا) پہلا امر یہ کہ آپ نے مکہ والوں کو خانۂ کعبہ کی حفاظت کی تاکید کی ۔ وہ خانۂ کعبہ جو حضرت ابراہیم کے زمانہ سے خدا کا گھر اور پورے ملک عرب کی جان تھا۔ اس کی دو خوبیاں بیان کیں ۔ رب کی خوشی عرب والوں کے لیے اس کا ذریعہ معاش ہونا ۔ اگر غور کیا جائے تو واضح ہو کہ یہ جناب ابوطالب کی وصیت نہیں بلکہ گویا حضرت ابراہیم پیغمبر کا کلام ہے جنھوں نے حضرت اسماعیل کے ساتھ خانۂ کعبہ کو بنایا تھا۔ اس کلام کو قرآن مجید کے ارشاد سے ملایئے تو صاف معلوم ہو گا کہ حضرت ابوطالب نے گویا مندرجہ ذیل آیتوں کی تفسیر ہی اس میں بیان فرمائی ہے۔:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔(سورہ بقرہ آیت ۱۲۵ تا ۱۲۹)

اور اے پیغمبر! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا مرجع (معبد) اور امن کی جگہ ٹھہرایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیم کی اسی جگہ کو نماز کی جگہ مورد رکھو اور ابراہیم و اسماعیل سے کہا کہ ہمارے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور مجاوروں اور نمازیوں کے لیے پاک صاف رکھو۔

اور اے پیغمبران کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ابراہیم نے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار اس (شہر مکہ) کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کو پھل پھلاری کھانے کو دے۔

اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ اور روز آخرت کا منکر ہو گا اُس کو بھی کچھ روز کے لیے ہم فائدہ اُٹھانے دیں گے پھر اس کو عذاب دوزخ میں ڈال دیں گے جو بُرا ٹھکانا ہے۔ اور وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ابراہیم اور اسماعیل دونوں خانۂ کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اور دعائیں مانگتے جاتے تھے کہ اے مالک ہماری یہ خدمت قبول کر لے تو سننے والا جاننے والا ہے اور ہم کو فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں ایک گروہ پیدا کر جو تیرا حکم مانے اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول کر تو بڑا معاف کرنے والا رحیم ہے۔

اور اے مالک اس مکہ میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج کہ وہ ان کو تیری آیتیں سنائے ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی اصلاح کرے۔ بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

(۲) دوسرا امر یہ کہ آپ نے صلۂ رحم کی تاکید اور اس کے دنیوی فیوض وبرکات بیان فرمائے۔

یہ بھی وہ خوبی ہے جس کی بہت کچھ تاکید قرآنی مجید میں بھی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:۔

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (پارہ۱۰ ع۶)

اور رشتہ والے لوگ اللہ کے حکم کے مطابق غیر آدمیوں کی نسبت ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ الایہ (پارہ۲۱ ع۱۷)

اور رشتہ دار لوگ قرآن کی رو سے تمام مسلمانوں اور مہاجروں سے بڑھ کر ایک کے حق دار ہیں۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (پارہ۲۶ ع۷)

کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر جہاد کرنے سے پھر بیٹھو تو اس صورت میں بھی لگو ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتے ناتوں کو توڑنے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (پارہ۴ رکوع ۱۲)

اور جس خدا کا واسطہ دے دے کر تم اپنے لیتے کام نکال کیتے ہو اُسکا اور رشتوں کا پاس ملحوظ رکھو (یعنی صلہ رحم کرو) یقیناً اللہ تمھارا نگراں ہے۔

اللہ اکبر خدا کی نظر میں صلہ رحم کی اتنی اہمیت ہے کہ خدا نے اپنے حقوق اور صلۂ رحم کرنے کے حقوق کو برابر ایک ساتھ ہی

ذکر فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صلۂ رحم کرنے سے اپنے رشتہ دار مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ان کی پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ ان کا بڑا سہارا ہو جاتا ہے۔ اس طرح درحقیقت صلہ رحم کرنے والے ہی کی قوت بڑھتی اور طاقت زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۳) پھر ابو طالب نے اور عقوق سے لوگوں کو منع کیا۔ یہ بھی بالکل قرآن مجید ہی کی ہدایتیں ہیں جو جناب ابو طالب کی زبان پر جاری ہوئیں۔ اس دعوے کی تصدیق ان آیات کلام مجید سے ہوتی ہے:۔

إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ الایہ (پارہ۸ع۱۱)

میرے پروردگار نے بے حیائی کے کاموں کو منع فرمایا ہے ظاہر ہوں یا باطن اور گناہ اور بغاوت کرنے کو

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (پارہ۱۴ع۱۹)

اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور لوگوں کیساتھ احسان کرنے اور قرابت والوں کو مالی امداد دینے کا اور بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے تا کہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۖ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پارہ۱۱ع۸)

لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر پڑیگا یہ بھی دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے ہیں پھر تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو اُس وقت جو کچھ بھی تم دنیا میں کرتے رہے ہم تم کو بتادیں گے۔

جناب ابو طالبؑ کا یہ ارشاد بھی بہت اہم ہے کہ فرمایا سرکشی اور نافرمانی کرنے سے، پہلے کتنے لوگ ہلاک اور برباد ہو گئے، پہلے والوں کے بعد بھی کتنے لوگ مٹ گئے۔ مثال کے لیے بنی امیہ کو دیکھ لیجئے جن کی سلطنت یورپ، افریقہ، ایشیا میں چین تک پھیلی ہوئی تھی وہ صرف ۸۲ سال بعد ایسے مٹ گئے کہ سب کے لیے عبرت گاہ بن گئے۔ ۱۳۲ھ کے بعد ایشیا میں تو ان کا نام باقی ہی نہیں رہا۔ یورپ کے مختصر ملک اسپین میں اُن کی حکومت قائم ہوئی تو اُس کو بھی کچھ ہی مدت کے بعد یورپ کے باشندوں نے ایسا مٹایا کہ اب ان کا کوئی نشان وہاں بھی باقی نہیں رہا۔ اللہ اکبر!

یہودی قوم کتنی قدیم ہے وہ تباہ و برباد ہوتے ہوئے بھی اس وقت تک اتنے باقی رہ گئے ہیں کہ اپنی دولت، اپنی مادی طاقت، اپنے عزت سے دنیا کی ایک معزز قوم سمجھے جاتے ہیں مگر بنی امیہ کی بغاوت اور حقوق کا یہ انجام ہوا کہ آج دنیا میں نہ ان کی حکومت باقی رہی۔ نہ ان کی عزت کا کسی کو پتہ اور نہ ان کا کوئی نشان موجود ہے۔ آج اگر کسی کو جھوٹ بھی بنی امیہ کی اولاد سے کہہ دیا جائے تو وہ اس کو اپنے حق میں بدترین گالی سمجھے۔ اور اگر اس کا بس چلے تو کہنے والوں کا منھ نوچ کے اس کی بوٹیاں

کاٹ ڈالے۔ اس کا خون بہانے پر آمادہ ہو جائے یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا سے پوری بغاوت کی اور حضرت رسولؐ اور حضرت کی اولاد کی اتنی نافرمانی کی جس کی حد نہیں ہے۔

حضرت ابوطالب کا ایمان

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے پدر بزرگوار کے اسلام و ایمان کو بھی مہربانوں نے ایک اختلافی مسئلہ بنا دیا ہے۔ مگر کئی علماء اہل سنّت نے اپنی مفصل اور تحقیقی کتابوں میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ حضرت موصوف کا اسلام اور ایمان یقیناً ثابت ہے۔

حال میں حضرات اہلسنّت کے ایک اور عالم و پیشوا جناب مولوی میاں خالد صاحب انصاری ساکن ریاست بھوپال نے بھی اردو زبان میں ایک کتاب حیات ابوطالب لکھی جو دو مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ دوسری مرتبہ نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر والی ریاست بھوپال کی قدر نوازی و کرم گستری سے یہ کتاب چھپی ہے۔ اس میں اس مسئلہ کے بارے میں جو لکھا ہے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اصل عربی عبارتیں ترک کر دی ہیں۔ صرف موصوف ہی کا اُردو ترجمہ لے لیا ہے ممدوح نے لکھا ہے:۔

مسئلہ کفر و ایمان جناب ابوطالب علیہ السلام

یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ آیا ابوطالب کافر مرے یا مومن۔ کفر کے متعلق جس قدر روایتیں مشہور ہیں پہلے اُن کو علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید سے مشہور استدلال ہے کہا جاتا ہے کہ آیہ شریفہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

(پیغمبر اور مومن کے لیے جائز نہیں کی وہ مشرکین کیلئے جبکہ یہ امر اچھی طرح واضح اور روشن ہو گیا کہ وہ جہنمی ہیں دعائے مغفرت کریں اگر چہ وہ مشرکین قریبی عزیز و رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں) قرآن مجید کی یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب اپنے باپ مسیب رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت رسول اللہ اُنکے پاس پہنچے۔ وہاں ابوجہل و عبداللہ بن ابی امیہ تھے حضورؐ نے فرمایا چچا! لا الٰہ الا اللہ کہو تا کہ اس کلمہ کی وجہ سے میں خدا سے کچھ عرض کر سکوں۔ تو ابوجہل و عبداللہ ابی امیہ بولے ابوطالب! کیا ملّت عبدالمطلب سے انحراف کرتے ہو؟ اُن کے اصرار پر

ابوطالب نے کہامیں ملّت عبدالمطلب پر ہوں۔

اس پر حضورؐ نے فرمایا میں جب تک ممانعت نہ ہوآپ کے لیے استغفار کروں گا جس پر یہ آیت نازل ہوئی ماکان للنبی الخ (سورۂ توبہ) اور یہ آیت انك لا تهدی من احببت (سورۂ) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ نے جز ۱۱ صفحہ ۳۰ میں فرمایا: ۔اہل تاویل کا اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی شان میں نازل ہوئی۔

اس لیے کہ اُن کی وفات کے بعد حضور انور کا یہ ارادہ ہوا کہ استغفار فرمائیں جس سے خدا نے منع فرمایا۔ پہلی روایت بطریق معمر رحمہ اللہ ہے۔ دوسری روایت حضرت سعید بن المسیّب کی ہے جو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں۔ تیسری روایت عمر بن دینار رضی اللہ عنہ کی ہے۔ چوتھی روایت پھر سعید بن المسیب رضی اللہ کی ہے کہ مجھ سے حدیث بیان کی مثنٰی نے۔ انھوں نے ابوحذیفہ سے انھوں نے شبل سے انھوں نے عمٰن دینار سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے استغفار کیا۔ میں ہمیشہ ابوطالب کے لیے استغفار کرتا ہوں تا آں کہ مجھے خدا منع فرمادے

اس پر آپ کے صحابہ نے کہا کہ ہم بھی اپنے آباؤ اجداد کے لیے استغفار کریں جس طرح حضور نے اپنے چچا کے لیے کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چوتھی روایت بھی مثل اس کے ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ امام ابوجعفر طبری فرماتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت حضور انور صلعم کی والدہ کی شان میں نازل ہوئی ہے حضورؐ کا قصد مبارک تھا کہ اُن کے لیے استغفار فرمائیں جس سے منع فرمایا گیا چنانچہ پہلی روایت عتبہ کی اور دوسری بُریدہ کی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار فرمانا چاہا جس سے منع کر دیا گیا۔

دوسری روایت ہم سے حدیث بیان کی ابواحمد نے اُن سے قیس نے انھوں نے علقمہ بن مرثد سے انھوں نے سلمان بن بریدہ سے انھوں نے اپنے باپ سے یہ کہ حضور علیہ السلام ایک ڈھیر پر آئے اور میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے کہا ایک قبر پر تشریف لائے میں نے پوچھا یارسول اللہ ہم نے دیکھا آپ نے جو کچھ کیا۔ فرمایا میں نے خدا سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی۔ اسکی اجازت مل گئی لیکن استغفار کی نہیں ملی۔ اس دن سے زیادہ آپ کو روتے ہوئے نہ دیکھا۔

تیسری روایت: ۔یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کا ارادہ کیا تو خدا نے اس سے منع فرمادیا۔ پھر فرماتے ہیں اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسکا شان نزول یہ ہے کہ ایک جماعت مومنین اپنے اعزا مشرکین کے لیے طلب مغفرت کرتی تھی جس سے منع فرمادیا گیا۔ اور اسی سلسلہ میں امام

موصوف نے چند روایتیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وقتادہ رحمہ اللہ کی بیان فرمائی ہیں۔

فی الحقیقت یہی ایک مکمل قرآن مجید سے استدلال ہے اور اس کے ذیل میں یہ روایتیں ہیں لیکن اسکے شان نزول کا اختلاف خود اس کا شاہد ہے کہ اس سے مراد یہ ہی ہو سکتی کہ مشرکین موتیٰ (مُردوں) کے لیے طلب استغفار یا رحمت نہ کرنا چاہئے۔ہم ان کی تخریج یا اُن پر تبصرہ تو بعد میں کریں گے۔

بالفصل صحیحین اور سنن کی اور روایات جن سے ابوطالبؑ کی گرفتاری عذاب ثابت ہوتی ہے پیش کرتے ہیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے وفات کے وقت فرمایالا الہ الا اللہ کہو۔میں قیامت کے دن آپ کی شہادت دوں گا۔اُنھوں نے انکار کیا۔

جس پر آیت انك انت لا تهدی من احببت نازل ہوئی۔(مسلم شریف جلد اوّل صفحہ ۴۰ باب قصہ ابی طالب) ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے۔وہ آپ کو بچاتے تھے اور آپ کے لیے غصے ہوتے تھے۔آپ نے فرمایا ٹخنوں تک آگ میں ہیں۔اور اگر میں سفارش نہ کرتا تو جہنم کی بالکل نیچے کی تہہ میں ہوتے۔

دوسری روایت وہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

تیسری روایت:۔بارگاہ نبوی میں آپ کے چچا کا ذکر ہوا۔فرمایا شاید میری شفاعت سے ان کو قیامت کے دن اتنا فائدہ ہو کہ وہ اُتھلی آگ میں ڈالے جائیں جو ٹخنوں تک پہونچے جس سے ان کا بھیجا کھدکتا رہے۔(کتاب المناقب) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو بہ ایں طور دیا جائے گا کہ آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے دماغ کھدک جائے گا۔امام احمد نے بھی اسے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن ابوطالب کا نام نہیں ہے اور بزار نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا؟ فرمایا میں نے اُتھلی آگ سے نکال دیا ہے۔

تقریباً یہ ہی روایتیں ہیں جن سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔اوّل یہ کہ ابوطالب مشرک مرے اور اُنھیں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ دوسری آیت انك انت لا تهدی من احببت ولكن الله يهدى من يشاء جیسا کہ صحیح مسلم سے واضح ہوتا ہے گویا یہ علٰحدہ دو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ایک سورۂ توبہ میں ایک سورۂ قصص میں۔

تیسری آیت یہ ہے وھم ینھون عنه وینئون عنه۔

تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی شفاعت فرمائی ہے جسکی بدولت اُن کو آسان عذاب دیا گیا اور یہ ٹخنوں تک جہنم میں گرفتار ہیں، یا اُن کو آگ کی نعلین پہنادی گئیں۔

چوتھے یہ کہ آپ کی شفاعت آخرت میں اُنکے لیے مؤثر ہو سکے اور پھر اُن کو ہلکا عذاب دیا جائے۔

یہی وہ دلائل ہیں جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ ابوطالب مشرک یا کافر تھے اہم ترین آیت یہ ہے ما کان للنبی والذین اٰمنو الخ یعنی نبی کے شایان شان یہ نہیں اور نہ اُنکے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں، اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ جب کہ اُن پر یہ واضح ہو گیا کہ وہ جہنم والے ہیں۔ تفسیر طبری و بخاری و مسلم میں یہ روایت بواسطہ سعید بن مسیب اور وہ اپنے والد حضرت مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ تسلیم ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم کی ہے اور ابوجعفر طبری نے اس کو روایت کیا ہے۔

امام طبری نے صرف اس قدر اختلاف نقل کیا ہے کہ مفسرین صحابہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا آپ کے والد ماجد سے متعلق ہے۔ یا عام کفار و مشرکین سے متعلق ہے۔ چنانچہ تفسیر طبری میں یہ سب اختلافات امام صاحب نے نقل فرمائے ہیں۔ اسی کے قریب قریب صحیح بخاری میں حضرت عباس کی روایت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس روایت کا مدار حضرت سعید بن مسیّب کے والد سے ہے جو خاندان بنی مخزوم کے ایک فرد تھے اور جن کے متعلق بعض محدثین کا یہ خیال ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے لگ بھگ یا فتح مکہ میں ایمان لائے اور اُن سے صرف دو روایتیں مروی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۲۰ میں یہی وضاحت فرمائی ہے کہ ان سے دو روایتیں مروی ہیں۔

اور تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۲ میں فرماتے ہیں یعنی مسیب اپنے باپ سے اور ابوسفیان والد امیر معاویہ سے روایت کرتے ہیں اور اُن سے صرف ان کے لڑکے سعید بن مسیّب نے روایت کی ہے۔ علامہ ازدی اور ان کے علاوہ لوگوں نے ان کا شمار ان افراد میں کیا ہے جن سے صرف ایک ہی آدمی نے روایت کی ہو۔

۲۔ مسیّب صرف یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے وفات کے وقت ابوطالب سے کہا یعنی جب کہ ان کی نزع ہو رہی تھی اور وہاں ابوجہل و عبداللہ بن ابی بیٹھے تھے کہ اے چچا لا الہ الا اللہ کہو تا کہ اس کلمہ کی وجہ سے میں خدا سے کچھ عرض کر سکوں۔ اس روایت میں الجھنیں پیدا ہوتی ہیں:۔

(الف) یہ کہ مسیّب ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں اور جو خود اس مجلس میں ہونا ظاہر نہیں کر رہے۔ نہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ

رسول اللہ نے ان سے اس واقعہ کو خود نقل کیا۔ یہی الجھن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو فتح الباری شرح صحیح بخاری میں پیش آئی۔ اور حافظ صاحب نے اس کی توجیہ یہ فرمادی کہ کیونکہ یہ بنی مخزوم میں تھے، اس لیے ممکن ہے کہ وہاں ہوں، یا ہوسکتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہو۔

(ب) دوسری اُلجھن یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ توبہ کی ہے جس کے متعلق امام بخاری صحیح بخاری میں فرماتے ہیں یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آخری آیت جو نازل ہوئی وہ کلالہ ہے اور آخر سورہ توبہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۳۸ پر اس کی وضاحت یہ فرمائی ہے کہ سورۂ توبہ کا ابتدائی حصہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں نازل ہوا اکثر حصہ غزوۂ بتوک کے وقت نازل ہوا۔ ابوطالب کا انتقال اس سورہ کے نازل ہونے سے تقریباً دس سال پہلے ہو چکا تھا اس لیے اس آیت کا تعلق اُن سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

(ج) اہم ترین اُلجھن یہ ہے کہ حضورؐ کی بعثت سے لے کر دس برس تک اور بعثت سے پہلے تیس پنتیس سال تک گویا تقریباً ۴۵ سال ابوطالب اور حضور علیہ السلام کا ساتھ رہا، وہ کفیل رہے لیکن حضور علیہ السلام نے بعثت کے بعد سے کبھی تو ابوطالب پر تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ یہ موقع پایا کہ جب نزع کا عالم ہوگا تب تبلیغ کی جائے گی جو قرآن اس آیت کے موافق نہیں ہوتا۔

سورۂ نساء **ولیست التوبة للذین یعلمون السیٔات** آخری آیت تک یعنی توبہ اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آموجود ہوجاتی ہے تو کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔ اسی لیے فرعون جب ڈوبنے لگا تو ایمان لانے لگا۔

وہاں یہی فرمایا گیا کہ اب تیرے ایمان لانے سے کیا ہوتا ہے؟ اس لیے ایسی صورتوں میں جب یہ اُلجھن ہو تو پھر قرآن کی جانب رجوع کرنا پڑے گا جس کی تفصیل مابعد پیش ہوگی۔

دوسری حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جن کا ایمان لانا بھی غزوۂ خیبر کے قریب اور ابوطالب کا انتقال ان کے ایمان لانے کے ۹۔ ۱۰ سال قبل ہوا۔ یہ بھی بہ تصریح نہیں فرماتے کہ ان سے اس واقعہ کو کس نے کہا۔ مابقی روایات اسماء رجال کے قاعدے سے اولیٰ درجے کی ہیں۔

۴۔ جب ابوطالب کافر یا مشرک مرے تو اس آیت **ما کان للنبی** کے ارشاد کے ذیل میں کافروں کے لیے یا مشرکوں کے لیے نہ شفاعت ہے نہ طلب مغفرت پھر مغفرت کا سوال جس سے ہلکا عذاب ایک مشرک کو کردیا جائے عقل سے مستبعد ہے۔

سب سے دلچسپ استدلال مصنف تاریخ خمیس نے بحوالہ معالم التنزیل نقل کیا ہے، جو یہ ہے :۔

معالم التنزیل میں بیان کیا ہے کہ کفر کی چار قسمیں ہیں کفرانکار۔ کفر جحود۔ کفر نفاق اور کفر عناد۔ کفر انکاری یہ ہے کہ زبان اور دل سے اقرار وتصدیق نہ ہو کفر جحودی دل سے سمجھتا ہوا اور زبان سے اقرار نہ ہو جیسے شیطان کا کفر۔ یا یہود نے جو طرز عمل حضور انور کے ساتھ اختیار کیا جس کا تذکرہ قرآن میں بہ ایں طور ہے کہ جب ان پر وہ چیز آئی جس کو انھوں نے پہچان لیا تو اُنھوں نے اس سے انکار کیا اور کفر نفاق یہ کہ زبان سے اقرار ہوا اور دلی اعتقاد نہ ہو۔

اور کفر عنادی یہ ہے کہ دل سے سمجھتا ہو اور زبان سے اقرار بھی ہو لیکن اسکی اطاعت وانقیاد نہ ہو جیسے ابوطالب کا کفر چونکہ وہ کہتے ہیں میں جانتا ہوں کہ دین محمدی تمام دینوں سے بہتر ہے اور قوم کے طعن وملامت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں علانیہ طور پر اظہار کرتا اور تم نے مجھ کو دعوت دی اور میں جانتا ہوں کہ تم ناصح ہو اور تم سچ کہتے ہو اور تم امین ہو۔ پس یہ چاروں کفر برابر ہیں اور جو ان میں سے کسی پر مرا اُسکی مغفرت نہ ہوگی۔ (تاریخ خمیس جلد اوّل صفحہ ۳۰۱)

یہ ھے اثبات کفر کا ذخیرہ

جس چیز کو کھینچ تان کر ابوطالب کو کافر کہا گیا ہے۔ اسی طرح بعض موضوع روایتوں سے ان کے اسلام کے اثبات کی کوشش کی گئی ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ابوطالب کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ اسی میں بحوالہ خطیب یہ روایتیں لکھی ہیں خطیب بغدادی نے کتاب روایۃ الآباء عین الابناء بطریق احمد بن الحسن المعروف بہ دبیسن روایت کی ہے:۔ یعنی حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوطالب سے سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے میرے بھتیجے محمدؐ نے بیان کیا اور خدا کی قسم وہ سچے تھے جب میں نے اُن سے پوچھا کہ اے محمد تم کیا لے کر بھیجے گئے ہو۔ فرمایا صلہ رحمی کے لیے اور نماز وزکوۃ کی پابندی کے لیے۔ خطیب کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو بجز اس سند کے جس میں یہ ہے نہیں لکھا اور دبسین الفقری غریب روایتوں والے ہیں۔

دوسری روایت ابورافع سے ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابوطالب سے سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے محمدؐ نے بیان کیا کہ ان کو خدا نے حکم دیا ہے صلۂ رحمی کرنے کا اور یہ کہ بجز خدا کے اور کسی کی عبادت نہ کی جائے اور محمدؐ میرے نزدیک سچے اور امین ہیں۔

یہ دونوں روایتیں موضوع ہیں۔ اس لیے کہ جعفر بن عبدالواحد اور احمد بن الحسن کے متعلق محدثین کی متفقہ رائے ہے کہ یہ وضاع کذاب اور ساقط الاعتبار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ابوطالب کے خیالات یہی تھے یہ بھی واقعہ ہے کہ ابوطالب کی وفات تک نماز پنجگانہ فرض نہیں ہوئی تھی اور ارکان فرض تھے بڑی چیز توحید۔ بت پرستی سے اجتناب۔ حضور علیہ السلام کی تصدیق اور آپ کی نصرت وحمایت قولاً وعملاً تھی۔

اس لحاظ سے ان کے اسلام یا کفر کے متعلق قرآن مجید سے فیصلہ کی ضرورت ہے۔

شرک

عمرو بن لحیٰ کی بدولت عرب میں شرک جاری ہوا۔ جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی وہ مختلف قسموں کی تھیں۔ اصنام۔ اوثان۔ انصاب اور بیوت۔ اصنام واوثان جن کا واحد صنم اور وثن ہے۔ یہ انسانی شکل وصورت کے بت تھے۔ اگر وہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تو ''بعیم'' کہلاتے۔ اور اگر رنگ ومسالے کے ہوتے تو اُن کو ''ومیہ'' کہتے۔ انصاب اور نصیب بن گھڑے پتھر ہوتے تھے جن کو کھڑا کر کے اُن پر چڑھاوا چڑھاتے تھے اور جانور ذبح کرتے تھے۔

بیوت جس کا واحد بیت ہے چند گھر تھے جیسے رضا۔ رئام۔ قلیس جن میں بت پرستانہ رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے اُن کو دوار کہتے تھے اور اُن پر جو قربانی کی جاتی تھی اُس کو عتیرہ کہتے تھے۔ پتھروں کا ڈھیر لگا کر اُس کے چاروں طرف چکّر لگاتے تھے۔ اُس ڈھیر کو رحیمہ کہتے تھے۔ جانوروں کے بھینٹ چڑھانے کی اصطلاحیں علحدہ تھیں۔ بحیرۃ اُس بچے کو کہتے تھے جس کا کان چیر کر بتوں کے نذر کرتے تھے۔ ''سائبہ'' اس جانور کو کہتے تھے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیے جاتے تھے۔ ''وصیلہ'' بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر بچہ نر ہوا تو اُس کو بت پر چڑھائیں گے۔

اگر مادہ ہوئی تو اس کو ہم رکھیں گے۔ پھر اگر نر و مادہ ملے ہوئے ہوتے تو وہ مادہ کے ساتھ نر کو بھی رکھ لیتے تھے۔ یہ وصیلہ'' تھا۔ ''حامی وہ اُونٹ جس کے دس بچے بوجھ اُٹھانے اور سواری کے لائق ہو چکتے تو بت کے نام پر اس کو آزاد کر دیتے تھے۔ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۱۰۳ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيرَةٍ وَلَا سَآئِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۔ خدا نے بحیرۂ، سائبہ، وصیلہ اور حام نہیں ٹھہرایا شرک کا اصلی ضرر یہ ہے کہ خدا سے انسان کو جس درجہ کا تعلق جس قسم کا عجز و نیاز جس مرتبہ کی محبت اور جس درجے کی التجاء درکار ہے اس کا رخ دوسری طرف بدلتا جاتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسان ہیں جو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دیوتا یا دیگر معبود زمین وآسمان کے خالق نہیں ہیں تاہم وہ ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں انھیں فرضی معبود سے مانگتے ہیں۔ انھیں پر نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ امتداد زمانہ وغیر اقوام کے اختلاط سے اس دور میں بھی لاکھوں ناواقف مسلمانوں کا طرز عمل انبیاء اولیاء بلکہ مزارات کی نسبت اسی کے قریب قریب ہو گیا۔

آستانوں پہ بڑی دھوم سے ہوشدر حال اس میں کیا شان پرستاری اصنام نہیں ؟

اسلام نے اسی ذہنیت وعقیدہ کا استیصال کیا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی ذات اشرف المرسلین کے لیے کلمۂ توحید میں، نماز میں عبدیت کو مقدم رکھا۔ اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ بنو عامر کا وفد جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے

حضورانور سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سیّد (آقا) ہیں۔فرمایا سید تو خدا ہے۔پھرلوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب میں افضل وبرتریں ہیں۔

آپ نے فرمایا اچھا یہ تو کہولیکن دیکھوتم کوشیطان اپنا وکیل نہ بنالے۔حضور علیہ السلام کے پیش نظر توحید کوشرک کے ہر شائبہ سے بچانے کا خیال ہر وقت غالب تھا۔اس آیت کو آپ ہر وقت سناتے رہتے تھے قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا (سورۃ الاسراء آیت ۵۶) کہہ دو کہ خدا کے علاوہ تم جس کو پکارتے ہو وہ تمھاری مصیبت کو مٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔جن کو تم پکارتے ہو اُن میں جو خدا کے مقرب ترین ہیں وہ خدا کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں اوراس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔بلاشبہ تیرے خدا کا عذاب ڈرانے کے قابل ہے۔کہوتم جانتے ہوتو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب کس کا مال ہے؟ جھٹ بول اُٹھیں گے کہ خدا کا۔کہو کہ پھرتم سوچتے کیوں نہیں ہو؟اس سے پوچھو کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کا کون مالک ہے؟ بے ساختہ کہیں گے کہ یہ سب چیزیں خدا ہی کی ہیں۔کہو کہ پھرتم کیوں نہیں ڈرتے؟ کہو کہ تم جانتے ہوتو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اُس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔فوراً کہہ دیں کہ ایسی بادشاہی تو خدا ہی کو ہے۔ کہو کہ پھرتم پر جادو کہاں سے ہوتا ہے؟

سورۂ یونس میں فرمایا ومن یخرج الحی وہ کون سی ذات ہے جو زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون سی ذات ہے جو تدبیر کرتا ہے امر کی،فوراً کہیں گے کہ وہ اللہ ہے۔پس کہو کہ پھر کیوں ڈرتے ہو۔

مشرکین کو اس بات سے نفرت تھی کہ رسول اللہ کا نام کیوں لیتے ہیں؟ اس کے ساتھ دیوتاؤں کو شریک نہیں کرتے؟ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ۔فی الحقیقت اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا کا وجود مسلم ہے لیکن ایسے وسائل ضرور ہونے چاہئیں جو اللہ کے سفارشی بنیں اور خدا سے قریب کردیں۔

يقولون هؤلاء شفعاءنا عند الله .ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى۔لیکن ان میں ایسے افراد بھی پائے جاتے تھے جو شرک سے بچتے تھے اور تلاش حق میں سرگرداں تھے لیکن شرک کے استیلاء وغلبہ سے صحیح راستہ کا پتہ دشوار ہوگیا تھا۔اسلام کوئی جدید مذہب نہ تھا اور نہ ہے بلکہ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔اسی کا نام دین ہے اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی یہی تعلیم رہی کہ بنی نوع انسان ایک ہی دین اختیار کریں۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فعبدون اور میرے ساتھ پہلے والوں کی کتاب بھی ہے اور جو مجھ سے پہلے پیغمبر ہوئے ہیں اُن کی کتابیں بھی ہیں بلکہ ان میں اکثر حق بات کو نہیں جانتے اور اس لیے ان سے منہ پھیر لیتے ہیں اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری ہی عبادت کرو۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اصل دین توحید ہے اور توحید اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ جس قدر عقائد اور اعمال اس کے خلاف اختیار کیے گئے ہیں وہ سب غلط اور نا قابل عمل ہیں۔ دین تو فی الحقیقت ایک ہی ہے لیکن ہر امت کے لیے ایک شریعت اور منہاج جدا ہے۔ لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا۔ وہ لوگ جو کسی شریعت پر ایمان لا چکے تھے اور اس پر ثابت قدم رہے عام اس سے کہ وہ یہودی ہوں یا نصاریٰ اپنے اپنے نبی کے دور میں ان کا ثبات اور استقلال باعث نجات ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست یعنی کوئی شخص کسی قوم کا ہو جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کا صلہ خدا کے یہاں ملے گا اور قیامت کے دن اُن کو کسی قسم کا خوف نہ ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

رسول اللہؐ کا آغاز اس سے ہوا کہ یہ کفر و شرک کے جس قدر راستے پیدا کر لیے گئے ہیں یہ سب مٹا دیے جائیں اور اُسی ایک راستے کی دعوت دی جائے جو انبیاء پیش کر چکے ہیں۔ شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه۔ اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا نوح کو حکم دیا گیا اور جس کا ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ کو حکم دیا گیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اُس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم۔ حقیقتاً خدا میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ قرآن مجید میں اُس راست باز طبقہ کے صلہ کا اعتراف فرمایا ہے کہ جو اپنے مذہب پر قائم تھے اور اُن کی اعتقادی کیفیت صحیح تھی۔ وہ مشرک نہ تھے، موحد تھے اور اخلاق صالحہ کے خوگر تھے۔

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔ (سورۂ آل عمران آیہ ۱۱۳، تا، ۱۱۵)

یہ بھی سب ایک جیسے ان اہل کتاب میں کچھ لوگ حکم خدا پر قائم بھی ہیں جو رات کے وقت خدا کی آیتیں پڑھتے ہیں اور اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کا کرنے کو کہتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔

اور یہ جس طرح کی نیکی کریں گے اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور خدا پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔

وفات ابوطالب تک تبلیغ اسلام

یہ حقیقت ہے کہ ابوطالب وحضرت خدیجہ کی وفات کے بعد نماز پنجگانہ فرض ہوئی اور جتنے ارکان اسلامی ہیں وہ سب نماز کے بعد مدینہ منورہ میں فرض ہوئے۔ تقریباً ۱۰ھ نبوی میں یعنی دوران قیام مکہ میں حضور علیہ السلام نے جس پاکیزہ ومقدس جماعت کو مرتب فرمایا تھا اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ شرک وبت پرستی کی اس رسم قبیح کو مٹا دیا جائے جو عرصہ دراز سے ان میں قائم ہو چکی تھی۔ اُن کو یہ سمجھایا گیا یقین دلایا گیا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک جو رحیم وکریم ہے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہر فعل کو صرف اپنی ہی مرضی کے موافق دیکھنا چاہتا ہے۔

اس کی قابل التوبہ شدید العقاب ذی الطول ذات شرک کو قطعاً ناقابل عفو جرم قرار دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ۔ اللہ نے کسی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے ہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ بس ایک دل کے سر بھی دو چوکھٹوں پر نہیں جُھک سکتے۔ یا تو وہ شیطان کا مطیع ومنقاد ہوگا یا پھر خدائے لم یزل کا۔ عبادت وپرستش سے یہ مقصود نہیں ہے کہ پتھر کا ایک بُت تراش کر اس کے آگے سر بسجود ہو۔ یہ یقیناً شرک تو ہے مگر اسلامی توحید کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہر وہ انہماک واستغراق جو حقیقت اسلامی کے انقیاد واطاعت پر غالب آجائے شرک ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضلا لا بعیدا۔ حقیقتاً خدا اُس کی مغفرت نہیں فرمائے گا جو اس کی ذات میں کسی کو شرک کرے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دے یا بخشتا ہے۔ اور جس نے خدا کا کسی کو شریک بنایا پس وہ صریح گمراہ ہوا۔

چنانچہ حلقہ بگوشانِ اسلام کے دل ودماغ میں یہ عقیدہ ' توحید راسخ ہو چکا تھا۔

ان کے دل خشیت خدا کے مستقل نشیمن بن گئے تھے۔ ان کا ہر عمل خدائے لم یزل کی صریح شہادت اور اسلام کے دین حق ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح عمل اُس مصور حقیقت سید البشر علیہ الصلوۃ والسلام کی حیرت انگیز تعلیم کا نتیجہ تھی کہ جس نے غارِ حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکل کر عرب کے اُن بادیہ پیماؤں کے سامنے خدا کی ذات وصفات کے متعلق ان آیات کو

پیش فرما کر ان کے دلوں سے کفر و شرک کو قطعاً کھرچ ڈالا۔

دوسری تعلیم یہ تھی کہ لوگ حضور علیہ السلام کی صداقت پر ایمان لائیں اور آپ کی حمایت و نصرت میں سرگرم عمل رہیں تو ان کے لیے دنیا و آخرت میں فلاح ہے ہر آن لحہ آپ کو اپنا ہادی مقتدی باور کریں اور آپ کے وقار احترام اور آپ کے احکام کی تعمیل اور آپ کے بتائے ہوئے احکام خداوندی کی تعمیل بلا چوں و چرا کرتے رہیں۔۔۔۔۔ پیغام الٰہی سچائی کا ایک بہتا چشمہ جو آہستہ آہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنے کی زمین کو پھر اُس سے آگے کو پھر ساری دنیا کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ تدریجی احکام یہ ہیں یاایھا المدثر قم فانذر وانذر عشیرتك الاقربین لتنذر ام القری ومن حولھا من الاعراب۔ اے چادر پوش اُٹھ کھڑا ہو اور ہشیار و آگاہ کردے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو آگاہ ہشیار کرتا کہ تو مکہ اور اس کے آس پاس جو اعراب ہیں ان کو آگاہ و ہشیار کرے۔

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ، بوجھ، احساس و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں جس میں موجودہ ہوں اُس کی مخاطب ہوتی ہیں۔ ان ھو الا ذکر و قران مبین لتنذر من کان حیا۔ یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا کا کلام ہے تا کہ وہ اس کو ہشیار کرے جو زندہ ہے۔ پھر جس تک بھی وہ آواز نہ پہنچ جائے سب اس سے مخاطب ہو جاتے ہیں۔

لا نذرکم بہ ومن بلغ۔ تاکہ میں تمھیں ہشیار کردوں اور ان کو جن تک میری آواز پہنچ جائے۔ پھر تمام انسان تک اس کی وسعت ہو جاتی ہے۔ ھذا بلاغ للناس۔ یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے۔ اور حضور علیہ السلام کو یہ شرف عطا فرمایا ہے وما ارسلناك الا کافة للناس بشیرا ونذیرا۔ اور ہم نے محمدؐ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور آپ کو حکم دیا گیا کہ بنی نوع انسان کو خطاب کر کے اعلان فرمادیں۔ قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ کہہ دو اے محمدؐ کہ اے لوگوں میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اور تمام کائنات کو آپ کی دعوت تبلیغ کے دائرہ میں داخل فرمادیا۔

تَبَارَكَ الَّذِی نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ برکت والا ہے وہ خدا جس نے حق و باطل میں امتیاز بتانے والی کتاب اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کی تاکہ وہ دنیا اور جہان کے لیے آگاہ و ہشیار کرنے والا ہو، وہ خدا جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اسی تدریج کے ساتھ ساتھ پہلے بعض قریبی رشتہ داروں، بعض اشرافِ مکہ اور بعض غریبوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ اور ان حلقہ بگوشان نبوت نے اپنے و مال اور اولاد کو ہر صورت سے داعیٔ اسلام

پر قربان کر دیا۔ حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت مقداد، حضرت ارقم بن اور حضرت عمار بن یاسر وغیرہم کے ایسے عجیب وغریب نمونے ہیں جن پر دنیائے اسلام ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ ایک دفعہ مشرکین مکہ نے حضرت عمار بن یاسر کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔

حضورؐ اُس طرف سے گزرے تو اُن کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا اے آگ تو ابراہیمؑ کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا۔(مستدرک حاکم) ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیے کہ بالکل بدحواس ہو گئے۔ اسی حالت میں جفا کاروں نے چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا۔ اس کے بعد چھوڑا۔ غیرت ملیّ نے عرق عرق کر دیا۔ دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا عمار کیا ہوا؟ عرض کیا یا رسول اللہ بُری خبر ہے۔ آج میرا چھٹکارا اس وقت ہوا جب میں نے آپ کی شان میں بُرے الفاظ اور اُن کے معبودوں کے لیے کلماتِ خیر استعمال کیے۔

ارشاد ہوا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا میرا دل ایمان سے مطمئن ہے۔ حضور نے انتہائی شفقت سے اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کو خود پونچھا۔ فرمایا عمار کچھ حرج نہیں۔ اگر یہ صورت پھر پیش آئے تو پھر ایسا ہی کرنا۔ اس کے بعد ہی قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (طبقات ابن سعد جزو ۱۷۸/۳) **من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان**۔ جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان سے مطمئن ہو اُس سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

اس تصریح کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہودیوں نے سب سے زیادہ اہمیت علمی رسم ورواج کو دی تھی اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات وفلاح کا دار و مدار رکھا۔ اسلام کی پہلی تکمیل شان اس بارے میں یہ ہے کہ وہ دونوں کو جمع کرتا اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان پر اور نہ تنہا عمل پر بلکہ ایمان صحیح و عمل صالح کی جامعیت پر منحصر ہے۔

الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بناء پر اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس لیے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عمل صالح کا علت وسبب ہے یعنی وہ عمل صالح کے لیے راستہ بناتا ہے اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص ہو کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرے مگر اُس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کو بہتر تغیر نظر نہ آئے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ایمان نے اُس کی زبان سے اتر کر اُس کے دل کی گہرائیوں میں برگ وبار پیدا نہیں کیے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن کریم میں ہر نیکی اور ہر خوبی کو ایمان کا خاصّہ اور مسلمانوں کا وصف لازم قرار دیا ہے۔

انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئك ھم المفلحون۔

ایمان والوں کی بات یہ ہے کہ جب ان کو فیصلہ کے لیے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جائے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور انھیں لوگوں کے لیے بھلائی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایمان کا نتیجہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت وانقیار اوران کے فیصلوں کے سامنے سرنیاز جھکا دینا ہے۔

ان تمام تصریحات کے بعد اب اصل شے یہ ہے کہ ہم کو بہ نظر انصاف وامعان یہ دیکھنا ہے کہ ابوطالب کی زندگی میں ہم کو کیا نظر آتا ہے۔ آیا ان کے افعال واعمال سے شرک نمایاں ہوتا ہے یا یہ کہ انھوں نے برملا توحید ورسالت کا اعتراف کیا اور نصرت وحمایت حضور علیہ السلام میں انھوں نے اپنی جان ومال اور اولاد کو نثار کیا؟ اور یہ کہ تاحیات حضور علیہ السلام کے ان سے روابط کس حیثیت کے رہے یہی نتیجہ بحث ہے۔

جن لوگوں نے کسی اعلیٰ عمل کا بہترین نمونہ اپنی زندگی میں پیش کیا ہے اس کی یاد کو تاریخ ہمیشہ باقی رکھتی ہے تاکہ اس کی یاد کے ساتھ اس عملی زندگی کی یاد بھی تازہ ہوتی رہے اور اس کا نمونہ انسان کو عزائم امور کی دعوت دیتا۔

بہ لحاظ حق صداقت ونصرت واعانت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اگر کسی کی سیرت پیش کی جاسکتی ہے تو ان میں ممتاز ترین ہستی ابوطالب کی ہے۔ وہ پہلے مربی کفیل تھے جب کہ سنِ مبارک ۸۔۷ سال کا تھا۔ پھر کفیل، حامی، سرپرست ومعین رہے تاآں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ کم وبیش چالیس سال تک حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی رہے اور بعثت نبوی کے بعد دس برس تک سخت ترین اذیت اور مصیبوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جو جوڑ کاوٹیں پیش آئیں یا جو بھی معاندانہ کارروائیاں ہوئیں اُن کو انسداد ومقابلے کے لیے اُن کا قدم سب سے آگے تھا۔ یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ اُن کو اپنی اولاد سے زیادہ حضورِ انور علیہ السلام سے محبت تھی۔ کبھی حضور کو تنہا نہ چھوڑا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے جو شادی ہوئی اُس کے انصرام میں بھی پیش پیش تھے۔ بعثت کے بعد جب حضور انور کے اعزاء اقارب کو جمع کیا تو انھیں کا گھر تھا۔ وہیں کھانا ہوا اور وہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کم سن تھے، عملاً ہر قسم کی اطاعت کا اعلان کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جواب میں ابوطالب ہی کی اعانت تھی۔

حضرت جعفرؓ کو مہاجرین حبش کے ساتھ بھیج دیا جب قریش مکہ نے نجاشی کے پاس وفد بھیجا وہاں بھی بہ صیغۂ راز ابوطالب نے بادشاہ کو مطلع کیا کہ مہاجرین مظلوم وبے کس ہیں اور یہ وفد ظالم ہے، بہر نوع اپنی جان ومال اولاد کو ہر ممکن صورت سے حضور انور کا حلقہ بگوش بنا دیا۔ تمام سرداران قریش ابوطالب کے مخالف تھے کہ یہ کیوں حضور انور کا ساتھ دیتے ہیں۔ قریش مکہ

عمارہ بن ولید کو لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا یہ شریف ابن شریف حسین جمیل نوخیز بہادر جگر کو دے کر دوسروں کی اولاد لے لوں؟ یہ کیا ذلیل اور احمقوں کی بات ہے! اس جواب پر قوم نے یہ طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو سکے اب محمدؐ کو قتل ہی کر ڈالو۔ ابو طالب یہ سن کر حضورؐ کی حفاظت کے وسائل سوچنے لگے۔

اتفاقاً اسی رات کو یا دوسری رات کو ابو طالب گھر پہنچے تو حضور علیہ السلام لا پتہ تھے۔ ابو طالب کو سخت وحشت ہوئی۔ فوراً بنی ہاشم و بنی مطلب کے نوجوانوں کو جمع کیا اور ہدایت کی کہ جلد عمدہ تیز تلواریں اپنے کپڑوں میں چھپا کر میرے پاس آجاؤ۔ پھر مسجد حرام میں چلیں جہاں ابو جہل بھی ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے بھتیجے کو قتل کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس میں ابو جہل کا ضرور ہاتھ ہوگا۔ وہاں پہنچتے ہی جو بھی ہوں اُن کو ہم قتل کر ڈالیں گے۔

یہ مشورہ ہو ہی رہا تھا کہ حضرت زید بن حارث نے گزرتے ہوئے ابو طالب کی وحشت و پریشانی کو محسوس کیا اور پاس پہنچے۔ ابو طالب نے کہا زید، زید میرا بھتیجا کہاں ہے؟ زید نے کہا آپ نہ گھبرائیے۔ میں ابھی اُنھیں کے پاس سے آیا ہوں۔ کہنے لگے نہیں۔ نہیں۔ میں گھر نہ جاؤں گا تا آنکہ اپنے بھتیجے کو نہ دیکھ لوں۔ حضرت زید تیزی سے گئے اور حضور علیہ السلام کو ساتھ لائے ابو طالب نے فرط مسرت سے کہا، بیٹا! اچھے تو تھے؟ کہاں تھے؟ فرمایا جی ہاں۔

ابو طالب نے کہا بس گھر چلو صبح ہوئی تو ابو طالب ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ کو قریش کی بیٹھک پر لے گئے اور سارے نوجوان ہاشمی و مطلبی ابو طالب کے ساتھ ساتھ وہاں پہنچے۔ ابو طالب نے کہا اے معشر قریش! تمھیں معلوم ہے کہ میرا رات کو کیا ارادہ تھا؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ ابو طالب نے رات کا واقعہ سنایا اور سمجھا دیا کہ دیکھ لو سمجھ لو۔ نوجوان بنی ہاشم و بنی مطلب سے کہا اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال کر ان کو دکھا دو۔ پھر ابو طالب نے کہا خدا کی قسم اگر محمدؐ کو قتل کرتے تو میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ سب سے آگے ابو جہل اور پیچھے پیچھے سارے قریشی بڑی تیزی سے بھاگ نکلے۔

قریش مکہ نے تو کچھ دن صبر کیا۔ پھر جمع ہو کر ابو طالب کے پاس پہنچے اور نئی تدبیر سے گفتگو کی۔ بولے اے ابو طالب اب سارا عرب محمدؐ کا اور تمھارا دشمن ہو چکا اور سارے قبیلے متحد حملہ کریں گے۔ آخر بنی ہاشم کل عرب کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم پھر آخری بار سمجھانے آئے ہیں آپ بزرگ ہیں۔ اپنے بھتیجے کو سمجھا لیجیے ورنہ آپ کی اور اُن کی خیر نہیں ہے۔ ابو طالب نے حضور کو بلا کر کہا، جانِ عم! اب تو ساری قوم مخالف ہوگئی۔ مجھ بوڑھے پر مزید مشکلات کا بار نہ ڈالو تو بہتر ہے۔ حضور نے آب دیدہ ہو کر جواب دیا۔ سورج ایک ہاتھ پر اور چاند دوسرے ہاتھ پر بھی دے دیا جائے تو میں بھی اپنی تحریک حق و صداقت سے باز نہ آؤں گا۔ یہ فرمایا فوراً ہی حضور نے پیٹھ پھیر دی۔ ابو طالب نے آواز دی میرے بھتیجے! میرے بھتیجے! ذرا ٹھہرو۔

پھر آپ پلٹے تو ابو طالب نے ساری قوم کے سامنے کہا جو تم کر رہے ہو کرتے رہو خدا کی قسم ابو طالب کبھی تمھارا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اس کے بعد ابو طالب نے تقریباً ۱۰۰ شعر کا قصیدہ قریش کے خیالات کے جواب میں لکھ کر قریش کو مطلع کر دیا جس کا ایک شعر صحیح بخاری میں اور ایک شعر غزوہ بدر میں ایک صحابی نے پڑھا۔ جس میں ابو طالب نے صراحۃً حضور علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کیا اور آپ کی دعوت توحید پر لبیک کہا۔ اس قصیدہ کے اثرات یہ ہوے کہ قریش نے خاندان بنی ہاشم کو کامل تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا، جہاں طلح کی پتیوں پر بسر کی۔

بوڑھے ابو طالب، ان کی اولاد اور بنی ہاشم نے اس سخت ترین ابتلاء کا زمانہ صرف رسول کریم کی اعانت میں گزارا اور ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی بے وفائی کا گندہ جذبہ پیدا نہ ہوا بلکہ ثبات، استقامت و پامردی سے کامل تین سال ان شدائد کا مقابلہ کیا۔ اسی غار میں حضورؐ نے فرمایا تو چچا۔ اُس معاہدہ کو تو دیمک چاٹ گئی۔ صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ ابو طالب رجماً بالغیب اس ارشاد نبوی پر ایمان لے آئے اور پھر قوم کو مخاطب کیا کہ لو میرا بھیجا جو سچا ہے یہ کہتا ہے۔ دیکھو۔ معاہدہ دیکھا گیا، واقعی دیمک نے چاٹ لیا تھا۔ قوم نادم ہوئی۔ اور پھر وہاں سے پورے خاندان کو تین سال کے بعد لے کر مکہ آئے اور ابھی آئے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ چند روز کی بیماری میں ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔

یہ جس قدر واقعات ہیں ان میں محدثین واصحاب سیرت کا کلیۃً اتفاق ہے۔ اختلاف کہاں سے چلا ہے؟ یہاں سے کہ دمِ نزع حضورؐ نے اُن پر اسلام کو پیش کیا۔ وہاں کفار موجود تھے یہ مرتے وقت اُن سے ڈر گئے اور کہنے لگے کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ لہذا قرآن مجید و روایت اور ان واقعات سے بالکل صاف و صریح الفاظ میں ہم کو فیصلہ کرنا چاہیئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب یہ مشرک تھے تو پھر حضور علیہ السلام نے ان احکامات قرآنی کے ہوتے ہوئے ان سے رابطہ کیوں رکھا؟ یا ایھاالذین اٰمنوالاتتخذوا اٰباء کم واخوانکم اولیاء ان استحبواالکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئك ھم الظالمون۔ مسلمانو! جو کفر کو ایمان سے زیادہ محبوب رکھیں ان سے تعلقات نہ رکھو اگر چہ وہ تمہارے بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو تم میں ایسا کرے گا وہ ظالموں میں سے ہوگا۔

لا تجدقوماً یومنون باللہ والیوم الاخریوا دون من حاد اللہ ورسولہ ولوکانوا اٰباءھم اوابناءھم اواخوانھم اوعشیرتھم اولئك کتب فی قلوبھم الایمان۔ جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اُن کو خدا اور اُس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوے نہ دیکھو گے۔ خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔

یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان بٹھا دیا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاء کم من الحق۔ مسلمانو! خدا کے اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت والفت کے ان سے تعلقات رکھو۔ یہ وہ لوگ جو اسلام سے انکار کر چکے ہیں اور اُس کے دین کے دشمن ہیں۔

واقعات مصرحہ سے اور ان آیات قرآنی سے اگر مطابقت کی جائے تو آنکہ ابوطالب کو مومن ومسلم نہ تسلیم کرلیا جائے تطبیق ناممکن ہے کیونکہ جس ہستئ اعلیٰ پر قرآن کا نزول ہوا اور جس کا وجود عالم میں تمام عالم سے بڑھ کر سرتا پا عمل اور مکمل تعمیل تھا تو پھر یہ کیسے وہم یا تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایک مشرک یا ایک کافر سے ایسی یک جہتی، رواداری، اختلاط اور نصرت وحمایت جان ومال واولاد کو اپنے لیے روا رکھا گیا ہو؟ ایسی متعدد آیتیں ہیں جن میں صریح حکم ہے کہ مسلم اور کافر یا مشرک سے کوئی رشتہ نہیں رہ سکتا ۔ایک مومن خدا کے باغی سے روابط نہیں رکھ سکتا۔

۲۔ بعثت سے قبل کے روابط، ہمدردیاں، سرپرستی کے واقعات کو اگر نظرانداز بھی کردیا جائے تو بعثت سے لے کر ابوطالب کی وفات تک کے واقعات ہی پیش نظر رکھ کر غور کرنا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام کے اُن سے روابط میں ایک لمحہ کے لیے بھی کمی نہیں آئی اور حضور کو خدائے لم یزل کا پہلا حکم یہ تھا وانذر عشیرتك الاقربین اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہشیار کرو۔ مگر کسی روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ حضورؐ نے ان دس سالوں میں ان کو کبھی تو تبلیغ فرمائی ہوتی اور انھوں نے انکار کیا ہوتا۔ یہ روایت کیا گیا کہ دم نزع جب کہ توبہ کرنا، ایمان لانا حسب تصریح قرآن بے کار وعبث ہے تلاش کیا گیا، اُس وقت ابوطالب قریش کے عمائدین سے جھجک گئے اور اپنی دائمی آخرت کو تباہ کرتے ہوئے بولے۔

میں تو یہ کلمہ نہیں پڑھتا حالانکہ اپنے عزائم میں یہ اس قدر بلند آہنگ تھے کہ قریش کی مجلس میں برملا حضور کی اعانت وپیروی کرنا۔ کاش میری زندگی اور ہوتی تو پھر اپنی حمایت ونصرت کا مزید ثبوت پیش کرتا۔ جو شخص اپنے افعال کا اس قدر ذمہ دار ہو اور جس نے چالیس سال تک مختلف قسم کے ہزارہا مصائب اُٹھائے ہوں اور جس نے اپنی عزت وناموس، مال ودولت، اہل وعیال کو حضور انور پر نثار کردیا ہو اور جس نے مرنے سے کچھ پہلے پیہم تین سال تک اُس بڑھاپے میں اور درّۂ کوہ میں سخت اذیتیں اُٹھا کر حضور کا ساتھ دیا ہو اور علیٰ رؤس الاشہاد یہ کہہ دیا ہو کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ محمد کا دین سچا۔ محمد سچا اور اُس کا خدا سچا۔ پھر مسلم سمجھنے میں کون سی کسر رہ جاتی ہے؟

۳۔ کسی روایت یا کسی قول سے یا کسی بھی عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور کی بعثت کے بعد ان سے کوئی مشرکانہ حرکت سرزد ہوئی ہو۔

۴۔ جس آیت سے استشہاد نزول کیا گیا ہے، خود امام جعفر طبری نے اس میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ اور وہ بھی جس طریقہ پر روایت ہے اُس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ معہذا سورۂ توبہ کا نزول بھی بروایت امام بخاری بے حد بعد میں ہوا۔

جس طرح اُن کے کفر و شرک کی روایتیں ہیں اسی طرح اثبات اسلام کی روایتیں ہیں۔ اس لیے ان سب سے قطع کر کے قرآن کریم سے اثبات مدّعا واضح ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور خدا کی راہ میں مال و جان سے لڑے۔ یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں۔ (سورۂ الحجرات آیہ ۱۵) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور جنھوں نے ان کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ (سورۂ انفال آیہ ۷۴)

تو یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اُسکی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا اور اسلام کے معاندین کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جانا ہے۔ ترک اقرباء ترک اولاد، ایثار مال، ایثار نفس یہی وہ انتہائی پیش کش کے وسائل ہیں جو ربّ بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے میں مقرر فرمائے ہیں۔ انھیں کی موجودگی میں محبت خدا کی وہ عملی تثبیت اور عبودیت وہ نا قابل انکار تصدیق ہو جاتی ہے جس سے بڑھ کر کسی ثبوت مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ صفات ایمانی بدرجہ اتم جناب ابو طالب میں موجود تھیں اور وہ مسلم تھے۔" (کتاب حیات ابو طالب صفحہ ۴۲ تا ۷۱)

خاندان بنی ہاشم کا مذہب[1] :

حضرت رسولؐ خدا صلعم کی نبوت سے پہلے اس خاندان کے جو اہم حالات تھے اوپر لکھے گئے۔ ضرورت ہے کہ اس جگہ ان حضرات کے مذہب کی تحقیق بھی کر دی جائے۔ شمس العماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔ ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے۔

تو مذہب سے ہماری مراد دین فطرت جس کا بعد کو دین اسلام نام ہوا اور جیسا کہ مذکورہ اس تحریر میں بار بار آ چکا ہے۔ پھر

---

[1] یہ مضمون حقیر کی کتاب ''تاریخ ائمہ'' میں پہلے چھپ چکا ہے۔ مگر بہت سے حضرات کے پاس ''تاریخ ائمہ'' نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے اس کا نقل کرنا مناسب نظر آیا تا کہ حضرت ابو طالب کے ایمان کی مزید تحقیقات بھی اس سوانح عمری کے ناظرین ملاحظہ کر لے سکیں ۱۲ منہ

دین فطرت کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو خدا سے شروع ہو کر قوانین امن وعافیت پر ختم ہوتا ہے۔دوسرا وہ جو صرف قوانین امن وعافیت پر بولا جاتا ہے پہلی قسم دین کامل ہے اور اس کے مقابلے میں دوسری قسم ناقص۔۔۔۔۔پیغمبر صاحب ہی کے جداعلیٰ ابراہیمؑ نے ایجاد کیا۔اور ایجاد نہیں بھی کیا تو شدّ مد کے ساتھ اسکو رواج دیا کہ ایسا رواج دینا بھی ایجاد کا ہم پلہ ہے۔۔۔۔۔۔ یوں تو پیغمبر صاحب نہایت سلجھی ہوئی طبیعت، خدا کے یہاں سے لے کر آئے تھے اور دین کے جچے تلے خیالات خود اُن کے دل میں پیدا ہوتے تھے مگر خاندانی اثر نے بھی سونے پر سہاگے کا کام کر دیا اور اگر چہ ابراہیمؑ کے مدتوں بعد دین میں بڑے بڑے رخنے پڑ گئے تھے یہاں تک کہ قریش نے خدا کے گھر کو بتخانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پجوانے لگے تھے۔

مگر وہ جو کہتے ہیں کہ اول بہ آخر نسبتے دارد۔فطرت کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی عبدالمطلب اور ابوطالب میں ازسرنو چمکی اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو بزرگ ایسے تھے کہ خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا پڑتا۔پیغمبر صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ان کے والد انتقال کر گئے۔ آٹھ برس کی عمر تک دادا عبدالمطلب نے پرورش کیا۔اُن کی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے لے کر پچیس برس کی عمر تک چچا ابوطالبؑ نے۔اور عبدالمطلب اور ابوطالب کے حالات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ دونوں دین فطرت گو ناقص ہی سہی بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور چونکہ اُن کا زمانہ فترة[1] کا زمانہ تھا دین فطرت ہی کے وہ مکلف بھی تھے (امہات الامہ صفحہ ۴۷)

اور علماء اہل سنت کے ایک جلیل القدر بزرگ علامۂ سیوطی نے ۹ (نو) کتابیں صرف اس موضوع پر تصنیف کی ہیں کہ حضرت رسول خداصلعم کے آباء واجداد، ذکور واناث سب کے سب باایمان اور دین حنیف (دین ابراہیمی) پر تھے۔یہ کل کتابیں حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کر دی گئی ہیں۔ان سب میں اُنھوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسول خدا کے آباء و اجداد کبھی مشرک نہیں تھے۔کبھی کفر اختیار نہیں کیا بلکہ برابر ابراہیم کے پیرو رہے مثلاً لکھتے ہیں انّ اباء النبی لم یکن فیہم مشرك حضرت کے آباء واجداد میں ایک بھی مشرک نہیں تھا۔(مسالک الحنفاء صفحہ ۱۹)۔اور جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خداؐ کے آباء واجداد کرام حضرت آدمؑ سے حضرت عبداللہ تک سب کے سب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ تھے۔

---

[1] فترۃ اُس زمانہ کو بھی کہتے ہیں جو دو پیغمبروں کے درمیان خالی زمانہ گزرا ہو جیسے حضرت عیسیٰؑ کے بعد ہمارے پیغمبر صاحب کے ظہور تک۔حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کے درمیان فترت کا زمانہ چھ سو برس کا تھا (انوار اللغتہ پارہ ۲۰ صفحہ ۱۹)

اور علماء متاخرین نے اسکی دلیلوں کو تحریر کیا ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے خدا نے ان کو مخصوص کیا ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت کے کل آباء واجداد دین اسلام پر تھے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ خدا اس نور پاک کو تاریک اور گندی جگہ (کافروں کے صلب اور رحم) میں رکھے اور آخرت میں اُن کے کافر آباء واجداد پر عذاب کر کے حضرت رسولؐ کو رسوا کرے (اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۲۵۲) اور علامۂ فخر الدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے انا اباء الانبیاء ما کانوا کفاراً یعنی انبیاء کے آباء واجداد کافر نہیں تھے۔

وبھذا التقدیر الآیۃ دالۃ علی ان جمیع اٰباء محمد کانوا مسلمین۔ اس تقدیر پر یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمدؐ کے کل آباء واجداد مسلمان تھے۔ ومما یدل علی ان اٰباء محمد ما کانوا مشرکین قولہ علیہ السلام لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔ اس امر کی دلیل کہ حضرت رسول خدا صلعم کے آباء واجداد مشرک نہیں تھے حضرت رسول خداؐ کی یہ حدیث بھی ہے جس میں فرمایا ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ لوگوں کی صلبوں سے پاکیزہ بیویوں ہی کے رحموں میں منتقل ہوتا آیا ہوں (مسالک الحنفاء صفحہ ۱۸)۔ اور مذہب شیعہ کے بڑے عالم بلکہ علاّمہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ علماء امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے والد، والدہ۔ بلکہ اجداد وجدات تک صحیح مذہب پر تھے۔ اور آپ کا نور مبارک نہ کسی مشرک مرد کے صلب میں داخل ہوا نہ کسی مشرک عورت کے رحم میں بلکہ متواتر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے باپ دادا سب کے سب انبیاء واوصیاء اور دین خدا کے حامل تھے اور حضرت اسمٰعیل کے فرزند جو آں حضرت صلعم کے اجداد کرام تھے حضرت ابراہیم کے اوصیاء اور خلائق کے مرجع تھے۔ اور ملت ابراہیمی اُن کے درمیان باقی تھے اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ کی شریعت کی جس سے ملت ابراہیمی منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ حضرات اُس کے محافظ تھے اور ایک دوسرے کو اس کی حفاظت کی وصیت کرتے آئے تھے۔

اور بہ سند معتبر حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم نہ میرے والد نے بتوں کی پرستش کی نہ میرے جد عبد المطلب نے نہ اُن کے پدر بزرگوار ہاشم نے نہ اُن کے والد عبد مناف نے۔ بلکہ یہ کل حضرات خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے اور حضرت ابراہیمؑ کے دین پر قائم تھے۔'' (حیات القلوب جلد ۲ باب افصل ۳) بلکہ حضرت امیر المومنینؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کی عورتیں بھی کافر یا مشرک نہیں بلکہ دین ابراہیم پر تھیں چنانچہ جناب امیرؑ کی ولادت کا وقت قریب پہنچا اور جناب فاطمہؑ کو وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ خانہ کعبہ کے پاس آئیں اور کہا پروردگار! میں تجھ پر اور جو پیغمبر تیرے پاس سے آئے ہیں اور جو کتابیں تیرے ہاں سے نازل

ہوئی ہیں اُن سب پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے جد ابراہیم کے کلام کی تصدیق کرتی ہوں۔

پس جس بزرگ نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے میں تجھ کو اُسی کے حق کا واسطہ دیتی ہوں اور جو مولود میرے بطن میں ہے اُس کے حق کا بھی واسطہ دیتی ہوں کہ تو وضع حمل کو مجھ پر آسان کردے (مناقب ابن شہرآشوب صفحہ ۱۴۳) اسی خاندان بنی ہاشم کے ایک بڑے رکن جناب ابوطالب بھی تھے۔ آپ بھی حضرت رسول خدا صلعم کی بعثت تک دین ابراہیمی ہی پر تھے۔ اور جب آں حضرت صلعم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اُس وقت آپ بھی دین ابراہیمی سے دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے "جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی ان کے چچا ابوطالب زندہ تھے اور گو اُنھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا[1] مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو سچا اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے اُن کے کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے۔

الٰہی صدقہ اپنے پیغمبرؐ کا ابوطالب جیسی ہمدردی ہم کو نصیب ہماری نسلوں کو نصیب ہر چند ابوطالب اپنے والد عبدالمطلب کے بعد تمام قبیلہ قریش کے مانے ہوئے رئیس تھے۔ اور اُن کی حمایت کے ہوتے ہوئے پیغمبر صاحب کو کسی حمایت کی ضرورت نہ تھی مگر خرابی یہ آکر پڑی تھے کہ اپنے ہی خاندان میں پھوٹ تھی۔ ایک چچا ابوطالب تھے جو پیغمبر صاحب کو اپنے صلبی بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔

جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا خون بہانے کو موجود۔ اور ایک چچا ابولہب تھا جو اسلام کے نام سے چڑھتا تھا اور پیغمبر صاحب کو دیکھکر اُسکی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا پس ابوطالب کی حمایت پیغمبر صاحب کی جان کی ضمانت تھی اس سے زیادہ نہیں (امہات الامہ صفحہ ۷۹) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔

حضرت عباس نے جو اُس وقت تک کافر تھے کان لگا کر سنا تو آں حضرتؐ سے کہا کہ تم جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابوطالب وہی

---

[1] بظاہر اسلام کس طرح قبول کرتے؟ جس طرح حضرت ابوطالبؑ شروع سے دین ابراہیمی پر اور کفر و شرک سے بالکل علحدہ تھے بالکل اُسی طرح حضرت رسول خدا صلعم کے نبی مبعوث ہونے پر دین اسلام کے پیرو ہو گئے اور دین ابراہیمی و دین اسلام تو درحقیقت دو چیز تھے ہی نہیں وہی اسلام تھا جس کی تبلیغ حضرت ابراہیم کی اور اسی کی گویا تجدید کے لئے حضرت رسول خدا صلعم تشریف لائے۔ پس اب جناب ابوطالبؑ کیا نیا کام کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اپ نے بظاہر اسلام قبول کیا ہے

مگر بظاہر بھی آپ نے وہ سب کیا جو بڑے بڑے بظاہر اسلام قبول کرنے والوں سے نہیں ہو سکا، اپنی جان سپر کر کے آں حضرت کو بچاتے رہنا، اپنی اولاد کو قربان کر کے حضرت کو محفوظ رکھنا اور تمام قریش سے حضرتؐ کی حمایت میں جنگ مول لینا کیا ایسے شخص سے ہو سکتا تھا جو مسلمان نہیں تھا؟؟؟۔

کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بناء پر علامہؒ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔

ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں ۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اس بناء پر دونوں روایتوں کے درجہ استناء میں چنداں فرق نہیں ۔ ابوطالب نے آں حضرتؐ کے لئے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام اہل عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟

ابوطالب آں حضرت سے ۲۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آں حضرتؐ انکی عیادت کے لئے گئے تو انھوں نے کہا بھتیجے! جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے۔ آپ نے دعا کی وہ اچھے ہو گئے۔ آں حضرتؐ سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بھی (اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے۔" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۸۲۔ واصابہ مطبوعۂ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۱۲)۔ جناب ابوطالب کا اسلام اس قدر زبردست ہے کہ علّامہؒ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری ایسے محدث تک نے آپ کا ذکر اپنی کتاب الاصابہ میں کیا جو صحابہ کے حال میں لکھی گئی ہے۔ اور معلوم ہے کہ صحابی وہی ہے جو حالت اسلام میں حضرت خداصلعم سے ملا ہو۔ اور جو کفر میں مرا ہو اُس کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ مثلاً ابوجہل، ابولہب وغیرہ بھی حضرت رسول خداصلعم کے زمانہ میں تھے۔ اور برابر حضرت سے ملتے رہے مگر اُن کا ذکر علامہ مذکور نے اس کتاب میں نہیں کیا۔ اس وجہ سے تو کہ وہ دونوں کافر تھے؟ جب وہ مسلمان ہی نہیں ہوئے تو صحابہ نہیں قرار پائے۔ اور جب یہ صفت ان میں آئی تو صحابہ کے حالات میں جو کتاب لکھی گئی اس میں اُن کا حال کس اصول سے لکھتے؟

لیکن جناب ابوطالب کا حال تفصیل سے لکھا اور کامل پانچ بڑے صفحوں میں درج کیا ہے۔ جو اس کی واضح دلیل ہے کہ علامہؒ مذکور نے آپ کو صحابی سمجھا اور مسلمان تسلیم کیا۔ علامہؒ مذکور ہی لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسول خدا مبعوث بہ رسالت ہوئے تو جناب ابوطالب آپ کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ آپ کے دشمنوں کو آپ سے دفع کرنے لگے۔ اور آپ کی مدح

میں کثرت سے قصیدے لکھے۔انھیں قصائد میں وہ بھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

وابیض یستقی الغمام بوجھه ثمال الیتامی عصمة للارامل

اور حضرت رسولخداؐ ایسے نورانی ہیں کہ ان کے چہرے کا واسطہ دیکر خدا سے طلب باراں کیا جاتا ہے وہ یتیموں کے فریادرس اور بیوں کے بیانے والے ہیں۔آپ کے ایک اور قصیدہ میں یہ شعر ہے۔

وشق له من اسمه لیجسله فذوالعرش محمود وھذا محمد

خدا نے حضرت رسولخداصلعم کی جلالت قدر کے لئے ہی اپنے نام سے ایک نام مشتق کر کے رکھا۔اس طرح صاحب عرش (خدا) محمود ہے اور رسولؐ خدا محمد ہیں۔ابن عینیہ کہتے تھے کہ اس سے بہتر شعر میں نے کبھی نہیں سنا۔جناب ابوطالب کہا کرتے تھے ما کذب ابن اخی قط۔میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولا۔(اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) مذکورۂ بالاعبارت کا ہر جملہ پکار کر کہتا ہے کہ حضرت ابوطالب صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر اور اسلام پناہ تھے۔

(۱) مرتے وقت کلمہ شہادتین جاری کرنا جو اس اصول پر نہیں تھا کہ آخر میں اسلام قبول کرلیا بلکہ ویسا ہی تھا جیسا ہر مومن کا شعار ہے کہ انتقال کے وقت کلمۂ شہادت پڑھتا ہوا دنیا سے جاتا ہے۔اور جناب عباس کا جو اُس وقت تک کافر مانے گئے کہنا کہ ابوطالب وہی کلمۂ اسلام کہہ رہے ہیں جس کی خواہش رسولؐ کرتے تھے زبردست شہادت ہے۔بلکہ اس سے قوی تر شہادت کیا ہوسکتی ہے؟

(۲) رسولخدا سے کہنا کہ میری صحت کے لئے خدا سے دعا کرو۔اگر آپ خدا کو ایک اور حضرت سولخدا کو پیغمبر برحق نہیں جانتے تھے تو آپ سے یہ فرمائش کیوں کی؟ کیا کسی کافر نے بھی کبھی حضرت سے ایسی مذہبی درخواست کی تھی؟

(۳) جب آپ صحت یاب ہوگئے تو آں حضرتؐ سے یہ کہنا کہ خدا تیرا مانتا ہے ہزار ثبوت کا ایک ثبوت ہے۔جب ابوطالبؑ کو یقین ہوا کہ خدا حضرتؐ کی بات مانتا ہے پھر کافر کیسے رہ سکتے تھے؟ اگر جناب ابوطالب جانتے تھے کہ حضرت پیغمبر نہیں ہیں تو ضرور یہ بھی یقین رکھتے کہ خدا ان کا کہنا نہیں مانتا ہے کیونکہ ہر شخص اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ جو شخص جھوٹا مدعی نبوت ہوگا خدا مذہبی باتوں میں اُس کا کہنا نہیں مانے گا۔

(۴) یہ کہنا کہ خدا نے اپنے نام لفظ محمد کو مشتق کر کے حضرتؐ کا یہ نام اس غرض سے رکھا کہ (خدا کی طرح) حضرتؐ کی جلالت وعظمت بھی اچھی طرح واضح ہوجائے۔واضح کرتا ہے کہ جناب ابوطالب کو قطعاً حضرتؐ کا نبی بلکہ سیدالانبیاء ہونا معلوم تھا اور وہ جانتے تھے اسی وجہ سے خدا نے آپ کا یہ نام رکھا کہ کلمۂ اسلام میں اللہ کے ساتھ آپ کا نام بھی رکھا اور جو جلالت خدا

کو حاصل ہے وہ آپ کو بھی ملے۔

(۵) آپ کا یہ کہنا بھی کہ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہ بولا آپ کے ایمان کی حتمی دلیل ہے۔ جب حضرت ابوطالب کو یقین تھا کہ حضرت محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تو اُن کو یہ بھی یقین ہوا کہ آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں۔ اور جب حضرت کو سچّا نبی تسلیم کرلیا تو پھر اسلام نہ لانے کا معنے کیا ہوگا؟ اسلام کی تعریف تو یہی ہے کہ خدا کو ایک اور حضرت رسول خدا صلعم کا پیغمبر ہونا ۔اور جس طرح حضرت رسولخدا کے دشمنوں نے حضرت کی نبوت ہی سے انکار کردیا، اسی طرح حضرت ابوطالب کے دشمن بھی حضرت کے اسلام ہی سے انکار کرتے ہیں۔ غرض دونوں جماعتیں حق کی منکر ہیں۔ علامۂ ابن حجر ہی یہ لکھتے ہیں کہ جناب ابوطالب نے آن حضرت صلعم کی شان میں یہ اشعار بھی کہے ہیں۔

دعوتنی وعلمت انك صادق ولقد صدقت فکنت قبل امینا

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریة دینا

اے محمدؐ تم نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی اور میں خوب جانتا ہوں کہ تم یقیناً صادق ہو۔ اور اس دعوائے پیغمبری میں تم سچے ہو اس لئے کہ تم پہلے سے امین ہو۔ اور میں جانتا ہوں کہ یقیناً محمدؐ کا دین تمام دنیا کے مذہبوں سے بہتر اور افضل ہے۔ (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۳ و تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۲۴۰ وغیرہ)۔ علامۂ سید احمد بن زینی وحلان نے جو اجلۂ علماء اہل سنت سے ہیں حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے اسنی المطالب فی نجات ابی طالب، یہ کتاب مصر میں بڑی تقطیع کے ۳۶ صفحوں پر چھپ گئی ہے۔ اس میں جناب ابوطالب کا یہ شعر بھی ہے۔

الم تعلموا انّا وجدنا محمدًا رسولا کموسی صح ذلك فی الکتاب

کیا تم لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا جیسے نبی موسیٰ تھے۔ اور اُن کی نبوت کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ (اسنی المطالب صفحہ ۵) حضرت ابوطالب کے ایمان پر آپ کا قصیدہ لامیہ بھی زبردست دلیل ہے جس کو آپ نے حضرت رسولؐ خدا کی حقیقت وحمایت میں کہا ہے اور بہ کثرت کتب حدیث وسیرۃ تاریخ میں منقول ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس قصیدے میں اسّی سے زیادہ شعر ہیں۔ اور علامۂ ابن ھشام کی سیرت الرسول میں اسکے ۹۴ شعر منقول ہیں۔ (ملاحظہ ہو مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۱۴۷)۔ اس قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں۔

حلیماً رشیدا حازما غیر طائش یوالی له الخلق لیس بماحل

وایده رب العباد تبصره واظهر دنیا حقه غیر باطل

الم تعلموا ان ابننا لا مكذب لدینا ولا یسباء بقول الاباطل

محمد (مصطفیٰؐ) بردبار، سمجھ دار، تجربہ کار ہیں۔ ہلکی عقل کے نہیں ہیں وہ خدائے جہاں کو دوست رکھتے ہیں اور بات بنانے والے نہیں ہیں۔ پروردگار عالم نے اپنی مدد سے ان کی تائید کی ہے اور انھوں نے اس دین حق کو جو باطل نہیں ہے اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ہمارے فرزند (محمدؐ) کا کوئی کلام جھوٹ نہیں نکلا اور نہ وہ باطل اقوال کی طرف توجہ کرتا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ وغیرہ)۔

دنیا کا یہ دستور بھی ہر شخص جانتا ہے کہ باپ جس امر کو پسند کرتا ہے اس کی تاکید اپنی اولاد پر کرتا رہتا ہے اور جس امر کو برا سمجھتا ہے اس سے اپنے لڑکوں کو منع کرتا ہے۔ اب آؤ دیکھیں حضرت ابوطالب نے اپنی اولاد کو مذہب کے متعلق کیا تعلیم دی۔ اگر ان سے فرمایا ہو کہ تم لوگ کافر رہو۔ بت پرستی کرو۔ دین اسلام قبول نہ کرو۔ محمد مصطفیٰ کی پیروی نہ کرو تو ماننا پڑے گا کہ آپ بھی معاذ اللہ غیر مسلم تھے اور دین اسلام سے اسی طرح علٰحدہ رہے جس طرح دوسرے کفار مکہ تھے۔ لیکن اگر واقعات اس کے خلاف ہوں اور اگر آپ نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی تاکید کی ہو تو کون صاحب عقل کہے گا کہ خود تو آپ نے اسلام قبول نہیں کیا مگر اپنے فرزندوں پر اس کے لئے زور دیا۔ اس سے بہ آسانی فیصلہ ہو جائے گا۔

تاریخ وحدیث ورجال کے اوراق سے پوچھو تو وہ تم کو بتائیں گے کہ وقال ابو طالب لعلی ماھذا الدین الّذی انت علیه ۔ قال یاابت ! منت بالله ورسوله وصلیت معه فقال اما انه لا ید عوننا دالّا الی الخیر فالزمه۔ جناب ابوطالب نے حضرت علی سے (بطور امتحان) پوچھا کہ بتاؤ یہ کون دین ہے جس پر تم ہو؟ فرمایا اے ابا جان! میں خدا اور اُسکے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔

تو آپ نے کہا ہاں محمد ہم لوگوں کو خیر (بہتر مذہب) ہی کی طرف بلاتے ہیں۔ تم اس (دین) کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ (تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۶۱) ان اباطالب قال اجعفر لما اسلم صل جناح ابن عمك فصلی جعفر مع النبیﷺ۔

یعنی جناب ابوطالب نے اپنے تیسرے فرزند جعفر سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد کہا اب تم اپنے چچازاد بھائی (حضرت رسولؐ) کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھا کرو۔ تو وہ حضرت کے پیچھے نماز ادا کرنے لگے۔ (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۱۳)۔ باوجود اس قدر دلائل کے لوگ کیوں جناب ابوطالب کے ایمان سے انکار کرتے ہیں؟ اس کی وجہ عقل میں تو صرف یہی آتی ہے کہ آپ حضرت علیؑ کے والد تھے۔

اور جب حضرت علیؑ ہی افتراء و بہتان سے نہیں بچ سکے تو آپ کے والد کیونکر بچ سکتے ؟ اور ایک ہلکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت رسول صلعم نماز پڑھتے تھے تو دوسرے مسلمان کو بلا لیتے تھے کہ آپ کے ساتھ نماز جماعت پڑھیں مگر ابوطالب کو نہیں بلاتے ہوں گے کیونکہ حضرت کو ادب بمنع کرتا ہوگا کہ چچا کے آگے کھڑے ہوں اور وہ حضرتؐ کے پیچھے رہیں۔ اس سبب سے جناب ابوطالب اپنے گھر ہی نماز پڑھتے ہوں گے جس کو آپ لوگ اس طرح نہیں دیکھتے ہوں گے اس سبب سے سمجھے کہ اگر ابوطالب بھی مسلمان ہوتے تو آں حضرت اُن کو بھی اپنی نماز جماعت میں بلالیا کرتے۔

آخر میں ایمان حضرت ابوطالب کی ایک اور زبردست دلیل ذکر کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں جناب ابوطالب کی شادی اُن کی حقیقی چچازاد بہن جناب فاطمہ بنت اسد بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ فاطمہ بنت اسد بھی جناب ابوطالب کے ایمان کی زبردست حجت اور لاجواب دلیل ہیں کیونکہ موصوفہ کو تمام مورخین ومحدثین جناب ابوطالب کی زوجہ تسلیم کرتے اور اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ممدوحہ سب سے پہلی اسلام قبول کرنے والی بیویوں میں تھیں۔

اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ممدوحہ نے سنہ ۴ ہجری میں مدینہ میں انتقال کیا۔

اور جناب ابوطالب اُن سے چھ سات برس پہلے مکہ معظّمہ میں انتقال کر چکے تھے۔ اور کل تاریخیں اس کی گواہی بھی دیتی ہیں کہ وفات جناب ابوطالب تک جناب فاطمہ بنت اسد ان کی زوجیت میں رہیں (یعنی آں حضرت صلعم نے جناب فاطمہ بنت اسد کو جناب ابوطالب کی زوجیت سے الگ نہیں کیا) اور چونکہ عورتوں میں جناب خدیجہ کے بعد جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان پر سب کا اتفاق ہے اس سبب سے جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کی تاریخ بھی سنہ ۱ بعثت ہی ہے۔ اس طرح جناب فاطمہ بنت اسد ایمان لانے کے بعد دس سال تک جناب ابوطالب کی زوجیت میں باقی رہیں کہ نہ فاطمہ بنت اسد نے ان کو چھوڑ اور نہ جناب ابوطالب نے اپنی زوجہ جناب فاطمہ بنت اسد کو جدا کیا۔

نہ حضرت رسولؐ نے حکم دیا کہ چونکہ فاطمہ بنت اسد مسلمان ہو چکی ہیں اور جناب ابوطالب مسلمان نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورت غیر مسلم شخص کی بیوی نہیں رہ سکتی اس وجہ سے اُن کو الگ کردو عقل صاف کہتی ہے کہ اگر جناب ابوطالب بھی جناب فاطمہ بنت اسد کی طرح مسلمان نہیں ہوتے تو وہ اپنی بیوی کو اس مذہب سے روکتے۔ یا بیوی ہی ان کو اسلام پر آمادہ کرتیں اور بغیر آپ کے، مسلمان آپ کے ساتھ نہ رہتیں۔ یا حضرت رسولؐ خدا صلعم ہی نے دونوں میں تفریق کرادی ہوتی کیونکہ

اسلام کا حکم مشہور ہے کہ مسلمان عورت کافر مرد کی بیوی نہ رہے اگر ابو طالب کافر رہتے۔

تو جناب فاطمہ بنت اسد ان کی زوجیت میں کیونکر رہ سکتیں؟ اسلام نے تو ان لوگوں میں بھی علیحدگی کرا دی تھی جو معروف ومذہب کے بالکل ہی ادنیٰ مرتبہ تک پہنچے تھے۔ چنانچہ مشہور ترین کتب تاریخ وسیرۃ النبی ابن ہشام میں جو تمام معتبر کتب تاریخ مثل طبری، کامل ابن اثیر، ابوالفداء ابن خلدون وغیرہ کی ماخذ ہے۔ ذیل کا واقعہ مرقوم ہے جو اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

طفیل ابو عمرو الادس بیان کرتا تھا کہ جب میں اسلام لانے کے بعد مکہ معظمہ سے اپنے وطن میں واپس آیا تو میری زوجہ میرے پاس آئی۔ مگر میں نے اس سے کہا علحدہ رہ۔ اب نہ میں تیرا شوہر رہا اور نہ تو زوجہ رہی۔ اُس نے گھبرا کر پوچھا کیوں؟ کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟ میں نے کہا اسلام نے اب تجھ کو مجھ سے علیٰحدہ کر دیا میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

میری زوجہ نے مجھے جواب دیا کہ جو تمہارا مذہب رہے گا وہی میرا بھی ہے۔ میں بھی مسلمان ہو جاؤں گی۔ میں نے کہا اچھا تو حمے ذی الشری میں جا کر غسل کر آ۔ جب وہ نہا کر آئی تو میں نے اُس کو بھی اسلام سکھایا اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ (سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد ابن القیم مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۰۸) پس جب معمولی عورت ومرد تک اسلام وکفر کے سبب سے علیٰحدہ کر دیے جاتے تو عقل سلیم کیونکر قبول کر سکتی ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد کو حضرت رسولؐ جناب ابو طالب کے ایمان کا بھی ویسا ہی یقین کیا جائے جیسا ان کی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کا علم ہے ورنہ خود حضرت رسولؐ کی ذات پر اعتراضات کی بوچھار ہوتی رہے گی۔ اگر چہ عام علماء اس دلیل کو بیان نہیں کرتے مگر حضرت ائمہ طاہرینؑ نے جو علوم نبوت کے اصلی وارث تھے۔ ایمان ابو طالب کے بارے میں اس دلیل کو بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا کہ حضرت

اؔمثلاً خدا نے فرمایا ہے: اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ۔ گندی عورتیں گندے مردوں کے پاس رہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہیں۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔ (پارہ ۱۸ ع ۹) اس آیت میں خدا نے دونوں صفتوں کی تفصیل کر دی ہے کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں ہی کے پاس اور خبیث مرد خبیث عورتوں ہی کے ساتھ اور اچھی عورتیں اچھے مردوں ہی کے پاس رہیں اور اچھے مرد اچھی عورتوں ہی کے ساتھ رہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کفر اور شرک سے زیادہ گندی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح اسلام سے زیادہ کوئی اچھا وصف نہیں ہے۔ جب خدا نے فرما دیا کہ گندے لوگ گندی عورتوں ہی کے ساتھ رہیں تو حضرت ابو طالب حالت کفر میں رہ کر جناب فاطمہ بنت اسد کے ساتھ کیونکر رہ سکتے تھے؟ اگر ایسا ہوتا تو اُس وقت کے سب اہل اسلام حضرت رسولؐ پر اعتراض کرتے کہ آپ کہ اپنی پھوپھو کو ابو طالب کے ساتھ رہنے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ دونوں کو الگ کیوں نہیں کر دیتے؟ پھر کیوں دونوں ساتھ میں رہتے ہیں؟ مگر تاریخ، تفسیر، سیرت یا حدیث کی کسی چھوٹی کتاب میں بھی یہ بیان نہیں مل سکتا کہ کسی شخص نے اس بات کو ظاہر کیا ہو۔ جو اس بات کا قطعی فیصلہ ہے کہ نہ جناب ابو طالب کافر تھے نہ ان کے اسلام میں اس وقت کے مسلمان سے کسی کو ذرہ برابر شک بھی تھا۔ بلکہ جس درجہ کی صاحب ایمان جناب فاطمہ بنت اسد تھیں بالکل اُسی مرتبہ کے مومن کامل جناب ابو طالب بھی تھے ۱۲

امام زین العابدینؑ سے ایمان ابوطالب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ سوال عجیب وغریب ہے۔ خدا نے تو اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ کسی مسلمان عورت کو اُس کے کافر شوہر کی زوجیت میں نہ رہنے دیں بلکہ دونوں کو الگ کر دیں۔ پھر اگر حضرت ابوطالب کافر رہے تو آں حضرتؐ اپنی پھوپھی جناب فاطمہ بنت اسد کو جو سابقات الاسلام سے تھیں جناب ابوطالب کی زوجیت سے کیوں علٰحدہ نہیں کرا دیتے ؟'' (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۳۲ حالات جناب فاطمہ بنت اسد)۔ اس سے زیادہ جناب ابوطالب کے ایمان کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ مخالفین تو بڑے بڑے اسلامی امور تک سے انکار کرتے ہیں جو اُن کا علاج ہے وہی ان کا بھی۔

غرض جب حضرت ابوطالب اسلام قبول کر چکے تھے تو بانیٔ اسلام حضرت رسول خداؐ کی حمایت واعانت کو بھی اپنا فرض سمجھتے ۔ چنانچہ آپ نے سمجھا اور اسے بہترین طور پر انجام دیا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے ''جب آں حضرت صلعم نے اعلان دعوت کیا۔ اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آ کر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آں حضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں رؤساء قریش شریک تھے۔

ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباء واجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لیے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے ۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آں حضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ 'جان عم؛ میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ رسول اللہؐ کے ظاہری پشت وپناہ جو تھے ابوطالب تھے۔ آں حضرتؐ نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدایا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں ان پر نثار ہو جاؤں گا۔ آپ کی پر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔

رسول اللہؐ سے کہا جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۸۲ وسیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۸۶)

اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ قریش اس دفعہ بھی ابوطالب کے جواب سے مایوس ہوئے تو ایک جوان عمارہ بن الولید کو لے کر پھر ان کے ہاں گئے اور کہا اے ابوطالب ! دیکھو یہ عمارہ بن الولید قریش کا وہ جوان ہے جو شاعری میں ان سب سے بڑھا اور حُسن وجمال میں سب سے بہتر ہے۔ تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنا لو کہ یہ بڑا عقلمند بھی ہے اور تمہاری مدد بھی کرے گا۔

اور اپنے بھتیجے کو ہمیں حوالہ کردو کیونکہ وہ ہم لوگوں کو احمق کہتے۔ ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے دین کی مخالفت کرتے اور تمھاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کررہے ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ انھیں قتل کرکے قصہ ختم کردیں۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تمہارا ایک شخص مارا جائے گا۔

اس کے عوض ہم اپنا ایک شخص تم کو دیے دیتے ہیں۔ یہ سنا تھا کہ جناب ابوطالب کا چہرہ بگڑ گیا اور کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے بدترین معاملہ پیش کیا ہے۔ کیا خوب! تم اپنا فرزند تو مجھے اس لئے دیتے ہو کہ میں اس کو کھلاؤں پلاؤں پہناؤں اور ہر طرح پالوں۔ اور مجھ سے میرا فرزند اس غرض سے طلب کرتے ہو کہ تم اس کو قتل کردو۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳) غرض آں حضرت صلعم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے۔ قریش اگرچہ آں حضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔۔۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے" قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔۔۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آں حضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کرکے تباہ کردیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا نہ ان سے ملے گا۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کردیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ ابوطالب مجبور ہوکر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں (جو پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزیں ہوئے۔

تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے۔ یہ سنہ ۷ نبوی کا واقعہ ہے۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۸۰)۔ شعب ابی طالب میں حضرت ابوطالب نے حضرت رسول خدا صلعم سے جو محبت بلکہ اولاد نثاری کی ہے اُس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی عہد میں نہیں ملتی۔ اسی سے یہ واقعہ سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ محرم ۷ سنہ بعثت میں ابوطالب آں حضرت صلعم کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ اس شعب میں لے گئے اور تین سال تک اس میں رہے۔ سال میں دو دفعہ (رجب اور ذی الحجہ میں) بنو ہاشم شعب سے باہر آتے اور خرید و فروخت کرکے پھر شعب میں چلے جاتے تھے۔ اس قید نے ان بیچاروں پر بڑی مصیبت ڈالی۔ جسمانی اور روحانی اذیات کے علاوہ رزق کی تنگی نے اور پریشان کررکھا تھا۔

ناطے رشتے والے جو مخفی طور پر کوئی چیز بھیجتے اور کفار کو خبر ہو جاتی تو وہ اپنے ہم چشموں میں ذلیل اور فضیحت کئے جاتے۔

جناب ابوطالب پر ان تمام مصیبتوں سے زیادہ حضرت کی حفاظت کی فکر تھی۔ وکان ابوطالب فی کل لیلة یامر رسول الله ان یاتی فراشه ویضطجع یه فاذنام الناس اقانه وامراحد بنیه اوغیر هم ای من اخوته اوبنی عمه ان یضطجع مکانه خوفا علیه ان یغناله احد ممن یرید به السوء۔

یعنی جناب ابوطالب نے یہ معمول کر لیا تھا کہ ہر رات حضرت رسول خداؐ سے فرماتے کہ میرے پاس میرے ہی فرش پر سو رہو۔ پھر جب سب لوگ سو جاتے تھے تو آپ حضرتؐ کو اُس جگہ سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی بھائیوں یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو حکم دیتے تھے کہ رسول خداؐ کی جگہ سو رہے اس خوف سے کہ شب کو کوئی دشمن دھوکے سے قتل نہ کر دے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۴۲)۔ سبحان اللہ یہ اولاد نثاری! جناب ابوطالب کو خوف ہوتا کہ کسی دشمن نے سر شام حضرت رسولؐ خدا کے سونے کی جگہ دیکھ لی ہوگی۔ ممکن ہے وہ حضرت پر اندھیری رات میں اُسی جگہ کا اندازہ کر کے حملہ کر دے۔ اس وجہ سے لوگوں کے سونے پر آپ اس جگہ سے حضرتؐ کو اُٹھا دیتے اور اپنے بیٹوں یا بھائیوں یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو سُلا دیتے کہ اگر وہ دشمن اس جگہ کو یاد رکھ کر حملہ کرے گا تو حضرت رسول خدا صلعم وہاں سے ہٹ چکے ہوں گے بچ جائیں گے اور آپ کا کوئی فرزند یا عزیز قتل ہو جائے گا۔

اسی طرح آپ ہر روز اپنے لڑکوں کو حضرت رسول خدا صلعم پر فدا کرتے رہتے تھے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جب قریش حضرت ابوطالب کے پاس بار بار آ کر واپس گئے اور آپ نے حضرت رسولخداؐ کو اُن کے حوالہ نہیں کیا تو ان سب نے ایکا کر لیا کہ محمدؐ اور ان کے کل ساتھیوں کو پائمال کر ڈالو۔ پھر کیا تھا ہر قبیلہ کے لوگ اپنے حلقہ کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے کہ ان کو طرح طرح کا عذاب پہنچاتے اور اُن کے دین سے واپس لانے کے لئے ان کو فتنوں میں مبتلا کرتے۔ ومنع رسوله منهم بعمه ابی طالب مگر خدا آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ سے برابر آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ حضرت ابوطالب قسم کھا کر کہتے تھے۔

والله لن یصلوا الیك بجمعهم حتی اوسد فی التراب دفینا

فاصدع بامرك ما علیك غضاضة والبشر بذاك وقر منك عیونا

خدا کی قسم اے محمدؐ! جب تک میں زمین میں مدفون ہو کر غائب نہ ہو جاؤں اُس وقت تک اگر یہ کفار سب کے سب مل کر کوشش کریں جب بھی تم تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم مطمئن ہو کر اپنے تبلیغ رسالت کے کام کو انجام دیتے رہو۔ تمہارا کچھ بھی کوئی شخص

بگاڑ نہیں سکتا۔ تم میرے اس وعدے پر خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھوں کو خوشی سے ٹھنڈی رکھو۔ (کتاب اسنی المطالب صفحہ ۱۰ تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۲۰ وطبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۰) اس شعب سے نکلنے کی بھی جو صورت ہوئی وہ جناب ابوطالب کے کمال ایمان کی دلیل ہے۔ جب شعب میں تقریباً تین برس ہو گئے تو ایک روز حضرت رسول خدا صلعم نے جناب ابوطالب سے کہا اے چچا! مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ عہد نامہ قریش کے وہ تمام الفاظ جو ظلم اور قطع برادری پر مشتمل تھے کیڑوں نے کھا لئے اور اس میں صرف وہ ٹکڑا باقی رہ گیا ہے جس پر خدا کا نام لکھا ہوا تھا۔

وکان ابوطالب لا یشك فی قوله یعنی جناب ابوطالب کا یہ حال تھا کہ حضرت رسولؐ جو خبر یا وحی بیان کرتے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کرتے تھے۔ یہ سنتے ہی اس پر بھی یقین کر لیا اور شعب سے نکل کر قریش کے پاس گئے اور کہا جو عہد نامہ تم نے لکھا ہے اُسے کیڑا کھا گیا ہے اور خدا کے نام کے سوائے اس کا کوئی مضمون باقی نہیں رہا۔ محمدؐ نے مجھ سے ایسا بیان کیا ہے۔ اُس کاغذ کو منگا کر دیکھو۔

اگر میرے بھتیجے کی خبر صحیح ہو تو جان لو کہ تم سب ہم لوگوں پر ظلم اور قطع رحم کر رہے ہو۔ اور اگر اس کی خبر جھوٹ نکلے تو ہم سب لوگ جان جائیں گے کہ تم لوگ ہی حق پر ہو اور ہم لوگ باطل پر ہیں۔ یہ سنتے سب کے سب جلدی کھڑے ہو گئے اور اس عہد نامہ کو اُتار لائے۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت رسول صلعم نے جو فرمایا ہے بالکل صحیح ہے **وقویت نفس ابی طالب واشد صوته وقال قد تبین لکم انکم اولیٰ بالظلم والقطیعة فنکسوا رؤسهم** ۔ اب تو حضرت ابوطالب کا دل خوب مضبوط ہو گیا۔ ان کی آواز میں بھی طاقت آ گئی۔ کہنے لگے کیوں؟ اب تو تم لوگوں پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس معاملہ میں تم لوگ ہی ظلم وستم کرتے اور قطع رحمی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ اس پر اُن سب مخالفین نے اپنے اپنے سر جھکا لئے۔ پھر اس عہد نامہ کو توڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس واقعہ کے متعلق بھی جناب ابوطالب کے چند اشعار ہیں جن سے چند یہ ہیں۔

وقد کان فی امر الصحیفة عبرة متی ما یخبر غائب القوم یعجب

محا الله منهم کفرهم وعقوقهم وما نقموا من ناطق الحق معرب

واصبح ما قالوا من الامر باطلا ومن یختلق ما لیس بالحق یکذب

کفار نے رسولؐ کے پریشان کرنے کے لئے جو عہد نامہ لکھا تھا اس کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔ جو لوگ اس موقع پر غائب تھے جب وہ اس کا حال سنیں گے تو اُنھیں کس درجہ تعجب ہوگا۔ مخالفین کے کفر۔ قطع رحم اور ظلم وستم کو خدا نے بالکل واضح اور کھلے ہوئے حق سے کس طرح مٹا دیا۔ جس پر کفار کی باتیں بالکل باطل ہو گئیں۔ اور جو شخص ایسی بات گڑھے گا جو حق نہ ہو اُس کا

جھوٹ اور مکر وفریب تو کھل کر ہی رہے گا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۳۳)۔ جب جناب ابوطالب کے بھائی جناب حمزہ مسلمان ہوئے تو جناب ابوطالب کو ایسی خوشی ہوئی کہ شعر کہہ ڈالے۔

فصبرا ابا یعلی علی دین احمد وکن مظهر اللدین وفقت صابرا

وحط من اتی بالدین من عند ربه بصدق وحق لا تکن حمز کافرا

فقد سرنی اذقلت انك مومن فکن لرسول الله فی الله ناصرا

وناد قریشا بالذی قد اتیته جهارا وقل ما کان احمد ساحرا

اے حمزہ! احمد کے مذہب پر مضبوطی اور صبر سے قائم رہو بلکہ اس دین کو دوسروں پر بھی ظاہر کرتے رہو۔ خدا تم کو صبر کی توفیق دے۔ اور جو شخص (محمدؐ) اپنے خدا کے ہاں سے سچائی اور حق کے ساتھ دین لایا ہے اس کی خوب حفاظت کرنا اور اے حمزہ کافر کبھی نہ ہو جانا نہ کفر میں رہنا۔ جب تم نے اپنے بارے میں مجھے خبر دی کہ مسلمان ہو گئے ہو تو مجھے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ اب دیکھو اللہ کی خوشی کے لئے ان کی مدد بھی خوب کرتے رہنا اور جس مذہب کو تم نے قبول کیا ہے اعلان کر کے اس کی خبر قریش کو کر دو اور یہ بھی کہہ دو کہ احمد جادوگر نہیں ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۳۱۵)۔ جناب ابوطالب ہی کے یہ اشعار بھی ہیں۔

وخیر بنی هاشم احمد رسول الاله علی فترة

(یعنی خاندان بنو ہاشم میں سب سے افضل احمد ہیں جو زمانہ فترت کے بعد خدا کے رسول بنائے گئے)

لقد اکرم الله النبی محمدا فاکرم خلق الله فی الناس احمد

(خدا نے اپنے نبی محمد کو نہایت معزز کیا اس وجہ سے لوگوں میں سب سے افضل واشرف مخلوقات احمد ہی ہیں)

یاشاهد الله علی فاشهد انی علی دین النبی احمد

من ضل فی الدین فانی مهتد

(اے میرے متعلق اللہ کے گواہ! تم اس بات کے گواہ رہنا کہ میں پیغمبر امان احمدؐ کے دین پر ہوں۔)

مذہب کے بارے میں جو گمراہ ہے ہوا کرے کیونکہ میں نے ہدایت اختیار کر لی۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۳۱۵)

انھیں خدمات اور احسانوں کو یاد کر کے علامہ ابن ابی الحدید نے بھی جناب ابوطالب کی شان میں کئی شعر کہے ہیں۔ مثلاً کہا ہے۔

وما ضر مجد ابی طالب جهول لغام او بصیر تعامیٰ

كما لا يضر آيات الصباح من ظن ضوء النهار الظلاما

(جس طرح وہ شخص جودن کی روشنی کو اندھیرا ہی سمجھے اپنے اس سمجھنے سے صبح کی نشانیوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بالکل اسی طرح کسی جاہل کے لغو بکنے یا کسی آنکھ والے کے خواہ مخواہ اندھا بن جانے سے حضرت ابوطالب کی شان گھٹ نہیں سکتی (شرح مذکور جلد ۳ صفحہ ۳۱۸) علامہ مذکور ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوطالب نے حضرت رسولخدا صلعم کو تلاش کیا۔ حضرت نہیں ملے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں قریش نے آپکو پکڑ نہ لیا ہو۔ آپ نے فوراً اپنے تیسرے فرزند جناب جعفر کو لے کر حضرت کی تلاش میں نکلے۔ جا کر دیکھا کہ مکہ کی ایک گھاٹی میں حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب ابوطاب نے جناب جعفر سے کہا تقدم وصل جناح ابن عمك۔

آگے بڑھو اور تم بھی رسولؐ پیچھے مل کر نماز پڑھو۔ اسی طرح جب تینوں بزرگ نماز پڑھنے لگے تو ابوطالب یہ منظر دیکھ کر خوشی سے رو پڑے اور کہا۔

ان عليا وجعفر الثقتى عند مسلم الخطوب والنوب

لا تخذلا وانصرا ابن عمكما اخى لامى من بنيهم وابى

والله لا اخذل النبى ولا يخذله من بنى ذو حسب

(یقیناً مصیبتوں اور پریشانیوں کی حالت میں علی اور جعفر میرے معتمد علیہ ہیں۔ اے فرزندو! تم لوگ اپنے ابن عم (حضرت رسولؐ) کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا بلکہ برابر ان کی مدد کرتے رہنا۔ تمہارے چچا (حضرت رسولؐ کے والد) میرے بھائیوں میں حقیقی بھائی تھے کہ ان کے باپ میرے باپ اور انکی ماں میری ماں تھیں۔ خدا کی قسم میں بھی رسولؐ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ میرے بیٹوں کوئی شریف اور سعید فرزند ان کا ساتھ چھوڑ سکتا۔ (کتاب مذکور صفحہ ۲۷۳) اغرض مرتے وقت تک جناب ابوطالب نے حضرت رسول خدا صلعم کی بہترین خدمت۔ تربیت اور حمایت کی اور تمام قریش آپ کے دشمن ہو گئے مگر آپ نے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔ نہ رسول کا کبھی ساتھ چھوڑا۔ نہ ساتھ دینے کو جبر سمجھا۔ شعب سے نکلے ہوئے

ا حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب ابوطالب کے فریفتہ رہتے تھے۔ آپ کے لڑکپن کا ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک روز حضرت ابوطالب اور ابولہب میں کشتی ہوئی تو ابولہب نے آپ کو گرا دیا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب ابوطالب کے ساتھ تھے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فوراً ابولہب کی زلفیں پکڑ کر کھینچ لیں۔ اس پر ابولہب نے کہا میں بھی تمہارا چچا ہوں اور یہ (ابوطالب) بھی تمہارے چچا ہیں۔ پھر میرے مقابلے میں تم نے ان کی مدد کیوں کی؟ آپ نے فرمایا تم سے زیادہ مجھے یہ (جناب ابوطالب) محبوب ہیں (خصائص کبریٰ علامہ سیوطی صفحہ ۸۷) مگر حضرت رسول خدا صلعم جناب ابوطالب کو صرف اس وجہ سے زیادہ دوست رکھتے تھے کہ جناب ابوطالب بھی حضرت رسول خداؐ کی طرح خدا کے مطیع بندے تھے اور مکارم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر بھی فائز تھے ۱۲

ابھی آپ کو آٹھ مہینے سے کچھ ہی دن زیادہ ہوئے تھے کہ جناب ابوطالب نے نصف ماہ شوال (یا ذیقعدہ) سنہ ۱۰ بعثت میں انتقال کیا۔ آپ کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔

وفات کے قریب آپ نے سرداران قریش کو بلایا (اپنے بھائیوں بھتیجوں اور فرزندوں کو جمع کیا) اور ان سب کو حضرت رسولؐ کے متعلق وصیتیں کیں۔ کہا قریش والو! میں تم سے محمدؐ (رسولخداؐ) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نیکی سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق مشہور ہیں اور ان میں وہ کل خوبیاں موجود ہیں جن کی میں تمھیں وصیت کرتا ہوں۔ وہ یقیناً خدا کی طرف سے ایسا مذہب لائے ہیں جس کو سب کے دل حق اور درست مانتے ہیں اگر چہ وہ لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے زبان سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں۔۔۔۔ پس اے قریش والو! تم سب ان کے پیرو اور والی اور ان کا کلمہ پڑھنے والوں کے حامی و مددگار ہو جاؤ خدا کی قسم جو شخص بھی ان کے مذہب پر چلے گا وہ اچھا اور سیدھی راہ پر رہے گا۔ اور جو شخص ان کی ہدایت قبول کرے گا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہو جائے گا۔ اگر میری زندگی کچھ دنوں اور رہتی اور موت مجھے مہلت دے دیتی تو ہمیشہ اُن سے فتنوں اور مصیبتوں کو دفع اور ان کی آفتوں کو زائل کرتا رہتا۔

حضرت سول خدا صلعم کی حمایت کے علاوہ یہ وصیتیں بھی آپ نے لوگوں سے کیں اس خانہ کعبہ کی تم لوگ ہمیشہ تعظیم کرتے رہنا کہ اس سے خدا خوش رہے گا۔ تم لوگ صلۂ رحم بھی کرتے رہنا اور خبردار قطع رحمی نہ کرنا کیونکہ صلۂ رحم کرنے سے انسان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور ایسا کرنے والے کی خود بھی قوت بڑھتی ہے۔ اور ظلم وزیادتی، بزرگوں کی نافرمانی اور بغاوت ہرگز نہ کرنا کہ تم سے پہلے انھیں خرابیوں کی وجہ سے کتنی قومیں برباد ہو گئیں۔

جو شخص کسی ضرورت سے تم کو بلائے اُس کے لئے ضرور جانا اور جو سائل کچھ مانگے اُس کو ضرور دینا کیونکہ ان دونوں خوبیوں میں زندگی کا شرف بھی ہے اور موت کی عزّت بھی۔ اس کا خیال رکھنا کہ ہمیشہ سچ بولا کرو اور لوگوں کی امانتیں ادا کیا کرو کہ ان باتوں سے خاص لوگ تم سے محبت اور عام لوگ تمہاری عزت کریں گے۔ اس کے بعد انتقال کر گئے۔ آپ کو غسل دیا گیا۔ کفن پہنایا گیا اور اسلام کے اصول کے مطابق آپ دفن کئے گئے۔ جب آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا تو حضرت رسولخدا صلعم جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ روتے اور فرماتے جاتے تھے اے چچا!

آپ نے اپنی قرابت کا پورا حق ادا کیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۳۳۹ وسیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۵۲)۔ دوسری روایت میں ہے کہ جناب ابوطالب نے اپنے انتقال کے وقت جناب عبدالمطلب کے خاندان والوں کو بلا بھیجا اور کہا جب تک تم لوگ محمدؐ کی باتیں سنتے اور اُن کی پیروی کرتے رہو گے اُس وقت تک خیر ہی پر رہو گے لہذا تم لوگ ان

کی اطاعت کرتے رہو تا کہ بھلائی حاصل کرو۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۵۲) اس سے زیادہ ایمان ابوطالب کی دلیل چاہیئے؟
جناب ابوطالب کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کا نام ابوطالب ہی تھا۔

بعض عبد مناف اور بعض عمران کہتے ہیں۔ (عمدۃ الطالب صفحہ ۵۰ واصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۲)۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسول خداؐ کے آباء و اجداد بھی بہشت میں ہوں گے اور جناب عبد المطلب بہشت میں اس طرح جائیں گے کہ ان میں انبیاء کا نور اور بادشاہوں کا جمال روشن ہوگا اور ابوطالب بھی اسی زمرہ میں ہوگے۔ (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۵)۔ جناب ابوطالب کے انتقال کا صدمہ حضرت رسول خداصلعم کو اس درجہ ہوا کہ اس سال کا نام آپ نے عام الحزن (رنج ومصیبت کا سال) رکھا۔ آپ کے بعد آں حضرتؐ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ اور کفار قریش نے نہایت سخت یورش کی۔

جناب فاطمہ بنت اسد مادر حضرت امیر المومنینؑ نام ونسب

حضرت امیر المومنینؑ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ تھا۔ کتب سیر تواریخ واحادیث کا باوجودیکہ تتبع کیا گیا لیکن کسی کتاب سے فاطمہ کی کنیت نہ معلوم ہوسکی۔ وہاں چونکہ عرب کا دستور تھا کہ بڑے بیٹے کے نام سے مرد اور عورت اپنی کنیت رکھتے تھے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پدر بزرگوار عمران بن عبد المطلب کی کنیت ابوطالب تھی اس سبب سے کہ آپ کے بڑے صاحبزادے کا نام طالب تھا اسی سبب سے فاطمہ بنت اسد کی کنیت بھی ام طالب ہوگی۔

جناب فاطمہ کا آبائی سلسلہ نسب یہ ہے **فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی** اور مادری سلسلہ نسب یہ ہے **فاطمہ بنت فاطمہ بنت ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معین بن وھب بن تعلبہ بن وائلہ بن شیبان بن مصارب بن فھر۔**

اس شجرہ سے واضح ہوا کہ جناب ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد حقیقی چچازاد بھائی بہن بھی تھے اور فاطمہ آں حضرتؐ کی پھوپھی بھی تھیں اور چچی بھی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جناب فاطمہ نسب کے اعتبار سے تمام عرب کے اشرف ترین خاندان سے تھیں کیونکہ آپ ہاشمیہ ہیں ہاشم کی پوتی جن کے بارے میں آں حضرتؐ فرماتے ہیں۔

قال جبریل قلبت مشارق الارض ومغاربها فلم اجد رجلا فضل من محمد
وقلبت مشارق الارض ومغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم
(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۲)

یعنی مجھ سے جبریل نے کہا کہ میں نے زمین کے تمام مشرق ومغرب کو چھان ڈالا لیکن کسی شخص کو محمدؐ سے اور کسی خاندان کو

خاندان بنی ہاشم سے افضل واعلیٰ نہیں پایا۔

یہ تو دینی فضیلت تھی دنیاوی حیثیت سے بھی بنو ہاشم سے اشرف اور افضل کوئی خاندان اُس زمانے میں نہیں سمجھا جاتا تھا چنانچہ جناب ہاشم کے حالات میں علامہ مجلسی لکھتے ہیں:

صیت کرمش باطراف جہاں دویدہ آوازہ ہمتش بتمام عالم رسید وچون خبر اونبجاشی پادشاہ حبشہ وقیصر پادشاہ روم رسید نامہ باونوشتندوہد یہا برائے اوفرستادنداستدعا نمودند کہ دختر از بجائے قوم خود خواست وازوفرزندان ذکور اناث بہم رسانید۔ (حیوۃ القلوب جلد ۲ صفحہ ۸)

جناب ہاشم کے کرم کا غلغلہ تمام عالم میں بلند ہوا اور بلند ہمتی کا شہرہ ہر طرف پھیلا۔ جب ہاشم کی خوبیوں کی خبر نجاشی بادشاہ حبشہ اور قیصر بادشاہ روم کے کانوں میں پہنچی تو انھوں نے نامہ و پیام، تحفہ وہدایاان کی خدمت میں بھیجے اور خود خواہش کی کہ ہماری لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول کرو مگر ہاشم نے قبول نہ کیا اور اپنی قوم کے معزز خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی اور اسی سے لڑکے اور لڑکیاں ہاشم کے ہوئیں۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں:۔ ہاشم کو فیاضی اور سرچشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت اور تمکنت ووقار بہت کچھ حاصل تھا اور قدرت نے ان کے جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص طرح کا اعتدال ودیعت رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے حمائد اور وفو داخیار اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کرتے تھے یہاں تک کہ بادشاہ روم نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس بایں مضمون پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے نہایت حسین اور حسین ہونے کے علاوہ لطیفہ گو بذلہ سنج اگر تم یہاں آجاؤ تو میں تمہارے ساتھ اس کی شادی کردوں کیونکہ میں نے تمہارے مکارم اخلاق اور جود وسخا کا شہرہ سنا ہے۔ ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا اور روم کے بادشاہ کے پیام کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ خزرجیوں میں ایک مشہور قبیلہ بنی عدی بن النجار یثرب (مدینہ) میں بستا تھا ہاشم نے اس قبیلہ میں کی ایک شرف النسب اور نجیب الطرفین عورت سے شادی کی اور اس عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبدالمطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ (امہات الامہ صفحہ ۴۷)

اس طرح جناب فاطمہ کا خاندانی شرف دوسری عورتوں پر خاص طرح ظاہر ہے لیکن سب سے زیادہ ذکر کے قابل وہ خصوصیت ہے جس کو تمام مورخین ومحدثین اہل سنت وشیعہ لکھتے ہیں کہ

انہا اول ہاشمیۃ ولدت ہاشمیا واول ہاشمیۃ ولدت خلیفۃ۔

(الاستیعاب، اصابہ، اسد الغابہ، تاریخ الخلفاء نور الابصار وغیرہ)

کہ فاطمہ پہلی ہاشمی عورت ہیں جن کا عقد بھی خاندان بنی ہاشم ہی میں ہوا اور ہاشمی فرزند آپ کے بطن سے پیدا ہوا اور یہ کہ آپ ہی پہلی وہ ہاشمی عورت ہیں جن کے بطن سے خلیفہ رسول خداؐ پیدا ہوا۔

نکاح با ابوطالب

جناب ابوطالب نے جب فاطمہ سے نکاح کیا تو حسب ذیل خطبہ پڑھا:۔

الحمد لله رب العالمين رب العرش العظيم والمقام الكريم والمشعر الحطيم الذى اصطفانا اعلاما وسدنة وعرفا وخلصا. وحجة. بها ليل اطهارا من الخنا والريب، والاذى والعيب، واقام لنا المشاعر. وفضلنا على العشائر نحن آل ابراهيم وصفوته وزرع اسماعيل فى كلام له. ثم قال وقد تزوجت فاطمه بنت اسد وسقت المهر ونفذت الامر فاسئلوه واشهدوا۔

حمد وثنا بس پروردگار دو جہاں ہی کے لیے زیبا ہے جو عرش عظیم مقام کریم اور مشعر حطیم کا پروردگار ہے جس نے ہمیں نشان ہدایت بنا کر منتخب روزگار قرار دیا ہے، اپنے پاکیزہ گھر کا محافظ بنایا، بلند و برتر، خالص، پاکیزہ، حجۃ، تمام خوبیوں کا حامل سید سردار پیدا کیا۔ زنا فحش سے پاک وصاف برائی سے مبرّا قرار دیا۔ ہمارے لیے مشاعر قائم کیے ہمیں تمام قبائل پر فضیلت بخشی۔ ہم ابراہیم کے چشم و چراغ اور پسندیدہ محبوب ہیں۔ ہمیں ثمر چمن اسماعیل ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے فاطمہ بنت اسد سے شادی کی، مہر ادا کر دیا، امر کو نافذ کر دیا ہے تم معلوم کرو اور اس کے گواہ رہو

جب ابوطالب خطبہ سے فارغ ہوئے اور ایجاب کر چکے تو فاطمہ کے والد ماجد اسد بن ہاشم نے ان الفاظ میں اس نکاح کو قبول کیا۔

زوجنا ورضينا بك

ہم نے فاطمہ کو تمہاری زوجیت میں دیا اور تم سے راضی ہوئے۔

اس کے بعد فاطمہ حبالہ عقد ابوطالب میں داخل ہو گئیں۔ بعد ازاں اسد نے لوگوں کو ولیمہ کی دعوت کھلائی جس کے بعد امیہ بن الصلت مشہور شاعر نے ایک قصیدہ تہنیت پڑھا۔

جناب فاطمہ کا آبائی مذہب

آں حضرت کی بعثت کے بہت زمانہ قبل سے تمام عرب کفر وشرک کی آلودگی میں مبتلا ہو گیا تھا دین ابراہیمی معدوم ہو گیا تھا لیکن خاندان بنی ہاشم کے کل حضرات ہمیشہ خدا پرست، موحد، دین ابراہیمی کے پیرو اور احکام الٰہی کے پیرو رہے ہیں۔

چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ حیٰوۃ القلوب جلد ۲ میں لکھتے ہیں:۔

”بدانکه اجماع علمائے امامیه منعقد گردیده است بر انکه پدر ومادر حضرت رسول وجمیع اجداد وجدات آں حضرت تاآدم ہمه مسلمان بودند ونور آں حضرت در صلب حضرت وآباء وامہات آں حضرت نبوده است واحادیث متواتر از طرق خاصه وعامه بر این مضامین دلالت کرده است بلکه از احادیث متواتر ه ظاہر میشود که اجداد آن حضرت ہمه انبیاء واوصیاء وحاملان دین خدا بودند وفرزندان اسماعیل که اجدادآن حضرت اندا وصیائے حضرت ابراہیم بوده اند ہمیشه پادشاہی مکه وحجابت خانه کعبه وتعمیرات آن باایشان بوده است ومرجع عامه خلق بوده اندو ملت ابراہیم درمیان ایشان بوده است وبشریعت حضرت موسیٰ وحضرت عیسٰی شریعت ابراہیم درمیان فرزندان اسماعیل منسوخ نشد وایشان حافظان آن شریعت بودند وبیکدیگر وصیت می کردند وآثار انبیاء را بیکدیگر می سپردند تاعبدالمطلب ابوطالب را وصی خودگرداند وابوطالب کتب بسیار وآثار ایشاں وودائع ایشاں را بعد از بعثت تسلیم حضرت رسالت پناه نمود۔

علمائے امامیہ کا اس امر پر اجماع قائم ہے کہ آنحضرتؐ کے ماں باپ اور تمام دادا دادیاں جناب آدم تک سب کے سب مسلمان تھے اور آں حضرتؐ کا نور نہ کسی مشرک کے صلب میں کبھی رہا نہ رحم میں اور آں حضرتؐ کا نسب اور آپکے باپ دادا دادی نانی کا نسب ہر شک وشبہ سے پاک وصاف رہا۔ شیعہ سنّی دونوں کی حد تواتر تک پہنچی ہوئی بکثرت حدیثیں اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں بلکہ احادیث متواترہ سے یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کے آبا واجداد سب کے سب انبیاء واوصیاء اور دین خدا کے حامل رہے اور جناب اسمٰعیل کے فرزند جو پیغمبر کے جد ہیں وہ سب کے سب جناب ابراہیم کے اوصیا تھے مکہ کی بادشاہی خانہ کعبہ کی دربانی وتعمیر وغیرہ ہمیشہ انھیں کے ہاتھوں میں رہی وہ ہمیشہ مرجع خلائق رہا کیے اور جناب ابراہیم کا مذہب ان کے درمیان تھا۔

جناب موسیٰ اور عیسیٰ کی شریعت نے ملت ابراہیمی کو منسوخ نہیں کیا وہ جناب اسمٰعیل کے فرزندوں میں اسی طرح باقی رہا اور وہ اس مذہب کے حافظ ونگراں رہے اور ایک دوسرے کو اسی کی وصیت کرتے آئے اور اپنے بعد یکے دیگرے انبیاء کے آثار کو ودیعت کرتے آئے یہاں تک کہ سلسلہ عبدالمطلب تک پہنچا۔ جناب عبدالمطلب نے اپنا وصی جناب ابوطالب کو مقرر کیا اور ابوطالب نے بہت سی کتابیں آثار انبیاء اُن کی ودیعتیں پیغمبرؐ کے مبعوث ہونے پر پیغمبرؐ کے حوالہ کیں۔

علمائے اہل سنت اگر چہ آں حضرتؐ کے آباواجداد کے کفر کے قائل ہیں لیکن دبی دبی زبان سے کبھی کبھی حق کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں چنانچہ شمس العماء مولوی احمد نذیر صاحب دہلوی کی کتاب امہات الامہ" کی کچھ عبارتیں ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ (دیکھو یہی سوانح عمری صفحہ ۴۳ و ۴۷) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات اہلسنت بھی اس کے معترف ہیں کہ عبدالمطلب اور ابوطالب کا مذہب دین فطرت تھا۔ رہا دین فطرت پس اس کی تعریف بھی مولوی نذیر احمد صاحب یوں کرتے ہیں۔ "مذہب سے ہماری مراد دین فطرت ہے جس کا بعد کو دین اسلام نام ہوا اور جس کا مذکور اس تحریر میں بار بار آچکا ہے۔" اس سے ثابت ہوا کہ آں حضرتؐ کی ولادت سے بھی قبل عبدالمطلب اور ابوطالب مسلمان تھے۔

مختصر یہ کہ فاطمہ بنت اسد اس خاندان میں تھیں جو ابتداء سے موحد اور دین اسلام کا عامل تھا پس اگر چہ کتب اہل سنت سے خاص کر فاطمہ کے دین قبل از اسلام ظاہری کا پتہ نہیں چلتا لیکن عقل سلیم حکم کرتی ہے کہ آپ اسی ملت پر تھیں جس کو دوبارہ جناب رسالت مآبؐ لے کر تشریف لائے اور احادیث ائمہ طاہرینؑ تو صریحی طور سے اسی پر دلالت کرتی ہیں بلکہ خود جناب فاطمہ نے اس کا اقرار کیا ہے چنانچہ وقت ولادت جناب امیرؑ کے حالات علامہ ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ مناقب صفحہ ۱۳۳ میں لکھتے ہیں:۔

فلما قربت ولادته اتت فاطمه الی بیت الله وقالت رب انی مومنة بك وبما جاء من عندك من رسل و کتب مصدقة بکلام جدی ابراهیم فبحق الذی بنا هذا البیت وبحق المولود الذی فی بطنی لما یسر ب علی ولادتی فانفتح البیت ودخلت فیه۔

یعنی جب جناب امیرؑ کی ولادت کا وقت قریب پہنچا تو جناب فاطمہ خانہ کعبہ کے پاس آئیں اور کہا،، پروردگار میں تجھ پر اور جو پیغمبر اور کتابیں تیرے یہاں سے نازل ہوئیں ان پر ایمان لائی ہوئی ہوں اپنے جد ابراہیم کے کلام کی تصدیق کر چکی ہوں ۔پس جس نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے اس کے حق کا بھی واسطہ ہے اور جو مولود میرے بطن میں ہے اس کے حق کا بھی واسطہ ہے کہ وضع حمل کو مجھ پر آسان کردے۔ دعا ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ دیوار خانہ کعبہ شق ہوگئی اور فاطمہ اس میں داخل ہوگئیں۔

اس بیان سے جناب فاطمہ کے ایمان کی حالت کسی پر مخفی نہیں رہتی۔

آں حضرتؐ کی کفالت

اگر چہ کتب سیر و تواریخ میں اکثر یہی مرقوم ہے کہ جناب عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت آں حضرتؐ کو آپ کے شفیق اور فدائی چچا ابوطالب کے حوالہ کیا اور آپ ہی ہر طرح کی حفاظت کرتے رہے لیکن جو معرفت ابوطالب کے دل میں تھی وہی جناب فاطمہ کے حصہ میں بھی آئی تھی۔ پھر آؤ دیکھیں کہ دونوں کے برتاؤ میں کسی قسم کا فرق بھی ہوا۔ پہلے خود جناب فاطمہ کا

بیان سنو۔ فاطمہ بنت اسد کہتی ہیں کہ جب عبدالمطلب پر آثارِ موت ظاہر ہوئے تو اپنے لڑکوں سے کہا کہ محمد کی کفالت کون کرے گا؟ سب نے کہا وہ ہم سب لوگوں سے زیادہ ہوشیار ہیں پس انھیں سے کہے کہ کسی کو پسند کر لیں۔

اس پر عبدالمطلب نے کہا محمد! تمہارا دادا تو قیامت تک کے لیے رخصت ہوتا ہے تو تم اپنے چچا اور پھوپھی سے کس کی کفالت میں رہنا پسند کرتے ہو؟ محمد نے سب کی طرف نظر کی پھر دوڑ کر ابوطالب کے پاس آ گئے۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا ''ابوطالب! میں تمہاری دیانت اور امانت سے اچھی طرح واقف ہوں پس تم محمد کے لیے ویسے ہی ثابت ہونا جیسا میں رہا ہوں۔'' پھر جب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔

تو ابوطالب نے محمدؐ کو اپنے ذمہ لے لیا اور میں آپ کی خدمت کرنے لگی۔ اس شفقت کے سبب سے محمد مجھے ماں پکارا کرتے۔ اور میرے مکان کے باغ میں خرمے کے چند درخت تھے اور ابھی شروع شروع اس کے خرمے پکے تھے محمدؐ کے ساتھی چالیس لڑکے ہر روز اس باغ میں آ کر ٹپکے ہوئے خرموں کو چن لیا کرتے اور ہر ایک کی یہ عادت تھی کہ دوسرے سے چھینتا لیکن محمد کو میں نے کبھی نہ دیکھا کہ کسی لڑکے کے ہاتھ سے کوئی خرمہ لینا چاہا ہو اور ہر روز میں ایک مشت یا زیادہ خرمے چُن کر محمد کے لیے رکھ لیا کرتی اسی طرح میری کنیزیں بھی چُنتیں۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور میری کنیزیں خرمے چننا بھول گئیں اور محمد سو رہے تھے اس اثناء میں لڑکے داخل ہوئے اور کل ٹپکے ہوئے خرمے لے کر چلے گئے یہ دیکھ کر میں رہی اور محمدؐ کی شرم سے اپنے منھ پر اپنی آستین رکھ لی کہ ناگاہ محمدؐ بیدار ہوئے اور باغ میں گئے وہاں زمین پر کوئی بھی خرمہ نہ ملا تو واپس آئے ایک کنیز نے اُن سے کہہ دیا کہ آج ہم لوگ خرمے چُننا بھول گئے اور لڑکے آ کر کُل خرمے لے گئے یہ سُن کر محمد باغ میں دوبارہ گئے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا کہا اے درخت میں بھوکا ہوں۔ فاطمہ کہتی ہیں کہ دیکھا میں نے فوراً اس درخت نے اپنی شاخوں کو جھکا دیا اور محمد نے جس قدر چاہا خرمے توڑ لیے پھر وہ شاخ بلند ہو گئی۔ میں یہ دیکھ کر نہایت درجہ متحیر ہوئی۔

ابوطالب باہر گئے ہوئے تھے اور ہر روز جب وہ آ کر دروازہ کھٹکھٹاتے تو میں اپنی کنیزوں سے کھولنے کے لیے کہہ دیا کرتی تھی لیکن اس روز ابوطالب نے آواز دی تو میں ننگے پیر دوڑی ہوئی گئی دروازہ کھولا اور اس روز کے عجیب وغریب واقعہ کو اُن سے بیان کیا جس پر انھوں نے کہا یہ فرزند نبی ہوگا اور حالت یاس میں تمہارے بطن سے اس کا وزیر پیدا ہوگا۔ پس واقعی علی میرے بطن سے پیدا ہوئے۔'' (بحار الانوار جلد ۶)

جناب عبدالمطلب آں حضرتؐ کو کس درجہ محبوب رکھتے تھے ذیل کے واقعہ سے معلوم ہوگا۔ مشہور مؤرخ ابن اثیر جزری اسد الغابہ جلد اول میں آں حضرتؐ کے حالات میں لکھتے ہیں عبدالمطلب کے لیے کعبہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا اور اس پر

اُن کے بیٹوں میں سے کوئی نہ بیٹھتا تھا محض اُن کی تعظیم کی غرض سے اور رسول خداؐ جب تشریف لاتے تو اسی پر بیٹھتے پس آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ میرے بیٹے کو یہیں بیٹھا رہنے دو کہ میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے۔،، اس کے مقابلہ میں ابوطالب کی محبت کی یہ حالت تھی۔ محقق دہلوی اپنی مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں:۔

ابوطالب باقصی الغایة واحسن وجوه محافظت آں حضرتؐ قبل از ظہور موت وبعد ازاں تبقدیم رسانید ے وبے او طعام نمی خورد جامئه خواب آں حضرتؐ پهلوے خود راست می کردو درون وبیرون خانه اورا ہمراه داشتے۔

ابوطالب انتہائی درجہ اور باحسن وجوہ پیغمبر کی حفاظت میں منہمک رہتے، نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی کبھی بغیر پیغمبر کھانا نہیں کھاتے۔ پیغمبر کا بستر خواب اپنے پہلو میں بچھاتے اور گھر کے اندر یا باہر جہاں بھی رہتے اپنے پاس ہی رکھتے۔

اور جب قریش کے خوف سے ابوطالب آں حضرتؐ کو لے کر شعب میں پناہ گزیں ہوئے ہیں وہاں کی حالت کا نقشہ صاحب سیرۃ حلبیہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:۔ ابوطالب ہر شب آں حضرتؐ کو اپنے فرش پر سُلاتے، پھر جب کچھ رات گزر جاتی اور سب لوگ سُو جاتے تو آپ کو دوسری جگہ لے جا کر سُلا دیتے اور پہلی جگہ پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو اس خوف سے سُلاتے کہ قریش کہیں جگہ پہچان کر اندر گھسیں اور آں حضرتؐ کو ہلاک نہ کر ڈالیں۔ پس اگر وہ ایسا قصد کریں تو دھوکا کھا کر بجائے محمدؐ کے میرے فرزند کو ہلاک کر ڈالیں اور محمد محفوظ رہیں۔ اور فاطمہ بنت اسد کی محبت ان الفاظ سے ظاہر ہوگی جن کو خود آں حضرتؐ نے جناب فاطمہ کی وفات کے وقت فرمایا۔ فرماتے ہیں:۔

یا امی کنت امی بعد امی تجوعین و تشبعینی وتعرین وتکسینی وتمنعین لنفسك طیب الطعام وتطعمنی وتریدین بذالك وجه الله والدار الاخرة (اسد الغابہ علامہ ابن اثیر جزری)

اے مادر گرامی آپ میری حقیقی ماں کے بعد میری ماں رہیں آپ خود بھوکی رہتیں اور مجھے سیر کرتیں خود بے لباس رہتیں اور مجھے کپڑا پہناتیں، اپنے کو اچھی غذا سے محروم رکھتیں اور مجھے کھلاتیں اور ان سب سے آپ کی غرض صرف خوشنودی خدا تھی۔

اللہ اکبر۔ صادق وامین پیغمبر کا یہ فقرہ کوئی معمولی فقرہ نہیں مختصر لفظوں میں پیغمبر نے فاطمہ بنت اسد کی محیر العقول محبت پیغمبر کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ پیغمبر کے اس قول کے بعد کسے شبہ رہ جاتا ہے اس میں کہ فاطمہ جناب عبدالمطلب وابوطالب سے بھی زیادہ آپ پر شفیق تھیں۔ پیغمبر کو اپنی اولاد بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتیں۔ ان حالات کے بعد یہ کہنے میں ذرا مبالغہ نظر نہیں آتا کہ ابوطالب نے آں حضرتؐ کے ساتھ وہ کیا جو باپ نہیں کرتے۔ فاطمہ بنت اسد نے وہ کیا جو مائیں نہیں کرتیں اور علی بن ابی طالب نے وہ کیا جو حقیقی بھائی یا صلبی فرزند سے بھی ہونا گویا محال ہے۔

اسلام

اس امر کو ہم اوپر واضح کر چکے کہ جناب فاطمہ کا خاندانی اور ذاتی مذہب دین ابراہیمی تھا جس کا انھوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے اور جب آں حضرت مبعوث بہ رسالت ہوئے تو فاطمہ بھی فوراً اسلام لائیں چنانچہ آپ کے اسلام پر مورخین سنّی وشیعہ سب متفق ہیں اور انھیں کا بیان ہے کہ جو عورتیں سب سے پہلے مسلمان ہوئیں اُن کی فہرست میں جناب خدیجہ کے بعد جناب فاطمہ کا نام ہے۔علامہ ابوالفرج اصفہانی مقاتل الطالبین صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں:۔

فاطمه بنت اسد ادركت النبی فاسلمت وحسن اسلامها... كانت فاطمه بنت اسد ام علی حادية عشر يعنی فی الزبير بن العوام قال سمعت النبی يدعوالنساء الی البيعة حين انزلت هذاالأية يا ايهاالنبی اذاجاءك المومنات يبايعنك كانت فاطمه بنت اسد اول امرأة بايعت رسول الله۔

فاطمہ بنت اسد نے آں حضرتؐ کا زمانہ دیکھا، اسلام لائیں اور اُن کا اسلام نہایت ممدوح ہوا۔ جو لوگ سب سے پہلے اسلام لائے اُن میں آپ گیارھویں نمبر پر تھیں۔ جنگ بدر میں شریک ہوئیں۔ زبیر عوام کہتے ہیں کہ جب آیۃ یاایھا النبی اذاجاءك المومنات نازل ہوئی اور میں نے آں حضرت کو سنا کہ عورتوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں تو فاطمہ بنت اسد پہلی عورت تھیں جنھوں نے آں حضرتؐ کی بیعت کی۔

اور علامہ ابن ابی احدید شرح نہج البلاغہ صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں:۔

اسلمت فاطمه بنت اسد بعد عشر من المسلمين وكان رسول الله يكرمها ويعظمها ويدعوها امی ...وفاطمه اول امرأة بايعت رسول الله من النساء

فاطمہ دس مسلمان کے بعد اسلام لائیں آں حضرتؐ آپ کی نہایت تکریم وتعظیم کرتے اور ماں پکارتے۔ یہ پہلی عورت رہیں جنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔

اور علامہ بن صباغ مالکی فصول مہمہ میں لکھتے ہیں:۔

فاطمه بنت اسد بن هاشم بن عبدمناف تجتمع بی وابوطالب فی هاشم ثم اسلمت وهاجرت مع النبی وكانت فی السابقات الی الاجان بمنزلة الام من النبی۔

فاطمہ دختر تھیں اسد بن ہاشم بن عبد مناف کی وداور ابوطالب ہاشم تک جا کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اسلام لائیں اور آں حضرتؐ کے ہمراہ ہجرت کی آپ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں تھیں اور آں حضرتؐ کے لیے بمنزلہ ماں کے تھیں۔

فضائل

آپ کے فضائل سے کتب حدیث وتاریخ تمام پُر ہیں خصوصاً کنز العمال۔صحاح ستہ۔مدارج النبوۃ استیعاب۔اصابہ۔اسد الغابہ بحارلانوار وغیرہ میں خاص التزام سے ذکر کیے گئے ہیں۔من جملہ ان فضائل کے ایک فضیلت یہ ہے کہ خانہ کعبہ آپ کے وضع حمل کی جگہ قرار پایا جس پر سنّی وشیعہ کا اتفاق ہے عصر متاخر کے جلیل القدر محدث شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ازالۃ الخفا مقصد دوم صفحہ ۲۵۲ میں فضائل جناب امیرؑ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واز مناقب وے (علی) کہ درحین ولادت او ظاہر شد یکے آنست کہ در جوف کعبہ معظمہ تولد یافت

فقد تواترت الاخبار ان فاطمہ بنت اسد ولدت امیر المومنین علیا فی جوف الکعبۃ

منجملہ فضائل حضرت امیر المومنین علیہ السلام جو وقت ولادت ظاہر ہوئے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کعبہ کے بیچوں بیچ پیدا ہوئے۔ اس باب میں حدیثیں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں کہ جناب فاطمہ نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو جوف کعبہ میں جنم دیا۔ لیکن آپ جوف کعبہ میں پہنچیں کیونکر اس کو مولوی محمد مبین صاحب فرنگی محلی وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۶۰ میں یوں بیان کرتے ہیں:۔

پیدا شد درجوف کعبہ وپیدا نہ گشت کسے درجوف کعبہ بجزوے وخدائے یعالیٰ مخصوص گردانید اور ابایں فضیلت ومشرف گردانید کعبہ رابایں شرافت ودربعضے کتب سیراز بریرہ نقل کردہ کہ ماو عباس باجمعے از بنی ہاشم وعبدالمطلب در مسجد الحرام نشستہ بودیم ناگاہ فاطمہ بنت اسد مادر علی حیدر بہمر سیدہ بطواف کعبہ مشغول گردیدہ ودراثناء طواف بدردزہ مبتلا شدوآثار ولادت وعلامت زائیدن بروئے ظاہر گشت طاقتش نماند دیدم کہ دیوار خانئہ کعبہ شق شدوفاطمہ دروں رفت ماہر چند خواستیم کہ دروں درآئیم میسر نہ سند روز چہارم علی رابردست گرفتہ بیروں آمد۔

حضرت علی درمیان کعبہ میں پیدا ہوے۔آپ کے سوا کعبہ میں کوئی نہیں پیدا ہوا۔خداوند عالم نے خاص کر یہ فضیلت آپ ہی کو بخشی اور کعبہ کو آپ کی جائے ولادت بنا کر سرفراز کیا۔بعض سیرۃ کی کتابوں میں بریرہ سے منقول ہے کہ میں اور عباس ہاشم وعبدالمطلب کے خاندان کے کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد الحرام میں بیٹھے تھے کہ ناگاہ فاطمہ بنت اسد مادر حضرت علی آئیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگیں اثناء طواف میں دردزہ عارض ہوا اور آثار ولادت ووضع حمل نمایاں ہوے طاقت بدن کی جاتی رہی، دیکھا میں نے کہ خانہ کعبہ کی دیوار شگافتہ ہوئی اور فاطمہ اندر گئیں ہم لوگوں نے ہر چند چاہا کہ اندر جائیں مگر اندر جانا ممکن نہ ہوا چوتھے روز فاطمہ ہاتھوں پر اپنے فرزند کو لیے ہوئے برآمد ہوئیں۔

ہجرت

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جناب امیرالمومنینؑ نے مکہ سے ہجرت کی تو آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد اور دوسری عورتیں بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ جب یہ لوگ منزل ضجنان میں پہنچے تو وہاں ایک شب ایک دن مقیم رہے مگر سب نے تمام شب عبادت خداوند عالم میں ختم کر دی۔

خدا کو ان حضرات کی یہ حالت اس قدر پسند آئی کہ ان کی مدح میں یہ آیت نازل کی:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (سورۂ آل عمران آیہ ۱۹۵)

تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ ہم تم سے کسی کام کرنے والے کے کام کو اکارت نہیں کرتے مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے سے ہو۔ جن لوگوں نے ہجرت کی اپنے وطن سے نکالے گئے، میری راہ میں اذیت اٹھائی جہاد کیا اور قتل ہوئے ان کے گناہوں کو مٹا دونگا اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

اس آیت میں ذکر سے مراد سے علی بن ابی طالب اور انثی سے مراد دوسری عورتیں اور **بعضکم من بعض** سے مراد علی ابن ابی طالب اور فاطمہ بنت اسد ہیں۔

معاشرت

علمائے متقدمین نے تو ممتاز حضرات کی سوانح نگاری کے فن کو کبھی اختیار ہی نہیں کیا اس سبب سے سوائے مخصوص حالات فضائل وغیرہ کے دوسرے حالات کسی کے بھی بہت کم ملتے ہیں۔ جناب فاطمہ کی بھی یہی حالت ہے ہاں تاریخ خمیس واصابہ وغیرہ میں اس قدر ہے کہ جب جناب امیرؑ کا عقد جناب فاطمہ الزہراؑ سے ہو چکا تو خانہ داری کی خدمتیں جناب فاطمہ بنت اسد اور جناب فاطمہ الزہراء میں اس طرح تقسیم ہوئیں کہ جناب فاطمہ بنت اسد مکان کے باہر کی خدمتیں مثل اعزہ واقربا کے یہاں آمد ورفت یا اسی قسم کی دوسری ضروریات انجام دیتیں اور جناب فاطمہ زہرا اندرون خانہ کی خدمتیں مثل گیہوں پیسنے روٹی پکانے وغیرہ کی خدمتیں انجام دیتیں اور جس طرح آں حضرتؐ اور جناب امیرؑ تمام خدمات کو اپنے ہاتھوں سے انجام دیکر مردوں کے لئے نمونہ بنے اسی طرح ان دونوں معظمات نے اپنے طرز روشن سے عورتوں کے لیئے نظیریں قائم کر دیں۔

وفات

جس قدر حیرت انگیز حالات جناب فاطمہ کی وفات کے ملتے ہیں دوسرے کے نہیں۔آپ نے باتفاق مورخین ۴ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا ہے۔کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۷ مطبوعہ حیدرآباد میں یہ حدیث ہے۔

لما ماتت فاطمه بنت اسد بن هاشم كفنها النبى فى قميصه وصلى عليها فكبر عليها سبعين تكبيرة ونزل فى قبرها فجعل يومى فى نواحى القبر كانه يوسعه ويسوى عليها وخرج من قبرها وعيناه تذرفان وجثى فى قبرها فلما ذهب قال له عمر بن الخطاب يا رسول الله رايتك فعلت على هذه المرأة شيئا لم تفعلو على احد فقال يا عمر هذه امراة كانت امى بعد امى التى ولدتنى ان اباطالب كان يصنع الصنيع وتكون له المادبة وكان يجمعنا على طعام فكانت هذه المرأة تفضل منه كله نصيبا فاعود فيه وان جبرئيل اخبرنى عن ربى انها من اهل الجنه واخبرنى من الملائكه يصلون عليها (و) قال انى البستها قميصى لتلبس من ثياب الجنة واضطجعت معها قبرها لاخفف عنها ضغطة القبرانها كانت احسن خلق الله صنيعا الىّ بعد ابى طالب۔

جب جناب فاطمہ کا انتقال ہوا تو پیغمبر نے اپنی قمیص انھیں بطور کفن پہنائی اور آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور ستر تکبیریں کہیں اور ان کی قبر میں اترے اور قبر کے کناروں کو خود کھودنے لگے گویا انھیں کشادہ کرتے تھے پھر آپ قبر سے برآمد ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو کی نہر جاری تھیں اور آپ ان کی قبر میں گھٹنوں کے بل بیٹھے۔جب دفن سے فارغ ہو کر چلے تو حضرت عمر بن خطاب نے کہا یا حضرت آپ نے تو ان کے ساتھ وہ کیا جو آج تک کسی کے ساتھ نہیں کیا

حضرتؐ نے فرمایا ہاں اے عمر یہ میری ماں کے مرنے کے بعد میری ماں تھیں ان کی شفقت کی یہ حالت تھی کہ جب چچا ابوطالب کا دسترخوان بچھایا جاتا اور ہم سب کھانے کو جمع ہوتے تو ہر کھانے سے تھوڑا سا بچا کر رکھ لیا کرتیں پھر دوسرے وقت وہ مجھے تنہا دیتیں اور میں اسے کھاتا اور مجھے جبریل نے خبر دی ہے کہ ان کے جنازے پر خدا کے حکم سے ستر ہزار فرشتوں نے نماز پڑھی۔

نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے انھیں اپنی قمیص اس لئے پنہائی تا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور ان کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ وہ فشار قبر سے محفوظ رہیں۔یہ ابوطالب کے بعد تمامی خلائق میں سب سے زیادہ میرے ساتھ حُسن سلوک کرنے والی تھیں۔

اسی مضمون کی روایت استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۷۴، اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۶ اسد الغابہ، اسماء الرجال، مشکوۃ وغیرہ جمیع کتب سیر و تواریخ و رجال و حدیث میں بھی ہے ان سب کا خلاصہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اپنی مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷ میں لکھتے ہیں:

ہم دریں سال (یعنی دسـ۴ـــے ہجری) فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنین علی علیہ السلام وفات یافت مروی است کہ چوں وفات فاطمہ بنت اسد نزدیک رسید آنحضرت فرمود کہ چوں وے بگذرد مرا خبر کنید پس فرمود کہ در بقیع برائے وے قبر کندیدند ولحد ساختند وچوں از کندن قبر فارغ شدند سرورا نبیا در قبر در آمد ودر لحد بخفت وقرآن خواند وہم نزدیک قبر وے بند وبروایتے بہفتہا دتکبیر نماز کرد ودر مناقب وے آمدہ است کہ فرمود ہیچ کس از ضغط قبر ایمن نبود الا فاطمہ بنت اسد گفتند یا رسول اللہ ولا القاسم یعنی فرزند عزیز آں حضرتؐ کہ قاسم نام داشت باآنکہ در صغر سن از عالم رفتہ بود؟ فرمود کہ ولا ابراہیم یعنی از قاسم چہ گوئید ابراہیم کہ صغیر از وے رفتہ نیست واز جابر بن عبداللّٰہ روایت است کہ آں حضرتؐ باجمعے از اصحاب خود نشستہ بود کہ شخصے خبر آورد کہ ام جعفر وعلی وعقیل فوت کرد فرمود کہ برخیزند تا بسوے مادر خود روم پس برخاست آں حضرت واصحاب نیز بر خاستند وبصفت خضوع وخشوع ہرچہ تمام بصفت کان علی روسھم الطیر در ملازمت آں حضرت رواں شدند چون بر در خانہ فاطمہ رسید پیراہن ، زبدن مبارک خود بکشید وبایشاں داد فرمود بعد از غسل ایں را شعار کفن او سازند و چوں جنازہ اوبر آوردند پایہ جنازہ او بر کتف مبارک خود گرفت ودر تمامئہ راہ گاہے از مقدم جنازہ گاہے از موخر آں رمی داشت چوں موضع قبر رسید درون لحد در آمد وبخفت پس بر آمدہ فرمود در آرید بسم اللہ وعلی اسم اللہ گفتند یا رسول اللّٰہ دو چیز از تو در باب فاطمہ بنت اسد دیدیم کہ در باب کسے دیگر ندیدیم قمیص مبارک خود بر آوردی وکفن او ساختی ودر لحد وی در آمدی وبخفتی فرمود غرض از لباس قمیص آں بود کہ آتش دوزخ اورا مس نکند ومقصود از در آمدن لحد آنکہ حق سجاد در قبر وے توسعہ دہد۔

ودر روایت ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ آمدہ کہ آں حضرتؐ فرمودہ ہیچ یکے نبود بعد ابی طالب غیر وے کہ نیکو کار بود نسبت بمن پیراہن خود را پوشانیدم تا حلہائے بہشت نصیب وے گردد ودر قبر وے بخفتم تا از بلائے قبر خلاص یابد

ودر روایت انس بن مالک آمدہ کہ چوں فاطمہ بنت اسد فوت کرد آں حضرتؐ بروے در آمد وبر سر وے بنشست وفرمود یا امی بعد امی وثنا ے ربروے کرد پیراہن مبارک خود را کفن وے ساخت بعد ازاں اسامہ بن زید وابو ایوب انصاری وعمر ابن الخطاب را فرمود تا برا ے وے قبر کند لحد

اور ابدست شریف خود کرد بسست مبارک خوخاد کھابر آورد بعد از فراغ در لحد آمد و فرمود:

الله الذی یحی ویمیت وهو لا یموت اغفر لامی فاطمه بنت اسد ووسع علیها مدخلها بحق نبیك والانبیاء قبلی فانك ارحم الراحمین۔

(چہار تکبیر خواند و در لحد در آورد)۔(اور تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۵۲۶ میں یہ بھی ہے:۔)

انه صلی علیها و تمرغ فی قبرها وبکی وقال جزاك الله من ام خیر القد کنت خیر ام و کانت ربت النبی

اور اسد الغابہ میں اس قدر اور ہے:۔

قال انس امر بغسلها فلما بلغ الماء الذی فیه الکافور اسکبه رسول الله بیده علیها و السبها قمیصه

اسی سال (یعنی ۳ھ ہجری میں) فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنینؑ نے وفات پائی۔ مروی ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوگیا۔ پیغمبر نے فرمایا کہ بقیع میں ان کے لیے قبر کھودی اور لحد بنائی جائے جب قبر کھد گئی تو پیغمبر خداؐ قبر کے اندر لیٹے اور آپ نے قرآن پڑھا بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے فاطمہ بنت اسد کی نماز جنازہ ستر تکبیروں کے ساتھ پڑھی۔

جناب فاطمہ بنت اسد کے فضائل و مناقب میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی فشار قبر سے محفوظ نہیں رہ سکتا سوا فاطمہ بنت اسد کے کہ خداوند عالم انھیں محفوظ رکھے گا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا قاسم (پیغمبر کے چہیتے فرزند جو بچپنے ہی میں انتقال کر گئے) بھی محفوظ نہ رہیں گے۔

آں حضرتؐ نے فرمایا کہ قاسم تو قاسم ابراہیم (پیغمبرؐ کے چھوٹے بیٹے) بھی جو قاسم سے بہت کم عمر کے تھے۔ وہ بھی فشار سے نہ بچ سکیں گے۔

اور جناب جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آں حضرتؐ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص خبر لایا کہ مادر جعفر و علی و عقیل نے انتقال کیا آں حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ اٹھو کہ میں اپنی ماں کے پاس جاؤں آپ بھی اوٹھے اور آپ کے اصحاب بھی اور سارا مجمع سناٹے کے عالم میں آں حضرتؐ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا جب آپ جناب فاطمہ کے دروازے پر پہنچے تو اپنی قمیص اتاری اور ان لوگوں کو دیا اور فرمایا کہ غسل سے فراغت کے بعد میری قمیص انھیں کفن کے طور پر پنھا دینا اور جب جنازہ باہر لایا گیا تو آں حضرتؐ نے جنازے کا پایہ اپنے دوش مبارک پر لیا اور راستہ بھر کبھی جنازے کے اگلے حصے کو کاندھا دیتے کبھی پائینتی کو۔ جب قبر کے پاس پہنچے تو آپ لحد کے اندر اترے اور تھوڑی دیر لیٹے پھر باہر نکلے اور فرمایا اب اللہ کا نام لے کر قبر میں میت کو اتارو۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ فاطمہ بنت اسد کے ساتھ دو باتیں آپ کی طرف سے ایسی دیکھنے میں آئیں جیسی کسی کے ساتھ بھی ہم نے نہیں دیکھیں۔ آپ نے اپنی قمیص اتار کر ان کا کفن بنایا اُن کی

لحد میں اتر کر لیٹے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا میں نے اپنی قمیص کا کفن انھیں اس لئے دیا تا کہ آتش دوزخ انھیں چھو نہ سکے۔ اور قبر میں اسلئے لیٹا تا کہ خداوند عالم انکی قبر کو کشادہ فرمائے اور عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا بعد ابوطالب جتنا بہتر سلوک فاطمہ نے میرے ساتھ کیا کسی نے بھی نہیں کیا۔ میں نے انھیں اپنا پیراہن اس لئے پنھایا تا کہ حلہائے جنّت انھیں نصیب ہو اور ان کی قبر میں اس لئے لیٹا تا کہ قبر کی مصیبتوں سے نجات پائیں۔

انس بن مالک کی روایت میں ہے کہ جب جناب فاطمہ بنت اسد نے انتقال کیا آن حضرت ان کے قریب آئے، سرہانے بیٹھے اور فرمایا ''اے میری ماں کے بعد میری ماں،، آپ نے بے شمار کلمات مدح وثناء فرمائے اور اپنے پیراہن کو اُن کا کفن بنایا بعد اس کے اسامہ بن زید ابوایوب انصاری عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ فاطمہ کی قبر کھودیں۔ آپ نے لحد خود اپنے ہاتھوں سے کھودی اور قبر سے مٹی نکال کر باہر پھینکی اس سے فارغ ہو کر آپ لحد میں اترے اور فرمایا:۔

اے میرے معبود جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے جو عین حیات ہے جس کو کبھی فنا نہیں میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور قبر کو ان کی کشادہ کر اپنے (نبی مصطفٰے) کے صدقہ میں اور ان انبیاء کے جو مجھ سے پہلے ہوئے بیشک تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اس کے بعد آپ نے نماز جنازہ پڑھی چار تکبیریں کہیں اور میت کو لحد میں اتارا۔

یعنی آں حضرتؐ نے آپ پر نماز پڑھی، قبر پر لوٹتے تھے روتے جاتے تھے اور فرماتے تھے خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ میرے لئے بہترین ماں تھیں آپ نے آں حضرتؐ کی پرورش کی تھی۔

آں حضرت نے عورتوں کو نہلانے کا حکم دیا لیکن جب آپ کو کافور سے غسل دینے کی نوبت آئی تو اس پانی کو خود اپنے ہاتھوں سے ڈالا بعد ازآں اپنی قمیض پنھائی:۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحارالانوار میں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز صورت بیان کرتے ہیں۔ جب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو علی بن ابی طالب روتے ہوئے آں حضرت کے پاس آئے حضرت نے کہا علی! خدا تمھیں کبھی نہ رلائے کیوں روتے ہو؟ کیا میری ماں کا انتقال ہو گیا؟

یہ سن کر حضرت مضطرب ہوئے، فرمایا نہیں نہیں بلکہ میری ماں مریں اس کے بعد وااماہ کہہ کر رونے لگے پھر فرمایا اے علی وہ اپنے لڑکوں کو بھوکا رکھتیں مجھے سیر کرتیں۔ اپنے لڑکوں کے بالوں کو پراگندہ گرد آلود رکھتیں میرے سر میں تیل ڈالتیں کنگھی کرتیں واللہ ان کے مکان میں خرمے کا درخت تھا صبح سویرے اُٹھ کر آپ وہاں جاتیں اور کل میووں کو چن لیتیں پھر جب ان

کے اپنے لڑکے مکان سے باہر چلے جاتے تو مجھے تنہا وہ خرمے کھلاتیں۔ یہ سب کہہ کر حضرت اُٹھے تجہیز و تکفن کا سامان کیا اپنی قمیص کا کفن دیا۔ جنازہ لے گئے۔ تشییع جنازہ کے بعد ستر تکبیریں کہیں پھر لحد میں خود سوئے بعدازاں اپنے ہاتھ سے جنازے کو قبر میں رکھا پھر تلقین پڑھی۔ ان امور سے فارغ ہونے اور قبر بند کر دینے کے بعد جب لوگ پلٹنے لگے ,,آپ کے فرزند آپ کے فرزند جعفر اور عقیل نہیں بلکہ آپ کے فرزند علی ابن ابی طالب'' یہ حالتیں دیکھ کر لوگوں نے عرض کی یا حضرت آپ نے تو آج ایسی باتیں کیں جو پہلے کبھی نہیں کی تھیں کیونکہ آپ برہنہ پا تشریف لائے، ستر تکبیریں کہیں۔ قبر میں سوئے۔ اپنی قمیص کا کفن دیا۔ بعدازاں آپ کے فرزند آپ کے فرزند جعفر اور عقیل نہیں بلکہ آپ کے فرزند علی۔ آں حضرت نے جواب میں فرمایا میں اپنے قدم تاخیر سے اس سبب سے اٹھاتا تھا کہ ملائکہ کا ہجوم تھا

جس سے راہ نہیں ملتی تھی اور ستر تکبیریں اس لئے کہیں کہ ان پر فرشتوں نے ستر صفوں میں نماز پڑھی ہے اور قبر میں اس سبب سے سویا کہ ایک مرتبہ مرحومہ کی زندگی میں نے فشار قبر کا ذکر کیا تھا تو مرحومہ نے سن کر کہا تھا **واضعفاہ** اسی سبب سے میں اس میں سو رہا تا کہ فشار قبر سے محفوظ رہیں اور اپنی قمیص کا کفن اس سبب سے دیا کہ ایک مرتبہ مرحومہ کے سامنے میں نے ذکر کیا تھا کہ قیامت میں لوگ برہنہ محشور ہوں گے جس پر انھوں نے واسوأتاہ فرمایا تھا لہذا اب پردہ پوش محشور ہوگی اور آپ کے فرزند آپ کے فرزند اس سبب سے کہا کہ جب منکر و نکیر ان کے پاس آئے اور سوالات کئے تو سب کے جواب صحیح دیے لیکن جب انھوں نے پوچھا کہ تمہارا امام اور ولی کون ہے تو ان کو شرم معلوم ہوئی کہ اپنے فرزند علی کا نام لیں لہذا میں نے باہر (۱) سے تلقین کردی کہ اپنے فرزند علی کا نام بتادو۔ پس اس اقرار سے خدا نے ان کو راحت کی جگہ مرحمت فرمادی۔''

---

(۱): بحارالانوار علامہ مجلسی کی اس عبارت پر ممکن ہے کچھ افراد کی جبین تعصب شکن آلود ہو اس لئے اگرچہ ہم ولایت امیرالمومنینؑ پر آگے چل کر تفصیلی روشنی ڈالیں گے مگر مختصر طور پر یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہوتا ہے کہ امیرالمومنین کی ولادت کا اقرار اتنا ہی ضروری ہے جتنا پیغمبر کی نبوت کا جس طرح بغیر اقرار نجات ناممکن اسی طرح بغیر علی کی امامت کا اعتقاد و اقرار کیے نجات کی صورت نہیں۔ اسی لیے پیغمبر نے اپنی نبوت کے ساتھ علی کی ولایت و امامت کو بھی دوش بدوش رکھا۔ تبلیغ رسالت کے ہر اہم موقع پر ولایت کا بھی ضروری قرار دیتے رہے۔ کبھی فرمایا **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی مولا ہیں۔ **ان علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی**۔ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں **من کنت ولیہ فعلی ولیہ** جس کا میں ولی ہوں اس کے علی ولی ہیں (منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۳۰) کبھی ارشاد کیا **اذا جمع اللہ الاولین والاخرین یوم القیامۃ ونصب الصراط علی جسر جھنم ما اجازھا احد حتی کانت معہ براءۃ بولایۃ علی ابن ابی طالب** (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۲) کی عبارت ملاحظہ کیجئے: **لما حضرت عبداللہ بن عباس الوفاۃ قال اللھم انی اتقرب الیک بولایۃ علی ابن ابی طالب**۔ جب عبداللہ بن عباس کی وفات کا وقت آیا تو اُن کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے۔ خداوند میں علی کی ولایت کے ذریعہ تجھ سے تقرب حاصل کرتا ہوں۔

امت اسلام کا ذکر انبیائے معصومین جو ہمارے پیر سے پیشتر ہوئے ان پر بھی پیغمبرؐ کی نبوت کا اقرار اور علی کی ولایت فرض تھی۔ امام حاکم جن کی

عظمت وجلالت کے آستانہ پر جمہور مسلمین کی پیشانیاں جھکتی ہیں اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۹۶ پر یہ حدیث درج کرتے ہیں قال النبی یاعبداللہ اتانی ملك فقال یامحمد سل من ارسلنی من قبلك من رسلنا علی ما بعثوا۔ قال علی ولایتك وولایۃ علی ابن ابی طالب۔ رسول خدا نے فرمایا اے عبداللہ میرے پاس فرشتہ آیا اور کہا مجھ سے پوچھو کہ ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے اُن سے کیا عہد لیا؟ ارشاد ہوا کہ تمہاری ولایت اور علی کی ولایت کا عہد لیا،، اس حدیث کو اخطب خوازم فقیہ وفاضل وادیب علامہ موفق بن احمد مکی نے کتاب مناقب علی ابن ابی طالب میں بھی نقل کیا ہے۔ مناقب علی اخطب خوازم جلیل القدر علماء کا ماخذ رہی ہے۔ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں محمد بن یوسف کنجی نے کفایۃ الطالب میں ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ میں قندوزی نے ینابیع المودۃ میں ابراہیم بن محمد خموینی نے فرائد السمطین میں مناقب خطیب خوارزم کے حوالے دے ہیں۔ ۱۲

اولاد

جناب فاطمہ بنت اسد کے چار فرزند طالب، عقیل، جعفر، اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب ہوئے ان میں ہر ایک دوسرے سے دس برس بڑا تھا۔ ان کے علاوہ ایک دختر ام ہانی تھیں جناب فاطمہ بنت اسد ہی کے اولاد کو مخصوص فضیلت یہ حاصل ہوئی کہ ماں بھی ہاشمی باپ بھی ہاشمی اولاد فاطمہ سے قبل کسی کو بھی یہ شرف حاصل نہ ہوا۔

باب دوم

ولادت باسعادت۔ اسم گرامی۔ کنّیت۔ القاب۔ تعلیم وتربیت

حضرت خاتم النبیین محمد مصطفٰےؐ کو دنیا میں تشریف لائے ۳۰ برس کی مدت گزر چکی تھی مبعوث بہ رسالت ہونے کو صرف ۱۰ برس باقی تھے۔ ۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل کی مبارک تاریخ تھی جمعہ کا مبارک دن تھا کہ خانۂ کعبہ کی تاریخ میں وہ واقعہ پیش آیا جس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے نہ بعد میں:۔

در بشائر المصطفٰے از یزیدبن تغسب مروی است که من باعباس بن عبدالمطلب بودم وجمعے از بنی عبدالغری برابر بیت الحرام نشسته بودند که فاطمه بنت اسد مسجد درآمد ودر عین طواف اثرطلق بروے ظاهر شد چوں مجال بیروں رفتن نماند گفت خداوندا بحرمت ایں خانه متبرک ولادت برمن آسان گردان راوی گوید دیدیم که در خانه کعبه شق شد فاطمه دروں رفت وروزچهارم امیررابردست گرفته بیروں آمد۔

(مناقب مرتضوی[1] ملاصالح حسینی ترمذی کشفی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۶۵)

دربشائر المصطفٰے از یزیدبن تغسب سے مروی ہے کہ میں عباس بن عبدالمطلب کے پاس بیٹھا تھا اور عبدالغزی کے خاندان کے کچھ لوگ مسجد الحرام کے برابر بیٹھے ہوئے تھے کہ فاطمہ بنت اسد مسجد الحرام میں آئیں مشغول طواف تھیں کہ آثار ولادت طاری ہوئے باہر جانے کا موقع نہ تھا فاطمہؑ نے دعا کی کہ خداوندا اس بابرکت خانۂ کعبہ کی حرمت کا واسطہ زچگی کو مجھ پر آسان فرما۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ دیوارِ کعبہ شق ہوئی فاطمہ اندر گئیں اور چوتھے دن جناب امیرؑ کو اپنے ہاتھوں پر لئے برآمد ہوئیں۔

پیدا شد در جوف کعبه وپیدا نه گشت کسے بجزوے وخدائے مخصوص گردانید اور ابایں فضیلت ومشرف گردانید کعبه رابایں شرافت ودر بعضے کتب سیر از بریره نقل کرده که ما عباس وجمعے از بنی ہاشم وعبدالمطلب در مسجدالحرام نشسته بودیم ناگاه فاطمه بنت اسد مادر علی حیدر حضرت علیؑ درمیان کعبہ پیدا ہوئے آپ کے سوا کعبہ میں کوئی پیدا نہ ہوا خداوند عالم نے خاص یہ فضیلت آپ ہی کو

---

[1] مناقب مرتضوی۔ اس کے مصنف میر صالح کشفی ہیں ان کے متعلق روائح المصطفٰے صفحہ ۳۸۹ میں ہے کہ یہ صاحب انوار جلیہ مدارج عالیہ وجامع علوم دینی ودنیوی تھے۔ ان کے خوارق وکرامات مشہور ہیں سلسلہ قادریہ میں ان کو شاہ نعمت اللہ سے بیعت تھی دیگر سلاسل کی اجازت بھی انھیں حاصل تھی۔ انھوں نے ۱۰۶۰ھ میں انتقال کیا (نفائس المسنن سی ذکر فضائل سیدنا ابی الحسن حافظ محمد علی حیدر علوی مطبوعہ مدینہ پریس بجنور)

بخشی اور کعبہ کو آپ کی جائے ولادت بنا کر سرفراز کیا۔ بعض سیرت کی کتابوں میں بریرہ سے منقول ہے کہ میں اور عباس جناب ہاشم وعبدالمطلب کے خاندان کے کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد الحرام میں بیٹھے تھے کہ ناگاہ فاطمہ بنت اسد:

بہم رسیدہ بطواف کعبہ مشغول گردید اثنائے طواف بذردزہ مبتلاشد وآثار ولادت وعلامت زائیدن بروے ظاہر گشت طاقتش نماند دیدیم کہ دیوار خانہ کعبہ شق شد وفاطمہ درون رفت ماہر چند خواستیم کہ درون درآئیم میسر نہ شد روز چہارم علی را بر دست گرفتہ آمد (وسیلۃ النجاۃ مولوی محمد مبین صاحب فرنگی محلی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۶۰)

مادر حضرت علی حیدر آئیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگیں اثناء طواف میں دردزہ عارض ہوا اور آثار ولادت ووضع حمل نمایاں ہوئے، طاقت بدن کی جاتی رہی، دیکھا میں نے کہ خانۂ کعبہ کی دیوار شگافتہ ہوئی اور فاطمہ اندر گئیں ہم لوگوں نے ہر چند چاہا کہ اندر جائیں مگر جانا ممکن نہ ہوا چوتھے روز فاطمہ ہاتھوں پر اپنے فرزند کو لئے ہوئے برآمد ہوئیں۔

امیر المومنینؑ کے خانۂ کعبہ میں پیدا ہونے کو کم وبیش سبھی مورخین واہل سیر نے لکھا ہے۔ (دیکھئے مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۱ مطالب السئول صفحہ ۷ ۱۳ وغیرہ) امام حاکم نے یہ بات لکھ کر بات ہی ختم کر دی:۔

تواترت الاخباران فاطمہ بنت اسد ولدت امیر المومنین علی ابن ابی طالب فی جوف الکعبہ۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۳)

اس بارے میں حدیثیں درجہ تواتر تک پہنچتی ہیں کہ جناب فاطمہ بنت اسد نے خانہ کعبہ کے اندر حضرت امیر المومنینؑ کو جنم دیا علامہ آلوسی (صاحب تفسیر روح المعانی) شرح عینیہ میں لکھتے ہیں:

و کون امیر کرم اللہ وجھہ ولد فی البیت امر مشھور فی الدنیا وذکر فی کتب الفریقین السنہ والشیعہ۔

جناب امیرؑ کا خانہ کعبہ میں متولد ہونا دنیا بھر میں مشہور ہے اور سُنی شیعہ فرقوں کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔

نام نامی

آپ کی مادر گرامی نے آپ کا نام اسد وحیدر۔ جناب ابوطالب نے زید، اور خدا اور سول خداؐ نے علیؑ رکھا۔

(۱) اسد۔ امام نودی (شارح صحیح مسلم) لکھتے ہیں کہ جناب امیر جب پیدا ہوئے تو ابوطالب موجود نہ تھے کہیں باہر گئے ہوئے تھے آپ کی مادر گرامی نے آپ کا نام اسد رکھا۔ ابوطالب جب واپس آئے تو انھوں نے علی نام رکھا۔ ابوعمر زاہدی اپنی کتاب یواقیت میں ابن الاعرابی کا قول لکھتے ہیں کہ ولادت کے وقت ابوطالب موجود نہ تھے بعد ولادت آپ کے والد کے

نام پر اسدر کھا تھا تا کہ باپ کا نام اس وجہ سے زندہ رہے ابو طالب نے آ کر نام بدلا۔

(۲) حیدر۔علامہ سبط بن جوزی تذکرہ خواص الامہ میں لکھتے ہیں کہ عطا کا قول ہے کہ جناب امیرؑ کی والدہ نے ان کا نام حیدر رکھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خیبر کے روز جناب امیرؑ نے رجز میں فرمایا تھا انا الذی سمتنی امی حیدرہ (میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا) ابو بکر نجم الدین فخر الاسلام مناقب صحابہ میں لکھتے ہیں کہ بعض کا قول ہے کہ جناب امیر پیدا ہوئے تھے تو ابو طالب مکان پر موجود نہ تھے۔

والدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جناب امیرؑ ابھی دودھ پیتے بچہ ہی تھے اور تنہا گھر میں تھے والدہ آپ کی گھر سے باہر کسی کام کو گئی ہوئی تھیں ان کا مکہ میں ایک پہاڑ کے پہلو میں تھا ایک سانپ پہاڑ سے اترا اُس نے جناب امیرؑ کو کاٹنا چاہا جناب نے ہاتھ بڑھا کر اس کو مضبوط پکڑ لیا وہ ان کے ہاتھ میں مر گیا اتنے میں ان کی والدہ باہر سے تشریف لائیں اور سانپ کو مرا ہوا ہاتھ میں دیکھ کر کہنے لگیں حیاك الله یا حیدر اے میرے شیر خدا تجھے زندہ رکھے۔اس لئے نام حیدر ہو گیا۔

سیرۃ حلبیہ میں حافظ علی ابن برہان الدین حلبی شافعی لکھتے ہیں کہ جناب امیر کا رجز میں اپنے کو حیدر کہنا یہ ایک کشفی امر تھا کہ اسی رات جب مرحب نے خواب میں دیکھا کہ مجھ کو ایک شیر نے پھاڑ ڈالا ہے لہذا جناب امیرؑ نے بھی اس کو خوف دلانے کے لئے اس کا ذکر کیا کہ میں وہ شیر ہوں جسے تو نے خواب میں دیکھا ہے اس واقعہ کو ابو حاتم نے تفسیر میں اور امام مسلم نے صحیح مسلم کے کتاب الجہاد میں بھی لکھا ہے۔

(۳) علی۔بعض کہتے ہیں کہ ابو طالب ہی نے جناب امیرؑ کا نام علی رکھا۔علامہ محمد بن یوسف گنجی شافعی بھی اسی کے قائل ہیں اور اس کی تائید میں اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں ابو طالب کا یہ شعر لکھتے ہیں۔

سمیته بعلی کی یدوم له عز العلو فخر العز ادومه

میں نے اس کا نام علیؑ اس لئے رکھا تا کہ سر بلندی کی عزت ان کے لئے ہمیشہ رہے اور عزت کا فخر انھیں دائمی رہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ ابو طالب نے اپنے جد اعلیٰ جامع قبائل عرب قصّی کے نام پر جناب امیرؑ کا نام زید رکھا۔آں حضرت تشریف لائے آپ نے نام کے متعلق پوچھا ابو طالب نے زید فاطمہؑ نے اسد نام بتایا آں حضرتؐ نے فرمایا۔نہیں، علی نام رکھنا چاہیئے۔فاطمہ بنت اسد کہنے لگیں کہ بخدا میں نے ایک روز ہاتف سے بھی یہی نام سنا تھا (روضۃ الشہداء حسین واعظ کاشفی)

کنیت

احادیث و تواریخ سے آپ کی کنیتیں حسب ذیل معلوم ہوتی ہیں:۔ابو الحسن، ابو الحسین، ابو السبطین، ابو محمد، ابو تراب۔

(۱) ابوالحسن ۔امام حسنؑ آپ کے فرزند اکبر تھے اس وجہ سے آپ کی کنیت ابوالحسن ہوئی ۔جناب سیدہؑ آپ کو ابوالحسن کہہ کر خطاب فرماتیں ۔پیغمبر بھی ابوالحسن کہہ کر یاد کرتے ۔یہ حدیث بھی عبداللہ بن عباس سے مروی ہے آں حضرتؐ نے فرمایا:۔

لو کان البحر مدادا والاشجار اقلاما والانس کتاب والجن حسابا ما احصوا فضائلك یا ابا الحسن (سند الفروس للدیلمی ارجح المطالب مولوی عبید اللہ امرتسری)

اگر تمام دریا سیاہی اور درخت قلم ہو جائیں اور انسان کاتب اور جن محاسب بن جائیں تو اے ابی الحسن تمہارے فضائل شمار نہ ہو سکیں

حضرت عمر کا یہ فقرہ کافی مشہور ہے:۔ اللھم لا تنزلن شدۃ الا والحسن الی جسبنی ,,خداوندا ہمارے اوپر کوئی مصیبت وسختی نہ نازل فرمانا مگر یہ کہ ابوالحسن (علی) اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے میرے پہلو میں موجود ہوں:۔(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند جلد ۲ صفحہ ۳۴۶)

(۲) ابوالحسن ۔پیغمبر جب تک زندہ رہے امام حسن علیہ السلام حضرت امیر المومنینؑ کو ابوالحسن اور امام حسینؑ ابوالحسن کہہ کر پکارتے ۔دونوں شاہزادے پیغمبر کو اپنا باپ کہا کرتے ۔جب پیغمبر کا انتقال ہوا تو آپ ہی کو باپ کہنے لگے۔

(مناقب خوارزمی وارجح المطالب وغیرہ)

(۳) ابوالسبطین ۔امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو پیغمبر نے سبط فرمایا ہے سبط ھذہ الامۃ الحسن والحسین ,,حسن وحسین اس امت کی اولاد انبیاء ہیں"۔(جامع صغیر سیوطی صفحہ ۱۰۴)

حسین سبط من الاسباط (جامع ترمذی صفحہ ۴۶۶ ،سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۳ ،متدرک جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ ا مسند جلد ۴ صفحہ ۱۷۲ جامع صغیر صفحہ ۱۲۸) اسی بنا پر آپ کی کنیت ابوالسبطین بھی ہے۔

(۴) ابوالریحانتین ۔امام حسنؑ وامام حسینؑ کو پیغمبر ریحانتی میری خوشبو کہا کرتے۔

الحسن والحسین ریحانتی من الدنیا ,,حسن وحسین دونوں میری دنیا کی خوشبو ہیں۔

(کنوز الحقائق صفحہ ۵۶ وصفحہ ۵۹ ۔مشکوۃ جلد ۸ صفحہ ۱۳۲ ۔مسند جلد ۲ صفحہ ۸۵ وصفحہ ۹۳ وصفحہ ۱۱۴ وصفحہ ۱۵۳)

ان رجلا من اھل العراق سال ابن عمر دم البعوض یصیب الثوب فقال ابن عمر انظر والی ھذا یسال عن دم البعوض وقد قتلوا ابن رسول اللہ وسمعت رسول اللہ یقول ان الحسن والحسین ھما ریحانتی من الدنیا ۔(جامع ترمذی صفحہ ۴۶۶ خصائص نسائی صفحہ ۲۶)

اہل عراق میں سے کسی شخص نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا کہ مچھر کا خون کپڑے میں لگ جائے تو کیا حکم ہے ابن عمر نے کہا اس مرد عراقی کو دیکھو کہ مچھر کے خون کے متعلق دریافت کر رہا ہے حالانکہ انھیں عراق والوں نے فرزند رسول کو قتل کیا اور میں

نے پیغمبر خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ حسن وحسین دونوں میری خوشبو ہیں اس دنیا میں۔

اسی لحاظ سے حضرت امیر المومنینؑ کی کنیت ابوالریحانتین بھی تھی اور پیغمبر اکثر اس کنیت سے آپ کو پکارا بھی کرتے۔

سلام علیك ابا الریحانتین وصیك بریحانتی من الدنیا فعن قلیل ینهد رکناك والله خلیفی علیك (منتخب کنز العمال برحاشیہ۔ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۵)

ابوالریحانتین تم پر سلام ہو میں تم کو اپنے دونوں پھول کے پودوں کے لیے وصیت کرتا ہوں۔ اور عنقریب تمہارے دونوں رکن جاتے رہیں گے۔ اور اللہ میرے عوض تمہارا نگہبان رہے گا۔

جب آں حضرت کا انتقال ہوا تو جناب امیرؑ نے فرمایا کہ یہ ان دونوں رکنوں میں سے جن کے متعلق آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا پہلا رکن تھا پھر جب حضرت سیدہؑ کی وفات ہوئی تو فرمایا یہ دوسرا رکن تھا (مسند احمد ابن حنبل ۔ مناقب ابوبکر ابن مردویہ۔ ارجح المطالب وغیرہ)

(۵) ابومحمد۔ اخطب خوارزمی مناقب میں لکھتے ہیں کہ جناب امیر اس کنیت سے بھی پکارے جاتے تھے کیونکہ ابن الحنفیہ کا نام محمد تھا جس کے پیدا ہونے کی بشارت آں حضرت نے جناب امیر کو دی تھی۔

(۶) ابوتراب۔ یہ کنیت امیر المومنینؑ کی محبوب ترین کنیت تھی۔ ایک مرتبہ پیغمبر جناب امیرؑ کی تلاش میں خانۂ سیدہ پر پہنچے، معلوم ہوا گھر میں نہیں ہیں کسی کو بھیجا کہ جا کر مسجد میں دیکھو۔ معلوم ہوا کہ مسجد میں سو رہے ہیں۔

پیغمبر مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ آپ فرش خاک پر چادر بچھائے محوخواب ہیں چادر سمٹ گئی اور زمین کی مٹی آپ کی پیٹھ بھر گئی ہے۔ فرط محبت سے بیٹھ گئے، اپنے ہاتھ سے مٹی جھاڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے قم یا اباتراب ابواب تراب اٹھ بیٹھو۔

ان رجلا جاء الی سهل بن سعد فقال هذا فلان لا میر المدینة یدعو علیا عبد المنبر قال فیقول ماذا قال یقول له ابو تراب فضحك وقالوا والله ما سماه الا النبی وما کان له اسم احب الله منه فاستطعرت الحدیث سهلا وقلت یا اباسهال کیف ذالك قال دخل علی فاطمة ثم خرج فاضطجع فی المسجد فخرج الیه فوجد روائه قد سقط عن ظهره وخلص التراب الی ظهره۔ فجعل یمسح عن ظهره فیقول اجلس یا اباتراب مرتین۔

(صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۸۶ پارہ ۲۵ صفحہ ۲۶۵ صفحہ ۷۰ وغیرہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ ترمذی صفحہ ۳۶۰ وغیرہ)

ایک شخص سہل بن سعد صحابی کے پاس آیا اور کہا کہ یہ فلاں شخص مدینہ کا حاکم منبر پر علی کو برا کہہ رہا ہے سہیل نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ کہا حضرت کو ابوتراب کہتا ہے تو سہل ہنس دیے اور کہا خدا کی قسم حضرت علی کا یہ نام تو حضرت رسول خدا نے رکھا تھا اور اس نام سے بڑھ کر حضرت علیؑ کو اور کوئی نام پیارہ ہی نہیں۔

اس شخص نے سہل سے اس کا واقعہ دریافت کیا۔ انھوں کہا ایک دفعہ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کے پاس سے نکلے تو مسجد میں جا کر لیٹ رہے اتنے میں حضرت رسولخدا تشریف لائے اور پوچھا علی کہاں ہیں۔ فرمایا مسجد میں۔ حضرتؐ نے وہاں جا کر دیکھا حضرت علی علیہ السلام کی پیٹھ سے ردا الگ ہوگئی ہے اور مٹی لگ گئی آنحضرت حضرت علی کی پیٹھ سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرماتے جاتے۔ اے ابوتراب اُٹھ بیٹھو، اے ابوتراب اُٹھ بیٹھو۔

عالم اہل سنت مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی اپنی کتاب انوار اللغۃ پارہ ۳ صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں ,,۔ ابوتراب آپ کی کنیت اس لئے ہوئی کہ آپ ساری زمین کے سردار ہیں اور حجت ہیں اللہ کی زمین پر یعنی زمین والوں پر''۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بدفتر دوجہاں فرد انتخاب علیست　　به بحر کون و مکان گوہر خوش آب علیست
دراصل و فرع به بین و تمیز مرتبه کن　　ابوالبشر بود آدم ابوتراب علیست

القاب

جناب امیرؑ کے القاب بے شمار ہیں اور ہر ایک کے متعلق پیغمبرؐ کی صحیح حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ مولوی عبید اللہ امرتسری نے ارجح المطالب میں حافظ محمد علی حیدر کاکوروی نے مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفٰے میں اکثر القاب ذکر کئے ہیں اور ہر ایک سے متعلق حدیثیں بھی درج کی ہیں۔

جملہ القاب میں امیر المومنین علیہ السلام۔ مرتضیٰ، انزع البطین، اور وصی زبان زد خلائق ہیں اور تقریباً نام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر لفظ پر مسلمانوں کا ذہن آپ کی طرف ملتفت ہوتا ہے۔

حلیہ مبارک

حضرت امیر المومنینؑ وجیہ ترین خلائق، خوبصورت ترین مردم تھے۔ پیغمبرؐ نے آپ کے حُسن و جمال کی حُسن یوسف سے تشبیہ دی ہے۔ (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ وصفحہ ۲۱۸) دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آپ حُسن جمال میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۹۸)

مورخین نے آپ کا سراپا ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

انه کان ربعة من الرجال الی القصر ماهو ادعج العنین حسن الوجه کانه القمر لیلة البدر حسنا ضخم البطن عریض المنکبین شثن الکفین عشداغید کان عنقد ابریق فضة اصلع لیس فی راسه شعر

الامن خلفه کثیر اللحیة لمنکبه مشاش کمشاش السبع انصاری لا یتبین عضده ساعده قد ادمجت ادماجا اذا مشی تکفأ واذا امسك بذراع رجل امسك بنفسه فلم یستطع ان یتنفس وهوالی السمن ماهو شدید الساعد والید واذامشی للحرب هرول ثبت الجنان قوی شجاع منصور علی من لاقاه

(استیعاب ابن عبدالبر جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ و صفحہ ۱۵۶ ازالخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۵، تاریخ کامل ابن اثیر تاریخ خمیس، اسد الغابہ وغیرہ)

حضرت علیؑ درمیانے قد کے تھے آنکھیں چوڑی اور کال سیاہ تھیں، چہرہ بہت خوبصورت تھا جیسے چودھویں رات کا چاند خوبصورت ہوتا ہے۔ بزرگ شکم، چوڑے شانے سخت و کھردرے ہاتھ، لمبی گردن چاندی کی صراحی، سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں تھے صرف پشت پر بال تھے، داڑھی بہت گھنی تھی، شانے ایسے جیسے حیوان درزہ کے شانے ہوں، دست و بازو پر گوشت اور یکساں، جوڑ کا پتہ نہیں چلتا تھا، جھوم کے چلتے تھے۔ اگر کسی کا ہاتھ پکڑلیں تو وہ دم روک لے سانس نہ لے سکے۔ موٹاپے کی ہلکی سی جھلک آپ کے جسم پر تھی، جب جنگ خیبر کے لئے نکلے تو دوڑ کے چلتے، مضبوط قلب، بہادر اور اپنے حریف پر فتح یاب و کامران تھے۔

آپ کے حُسن و جمال کا عالم یہ تھا کہ جب آپ گھر سے نکلتے تو جن لوگوں کی نظریں چہرۂ مبارک پر پڑتیں بیساختہ وہ کہہ اُٹھتے لا اله الا الله ما اشرف هذا الفتی لا اله الا الله ما اکرم هذا الفتی لا اله الا الله ما اشجع هذا الفتی (یعنی نہیں کوئی سوائے اللہ کے معبود، جوان کیسا بزرگ ہے، کیسا سخی ہے، کیسا بہادر گویا جناب امیرؑ کی صورت کو دیکھنا کلمہ پڑھنے کا باعث ہوتا۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد چہارم) غالباً اسی لئے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا النظر الی وجه علی عبادة علیؑ کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے (مستدرک جلد ۳)

نشوونما، تعلیم وتربیت

شاید ہی دنیا میں کسی بچے نے ایسی تربیت پائی ہو جیسی علی نے پائی آنکھ کھولی تو آغوشِ رسول میں، بچپن گزرا تو کبھی رسول کی گود میں کبھی رسولؐ کے دوش پر۔ پیغمبر ہی نے علیؑ کا نام علی رکھا اور آپ ہی اپنے لعاب دہن سے علی کو بہت دنوں تک غذا دیتے رہے۔

فاطمہ بنت اسد کہتی ہیں کہ جب علی پیدا ہوئے تو پیغمبرؐ نے اُن کا نام علی رکھا ان کے منھ میں دہن مبارک کا لعاب دیا پھر آپ کے منھ میں اپنی زبان مبارک دے دی جس کو علی چوستے چوستے سو گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو ہم لوگوں نے علیؑ کے لئے دایہ تلاش کی مگر علی نے کسی عورت کا دودھ منھ میں نہیں لیا تب پھر ہم لوگوں نے محمدؐ کو بلایا۔ آپ نے پھر اپنی زبان مبارک علی

کے منھ میں دی جس کو چوستے چوستے علیؑ سو گئے

(سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۲۲۸ راحۃ ذی الصلابۃ فی محبۃ الصحابہ مصنفہ امام فقیہ حسین الکاکی۔ ارجح المطالب مولوی عبید اللہ امرتسری)

علیؑ جب پیدا ہوئے تو اس وقت پیغمبر اپنے چچا ابو طالب ہی کے ساتھ انھیں کے گھر میں رہتے تھے اور آپ کی ولادت کے تین سال تک برابر اسی گھر میں رہے۔ کون اندازہ کر سکتا ہے اس مسرت اور خوشی کا جو پیغمبر کو علیؑ کی ولادت سے ہوئی علی پیغمبر کے آنکھوں کا نور دل کی توانائی اور بازوؤں کی قوت بن کر آئے۔ شاید کسی باپ نے بھی اپنی اولاد کو اتنا نہ چاہا ہوگا جتنا پیغمبر علیؑ کو چاہتے تھے اپنے ساتھ سُلاتے، اپنے ہاتھوں نہلاتے دھلاتے، اپنے دست مبارک سے گھونٹ گھونٹ دودھ پلاتے۔ گوشت، کھجور چبا کر نرم کر کے علیؑ کے منھ میں دیتے۔ جب علی سوتے تو گہوارہ جنبائی کرتے، جب وہ جاگتے تو انھیں اپنے کلیجے سے لگائے رہتے۔ مکہ کے پہاڑوں پر گھاٹیوں میں جہاں کہیں جاتے اپنے کاندھے پر لئے رہتے (حیات امیر المومنین صفحہ ۴۰ طبع بعداد اثبات الوصیۃ مورخ مسعودی صفحہ ۱۱۹ طبع عراق، عیان الشیعہ جلد ۳ طبع دمشق)

علیؑ جب تین برس کے ہوئے اُس وقت پیغمبر نے اپنا گھر بسایا، خدیجہ سے عقد ہوا، پیغمبر اپنی شریک حیات کے ساتھ دوسرے مکان میں رہنے لگے اس زمانے میں بھی پرورش و پرداخت میں پیغمبرؐ نے کوئی کمی نہ کی بلکہ جوں جوں علی بڑھتے جاتے قد نکلتا جاتا پیغمبر کی فریفتگی علی کی تربیت میں، پیغمبر کی انہماک بڑھتا جاتا تھا۔ قدرت جو پہلے ہی سے اس مولود پر غیر معمولی طریقے پر مہربان تھی اس نے موقع بھی فراہم کر دیا اور بہترین موقع:

کان من نعمة الله علی علی ابن ابی طالب و مما صنع الله له و اراد به من الخیر ان قریشا اصابتهم ازمة شدیدة (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۹ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۳، سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۲۶۸، سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۶)

ابو طالب کثیر العیال تھے، راس و رئیس خاندان ہونے کی وجہ سے اخراجات بھی غیر معمولی تھے قحط نے اوروں کی بہ نسبت ابو طالب کو زیادہ متاثر کیا پیغمبر نے اپنے چچا عباس سے کہا، اس وقت کی گرانی نا قابل برداشت ہے ابو طالب کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں چلئے ہم اور آپ کچھ ان کا بوجھ بٹائیں اور ان کے عیال کا بار کچھ ہلکا کر دیں دونوں ابو طالب کے پاس آئے اور اپنی خواہش ظاہر کی۔ ابو طالب نے کہا کہ عقیل اور طالب کو میرے پاس رہنے دو بقیہ کے متعلق تم کو اختیار ہے۔ عباس نے جعفر کی پرورش اپنے ذمہ لی اور پیغمبر نے علیؑ کو اپنا لیا۔

رسول اللہ کے ہمراہ علی کس طرح رہے اس کو خود علیؑ سے بہتر اور کون بیان کر سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہوتا ہے:۔

وقد علمتم موضعی من رسول الله بالقرابة القریبة و المنزلة الخصیصة وضعنی فی بسلك به طریق المکارم و محاسن اخلاق العالم لیله و نهاره ولقد کنت اتبعه اتباع الفصیل اثر امه ویرفع لی فی کل

یوم من اخلاقه علما ویأمرنی بالاقتداء به ولقد کان یجاور فی کل سنة بحراء فاراه ولا یراه غیری ولم یجمع بیت واحد یومئذ فی الاسلام غیر رسول الله ﷺ وخدیجه وانا ثالثهما اری نور الوحی والرسالة واشم ریح النبوة ولقد سمعت رنة الشیطان حین نزل الوحی علیه ﷺ فقلت یارسول الله ماهذه رنة؛ فقال هذا الشیطان ایئس من عبادته انك تسمع مااسمع وتری ماری الاانك لست بنبئی ولکنك وزیروانك لعلی خیر۔ (خطبہ قاصعہ نہج البلاغہ منہاج نہج البلاغہ مولفہ مولوی سید سبط فاضل ہنسوی صفحہ ۷)

مجھے اپنی منزلت خاصہ اور پیغمبر سے قرابت کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں جو علوئے مرتبت ومقام بلند حاصل ہے اس سے تم اچھی طرح واقف ہو میں ابھی بچہ ہی تھا کہ رسول اللہ نے مجھے گود لے لیا، مجھ کو حضرت اپنے سینے سے چمٹاتے اور فرش مبارک پر اپنے پہلو میں لٹاتے، اپنے جسم منور کو میرے جسم سے مس کرتے اور اپنی خوشبو مجھ کو سونگھاتے تھے۔ پہلے خود کسی چیز کو چباتے پھر میرے دہن میں دیدیتے تھے حضرت نے میری گفتار میں کوئی دروغ اور کردار میں کوئی فساد نہیں پایا۔ رسول اللہ کی دودھ بڑھائی کے وقت سے خداوند عالم نے اپنے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو آپ کا ہم نشین وجلیس بنادیا تھا جس کے ساتھ آپ دن رات کل عالم کے اخلاق کریمہ ومحاسن عظیمہ پر چلتے تھے اور میں جملہ حالات میں رسول اللہ کی پیروی اس طرح کرتا تھا جیسے اونٹ کا بچہ اپنی ماں کی پیروی کرتا ہے۔ حضرت ہر روز اپنے پرچم اخلاق وعلم مکارم کو میرے لیے بلند فرماتے۔ اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے ہر سال کوہ حراہ میں آپ مقیم رہتے۔ اس حالت میں حضرتؐ کو صرف میں ہی دیکھتا، کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا تھا یہ وہ وقت تھا جبکہ کسی گھرانے کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل نہ تھے سوائے رسول اللہ اور حضرت خدیجہ کے اور میں ان دونوں کا تیسرا تھا۔ تنہا میں ہی نور رسالت ووحی کو دیکھتا تھا اور خوشبوے نبوت کو سونگھتا تھا۔ جس وقت حضرت پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی، میں نے شیطان کی چیخ سُنی۔ میں نے دریافت کیا یہ کیسی فریاد ہے؟ فرمایا یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت کئے جانے سے مایوس ہوگیا ہے۔ اے علی بے شک یہ تمہارا ہی مرتبہ ہے کہ جو کچھ میں سنتا ہوں تم بھی وہی سنتے ہو اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم بھی وہ دیکھتے ہو، تم نبی تو نہیں لیکن نبی کے مددگار رہو اور وزیر ضرور ہو اور یقیناً تم بھلائی پر ہو

علی علیہ السلام کو رسولؐ اپنا بیٹا سمجھتے تھے:

علی کے ساتھ پیغمبر کا طرز عمل ایسا تھا کہ جیسا ایک مہربان باپ اپنے محبوب فرزند کے ساتھ کرتا ہے پیغمبر کا علی کو اپنا بیٹا سمجھنا اتنا صاف وروشن تھا کہ دوسرے بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے فضل بن عباس فرماتے ہیں:۔

یقول سالت ابی عن ولد رسول الله صلعم الذکور ایهم کان رسول الله له اشد حبا فقال علی ابن ابی طالب فقلت له سئلتك عن بنیه فقال انه کان احب الیه من بنیه جمیعا وارأف مارأیناه زایله یوما

من الدھی منذ کان طفلا الا ان یکون فی سفر لخدیجه وما رایناه ابا ابر بابن منه لعلی ولا ابنا اطوع لاب من علی له۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد سوم صفحہ طبع مصر)

میں نے اپنے پدر عباس عم رسول سے دریافت کیا کہ رسول اللہ اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ کس کو چاہتے تھے؟ فرمایا علی ابن ابی طالب کو، میں نے کہا میرا سوال تو رسول کے بیٹوں کے بارے میں تھا فرمایا رسول اللہ اپنے سب بیٹوں سے زیادہ علی کو دوست رکھتے تھے، انھیں پر سب سے زیادہ شفقت و مہربانی فرماتے تھے، میں نے آں حضرتؐ کو کبھی نہیں دیکھا کہ علی کی کم سنی میں ان کی جدائی کو تھوڑی دیر کے لئے بھی گوارہ فرمائیں، سوا اس کے کہ خدیجہ کے کام سے جب آپ کہیں جاتے تھے، میں نے کسی باپ کو بیٹے کے ساتھ اتنی شفقت پدری کرنے والا نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ علی کے ساتھ پدرانہ شفقت فرماتے تھے اور نہ کسی بیٹے کو باپ کا اتنا مطیع فرمانبردار دیکھا جتنا کہ علی فرزندانہ اطاعت و فرمانبرداری رسول اللہ کی کرتے تھے۔

یہ بیان حقیقت ترجمان کسی معمولی شخص کا نہیں ہے، یہ عباس عم رسولؐ ہیں جو اپنے بیٹے فضل سے بتلا رہے ہیں۔ اصحاب میں عباس سے بہتر رسولؐ کی نجی زندگی اور خانگی حالات سے کس کو واقفیت ہو سکتی ہے، ذرا صبر و سکون کے ساتھ سوال و جواب پر نظر کیجئے، رسول کی اولاد کے متعلق سوال ہے عباس جواب دیتے ہیں کہ رسولؐ کی اولاد علی تھے حالانکہ علی رسول کے بیٹے نہ تھے بلکہ ابن عم تھے لیکن عباس علیؑ کو رسول کے حقیقی فرزند کی حیثیت سے پیش کر رہے صرف یہی نہیں بلکہ رسولؐ کے فرزندوں میں سب سے زیادہ رسول کے چہیتے بیٹے علی کو بتلاتے ہیں یہی وہ منزلت ہے جو علی کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے اسی کی طرف علی نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وقد علمت موضعی من رسول الله باقرابة القریبة والمنزلة الخصیصه

رسول اللہ اپنی حقیقی اولاد سے بھی زیادہ علی پر شفیق مہربان اور علیؑ سب سے زیادہ رسول اللہ کے مطیع و فرمانبردار تھے

جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل القرشی صحابی رسولؐ کہتے ہیں:۔

قال ابی مطعم بن عدی لنا ونحن صبیان بمکة الا ترون حب هذا الغلام یعنی علیا لمحمدؐ واتباعه دون ابیه واللات والعزی اوددت انه ابنی بفتیان بنی نوفل جمیعا (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد سوم صفحہ طبع مصر)

ہمارے باپ مطعم بن عدی مجھ سے اور ہمارے قبیلہ کے دوسرے لڑکوں سے کہنے لگے کیا تم لوگ اس لڑکے علی کی محبت کو جو ان کو محمدؐ سے ہے اور جس طرح یہ محمد کی پیروی بجائے اپنے باپ کے کرتے ہیں۔ قسم ہے لات وعزیٰ کی اپنا دل تو یہ چاہتا ہے کہ بجائے نوفل کے تمام لڑکوں کے۔ علی میرے بیٹے ہوتے،،۔

رسول اللہ اپنی اولاد پر علیؑ کو ترجیح دیتے تھے تو وہ بھی اپنے والدین پر رسول اللہ کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی

رسولؐ کے ساتھ کمال اطاعت و پیروی کا مظاہرہ تھا جس کو دیکھ کر دوسروں کے دل میں ایک نفسیاتی کیفیت تمنا کی صورت میں پیدا ہوتی تھی۔ (منہاج نہج البلاغہ مولفہ مولوی سبط الحسن فاضل ہنسوی صفحہ ۸ و ۹)

تربیت دینے والے اور تربیت پانے والے دونوں کے انہماک سے اعلیٰ مقاصد حاصل ہوتے ہیں پیغمبرؐ کی محبت وشفقت کا اندازہ یہ کہ حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ علیؑ سے محبت فرماتے اور علیؑ کی وارفتگی وعشق پیغمبرؐ کا یہ عالم کہ اتباع الفصیل اثر امہ۔ جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے اُسی طرح علی دن رات ایک لحہ کے لیے رسولؐ سے جدا نہیں ہوتے۔ اس قلبی رابطہ واتحاد، اس باہمی وابستگی میں ظاہر ہے علیؑ پیغمبر کی تعلیمات سے کس درجہ متاثر ہوئے ہوں گے اور پیغمبرؐ نے علم وحکمت، تہذیب واخلاق سے علیؑ کو آراستہ کرنے میں کون سی کمی باقی چھوڑی ہوگی۔ حضرت علی فرماتے ہیں:۔

قال رسول الله یاعلی احب لك ما احب لنفسی و اکره لك ما اکره لنفسی (جامع ترمذی جلد اول صفحہ ۳۸۔ مشکوہ جلد ۲ صفحہ ۸۔ مسند احمد جلد ا صفحہ ۱۴۶) اے علی میں تمہارے لیے وہی باتیں پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے اور تمہارے بھی وہی باتیں ناپشند کرتا ہوں جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں۔

پیغمبر کے تعلیمی انہماک کے متعلق امیر المومنینؑ کا بیان ہے:۔ کنت اذا سالت اعطانی و اذا سکت ابتدانی۔ (جامع ترمذی صفحہ ۴۶۱۔ خصائص نسائی صفحہ ۲۱۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۶ صفحہ ۱۹۹)

میری یہ حالت تھی کہ جب میں پیغمبرؐ سے کوئی بات دریافت کرتا تو آپ مجھے بتاتے اور اگر میں خاموش رہتا تو خود پہل کرتے۔

سلیم بن قیس ہلالی اپنے ایک مخصوص صحابی سے حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:۔

و کنت ادخل علی رسول اللهﷺ کل یوم دخلة وکل لیل دخلة فیخلینی فیھا ادور معه حیث دار وقد علم اصحاب رسول الله انه لم یکن یصنع ذلك باحد غیری و ربما کان ذالك فی منزل فاذا دخلت علیھا فی بعض منازله خلالی واقام نساءه فلم یبق غیری وغیره واذا اتانی للخلوة فی بیتی لم یقم من عندنا فاطمه ولا احدا من ابنی اذا سالته اجابنی واذا سکت او نفدت مسائلی ابتدانی فما نزلت علیه اٰیة من القراٰن الا اقرانیھا فاملاھا علی فکتبتھا بخطی ودعا الله ان یفھمنی تاویلھا فحفظته واملاه علی فکتنته وما ترك شیئاً علمه الله من حلال وحرام اوامر ونھی او اطاعته ومعصیته کان او یکون الی یوم القیمة الاوقد علمنیه وحفظته ولم انس منه حرفاً واحدا ثم وضع یده علی صدری ودعا الله ان یملا قلبی علما وفھما وفقھا وحکما ونور اوان یعلمنی فلا اجھل وان یحفظنی فلا انسی۔

(تاب سلیم بن قیس الھلالی صفحہ ۷۰ وصفحہ ۱۴۱ طبع نجف منہاج نہج البلاغہ فاضل ہنسوی)

میں دن میں ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ شب میں رسولؐ کے ساتھ تنہائی میں رہا کرتا، کبھی رسولؐ سے جدا نہ ہوتا، جدھر رسولؐ جاتے میں ساتھ ہی ساتھ جاتا، اصحاب رسول اس سے واقف تھے کہ حضرت کا یہ طریقہ وعمل صرف میرے ہی ساتھ مخصوص تھا، کسی دوسرے کے ساتھ حضرت کا برتاؤ نہ تھا تخلیہ عموماً میرے ہی گھر میں ہوتا تھا اور اگر کبھی اس کا اتفاق رسوؐل کے گھر میں ہوتا تو حضرتؐ کی بیویاں اس جگہ اُٹھا دی جاتی تھیں صرف میں اور رسول تنہا رہتے، اور جب تخلیہ کے لیے رسوؐل میرے گھر میں تشریف فرما ہوتے تو رسوؐل کی بیٹی فاطمہ اور میرے فرزند ہٹائے نہ جاتے بلکہ موجود رہتے، میں تخلیہ میں رسول اللہ سے سوالات کرتا اور حضرت جوابات دیتے اور جب میں خاموش ہو جاتا یا میرے سوالات ختم ہو جاتے تو رسول اللہ خود ہی اپنی توسیعی تقریر شروع کر دیتے قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جو حضرت پر نازل ہوئی ہو لیکن یہ کہ حضرت نے مجھ پر اس کی تلاوت فرمائی اور مجھ کو لکھوا دیا میں خود اس کو اپنے قلم سے لکھتا تھا، یہی نہیں بلکہ رسول اللہؐ نے ان کو سمجھتے رہنے اور یاد رہنے کی دعا بھی میرے حق میں فرمائی تھی اس کی برکت سے قرآن مجھ کو بالکل حفظ ہو گیا تھا اور کبھی سہو ونسیان نہیں ہوا اسی طرح تاویل قرآن (اصل مراد و حقیقی معنی) کا علم بھی رسوؐل اللہ نے میرے سپرد فرمایا اور یہ سب امانت نبوت میرے سینہ میں محفوظ ہو گئیں صرف حافظہ ہی میں نہیں محفوظ کیا بلکہ حضرت نے مجھے لکھوایا اور میں نے لکھ لیا غرض کہ خدا نے جو کچھ بھی اپنے رسول کو بتلایا، تنزیل وتاویل، ناسخ ومنسوخ، حلال وحرام، امر ونہی، اطاعت ومعصیت اور جو حالات اب تک گزرے یا جو قیامت تک ہوں گے ان سب کا علم میرے سپرد کیا اور میں نے سب کو محفوظ کر لیا ایک حرف بھی نہیں چھوڑا۔ پیغمبر نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ خدا میرے سینے کو علم وفہم، فقہ وحکمت اور نور سے بھر دے اور کبھی مجھ پر جہل ونسیان نہ طاری ہو۔

پیغمبرؐ نے علی کی تعلیم میں اتنی دلچسپی کچھ اس وجہ سے بھی لی کہ علیؑ ہی تنہا ایسی استعداد رکھنے والے تھے انھیں میں فقط علوم وحکمت نبوت کے اخذ واستفادہ کی ہمہ گیر صلاحیت تھی جیسا کہ خود امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:۔ ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا سئولا ''میرے پروردگار نے مجھے سمجھنے والا دل اور دریافت کرنے والی گویا زبان بخشی ہے۔ (منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۴۸) علمنی رسول اللہ الف باب کل باب یفتح الف باب (منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۴۳) رسول نے مجھے ہزار باب علم کے تعلیم کیے اور ہر باب سے ہزار باب علم کے مجھ پر خود منکشف ہو گئے، اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ پیغمبر علی کی تعلیم کے لیے منجانب اللہ مامور تھے، پیغمبرؐ نے خود ہی اس فریضہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

یاعلی ان اللہ امرنی ان ادنیك واعلمك لتعی وانزلت ھذہ الایۃ وتعیھا اذن واعیۃ فانت اذن واعیۃ لعلمی۔

(منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۸ ۴ حلیۃ الاولیا حافظ ابونعیم اصبہانی جلد اول صفحہ ۶۷ طبع مصر تفسیر درمنشور جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ کفایۃ الطالب صفحہ ۴۰ وغیرہ)

اے علی خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے سے قریب رکھوں اور تمہیں تعلیم دوں کہ تم محفوظ کرلو۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی "اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں گے،، اس وقت رسول اللہ نے فرمایا اے علی تم میرے علم کے لیے حفاظت کرنے والے کان ہو۔

امرنی (مجھے حکم دیا گیا ہے) کی لفظ بتاتی ہے کہ پیغمبرؐ کے کاندھوں پر بار ڈالا گیا تھا علیؑ کی تعلیم وتربیت کا پیغمبر خصوصی طور پر مامور تھے کہ جمیع علوم وحکم آپ کو تعلیم فرمائیں تمام رموز ومعارف آپ کو ودیعت فرمادیں اور خدا شاہد ہے کہ پیغمبر نے ذرہ برابر کوتاہی نہ فرمائی، اگر پیغمبرؐ اپنے تمام علوم وحکم ایک ایک کر کے علیؑ کو تعلیم نہ کر دیے ہوتے تو علیؑ کے لیے ممکن نہ تھا کہ بھرے مجمع بر سر منبر اتنا بڑا دعویٰ کر دیتے کہ سلونی قبل ان تفقدونی "پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہو۔ کس شخص کی مجال ہے کہ ہزاروں کے مجمع میں جس میں دوست بھی ہوں اور دشمن بھی یہ دعویٰ کر دے کہ جو کچھ پوچھنا ہو میرے جیتے جی پوچھ لو۔ اور اسے یہ ڈر نہ ہو کہ کہیں کوئی پوچھنے والا ایسا سوال نہ کر بیٹھے جس کا جواب مجھ سے نہ بن پڑے اور مفت کی شرمندگی اُٹھانی پڑے۔ ایسا دعویٰ تو وہی کر سکتا ہے جسے اپنے علم پر اتنا مکمل اعتماد ہو کہ جو کچھ بھی مجھ سے پوچھا جائے گا میں اس کے جواب سے قاصر نہ رہوں گا۔ اس سے بڑھ کر یہ سوال کسی بھی چیز کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ پوچھنے والا کوئی بھی چیز پوچھ سکتا ہے۔ کسی خاص علم کسی مخصوص امر میں سوال منحصر نہیں ہوتا۔ پوچھنے والے کے دل میں اُلٹا سیدھا جو بھی سوال آئے وہ پوچھ سکتا ہے لہٰذا جب سوال میں اتنی وسعت وگنجائش ہے تو اتنا بڑا چیلنج کہ جو کچھ بھی پوچھنا ہو پوچھو، اسی شخص کی ہمت سے ممکن ہے جس کا تائید الٰہی توفیقات ربانی ایک سکنڈ کے لیے بھی ساتھ نہ چھوڑے جسے اپنے اوپر اس بات کا پورا پورا بھروسہ ہو کہ دقیق اور مشکل سے مشکل امر جو بھی سوال مجھ پر وارد ہوگا اس کا صحیح جواب دے کے رہوں گا۔

اللہ اکبر یہ علیؑ کے علم کی وہ بلند منزل ہے جس کی رفعت وبلندی کا ہماری عقل اندازہ کر ہی نہیں سکتی ہاں جس نے تربیت علمی کی تھی علی کی اسی کو صحیح اندازہ تھا کہ میری محنت کتنی بارور ہوئی علی کس درجہ پر فائز ہوئے علم کے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

انا دار الحکمۃ وعلی بابھا۔ "میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں۔"

(جامع ترمذی صفحہ ۴۶۱۔ جامع صغیر صفحہ ۹۳۔ کنوز الحقائق صفحہ ۲۷۔ مشکوۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱۔ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۰۔ حلیۃ الاولیا حافظ ابو نعیم اصبہانی جلد اول صفحہ ۶۴ طبع مسر مصابیح السنۃ امام بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۷۰)

انا مدینہ العلم وعلی بابھا فمن اراد المدینہ فلیات الباب۔ "میں شہر علم ہوں اور علی اس کے دروازہ جو شہر میں آنا چاہے وہ دروازے سے آئے۔"

(جامع صغیر صفحہ ۹۳۔ کنوز الحائق صفحہ ۱۷ و صفحہ ۲۷ مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ و صفحہ ۱۲۷ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۳۰۔ صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ استیعاب ابن عبد البر بر حاشیہ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۔ اسد الغابہ ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲ وغیرہ)

اعلم امتی من بعدی علی ابن ابی طالب۔ ''میرے بعد میری امت میں سب سے زیادہ علم والے علی ابن ابی طالب ہیں۔'' (کنوز الحقائق صفحہ ۳۰۔ منتخب کنز العمال۔ بر حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۳۰)

علی عیبۃ علمی[1]۔ ''علی میرے علم کا خزانہ ہیں۔''

(جامع صغیر صفحہ ۵۶۔ کنوز الحقائق صفحہ ۲۰ حلیۃ الاولیا ابو نعیم اصبہانی۔ مناقب اخطب خوارزمی۔ مناقب کنجی شافعی۔ فرائد السمطین حموینی وغیرہ)

انت تبین لامتی ما اختلفوا فیہ بعدی۔ ''میرے بعد تم میری امت کے لیے اُن کے اختلاف میں امر حق واضح کرو گے۔'' (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۳۰)

اقضاھم علی ابن ابی طالب۔ ''میرے تمام صحابہ میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔''

(سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۴۔ مشکوۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۶ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴)

لیھنئک العلم یا ابا الحسن لقد شربت العلم شربا و نھلتہ نھلا ''مبارک و خوشگوار ہو علم تم کو اے ابو الحسن تم علم سے سیراب ہوئے جو حق ہے سیراب ہونے کا''۔

(منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۴۸۔ حلیۃ الاولیا ابو نعیم اصبہانی جلد اول صفحہ ۶۰ وغیرہ)

---

[1] علامہ مناوی عیبۃ علمی کی شرح میں لکھتے ہیں عیبۃ کہتے ہیں اس ظرف کو جس میں انسان نفیس و عمدہ چیزوں کو محفوظ رکھتا ہے

علی عیبۃ علمی ای مظنۃ استفصاحی و خاصتی و موضع سری و معدن نفائسی والعیبۃ ما یضزر الرجل فیہ نفائسہ قال ابن درید وھذا من کلامہ الموجز الذی لم یسبق ضرب المثل بہ فی ارادۃ اختصاصہ بامور الباطنۃ التی لا یطلع علیھا احد غیرہ وذالک غایۃ فی مدح علی وقد کانت ضمائر اعدائہ منطویۃ علی اعتقاد تعظیمہ

آں حضرت کی عیبۃ علم سے مراد یہ ہے کہ علی میرے علم کے مظروف ہیں یعنی میری باتوں کو سمجھنے والے اور اس کو محفوظ رکھنے والے محل راز، اور میرے نفائس و علوم کے معدن ہیں۔ ابن درعیہ کہتے ہیں کہ آں حضرت کا یہ ایسا بلیغ کلام ہے کہ اس سے پہلے کسی نے بھی اس مطلب کو یوں نہیں ادا کیا جس میں آن حضرتؐ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ علی آپ کے امور باطن کے ایسے راز دار ہیں کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہے اور علی کی یہ انتہائی مدح ہے جس کی وجہ سے دشمنوں کے دل بھی آپ کی عظمت کے مقر ہیں۔ (فیض القدیر للحافظ المناوی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶)

شیخ محمد الحفنی حاشیہ شرح العزیزی جلد ۲ صفحہ ۴۱۷ پر لکھتے ہیں:۔

حدیث العیبۃ ای دعا علمی المحافظ لہ فانہ مدینۃ العلم ولذا کانت الصحابۃ تحتاج الیہ فی تلک المشکلات۔ (منہاج نہج البلاغہ مولفہ فاضل ہنسوی)

حدیث عیبہ سے مراد یہ ہے کہ علیؑ آں حضرتؐ کے علم کے مظروف و محافظ ہیں کیونکہ آں حضرت شہر علم (اور آپ اس کے دروازہ) اسی بنا پر صحابہ مشکلات علوم میں حضرت علیؑ کے محتاج رہا کرتے تھے۔

قسمت الحکمة عشرة اجزاء فاعطی علی تسعة اجزاء والناس جزء واحد وعلی اعلم باجزء الواحد منهم ۔(منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۲۳۔حلیۃ الاولیا جلد اول صفحہ ۶۰ طبع مصر وغیرہ)

حکمت دس حصّوں پر تقسیم کی گئی تنہا علیؑ کو نو حصے ملے اور ایک حصہ تمام لوگوں کو، مگر اس ایک حصہ کو بھی علیؑ دوسرں سے زیادہ جانتے ہیں۔

علی علیہ السلام کی جلالت علمی کا اعتراف

ان ارشادات پیغمبرؐ سے با آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پیغمبرؐ کی تعلیم وتربیت سے علیؑ علم کے کس درجہ پر فائز ہوئے واقعہ یہ ہے کہ گو پیغمبر کی رحلت کے بعد علیؑ مسند حکومت سے محروم کر دیے گئے مگر شریعت اسلامیہ کی بادشاہی پیغمبر کی نیابت علیؑ سے کوئی نہ چھین سکا۔علمی مسائل دینی امور میں صرف آپ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ہر گتھی آپ سے سلجھی اور ہر مشکل مسئلہ آپ کے ذریعہ حل ہوا۔جمہور کی مشہور تفسیر روح البیان میں یہ واقعہ مرقع عبرت ہے کہ:۔

روی عن انس بن مالك   انس بن مالک صحابی پیغمبرؐ سے روایت ہے کہ

قال اقبل یهودی بعد وفاة رسول الله حتی دخل المسجد قال ابن وصی محمد فاشار القوم الی ابی بکر فقال اسالك عن اشیاء لا یعلمها الانبی او وصی فقال ابوبکر سل عما بدالك فقال الیهودی اخبرنی عما لا یعلم الله وما لیس لله وعما لیس عند الله فقال ابوبکر هذا کلام الزنادقة وهم هووالمسلمون به فقال ابن عباس ما انصفتم الرجل ان کان عندکم جوابه والافاذهبوابه الی من یجیبه فانی سمعت رسول الله یقول لعلی اللهم اید قلبه وثبت لسانه فقام ابوبکر ومن حضرة حتی اتوا علیا فاعادواله ذالك فقال اما لا یعلم الله فذا لکم معشر الیهود قولکم ان عزیر ابن الله والله لا یعلم ان له ولداً واما مالیس لله فلیس له شریك واما مالیس عندالله فلیس عندالله ظلم وعجز فقال الیهودی اشهد ان لا اله الا الله وانك وصی رسول الله ففرح المسلمون ۔(تفسیر روح البیان جلد ۲ صفحہ ۶۷۸)

بعد وفات پیغمبرؐ ایک یہودی آیا اور مسجد نبوی میں پہنچ کر اس نے دریافت کیا محمدؐ کے وصی کہاں ہیں ۔لوگوں نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ وصی رسول ہیں۔

یہودی نے حضرت ابوبکر سے کہا میں آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنھیں یا تو نبی جانتا ہے یا نبی کا وصی۔ابوبکر نے کہا جو جی آئے پوچھو۔یہودی نے کہا اچھا بتایئے وہ کون سی چیز ہے جو خدا نہیں جانتا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو خدا کے لیے نہیں۔ اور وہ کیا چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں ۔ابوبکر نے کہا یہ زندیقوں جیسی باتیں ہیں ۔حضرت ابوبکر اور اُن کے حوالی موالی نے

یہودی کو پکڑ کر ٹھونکنا چاہا کہ عبداللہ بن عباس بول اُٹھے تم لوگوں نے اس شخص کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ارے اگر جواب معلوم ہے تو جواب دو ورنہ اسے اُس شخص کے پاس پہنچا دو جو جواب دیدے۔

کیونکہ میں نے رسول خداؐ کو علیؑ کے بارے میں یہ دعا کرتے سنا ہے۔ ''خداوندا تو اس کے دل کو مضبوط کر زبان کو استواری بخش۔'' یہ سن کر حضرت ابوبکر اور حاشیہ نشین حضرات اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس یہودی کو لے کر حضرت علیؑ کے پاس آئے، آپ سے یہودی کی باتیں دُہرائیں حضرت علیؑ نے فرمایا وہ چیز جو خدا نہیں جانتا تو اے گروہ یہود تمہارا یہ کہنا ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں حالانکہ خدا نہیں جانتا کہ اس کے کوئی بیٹا ہے اور وہ چیز جو خدا کے لیے نہیں تو اس کے لیے کوئی شریک نہیں اور وہ چیز جو خدا کے پاس نہیں ہے تو خدا کے پاس نہ تو ظلم ہے نہ عاجزی ہے۔ یہ جواب سُن کر یہودی بیساختہ بول اُٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خداوند عالم وحدہ لاشریک ہے اور آپ وصی رسولؐ ہیں۔ اس پر تمام مسلمانوں میں مسّرت کی لہر دوڑ گئی۔

جناب عائشہ جن کے متعلق پیغمبرؐ کی یہ حدیث شدومد سے بیان کی جاتی ہے خذوا ثلثی دینکم عن الحمیرا۔'' عائشہ سے تم دوتہائی دین حاصل کر سکتے ہو۔'' موصوفہ کا دل علیؑ کی طرف سے جتنا صاف تھا وہ تاریخ کے صفحات سے آئینہ ہے مگر عالم یہ تھا کہ مذہبی مسائل میں علیؑ ہی کا حوالہ دیا کرتیں۔ (صحیح مسلم جلد اوّل صفحہ ۱۳۵ وغیرہ)

علیؑ کی شہادت پر جہاں موصوفہ کی مسرت کا ٹھکانا نہ رہا تھا خوشی کے اشعار پڑھتی تھیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۲۷) وہاں اس کا بھی اعتراف تھا لتصنع العرب ماشأت فلیس احد ینہا ھا۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۸۲) عرب والے جو جی چاہے کریں۔ اب کوئی نہیں رہا جو انھیں جائز و ناجائز بتلائے۔

حضرت عمر نے جن لفظوں میں علیؑ کی جلالت علمی کو خراج تحسین ادا کیا وہ تاریخ و حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے:۔

قال عمر ابن الخطاب علی اقضانا وابی اقرانا وانا لنترك شیئاً من قرأة ابی

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴۔ طبقاب ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۱۰۲)

کان عمر یتعوذ باللہ من معضلة لیس لها ابو الحسن۔

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴ اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۰ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۱۰۲ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۳ ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۷)

حضرت عمر نے کہا ہم سب میں صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں اور عمدہ قرأت والے اُبی (ابن کعب) ہیں۔ ہم بہت سی چیزیں اُبی کی قرأت میں چھوڑ دیا کرتے تھے (مگر علیؑ کے کسی فیصلہ میں چوں وچرا کی گنجائش نہ نکلی)

حضرت عمر خدا کی پناہ مانگتے کہ کوئی مشکل مسئلہ پیش آئے اور اس کے حل کرنے کو علیؑ موجود نہ ہوں۔

لولا علی لهلك عمر۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴۔ ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۸ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴)

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

اللھم لا تنزل بی شدیدۃ الا و ابو حسن الی جنبی۔ (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۶۹ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴)

خداوندا مجھ پر کوئی مشکل نہ وارد ہو مگر یہ کہ ابوالحسن علیؑ میرے پہلو میں موجود ہوں۔

کان عمر یقول لعلی اذا سالہ ففرج عنہ لا ابقانی اللہ بعدك یا علی۔ (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷)

حضرت عمر جب علی سے کوئی مسئلہ پوچھا کرتے اور آپ شافی جواب دے کر ان کی پریشانی دُور کر دیتے تو عمر کہا کرتے کہ اے علی آپ کے بعد خدا ہمیں اس دنیا میں زندہ نہ رکھے۔

عبداللہ بن عباس جو حَبر الامہ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور ہیں علی کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھے۔ ان سے دریافت کرنے والے نے دریافت کیا کہ آپ کے علم کو علی کے علم سے کیا نسبت تو کہا کنسبۃ قطرۃ المبطر المطر الی البحر ''بارش کا ایک قطرہ سمندر کے آگے جو حیثیت رکھتا ہے وہی میرے علم کی حیثیت ہے علی کے مقابلہ میں۔'' (ترجمہ علی ابن ابی طالب احمد زکی صفوت صفحہ ۷۹ طبع مصر)

انھیں عبداللہ بن عباس کا مشہور مقولہ ہے واللہ لقد اعطی علی ابن ابی طالب تسعہ اعشار العلم و ایم اللہ لقد شارککم فی العشر العاشر۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۵۔ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۲۔ ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۷)

خدا کی قسم علی کو علم کے نو حصے دیے گیے (اور ایک حصہ تم سب لوگوں کو ملا) مگر خدا کی اس دسویں حصے میں بھی علی تم لوگوں کے برابر کے حصہ دار ہیں۔

انھیں ابن عباس کا یہ بھی بیان ہے اذا ثبت لنا الشی عن علی لم نعدل عنہ الی غیرہ۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۳)''

جب کسی مسئلہ کے متعلق ہمیں حضرت علیؑ سے دریافت ہو جاتا تو پھر ہم کسی دوسرے کی طرف رخ بھی نہیں کرتے۔''

معاویہ جس کا مقصد حیات ہی تھا علی سے بغض و عداوت، جس نے علیؑ کے فضائل مٹانے میں اپنی زندگی ختم کر دی اس سے دربار کے کسی خوشامدی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا معاویہ نے کہا علیؑ سے جا کر پوچھو وہ زیادہ جاننے والے ہیں اس نے کہا سرکار آپ کا جواب مجھے زیادہ محبوب ہوگا علیؑ کے جواب سے۔ معاویہ نے کہا بُری بات تم نے زبان سے نکالی تم نے ایسے شخص کو ناپسند کیا جسے رسول اللہ نے علم سے اس طرح بھر دیا جو حق تھا بھرنے کا اور جس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور جب حضرت عمر کو کوئی مشکل درپیش آتی تو انھیں علیؑ کی طرف رجوع کرتے۔'' (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۹۵)

علیؑ کی شہادت کی خبر جب معاویہ نے سنی تو بیساختہ زبان سے یہ فقرہ نکل پڑا کہ ذھب الفقه والعلم بموت علی ابن ابی طالب ''علی نہیں اُٹھے دنیا سے فقہ وعلم اُٹھ گیا۔''

عبدالملک بن سلیمان نے مشہور تابعی مفتی ومحدث مکہ عطا ابن رباح سے پوچھا کیا کوئی اصحاب رسولؐ میں علی سے زیادہ عالم تھا تو عطا نے کہا لا واللہ لا اعلمه۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۵۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴۔ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۲)

بن اجدع تابعی کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب پیغمبر کے علم کا اندازہ لگایا تو سب کے علم کی انتہا چھ ۶ آدمیوں کی طرف معلوم ہوئی۔ عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، معاذ، ابوالدردار، زید بن ثابت۔ پھر ان لوگوں پر نظر کی تو ان کے علم کی انتہا دو آدمیوں کی طرف معلوم ہوئی۔ علی اور عبداللہ بن مسعود۔ (کتاب علی از استاد محمد صبیح مصری صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ مصر)

یہ عبداللہ بن مسعود قرآن کی قرأت وتفسیر میں مرجعیت کے حامل تھے مسلمانوں نے انھیں ادعیۃ العلم کا خطاب دیا ہے۔ انھیں عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ

ان القران انزل علی سبعة احرف ما منها حرف الاظهر وبطن وان علی ابن ابی طالب عنده علم الظاهر والباطن۔

قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا اور ہر ایک حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور علی ظاہر وباطن دونوں کا علم رکھتے تھے انھیں عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول ہے کہ میں نے رسول خداؐ کے سامنے ستر سورے پڑھے اور علی کے سامنے پورا قرآن ختم کیا (زاد السبیل مولوی غلام محمد یحییٰ صفحہ ۵۶)

باب سوم

آپ کے اخلاق وعادات، سیرت وکردار

مثل مشہور ہے کہ بچے کے پاؤں پالنے ہی میں پہچانے جاتے ہیں پیغمبرؐ نے علیؑ کی تربیت، پرورش، و پرداخت میں اتنا انہماک، ایسا غیر معمولی اہتمام صرف اس لئے نہیں فرمایا کہ علیؑ کو پیغمبرؐ سے رشتہ داری تھی۔ علی پیغمبرؐ کے چچا کے بیٹے تھے۔ پیغمبر کے دس حقیقی چچا تھے اور سبھی کے اولادیں تھیں خود جناب ابوطالب کے چار فرزند تھے اور تقریباً سبھی پیغمبر سے چھوٹے تھے کوئی پیغمبر سے دس برس چھوٹا تھا تو کوئی بیس برس پیغمبرؐ نے علی کو اپنی آغوش میں لینے کے دن ہی چہرہ مہرہ میں خدوخال میں اپنی تصویر دیکھی اپنا نمونہ پایا۔ جوں جوں علیؑ بڑھتے جاتے تھے پیغمبرؐ کے اوصاف وکمالات، اخلاق وعادات کا آئینہ بنتے جاتے تھے کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

چار چیز است در سنگ اگر جمع شود لعل و یاقوت شود بایں خارائی

پاکی طینت واصل گہرہ استعداد تربیت کردن مہر از فلک مینائی

چار چیزیں اگر پتھر میں جمع ہو جائیں تو اسے پتھر سے لعل و یاقوت بنا دیں۔ ایک پاکی طینت دوسرے اصالت گہر تیسرے ذات کی استعداد وصلاحیت چوتھے آفتاب کی تربیت یہ چار چیزیں ایسی ہیں جو پتھر کو بھی لعل یاقوت بنا دیتی ہیں لہذا جائے غور ہے کہ اگر یہی چاروں چیزیں کسی انسان میں جمع ہو جائیں تو وہ انسان کیا بن جائے گا۔ قدرت نے یہ چاروں چیزیں بدرجہ اتم علیؑ کے لیے مہیا کیں پاکی طینت اور اصالت گہر جو پیغمبرؐ کی تھی وہی علیؑ کی عبدالمطلب تک علیؑ پیغمبر کے صلب میں بھی شریک رہے اور رحم میں بھی اسی لیے پیغمبر فرمایا کرتے تھے ہم اور علیؑ ایک نور سے ہیں۔ ہم اور علیؑ ایک درخت سے ہیں دوسرے لوگ مختلف درختوں سے، اتحاد عینیت علیؑ و پیغمبرؐ غالباً کسی کے لیے محل تامل نہ ہوگی۔

اور علیؑ کے استعداد کا یہ عالم کہ پیغمبر کا ارشاد ہے یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ اے علیؑ تمھیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو موسیٰ سے ہارون کو تھی الا انه لا نبوة بعدی سوا اس کے کہ میرے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ پیغمبر اسلام خاتم النبیین تھے آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا اس لیے علیؑ نبی تو نہ بن سکے لیکن علیؑ کی قوت استعداد وصلاحیت بنوت میں کیسے کلام ہو سکتا ہے ورنہ پیغمبر کے اس جملہ کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ تمھیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔

رہ گئی تربیت تو دنیا جانتی ہے کہ علیؑ نے کس آغوش میں تربیت پائی۔

کس گود میں پلے بڑھے۔ آفتاب رسالت نے آپ کی تربیت فرمائی اور اس طرح کہ ذہن کے اندر زبان دے دی اپنی جذب کرلو جتنے کمالات کو جذب کر سکو۔ اب کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ موجودگی میں علی اخلاق وکمالات، فضائل ومکارم کی کس بلندی پر فائز ہوئے۔ علم وحلم، فصاحت وبلاغت، عدل وانصاف، سخاوت وشجاعت، رحم وکرم، زہد وتقویٰ کون سی صفت ایسی تھی جس میں پیغمبرؐ کی مکمل ترین تصویر نظر نہ آتے ہوں۔ علیؑ کی پوری فطرت کل کردار، پورا دماغ پیغمبر کی فطرت، پیغمبر کے دماغ سے ملتا جلتا ہے۔ قرآن پیغمبرؐ کا معجزہ تھا اور بہترین معجزہ مگر پیغمبرؐ کو قرآن سے پڑھ کر علیؑ کی ذات بطور معجزہ قدرت کی جانب سے عطا ہوئی تھی۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب اٰیۃ من اٰیات اللہ ومعجزۃ من معجزات رسول اللہﷺ۔ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب خدا کی ایک آیت اور رسول اللہ کا ایک معجزہ ہیں۔ (المستطرف جلد اول صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ مصر)

اسی ہم رنگی ویکجہتی اور بجز نبوت تمام صفات وکمالات پیغمبرؐ کی جامعیت کے بنا پر قدرت نے علیؑ کو علی نفس رسول سے تعبیر فرمایا امیرالمومنینؑ کے کیریکٹر وکردار کی مورخین نے تصویر کشی کی ہے۔ مشہور عیسائی مورخ جرجی ازیدان لکھتا ہے:۔

علی ابن ابی طالبؑ کی حالت کا کیا کہنا ہے زہد اور تقویٰ کے بارے میں آپ کے بڑے بڑے کارنامے ہیں اور کثرت سے واقعات ہیں، اصول اسلام کی پوری پابندی کرنے میں حضرت بہت سخت اور اپنے ہر قول وفعل میں نہایت شریف، بڑے بزرگ اور آزاد تھے، دھوکا، مکر، چال بازی کی باتوں کو تو آپ جانتے بھی نہیں تھے اور اپنی زندگی کے مختلف زمانوں سے کسی وقت میں بھی حضرت نے مکر وفریب، حیلہ سازی اور دھوکا بازی کی طرف ذرّہ برابر بھی رخ نہیں کیا، حضرت کی تمام تر ہمت صرف دین اور آپ کا پورا اعتماد اور بھروسہ محض سچّائی اور حق پر تھا چنانچہ حضرت کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت نے جس وقت حضرت رسولخداؐ کی صاحب زادی جناب فاطمہؑ کے ساتھ شادی کی تو پاس فرش کی قسم کوئی

---

[1] علامہ جرجی زیدان زمانہ حال میں مصر کا بڑا نامی اور مشہور عیسائی مصنف ومحقق گزرا ہے وہ عربی، فارسی، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، لاطینی بڑی بڑی علمی زبانوں اور علوم کا بہت بڑا ماہر تھا اور خاص کر اسلامی تاریخ کا تو بحر العلوم یعنی سمندر بے پایاں تھا اس نے اسلامی تاریخ کے متعلق متعدد کتابیں کمال تحقیق جامعیت اور دقت نظر سے لکھی ہیں، اس کا ایک نہایت قابل قدر اور مشہور عالم علمی رسالہ ''الہلال'' نکلتا تھا جو مصر، یورپ، ہندوستان، عرب، عراق، شام، چین، اور روس کے تمام عربی داں مسلمانوں اور عیسائیوں میں نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علامہ موصوف کو اسلامی تاریخ پر جو بے مثل ونظیر عبور حاصل تھا اس کی شہادت کے لیے صرف یہی امر کافی ہے کہ حال میں ملک مصر کی جو قومی اور علمی یونیورسٹی قائم ہوئی اس میں اسلامی تاریخ پر لکچر دینے کے لیے ایک وسیع النظر مذہبی تعصب سے پاک، یوروپین لکچراروں کا ہم پلہ مورخ پروفیسر کی تلاش ہوئی تو نگاہِ انتخاب اسی جرجی زیدان پر آ کر ٹھہری اسی کو اسلامی تاریخ کا پروفیسر مقرر کیا گیا اس محقق نے اپنی بے مثل مولفات میں ایک دھوم دھام کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی بھی لکھی ہے جو پانچ جلدوں میں ہے اور جس کا ترجمہ دنیا کی تقریباً تمام اسلامی زبانوں میں ہو چکا ہے ۱۲

چیز بھی نہیں تھی سوائے دُنبے کی ایک کھال کے کہ اسی پر دونوں (میاں بی بی علی وفاطمہ) رات کو پڑ کر سور ہتے اور دن کے وقت اسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے ،آپ کے پاس کوئی خدمتگار تک نہ تھا جو آپ کے کاموں کو انجام دیتا (سب کام خود ہی کر لیتے) حضرت کی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ ملک ایران کے شہر اصفہان سے خراج کا کچھ مال آیا تو حضرت نے اس کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا اس میں ایک روٹی نظر آئی تو حضرت نے اس کے بھی سات ٹکڑے کیے اور خراج کے ہر حصے پر اس روٹی کا ایک ٹکڑا بھی رکھ دیا۔ حضرت علیؑ ایسے کم قیمت کا لباس پہنتے تھے جو آپ کو ذرّہ برابر بھی سردی سے محفوظ نہیں رکھتا تھا بعض لوگوں نے حضرت کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں اٹھا کر خود لا رہے ہیں جن کو ایک درہم (۰۴ ر پیسہ) میں خریدا تھا تو حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ اے امیر المومنین! یہ بوجھ ہمیں مرحمت فرمائیں کہ حضور کے دولت سرا پر اس کو پہنچا دیں مگر حضرت نے جواب دیا کہ عیال والے کو مناسب ہے کہ اپنا بوجھ خود اُٹھایا کرے۔

حضرت علیؑ کے حکیمانہ کلاموں سے یہ بھی ہے جس میں آپ نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہیے ارشاد فرمایا کہ چاہیے مسلمان اتنا کم کھایا کریں کہ بھوک سے ان پیٹ دُبلے رہیں اور اتنا کم پانی پییں کہ پیاس سے اُن کے ہونٹ سوکھے رہیں اور خدا کے ڈر سے اس قدر رویا کریں کہ اُن کی آنکھیں زخمی رہیں (تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۴)

اور حضرت کے عدل وانصاف کے واقعات سے یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی ایک زرہ کسی شخص کے پاس دیکھی تو آپ اور وہ شخص قاضی شریح کے پاس اس کا فیصلہ کرانے گئے وہاں حضرت علی صرف عدل وانصاف کے اصول کی پابندی اور مساوات کا لحاظ ثابت کرنے کے لیے اس شخص کے مقابلہ میں کھڑے رہے (بحیثیت بادشاہ ملک یا خلیفہ وقت کے اس کچہری میں اس شخص سے ممتاز جگہ پر بیٹھنے کی خواہش نہیں کی) حضرت علیؑ کا معمول یہ تھا کہ جب اپنی فوج کو کسی لڑائی پر بھیجتے تو اس کے ہر شخص کو وصیت فرما دیتے کہ بھائیو! دیکھو مقابلہ میں جو فوج ہے اس سے ہر نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرنا اور عورتوں کی پوری حفاظت کرنا، اُن کو ہر اذیت اور پریشانی سے بچانا، باوجود اس رحم دل انسان کے مال کی نگرانی کرنے میں حضرت علیؑ ایسے سخت تھے کہ اپنے ماتحت والوں اور کارپردازوں سے ایک ایک پیسہ کا حساب کرتے اور اس میں بہت شدت کرتے اور صرف اس وجہ سے کہ آپ عدل اور حق قائم کرنے کے لیے بڑے حریص تھے۔ اگر حضرت عمر کے زمانے میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور سچا اسلامی اثر باقی تھا حضرت علیؑ خلیفہ اور بادشاہ مقرر ہوتے تو آپ (حضرت علیؑ) کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ درجے کی ثابت ہوتی اور آپ کی کارروائیوں میں کسی قسم کا بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا مگر آپ کے قبضہ میں خلافت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں بگڑ گئی تھیں اور ملکی انتظامات نیز حکومت کے اصول کے بارے میں آپ کے والیوں

اور ماتحت کار پردازوں کے دلوں میں حرص اور طمع پیدا ہوگئی تھی اور ان میں سب سے زیادہ لالچی، مکار اور دھوکہ باز اس وقت کا معاویہ ابن ابی سفیان تھا کیونکہ اس نے دھوکہ فریب مکر وحیلہ سے اور اپنی حکومت جمانے کے لیے مسلمانوں کا مال بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف پھیر لیا تھا اس کے برعکس حضرت علیؑ کی حالت تھی کہ اپنے عاملوں اور فوج کے سرداروں سے چھوٹی چھوٹی رقموں تک کا باقاعدہ حساب لینے اور دین حق کی پابندی کرتے رہنے کی وجہ سے اپنے لوگوں کو اپنے سے علیحدہ کرتے جاتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر صحابہ رسولؐ نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیا یہاں تک کہ آپ کے چچازاد بھائی (اور آپ کے معزز شاگرد) عبداللہ بن عباس بھی آپ سے الگ ہو گئے جس کی صورت یہ ہوئی کہ یہ بزرگ حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے اس زمانے میں ابوالاسود دوئلی نے حضرت علیؑ کے پاس ان عبداللہ ابن عباس کی شکایت لکھ بھیجی (کہ یہ خیانت کر رہے ہیں اور جو مال ان کے ہاتھ میں آرہا ہے اس میں ذاتی تصرف بہت کرتے رہتے ہیں) اس پر حضرت علیؑ نے ابن عباس سے حقیقت حال دریانت کی اور لکھا کہ مجھ تک تمہاری اس قسم کی شکایتیں پہنچی ہیں لیکن اس خبر دینے والے ابوالاسود دوئلی کا نام ظاہر نہیں کیا۔ عبداللہ ابن عباس نے حضرت علیؑ کے خط کا یہ جواب بھیج دیا کہ آپ کو جو شکایت پہنچی ہے وہ سب غلط ہے میں اپنے فرائض کو بہت پابندی اور ضبط سے انجام دے رہا ہوں اور ہر بات کی پوری نگرانی رکھتا ہوں آپ بدگمانی کے شہ اور افتراء پردازوں کی بات کا کوئی خیال نہ کریں والسلام۔'' لیکن حضرت علیؑ نے ابن عباس کی اس تحریر کو نہیں مانا بلکہ پھر اُن کو لکھا کہ مجھے تفصیل کے ساتھ مطلع کرو کہ تم نے جزیہ کی رقمیں کس قدر وصول کی ہیں اور کہاں کہاں سے لی ہیں اور اُن کو کہاں کہاں رکھا یا کن کاموں میں خرچ کیا ہے۔'' اس خط کے جواب میں عبداللہ ابن عباس نے حضرت علیؑ کو لکھ بھیجا کہ آپ کا خط مجھے ملا اور میں سمجھ رہا ہوں کہ یہاں سے جو لوگ میری مخالفت میں جس قسم کی شکایتیں آپ کو لکھتے رہتے ہیں اُن کو آپ بہت اہمیت دے رہے ہیں تو اب آپ اس صوبے کی حکومت کے لیے جس شخص کو پسند کریں مقرر کر کے بھیج دیں کہ اب میں یہاں نہیں رہ سکتا اور اس جگہ سے روانہ ہو جاتا ہوں۔ والسلام۔''

یہ خط لکھ کر عبداللہ ابن عباس نے اپنے ننہال کے قبیلہ بنی ہلال بن عامر والوں کو بلا بھیجا تو اُن کے پاس پورا قبیلہ قیس جمع ہو گیا اور جناب عبداللہ بن عباس بصرہ کا کافی مال لے کر وہاں سے چلے گئے اور ظاہر یہ کیا کہ یہ سب وہ مال ہے جو میرے مشاہرہ سے بچتا گیا تھا۔'' بصرہ والوں نے مکہ جا کر آن کو پہنچا دیا اور اس طرح اُن سے اور اُن کے ساتھیوں سے حضرت علیؑ کوئی نفع نہ اُٹھا سکے کیونکہ صرف باقاعدہ حساب کی گرفت کرنے سے ابن عباس نے بھی حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا اگر حضرت علی اُن مسلمانوں کے مالوں کا باقاعدہ حساب نہ طلب کرتے یا اُن کی دولت کے بارے میں اُن سے کوئی باز پُرس نہ کرتے اور خوف

خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے تو ابن عباس ایسے بزرگ بھی آپ کے ساتھ ہی رہتے)۔ تاریخ تمدن اسلامی مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۳۷

علامہ ابونعیم اصبہانی حافظ احمد بن عبداللہ بن احمد متوفی ۴۳۰ھ جو کہ مشائخ محدثین ورواۃ اور اکابر حفاظ میں ہیں اپنی مشہور تصنیف میں لکھتے ہیں:۔

سيد القوم، محب المشهود، محبوب المعبود، باب مدينة العلم والعلوم، وراس المخاطبات ومستنبط الاشارات، راية المهتدين ونور المطيعين وولى المتقين، وامام العادلين اقدمهم اجابة وايمانا واقومهم قضية وايقانا واعظمهم حلما واوفرجهم علما على بن ابى طالب كرم الله وجهه. قدوة المتقين وزينة العارفين المنبئى عن حقائق التوحيد المشير الى لوامع علم التفريد. صاحب القلب العقول واللسان السوؤل، والاذن الواعى، والعهد الوافى، فقّاء عيون الفتن ووقى من فنون المحن فدفع الناكثين ودمغ المارقين الاخيش فى دين الله، الممسوس فى ذات الله۔ (حلیۃ الاولیا جلد ا صفحہ ۶۲ مطبوعہ مصر)

قوم کے سردار، رسول کے عاشق، خدا کے محبوب، دروازۂ شہر علوم، خدا اور رسول نے جن لوگوں کو اپنا مخاطب قرار دیا اُن کے گرو، کتاب وسنت کے اشارات سے حقائق کا استنباط کرنے والے، اطاعت گزاروں کے نور، متقیوں کے ولی، عادلوں کے امام، دعوت رسول پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے، سب سے بڑے حلیم، سب سے بڑے عالم، علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، پرہیز گاروں کے پیشوا، عارفوں کی زینت، حقائق توحید کے ظاہر کرنے والے، ایسے دل کے مالک جو حقائق کو سمجھتا تھا، ایسی زبان والے جو رسولؐ سے سوالات کرنے میں مصروف رہتی، قوی یادداشت والے، عہد کو پورا کرنے والے، فتنوں کی آنکھیں کو کور کرنے والے، آزمائش سے بچنے والے، آپ نے ناکثین وقاسطین ومارقین (اہل جمل وصفین ونہروان) کا مقابلہ کیا، معاملات دینی میں آپ سخت تھے اور عشق الٰہی میں سرگشتہ ووارفتہ الٰہی تھے

ضرار بن ضمرہ کنانی نے معاویہ ایسے دشمن علیؑ کے بھرے دربار میں علیؑ کی سیرت پر تبصرہ کیا تھا:

قال معاويه لضرار الصدائى ياضرار صف لى عليا فقال عفنى ياامير المومنين قال لتصفنه قال اما اذلابد من وصفه فكان والله بعيد المدى شديد القوى. يقول فصلا ويحكم عدلا يتفجر العلم من جوانبه وينطق الحكمة من نواحيه ويستوحش من الدنيا وزهرتها ويستانس بالليل ووحشته. وكان عزيز العبرة طويل الفكرة يعجبه من اللباس ما قسر ومن الطعام ما خشن كان فينا كاحدنا يجيبنا اذا سالناه وينبئنا اذا استنبأناه ونحن والله مع تقريبه ايانا وقرنه منالا نكاد نكلمه هيبة له. يعظم اهل الدين ويقرب المساكين، لا يطمع القوى فى باطله ولا ئيئس الضعيف من عداله، واشهد انه لقدرايته

فی بعض مواقعه، وقد ارخی اللیل سدلته وغارت نخومه، قابضا علی لحیته یتلمل تململ السلیم، ویبکی بکاء الحزین، ویقول یا دنیا غری غیری، الی عرضت ام الی تشوقت، هیهات هیهات قد ما بینتك ثلاثة لا رجعة فیها، فعمرك قصیر وخطرك قلیل، اٰه من قلة الزاد وبعید السفر ووحشة الطریق فبکی معاویة وقال رحم الله ابا الحسن کان والله کذالك فکیف حزنك علیه یاضرار قال حزن من ذبح ولدها وهو فی حجرها۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۶ ٭حلیۃ الاولیا جلد ۱ صفحہ ۸۵، ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ ٭ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۶)

دونوں کا خطرہ تھا اس لیے ضرار نے اس خطرہ سے بچنے کے لیے یہ کہا آپ مجھ سے یہ خدمت نہ لیجئے مگر معاویہ نے کہا تمھیں بیان کرنا ہی ہوگا، ضرار نے جب دیکھا کہ کوئی چارہ کار نہیں ہے تو انھوں نے کہنا شروع کیا بخدا نگاہ اُن کی دوررس تھی وہ بہت قوی تھے، قطعی بات فرماتے، مبنی بر انصاف فیصلہ فرماتے علم کے چشمے اُن کے پہلو سے بہہ نکلتے، اُن کے کلام کے ہر گوشے سے حکمت بولتی تھی، دُنیا کی آب وتاب سے گھبراتے شب تاریک سے مانوس تھے، عشق خدا میں آنسو بہت بہاتے بہت سوچا کرتے، وہ لباس پسند فرماتے جس میں کپڑا کم صرف ہوتا موٹی جھوٹی غذا پسند خاطر تھی، سادگی اتنی تھی کہ ہم میں اُن میں کوئی فرق نہ معلوم ہوتا، ہم جب اُن سے ملنے جاتے تو پاس بٹھاتے، ہم اُن سے کچھ پوچھتے تو جواب دیتے اس پر یہ ہیبت تھی کہ ہم اُن سے گفتگو نہ کر سکتے، مُسکراتے تو دانت یوں چمکتے جیسے پروئے موتی، اہل دین کی تعظیم کرتے۔ مسکینوں سے محبت فرماتے، بالا دست کو یہ اُمید نہ تھی کہ حضرت سے ہمدردی حاصل کر سکے گا، کمزور حضرت کے عدل سے مایوس نہ تھا، خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے حضرت کو بعض مواقع پر دیکھا رات تاریک ہوگئی تھی، ستارے ڈوب چکے تھے محراب میں اپنی داڑھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے یوں تڑپتے تھے جیسے کوئی مار گزیدہ تڑپتا ہے، غمزدہ انسان کی طرح روتے تھے، دنیا سے فرماتے تو مجھے اپنا گرویدہ بناتی ہے یہ نہیں ہوسکتا کسی اور کو دھوکا دے میں نے تجھے تین بار طلاق دی، تیری عمر کوتاہ ہے تجھے کوئی اہمیت نہیں۔ آہ توشۂ سفر مہیا نہیں، سفر دراز ہے، راستہ پُر خطر ہے۔ ضرار کا یہ بیان سُن کر معاویہ رو پڑا اور کہا خدا رحم کرے ابوالحسن پر خدا کی قسم وہ بالکل ایسے ہی تھے۔ معاویہ نے کہا اے ضرار اُن کی وفات پر تمھیں کس قدر صدمہ ہے۔ ضرار نے کہا اس زن پسر مردہ کے ایسا رنج ہے جس کا بچہ اُس کی گود میں حلال کر دیا گیا ہو۔

حسن بصری سے حضرت علیؑ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا۔

کان علی والله سهما صائبا من مرامی الله علی عدوه وربانی هذه الامة وذافضلها وذا سابقتها وذا قرابتها من رسول الله لم یکن باللومة عن امر الله ولا بالملومة فی دین الله ولا بالسروقة لمال الله اعطی القراٰن عزائمه ففاز منه بریاض مونقة۔

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۷، ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)

خدا کی قسم علیؑ خدا کے ترکش کا صحیح نشانہ پر لگنے والے تیر تھے دشمن خدا پر، اور اس امت کے اللہ والے، صاحب فضیلت وسبقت اور پیغمبر خدا سے قرابت رکھنے والے تھے امور خداوندی میں کسی ملامت کے سزاوار نہ تھے اور نہ دین الٰہی میں کسی مذمت کے لائق تھے، نہ خدا کے مال میں سرقہ کرنے والے تھے، قرآنی احکام وفرائض پر پورا پورا عمل کیا جس کے صلہ میں خوشنما باغ حاصل کیے۔

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

کان علی اذا وردعلیه مال لم یبق منه شیئا الا قسمه ولا یترك فی بیت المال منه الاما یعجز عن قسمته فی یومه ذالك ویقول یادنیا غری غیری ولم یکن یستاثر من الفئ بشی ولا یخص به حمیما ولا قریبا ولا یخص بالولا یات الا اهل الدیانات والا مانات واذا بلغه (۱)

(۱) انھیں لفظوں میں کے صفحات پر یہ واقعہ موجود ہے علامہ ابن عبدربہ قرطبی تحریر فرماتے ہیں کہ سودہ بنت عمارہ بن الاشتر معاویہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچیں دربار میں پہنچنے کے لیے اجازت ضروری تھی جب باریابی کی اجازت ملی تو داخل دربار ہو کر معاویہ کو سلام کیا۔

معاویہ۔ کہو کیسی ہو دختر اشتر؟

سودہ۔ اچھی ہوں سرکار۔

معاویہ۔ کیوں تمھیں نے نا اپنے بھائی کو خطاب کر کے جنگ صفین کے موقع پر یہ اشعار کہے تھے:۔

شمر کفعل ابیك یاابن عمارة یوم الطعان وملتقی الاقران

وانصر علیا والحسین ورهطه واقصد لهند وابنها بهوان

ان الامام اخا النبی محمد علم الهدی ومنارة الایمان

فقد الجیوش وسر امام لوائه قدما بابیض صارم وسنان

(اے برادر تم بھی مستعد وآمادہ ہو جاؤ جس طرح اباجان جنگ کے دن پہلوانوں سے مڈبھیڑ کے موقع پر تیار ہوتے تھے)

اور علیؑ فرزند رسول حسینؑ اور اُن کی جماعت کی مدد ونصرت کرو اور ہند کی اولاد معاویہ کو ذلیل وخوار کرنے کا تہیہ کر لو۔

امام دنیا میں اس وقت صرف علیؑ برادر رسول ہی ہیں جو ہدایت کا پہاڑ اور ایمان کا منارہ ہیں۔ اپنے رسالہ کی قیادت کرو اور صیقل دار تلوار، چمکتا ہوا نیزہ لے کر فوج کے آگے آگے چلو۔)

سودہ۔ سرکار اب وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا۔ جو باتیں اب خواب وخیال بن چکیں انھیں بھول جائیے

معاویہ۔ تمہارے بھائی کو کوئی بھول سکتا ہے؟

سودہ۔ سچ کہتے ہیں حضور۔ میرا بھائی کوئی ایسا ویسا تھا بھی نہیں وہ تو ایسا تھا جیسا خنسا شاعرہ نے اپنے بھائی کے متعلق کہا تھا۔

وان صخر التاتم الهداة به کانه علم فی راسه نار

(صخر کے ذریعہ ہدایت پانے والے ہدایت پاتے ہیں جیسے وہ ایک بلند و بالا پہاڑ ہے جس کے اوپر آگ جل رہی ہو)

سرکار، میں معافی مانگتی ہوں اس ذکر کو جانے ہی دیجئے۔

معاویہ۔ اچھی بات ہے جانے دیتا ہوں۔ بتاؤ کیسے آنا ہوا؟

سودہ۔ سرکار اس وقت لوگوں کے بادشاہ ہیں، رعایا کی جان و مال کے نگراں ہیں۔ ہمارے حقوق جو آپ پر فرض ہیں قیامت کے دن خدا کو جواب دینا ہوگا۔

آپ ہم پر ہمیشہ ایسے شخص کو حاکم مقرر کر کے بھیجتے ہیں جو آپ کی شوکت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور آپ کے سلطنت واقتدار کے سہارے، ہم پر زبردستی کرتا ہے، خوشۂ گندم کی طرح ہمیں کاٹ کر رکھ دیتا ہے اور اہبیل کی طرح روندڈالتا ہے۔ دیتا کم ہے اور مانگتا زیادہ ہے یہ بسر ابن ارطاۃ ہمارے ضلع کا حاکم مقرر ہو کر آیا اس نے میرے مردوں کو قتل کر دیا اور میرا مال واسباب لوٹ لیا۔ اگر ہم اطاعت وفرمانبرداری کا وعدہ نہ کر لیے ہوتے تو ہم میں بھی غیرت وحمیت تھی ہم بھی مزہ چکھادے ہوتے یا تو آپ اسے معزول کر دیجئے ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے اور اگر ایسا نہ کیجئے گا تو آپ جو ہیں وہ ہم جانتے ہی ہیں۔

معاویہ۔ اچھا تو تم مجھے اپنی قوم والوں سے دھمکاتی ہو میرا جی چاہتا ہے کہ اسی بُسر ابن ارطاۃ کے پاس تمھیں بھیج دوں اور وہ جو چاہے تمہارے ساتھ سلوک کرے۔

سودہ۔ کچھ دیر خاموش رہیں پھر بے ساختہ یہ اشعار اُن کی زبان پر جاری ہو گئے۔

صلی الالٰہ علی روح تضمنہ قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا

قد حالف الحق لا یبغی بہ ثمنا فصار بالحق والایمان مقرونا

(خدا اس کی روح پر اپنی رحمتیں نازل کرے جس کے جسد اطہر کو قبر نے اپنی آغوش میں لے لیا اور اسی کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف بھی دفن ہو گیا۔ اس نے حق کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور اس کے عوض کسی قیمت کا خواہشمند نہ تھا۔ حق وایمان اس کے ساتھ وابستہ وپیوستہ ہو کر رہ گئے تھے۔)

معاویہ۔ یہ کس کے بارے میں تم کہہ رہی ہو؟

سودہ۔ علیؑ ابن ابی طالب کے متعلق۔

معاویہ۔ علیؑ کے کسی احسان کا اثر تو میں تم پر نہیں دیکھتا۔

سودہ۔ سرکار میرا ہر بُنِ موشر مندۂ احسان ہے اُن کا میں اُن کی خدمت میں ایک حاکم کی شکایت لے کر پہنچی جسے آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیا تھا اور ہم لوگوں پر زیادتیاں کی تھیں۔ میں جب حاضر خدمت ہوئی حضرت نماز پڑھ رہے تھے آپ نماز سے فارغ ہو کر میری طرف مڑے بکمال شفقت ومہربانی پوچھا کہ کسی ضرورت سے آئی ہو؟ میں نے اس حاکم کی شکایت کی اور اپنی داستانِ مصیبت کہہ سُنائی۔ آپ سن کر رونے لگے، ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر عرض کی خداوندا میں نے حکام کو ہرگز اس کا حکم نہیں دیا کہ وہ تیری مخلوق پر ظلم کریں نہ اس کی اجازت دی کہ وہ تیرے حق کو مانگیں بھی نہیں۔ پھر آپ نے جیب سے ایک پرچہ نکالا اس پر تحریر فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قد جاءتکم بیّنۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ------ دیکھو یہ خط میرا جب تمھیں پہنچے تمہارے قبضہ میں جتنی چیزیں موجود ہوں انھیں محفوظ رکھو اس وقت تک جب تک کہ یہاں سے میں کسی کو بھیجوں اور وہ حاکم تم سے تمام چیزیں لے لے۔ سرکار! اسی وقت حضرت نے معزول فرما دیا۔ اپنے رقعہ پر نہ مُہر کی نہ کسی چیز میں لپیٹا۔ (عقد الفرید جلد ا صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ مصر)

عن احدھم خیانة کتب الیه جاءتکم موعظة من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان بالقسط ولا تبجسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیة الله خیر لکم ان کنتم مومنین وما انا علیکم بحفیظ اذا اتاک کتابی ھذا فاحتفظ بما یدیک من عملنا حتی نبعث الیک من یتسلمه منک ثم یرفع طرفه الی السماء فیقول اللھم انک تعلم انی لم اٰمرھم بظلم حقک ولا بترک خلقک۔

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۷، ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۷۵)

علیؑ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب آپکے پاس کوئی مال آتا تو اس میں سے کچھ بھی نہ رکھتے بلکہ سب کا سب فوراً تقسیم کر دیتے اور بیت المال میں کوئی چیز چھوڑتے نہیں سوا اس کے جس کا تقسیم ہونا اس دن دشوار ہوتا اور دنیا سے خطاب کر کے فرماتے کہ میرے علاوہ کسی اور کو جا کر بتلائے فریب کر۔ مال غنیمت سے اپنے لیے کچھ مخصوص نہ فرماتے اور نہ کسی عزیز قریب کو خصوصیت دیتے اور افسری و حکومت بس دیندار و امانت دار ہی کو عطا فرماتے اور جب کسی حاکم کی خیانت کی خبر آپ کو مل جاتی تو آپ اس کو لکھتے ''تمہارے پاس خدا کی نصیحت آ گئی۔ پوری طرح دیانتداری کے ساتھ ناپوتولو اور لوگوں کو اُن کے حق سے کم نہ دو، اور زمین میں فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔ بقیۂ الٰہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو، میں تمہاری حفاظت کا کوئی ذمہ دار نہیں۔ جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو حکومت کی جتنی چیزیں تمہارے قبضہ میں ہیں انھیں محفوظ رکھو اس وقت تک کہ میں کسی کو بھیجوں اور وہ ان چیزوں کا تم سے چارج لے لے۔ پھر آپ اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتے اور فرماتے خداوندا تو عالم و دانا ہے میں نے انھیں ہرگز حکم نہیں دیا کہ وہ تیرے حق پر ظلم کریں نہ یہ کہا کہ تیری خلق کو چھوڑ دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات متضاد صفات کی حامل محیر العقول اوصاف و کمالات کا مجموعہ تھی۔ علامہ سید رضی نہج البلاغہ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں'' آپ کے عجائب و غرائب جس میں آپ منفرد اور اپنی کوئی مثال نہیں رکھتے یہ بھی ہے کہ پرہیز گاری و وعظ و نصیحت کے متعلق آپ کے جو ارشادات ہیں اگر کوئی شخص بالکل خالی الذہن ہو کر اور آپ کی عظمت جلالت سے قطع نظر کر کے دیکھے تو اسے ذرّہ برابر اس امر میں شبہ ہو گا کہ یہ کلام، یہ ارشادات ایسے شخص کے لب و زبان سے نکلے ہوئے ہیں جس میں زہد و پرہیز گاری کے علاوہ کچھ نہ تھا نہ سوا عبادت کے اسے کوئی کام تھا گھر کے کسی گوشے میں اپنے کو چھپائے یا پہاڑ کے کسی کھوہ میں بیٹھا دن رات عبادت الٰہی میں مصروف ہو، نہ اپنی آہٹ کے سوا کوئی آواز سنتا ہو نہ اپنے سوا کسی اور کو دیکھتا ہو اور اس کے وہم گمان میں بھی یہ بات نہ آئے گی کہ یہ کلام ایسے شخص کا ہے جو گھمسان کے رن میں تلوار کھینچے ڈوب جاتا ہے اور دشمنوں کے سروں کو کاٹ کر پہلوان کو پچھاڑ کر یوں پلٹتا ہے کہ اس کی تلوار سے خون کے پرنالے جاری ہوں درانحالیکہ وہ باوجود ایسی شجاعت و بہادری کے زاہدوں کا زاہد اور ابدال کا سرتاج بھی ہے۔ یہ نرالی شان آپ کے حیرت انگیز فضائل اور

لطیف ترین خصوصیات سے ہے جن میں باہم مغائر اوصاف اور متضاد حیثیتیں آ کر مجتمع ہو گئی ہیں۔''

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی سید رضیؒ کے ان فقروں کی شرح میں لکھتے ہیں ''حضرت امیر المومنین متضاد اخلاق اور حیرت انگیز خصوصیات کے مالک تھے پہلی حیرت انگیز خصوصیت تو یہی ہے جو علامہ رضی طاب ثراہ نے ذکر کی ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ چیز بھی انتہائی حیرت خیز کیونکہ زیادہ تر صاحبان شجاعت و جرأت سخت دل، سرکش، خوں ریزی کے خوگر ہوتے ہیں اور صاحبان زہد و تقویٰ بالعموم نرم دل، نرم مزاج ہوتے ہیں اور یہ دونوں حالتیں ایک دوسرے کے مغائر ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر امیر المومنین کی ذات میں یہ دونوں کیفیتیں شیر و شکر کی طرح گھلی ملی تھیں۔

دوسری یہ کہ بہادری و شجاع خونریزی کے خوگر انسان عام طور پر درندہ خصائل اور وحشی مزاج ہوتے ہیں اور اسی طرح زیادہ تر صاحبان زہد و تقویٰ خشک مزاج کھُری طبیعت، خشک رو، خلائق سے گریزاں و متنفر ہوا کرتے ہیں اور حضرت امیر المومنینؑ شجاعوں کے شجاع سب سے زیادہ خون بہانے والے بھی تھے اور سب سے بڑھ کر عبادت گزار بھی اور سب سے بڑھ کر لذاتِ دنیا سے بیزار بھی اور سب سے زیادہ وعظ و نصیحت فرمانے والے بھی اور سب سے بڑھ کر عبادت گزار بھی مگر اس کے باوجود اخلاق و عادات آپ کے انتہائی لطیف و پاکیزہ اور آپ سب سے زیادہ شگفتہ مزاج، خوش دل انسان تھے یہاں تک کہ دشمنوں نے آپ کو یہ عیب تک لگایا کہ ''علی کو تو بس ٹھٹھا ہی کرنا آتا ہے۔''

تیسری چیز یہ کہ زیادہ تر شرفا و معززین اور ایسے افراد جو اونچے گھرانے، امارت و ریاست والے ہوں متکبر و بد دماغ ہوتے ہیں اور امیر المومنینؑ کے اشراف خلائق، معزز ترین بشر ہونے میں نہ تو کسی دوست کو شک ہو سکتا ہے نہ دشمن کو کیونکہ آپ کے ایسا نہ کسی نے نسب پایا نہ آپ کے ایسی فضیلتیں کسی کو ملیں مگر باوجود اس شرف و وجاہت کے آپ چھوٹے بڑے سب سے جھک کے ملتے، سب سے زیادہ نرم دل، نرم پہلو تھے اور کبر و بد دماغی تو آپ کو چھو بھی نہیں گئی تھی نہ خلافت پانے سے پہلے نہ خلافت پانے کے بعد نہ ریاست و حکومت آپ کے مزاج میں رتی برابر تغیر پیدا کر سکی اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ ہمیشہ ہی رئیس و امیر رہے۔ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی اپنی مشہور تاریخ ''منتظم میں لکھتے ہیں کہ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کے حضور حضرت ابوبکر و حضرت علیؑ کی خلافت کا ذکر چھڑا بہت بہت باتیں ہوئیں۔ عبداللہ نے سر اُٹھا کر کہا تم لوگ بہت کہہ چکے علیؑ کو

خلافت نے زینت نہیں بخشی بلکہ خود علیؑ کی وجہ سے خلافت کی زینت ہوئی[1] تیسری چیز یہ کہ صاحبان شجاعت اور قتل کے خوگر انسان بالعموم کم درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اُن کی قوت غضبیہ انتہا پر ہوتی ہے اور امیر المومنینؑ باوجود اپنی شجاعت و بسالت کے مجسم عفو و درگزر اور نمونہ رحم و کرم تھے اور آپ نے جنگ جمل میں جس فراخ دلی سے کام لیا اور رحم و کرم کا مظاہرہ فرمایا دنیا جانتی ہے۔'' (شرح ابن ابی الحدید)

اسی سے ملتی جلتی عبارت استاد محمد کامل ''حتہ'' کی ہے لکھتے ہیں ''یہ زندگی لبریز ہے دلکش صورتوں اور خونیں سانحوں سے اس لئے کہ امام کی ممتاز شخصیت بکثرت بلند کمالات کی وجہ سے نمایاں ہے اور اسرار حیات کے بہت سے خزانوں پر مشتمل ہے اور آپ کی زندگی کو ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا آغوش رسالت میں آپ کی تربیت رہی اور اسلام کے ساتھ نشوونما ہوا۔ یہ عظیم زندگی مختلف رخ رکھتی ہے۔ ایک رُخ پر نظر ڈالو تو تمہیں دوسرا رخ آپ کی دائمی عظمت سے حیرت میں ڈالتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں قوت و زندگی ہے۔ جب تم امام کی زندگی کے کسی ایک رخ پر نظر کرو گے تو یقین ہو جائے گا کہ یہی آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ہے حالانکہ آپ کی زندگی کا ہر رخ جاذب و دلکش ہے۔ کسی ایک وصف کو دیکھو گے تو بلندی و مرتبت کے لحاظ سے ایسا نظر آئے گا کہ انسانوں کا ایک گروہ اس مقام تک پہنچنے سے قاصر نظر آئے گا۔ جب تم حضرت کی زندگی کے کسی دوسرے رخ کو دیکھو گے تو پہلے کی طرح اس سے بھی ششدر رہ جاؤ گے اس وقت تم یہ محسوس کرنے لگو گے کہ تمہارے سامنے ایک ایسی حقیقت ہے جس میں بہت گہرائی ہے اس وقت تم کو یہ صفت پہلی رائے کی تبدیلی پر مجبور کرے گی (تم نے پہلی صفت کی تکمیل کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر یہ طے کیا کہ امام کی سب سے بڑی صفت یہی ہے مثلاً اس عہد کے سب سے بڑے شجاع ہیں اور یہی صفت آپ کی نمایاں تر ہے لیکن جب علم کو دیکھا تو رائے بدلنی پڑی کہ صرف شجاعت میں آپ کی صفت نمایاں ہے بلکہ علم بھی اسی طرح دوسرے صفات کے مطالعہ سے حیرت بڑھی جاتی ہے اور آپ کی جامعیت و اکملیت کا تصور بڑھتا جاتا ہے) آخر میں تمھیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ علیؑ جہاد میں امام، سیاست میں امام، دین میں امام، فلسفہ میں امام، ادب میں امام، لغت میں امام، ان سب چیزوں میں مساوی درجہ امامت آپ کو حاصل تھا۔ اللہ کی قدرت کے مقابلے میں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ ایک

---

[1] یہ فقرہ کوئی نیا نہیں امام احمد سے بہت پہلے زبانوں پر یہ بات آچکی تھی۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:۔

لما دخل علی ابن ابی طالب الکوفة دخل علیه رجل من حکماء العرب فقال واللہ یا امیر المومنین لقد زنت الخلافة وما زانتك ورفعتها وما رفعتك وھی کانت اجوح الیك منك الیھا۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۲)

حضرت علیؑ جب تخت نشین خلافت ہو کر کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تو عرب کا ایک فلسفی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے امیر المومنین خدا کی قسم آپ نے خلافت کو چار چاند لگا دیے خلافت نے آپ کو کوئی زینت نہیں بخشی آپ نے خلافت کو سربلند کر دیا خلافت کی وجہ سے آپ کی کوئی عزت نہیں بڑھی خلافت آپ کی بہت زیادہ محتاج تھی آپ کو البتہ اس کی احتیاج نہ تھی۔ ۱۲

شخص میں سارے عالم کی صلاحیتیں ودیعت کردے۔(استاد محمد کامل حتہ مصری صفحہ ۴۵ فضائل امیر المومنین پر ایک نظر مولانا مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری صفحہ ۱۹)

مشہور عالم اہلسنت علامہ محمد مصطفیٰ بک نجیب مصری امیر المومنینؑ کی جامعیت صفات متضادہ اور محیر العقول شخصیت کے متعلق اپنی مشہور تصنیف ''حماۃ الاسلام میں لکھتے ہیں:

کہنے والا اس امام کے متعلق آخر کیا کہے، ثناوصفت بیان کرنے والا آپ کے کمال ثناوصفت کو بیان کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔رسول اللہ کا یہ ارشاد کہ آپ مدینہ علم کے در ہیں، آپ کے کمال فضل وشرف کے لیے کافی ہے، آپ ہی علوم میں سب سے اوّل، شجاعت میں سب سے اوّل، فصاحت وبلاغت میں سب سے اوّل، زہد وریاضت میں سب سے اوّل، بندگی وعبادت میں سب سے اوّل، تدبیر وسیاست میں سب سے اوّل، آپ کی صحت ویقین کی وجہ سے اپنی رائے وتدبیر پر قائم رہنے والے تھے، سب سے بہتر آپ کی فکر وتدبیر تھی، اگر خوف خدا اور پرہیز گاری کا خیال نہ ہوتا تو آپ عرب میں سب سے بڑے ڈپلومیٹ ہوتے، ہر قلب میں آپ کے لیے جگہ ہے اور ہر ایک آپ کو دوست رکھتا ہے، آپ حجاب عظمت میں ایسی بزرگیوں کے ساتھ جلوہ نما ہوئے کہ بہت سے لوگ آپ کے متعلق حیرانی میں مبتلا ہو گئے اور حدود عقل وشریعت سے نکل کر آپ کو معبود سمجھنے لگے، اہل ذمہ (یہود ونصاریٰ) آپ کو دوست رکھتے ہیں، فلاسفہ آپ کی عظمت وبزرگی کے سامنے سرنگوں ہیں شاہان روم اپنے محلوں اور عبادت گاہوں میں آپ کی تصویر بناتے تھے اور لشکر کے سردار آپ کے مبارک نام کو تلوار پر کندہ کراتے ہیں اور اس کو اپنے لیے خیر اور فتح ونصرت کا سبب سمجھے ہیں'' (حماۃ الاسلام جز واوّل طبع مصر صفحہ ۹۸ منہاج نہج البلاغہ فاضل ہنسوی صفحہ ۱۳)

یہ مختصر سا تبصرہ تھا علیؑ کی غیر معمولی شخصیت اور حیرت انگیز سیرت وکردار پر جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قدرت نے کتنا اہتمام صرف کیا تھا علیؑ کی تخلیق میں اور کتنی سعی بلیغ کی تھی پیغمبرؐ نے علیؑ کی تعلیم وتربیت میں تاکہ اپنے بعد دنیا والوں کے لیے اپنا نمونہ چھوڑ جائیں۔

چوتھا باب

آپ کا اسلام

امیر المومنینؑ کی جو حق تلفیاں کی گئیں اُن میں سواد اعظم کا یہ اختلاف بھی ہے کہ آپ کب مسلمان ہوئے۔ سب سے پہلے اسلام (۱) لائے یا اُسے پہلے بھی کوئی مسلمان ہو چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اسلام کے متعلق اس بحث کی گنجائش ہی نہیں نکلتی کیونکہ اولیت و بعدیت کا سوال تو اُن لوگوں کے متعلق ہو سکتا ہے جو پہلے کافر تھے بعد کو ایمان لائے لیکن آپ تو کبھی کافر تھے ہی نہیں، کبھی کسی بت کو پوجا نہیں۔ علماء محققین نے صراحت کی ہے واما علی ابن ابی طالب فلم یکن مشرکا باللہ ابدالانہ کان مع رسول اللہ فی کفالتہ کاحد اولادہ یتبعہ فی جمیع امورہ فلم یحتج ان یدعی الاسلام فیقال اسلم حضرت علیؑ تو کبھی کافر رہے ہی نہیں کیونکہ آپ شروع سے حضرت رسول خداؐ کی کفالت میں اس طرح رہے جس طرح خود حضرت کی اولاد رہتی کہ کل امور میں حضرت کی پیروی کرتے رہتے تھے اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کہ آپ کو اسلام کی طرف بلایا جائے جس کے بعد کہا جائے کہ آپ مسلمان ہوئے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۲۶۹)

(۱) اسلام میں امیر المومنینؑ کو جو حیثیت حاصل ہے اور تبلیغ اسلام میں جس طرح آپ کی ذات وابستہ و پیوستہ ہے پیغمبر سے اسے سوانح عمری کی پہلی جلد ”اعجاز الولی“ میں کافی شرح وبسط سے لکھا جا چکا ہے اس مطالعہ بے حد ضروری ہے یہاں ہم اولیت اسلام کے متعلق مختصراً کچھ عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ محدثین و مورخین اسلام نے اس مسئلہ کو بہت اہم کر دیا ہے کہ حضرت رسول خدا پر سب سے پہلے کون شخص ایمان لایا اور اولیت اسلام کا سہرا کس کے سر بندھا۔ حضرت خدیجہ حضرت ابوبکر حجرت امیر المومنینؑ اور زید بن حارثہ سے ہر شخص کی اولیت کے اقوال ملتے ہیں لہذا اس کا فیصلہ یا تو کتب احادیث سے کیا جا سکتا ہے یا کتب سیر و تواریخ سے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ تمام کتب احادیث کی سرتاج سمجھی جاتی ہیں اور کتب سیرۃ میں سیرت ابن ہشام، سیرۃ حلبیہ تاریخ خمیس، مواہب لدنیہ بہت مشہور اور معتبر ہیں۔ طبقات صحابہ میں استیعاب، اسد الغابہ، طبقات ابن سعد اور ریاض نضرہ بہت مقبول اور متداول ہیں اور اسلامی تاریخ میں تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ مروج الذہب تاریخ ابوالفدا سب سے زیادہ معروف اور مستند سمجھی جاتی ہیں۔ ان سب کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مورخین و محدثین کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ حضرت علیؑ ہی نے سب سے پہلے ایمان قبول فرمایا۔

صحاح ستہ: میں جامع ترمذی خاص اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے اس میں یہ روایتیں موجود ہیں:۔

عن انس بن مالک قال بعث النبی یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلاثا۔ (جامع ترمذی صفحہ ۴۹۲)

انس ابن مالک بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر خداؐ دوشنبہ کے دن مبعوث بہ رسالت ہوئے اور علیؑ نے منگل کے دن نماز پڑھی۔

عن ابن عباس قال اول من صلی علی۔ (جامع ترمذی صفحہ ۴۶۲)

عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے نماز پڑھی۔

عن زید بن ارقم قال اول من صلی مع رسول اللہ علی۔ (خصائص نسائی جو سنن نسائی ہی کا جزو ہے)

زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے ساتھ سب سے پہلے علیؑ نے نماز پڑھی۔

عن زید بن ارقم قال اول من اسلم علی۔ (جامع ترمذی صفحہ ۴۶۲)

زید بن ارقم کہتے ہیں: کہ سب سے پہلے علیؑ اسلام لائے۔

عن عباد عبداللہ قال صلیت قال علی انا عبداللہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کذاب صلیب قبل الناس بسبع سنین۔ (سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۲)

عباد بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کو ارشاد فرماتے سنا کہ میں خدا کا بندہ ہوں، اس کے رسول کا بھائی ہوں، میں ہی صدیق اکبر ہوں میرے بعد اس کا دعوی کذاب ہی کر سکتا ہے۔ میں نے لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی۔

کتب سیرۃ: سیرۃ ابن ہشام سب سے مقدم اور معتمد علیہ ہے جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ابن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی ۔۔۔۔۔اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کر کے مرتب کیا جو سیرۃ ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔۔۔۔ابن ہشام نہایت ثقہ اور نامور محدث ومورخ تھے۔ ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۷) اس علامہ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ پھر حضرت علیؑ نے ایمان قبول کیا حضرت کے بعد زید بن حارثہ اور ان کے بعد حضرت ابو بکر مسلمان ہوئے۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے متعلق لکھا ہے:۔

کان اولی ذکر من الناس امن بر سول اللہ وصلی وصدق بما جاء من اللہ تعالیٰ علی ابن ابی طالب۔ (سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ زادالمعاد جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

مردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؑ ابن ابی طالب آں حضرتؐ پر ایمان لائے اور حضرت کے ساتھ نماز پڑھی اور جو جو دعویٰ حضرت نے فرمایا تھا سب کی تصدیق کی۔

(۲) علامہ علی بن برہان الدین الحلبی تحریر کرتے ہیں:۔

خدیجہ اول خلق اللہ تعالیٰ اسلم باجماع المسلمین ثم علی ابن ابی طالب ومن ثم نقل عنہ انہ قال سبقتکموا الی الاسلام طراء صغیر اما بلغت اوان حلمی۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ مسلمان ہوئیں پھر حضرت علی ابن ابی طالب نے اسلام قبول کیا۔ اسی وجہ سے حضرت نے یہ شعر فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! میں تم سب لوگوں سے پہلے مسلمان ہوا اس وقت میں کم سن تھا حد بلوغ تک بھی نہیں پہنچا تھا۔

(۳) علامہ دیار بکری لکھتے ہیں:۔

ذکر اول من اسلم وفیہ اختلاف ۔۔۔۔ وسئل محمد بن کعب القرظی عن اول من اسلم علی او ابوبکر قال سبحان اللہ علی اولھما اسلاما وانما

اشتبه علی الناس لان علیا اخفی اسلامه وابوبکر اسلم واظهر اسلامه۔ (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۲۳)۔

ان لوگوں کا ذکر جو سب سے مسلمان ہوئے اور اس میں اختلاف ہے۔۔۔۔۔ محمد بن کعب قرظی سے لوگوں نے پوچھا کہ پہلے کون مسلمان ہوا حضرت علیؑ یا ابوبکر؟ انھوں نے کہا سبحان اللہ! حضرت علیؑ پہلے اسلام لائے مگر حضرت کا سب سے پہلے مسلمان ہونا لوگوں پر اس وجہ سے مشتبہ ہوا کہ آپ نے اپنا اسلام مخفی رکھا اور حضرت ابوبکر مسلمان ہوئے تو اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا۔

طبقات صحابہ: کی کتابوں میں (۱) علامہ ابن عبدالبر کی استیعاب ہے علامہ مذکور نے اس کتاب (مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد اول صفحہ ۳۴) میں حضرت ابوبکر کے اول اسلام لانے کی صرف تین روایتیں لکھی ہیں اور حضرت علیؑ کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی ۲۶ حدیثیں ذکر کی ہیں (جلد ۲ صفحہ ۴۷۰) اور ترجیح حضرت ہی کے پہلے اسلام لانے کو دی ہے۔

(۲) علامہ ابن اثیر جزری کتاب اسد الغابہ ہے اس میں حضرت ابوبکر کے سب سے پہلے اسلام لانے کی چھ روایتیں اور حضرت علیؑ کے سب سے اوّل اسلام قبول کرنے کی ۱۸ حدیثیں لکھی ہیں۔

(۳) علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابہ ہے اس میں ممدوح لکھتے ہیں:۔

علی ابن ابی طالب اول الناس اسلاما فی قول کثیر من اهل العلم۔ (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۶۹)

اکثر اہل علم کی تحقیق ہے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔

(۴) علامہ ابن سعد کی طبقات ہے جس کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "محمد بن سعد کاتب الواقدی نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے۔" انھیں علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے:۔

عن سلمان وابی ذر والمقداد وجناب وابی سعید الخدری وزید بن الارقم ان علی ابن ابی طالب اوّل من اسلم وفضله هولاء علی غیرہ۔

جناب سلمان وابوذر، مقداد، جناب ابوسعید خدری زید بن ارقم ایسے کبار صحابہ کا قول ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب سب سے پہلے اسلام لائے اور ان تمام حضرات نے حضرت علیؑ کو دوسرے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے اور سب سے افضل مانا ہے۔

(۵) علامہ محب طبری کی ریاض نضرہ ہے اس میں موصوف نے حضرت علیؑ کے سب سے پہلے اسلام لانے کی متعدد دلیلیں ذکر کی ہیں:۔

کتب تاریخ: (۱) مورخ کبیر طبری نے اپنی تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ سے صفحہ ۲۱۴ تک اگرچہ حضرت علیؑ کے اوّل اسلام لانے کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد وہ حدیثیں بھی لکھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر پہلے مسلمان ہوئے مگر آپ کے موافق صرف سات قول لکھے ہیں اور حضرت علیؑ کے حق میں پندرہ حضرات کے اقوال درج کیے ہیں۔

(۲) علامہ ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں حضرت ابوبکر کے پہلے مسلمان ہونے کی صرف چار روایتیں اور حضرت علیؑ کے سب سے پہلے مسلمان ہونے کی آٹھ حدیثیں درج کی ہیں۔

(۳) علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے:۔

وقد تنوزع فی علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه واسلامه فذهب کثیر من الناس الی انه لم یشرك بالله شیئا فلیستانف الاسلام بل کان تابعا للنبی فی جمیع افعاله مقتدیا به وبلغ وهو علی ذالك وان الله عصمه وسدده وفقه لتبعیته لنبیه علیه السلام۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۶۸ طبع مصر)

حضرت علیابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے اسلام کے بارے میں لوگوں نے خواہ مخواہ کا اختلاف کیا ہے اکثر لوگوں کا تو یہ قول ہے کہ حضرت نے کبھی شرک کیا ہی نہیں پھر وہ دنیا اسلام کیوں قبول کرتے (کیونکہ شروع ہی سے آپ ایمان پر تھے) اس لیے کہ آپ اپنے کل کاموں میں حضرت رسول خداؐ کے تابع اور پیرو تھے اور اسی حالت میں حد بلوغ تک پہنچے اور خدا نے آپ کو معصوم بنایا اور سیدھے راہ پر قائم رکھا اور آپ کو اس بات کی توفیق دی کہ برابر پیغمبر کی پیروی کرتے رہیں۔

(۴) علامہ ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں اس بحث کے متعلق لکھا ہے۔

لا خلاف فی ان خدیجه اول من اسلم واختلاف فی من اسلم بعدها فذکر صاحب السیرة وکثیر من اهل العلم ان اوّل الناس اسلام ما بعدها علی ابن ابی طالب وذکر صاحب سیرة ان الذی اسلم بعد علی زید بن حارثه مولی رسول الله اشتراة واعتقه ثم اسلم بعد زید ابوبکر الصدیق۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۱۶)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت خدیجہ پہلے اسلام لائیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ پھر کون مسلمان ہوا صاحب سیرۃ اور اکثر اہل علم نے ذکر کیا ہے ۔۔۔ کہ حضرت علیؑ کے بعد زید بن حارثہ مسلمان ہوئے جو حضرت رسول خداؐ کے غلام تھے اُن کو حضرت نے خرید کر آزاد کر دیا تھا پھر زید کے بعد ابوبکر صدیق مسلمان ہوئے۔

(۵) اور علامہ جلال الدین سیوطی نے حضرت علیؑ کے حالات میں لکھا ہے: هو اول خلیفة من بنی هاشم وابو السبطین اسلم قدیما بل قال ابن عباس وانس وزید بن ارقم وسلمان الفارسی وجماعة انه اوّل من اسلم ونقل بعضهم الاجماع علیه۔ (تاریخ الخلفا صفحہ ۱۱۳)۔۔

حضرت علیؑ خاندان بنی ہاشم سے پہلے خلیفہ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کے پدر بزرگوار ہیں بہت پہلے اسلام قبول کیا بلکہ جناب ابن عباس، انس، زید بن ارقم، سلمان فارسی اور ایک بڑی جماعت صحابہ نے کہا ہے کہ حضرت ہی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے (کہ حضرت علیؑ ہی سب سے پہلے مسلمان ہوئے)

علی علیہ السلام وخدیجہ: مذکورہ بالا شواہد کے بعد کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا کہ حضرت علیؑ اسلام لانے والوں میں سب پر مقدم تھے، اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ علیؑ و خدیجہ میں سب سے پہلے کون اسلام لایا اس مسئلہ پر خود امیر المومنینؑ کے کلام سے روشنی پڑتی ہے نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں آپ کا یہ جملہ بھی ہے اللهم انی اول من اناب وسمع واجاب لم یسبقنی الا رسول الله بالصلوة "خداوندا میں پہلا وہ ہوں جو تیری طرف متوجہ ہوا تیرا حکم سنا تیری آواز پر لبیک کہی سوا رسول اللہ کے نماز میں کسی نے مجھ پر سبقت نہ کی" لم یسبقی الا رسول الله بالصلوة رسول ﷺ کہ چھوڑ کر مجھ سے پہلے کسی نے نماز نہیں پڑھی بتاتا ہے آپ ہی خدیجہ سے پہلے اسلام لائے اور آپ ہی نے پہلے نماز پڑھی اگر خدیجہ پہلے اسلام لائیں ہوتیں اور آپ سے پہلے نماز

پڑھ چکی ہوتیں تو امیر المومنینؑ ایسا نہ فرماتے۔ ۱۲

اولیت اسلام کا ایک اور ثبوت: تاریخ وحدیث سے یہ حقیقت روشن ہے کہ پیغمبر جس دن مبعوث بہ رسالت ہوئے اسی دن سے نماز کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا۔ پیغمبر پر جب بھی وحی نازل ہوئی اور جبریل امین پہلی سورہ اقرا باسم ربك الذی خلق الایہ لے کر نازل ہوئے اُسی وقت آپ کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا بتایا گیا۔ عبادت وذکر الٰہی تو پیغمبر پہلے سے کرتے آرہے تھے وہ جس صورت سے بھی رہی ہو مگر نماز کی اسلامی ترکیب اسی روز ہی سے مقرر ہوئی اور پیغمبرؐ کے ساتھ شروع شروع نماز والے یا علیؑ تھے یا خدیجہؑ تھیں اولیت اسلام کے متعلق اختلاف کرنے والوں نے یہ اختلاف تو کر دیا کہ حضرت ابوبکر پہلے مسلمان ہوئے۔ یا علیؑ مگر ابتدا کی نمازوں میں حضرت ابوبکر کا کہیں پتہ نہیں ملتا، کبار صحابہ پیغمبرؐ جن کے اقوال اور روایات کردہ احادیث جمہور کے مسلک کی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اُن کے صریحی اقوال ہیں کہ سب سے پہلے پیغمبرؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والے علیؑ تھے۔ انس بن مالک کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ دوشنبہ کے دن مبعوث بہ رسالت ہوئے، علیؑ نے منگل کے دن نماز پڑھی۔ (صحیح ترمذی صفحہ ۴۶۲) عبداللہ بن عباس جنھیں حبر الامت کہا جاتا ہے اُن کا بیان ہے کہ **اول من صلی علی** سب سے پہلے علیؑ نے نماز پڑھی۔ (جامع ترمذی صفحہ ۴۶۲) یہی عبداللہ بن عباس یہ بھی کہتے تھے کہ علیؑ میں چار باتیں ایسی تھیں جو آپ کے سوا کسی میں نہ تھیں آپ ہر عربی و عجمی سے پہلے آں حضرتؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے تمام لڑائیوں میں جو آں حضرتؐ کے زمانے میں ہوئیں، آں حضرت کا علم آپ کے ہاتھ میں رہا اور آپ نے سختی کے دن پیغمبرؐ کے ساتھ اپنی جان سے صبر کیا اور آپ ہی نے آں حضرتؐ کو غسل دیا اور قبر میں اُتارا۔

امام نسائی خصائص میں زید بن ارقم صحابی پیغمبرؐ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے علیؑ نے نماز پڑھی (خصائص صفحہ ۲ و ۳) ابن اثیر عفیف کندی کی مسلم الثبوت حدیث شہرہ آفاق حیثیت رکھتی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ "میں زمانہ جاہلیت میں مکہ آیا میرے آنے کا مقصد یہ تھا کہ اپنے عیال کے لیے لباس وعطر وغیرہ خریدوں میں جناب عباس بن عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ایک تجارت پیشہ انسان تھے میں اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور میری نگاہ خانہ کعبہ کی طرف تھی اور زوال آفتاب کا وقت تھا کہ اتنے میں نوجوان آیا اُس نے نگاہ اُٹھا کر آسمان کو دیکھا پھر کعبہ کا رخ کر کے کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ ایک لڑکا آیا اور وہ اس جوان کے داہنے ہاتھ کھڑا ہو گیا پھر تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ ایک خاتون آئیں اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئیں پھر اس نوجوان نے رکوع کیا اس کے رکوع کے ساتھ اس لڑکے اور اس خاتون نے بھی رکوع کیا۔ پھر اس نوجوان نے سر اُٹھایا اور اس کی متابعت میں لڑکے اور خاتون نے بھی سر اُٹھایا پھر اس نوجوان نے سجدہ کیا اور اس کے ساتھ اس لڑکے اور خاتون نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے یہ منظر دیکھ کر عباس سے کہا یہ تو بہت بڑی بات میں دیکھ رہا ہوں۔ عباس نے کہا ہاں، بہت بڑی بات ہے تم جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ کہا یہ محمد بن عبداللہ ہیں میرے بھائی کے بیٹے۔ جانتے ہو یہ لڑکا کون ہے؟ یہ علیؑ ہے میرا بھتیجا۔ اس خاتون کو جانتے ہو۔ یہ خدیجہ بنت خویلد ہیں میرے بھتیجے محمدؐ کی بیوی یہ میرا بھتیجا کہتا ہے کہ میرے پروردگار۔ پروردگار آسمان وزمین نے مجھے اس دین کے پھیلانے کا حکم دیا ہے جس پر وہ ہے اور خدا کی قسم تمام روئے زمین پر ان تین کے علاوہ اس دین پر کوئی نہیں۔ (خصائص نسائی صفحہ ۳) جریر طبری نے ان الفاظ کو اور زیادہ روایت کیا ہے کہ جب عفیف مسلمان ہو گئے اور اسلام اُن کے دل میں خوب راسخ ہو گیا تو وہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں اُن تین شخصوں کے ساتھ چوتھا ہوتا۔" امام احمد بن حنبل نے مسند جلد ا صفحہ ۲۰۹ پر حدیث درج کرنے کے بعد عفیف کی زبان سے یہ الفاظ اور زیادہ کہے ہیں کہ اگر اس روز خدائے تعالیٰ مجھے اسلام نصیب کرتا تو میں علیؑ سے دوسرے نمبر پر ہوتا خود پیغمبر کا ارشاد ہم اوپر لکھ چکے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ ملائکہ میرے اور علیؑ کے لیے سات برس تک دعا مانگا کئے اور وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں سوا میرے اور علیؑ کے کسی نے نماز نہیں پڑھی اور نہ بے سبب ملائکہ اپنی دعاؤں سے محروم کیے ہوتے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح پیغمبر کبھی کافر نہیں تھے حضرت علیؑ بھی نہیں رہے اور جس طرح حضرت رسولخداؐ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ مسلمان ہوئے اُسی طرح حضرت کے بارے میں بھی یہ نہیں کہنا چاہیے کہ مسلمان ہوئے زمانۂ شیرخواری سے آپ پیغمبرؐ کی تربیت میں رہے آپ ہی کی گود میں پلے بڑھے، آپ کے لیے بمنزلہ فرزند کے تھے پیغمبر نے ایک لمحہ کے لیے اپنے سے جدا نہیں کیا، رفتار، گفتار، سیرت، کردار زندگی کے ہر شعبہ ہر پہلو پر پیغمبر اسلام کا عکس تھا ظاہر ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی سے آپ کے عقائد وخیالات بعینہ وہی ہونے چاہئیں جو خود پیغمبر اسلام کے عقائد وخیالات تھے۔ محمد بن کعب قرظی سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا، حضرت علیؑ یا حضرت ابوبکر، انھوں نے کہا سبحان اللہ، حضرت علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے۔ لوگوں کو شبہ صف اس سبب سے ہوا کہ حضرت علیؑ نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۲۳)

یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ آپ اسلام کے سوا کبھی کسی دین پر تھے ہی نہیں اس وجہ سے ظاہر ہی نہیں کیا کہ میں بھی مسلمان ہوا۔ جو لوگ پہلے سے مسلمان نہیں تھے اُنھیں البتہ یہ کہنے کی ضرورت تھی کہ میں مسلمان ہو گیا لیکن جو اسلام پر پیدا ہوا وہ یہ بات کیسے کہتا، یہی وجہ تھی جو پیغمبرؐ فرماتے تھے کہ فرشتے میرے اور علیؑ کے لیے سات برس تک دعا مانگا کیے اور وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں سوا میرے اور علیؑ کے کسی نے نماز نہیں پڑھی۔ (اسد الغابہ جلد ۸ صفحہ ۱۴ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴)

پانچواں باب

دعوت عشیرہ

اعلان نبوت کے ساتھ آپ کی وصایت وخلافت کا اعلان

پیغمبر اسلام مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد تین برس تک مخفی طور اپنی رسالت کی تبلیغ فرماتے رہے ہدایت کا آغاز ہو چکا تھا مگر بہت ہی رازدارانہ طریقے پر خاص لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی جاتی تھی علیؑ کا چودھواں ۱۴ سال تھا بچپن کی آغوش سے نکل کر جوانی کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اسلام کا اعلان عام ہو اور کُھل کر تبلیغ رسالت کی جائے قدرت کا حکم ہوا فاصدع بما تومر اے رسول آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے برملا کہیے اور آیت نازل ہوئی وانذر عشیرتك الا قربین سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے ابتدا کیجیے۔ آں حضرتؐ نے اس حکم کے موافق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان والوں کو پکارا۔ یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ”اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ہاں! کیونکہ تم کو ہمیشہ ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ سُن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا موقع تھا تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا، حمزہ، ابوطالب، عباس، سب شریک تھے، آں حضرتؐ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا:۔

انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم۔

جانتا جو اپنی قوم کے پاس وہ امر لایا ہو جو میرے لائے ہوئے (دین اسلام) سے جو میں تمہارے پاس لایا ہوں افضل ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو اس دین کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ وہ میرا بھائی میرا وصی (قائم مقام) اور خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔

آں حضرتؐ کی اس تقریر کا کسی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا دفعتہً حضرت علیؑ نے اُٹھ کر کہا یا رسول اللہ گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ یا رسول اللہ میں آپ کا وزیر ہوں گا جو حکم آپ کریں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ آپ کی مدد کروں گا۔ آپ کے دشمنوں کی آنکھیں نکال ڈالوں گا اور پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں قبول کریں۔ تین مرتبہ حضرتؐ نے اس مضمون کا اعادہ کیا مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور علیؑ اسی طرح کلمات اطاعت و فرمانبرداری دُہراتے رہے۔ آخری مرتبہ آپ نے حضرت علیؑ کو اپنے پاس بُلایا، بیعت لی، ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا دیکھو میرے بھائی، میرے وصی، میرے وزیر، میرے خلیفہ کو سب اس کی بات کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا۔

''قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک تیرہ سال کا نوجوان ہے دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔''

''ابتدائے رسالت میں جب کہ ظاہر بیں نظروں میں مستقل بے یقینی تھا اور حکومت و سلطنت کی کوئی اُمید نہیں تھی پیغمبرؐ کا دعوائے نبوت اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنا جانشین مقرر کرنا، ایک پیشین گوئی تھی جس کی کامیابی نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی، علاوہ اس کے ہر ایک عہدہ اپنے ساتھ ذمہ داریاں بھی لاتا ہے اور دونوں کے لیے یہ ذمہ داریاں محل امتحان ہوتی ہیں عہدہ دار کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی کہ جو اس کو منتخب کرتا ہے اول الذکر کی لیاقت و قابلیت زیر امتحان ہوتی ہے اور موخر الذکر کی نظر انتخاب جناب رسول اکرمؐ نے علیؑ کو اس وقت خلیفہ مقرر کر کے کہ جب علیؑ صرف ۱۴ برس کے بچے تھے اور ابھی آپ کی قابلیت و شجاعت و ریاضت و عبادت و صبر و زہد و علم کے امتحان کا موقع ہی نہ آیا تھا اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل پیش کی تھی کہ اگر اس بچے نے اپنے تئیں اس عظیم الشان عہدہ کا اہل ثابت کر دیا پھر تو تم جاؤ گے کہ میرا ہر فعل و قول خالق و بینا و علیم و سمیع کے حکم کے مطابق ہوتا ہے ورنہ زیرک اور ذرو میں انسان کو بھی کس طرح معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ چودہ برس کا بچہ ہر ایک جنھ عظیم

---

[۱] اس وقعہ کے تمام مورخین و محدثین اور مفسرین نے کم و بیش انھیں الفاظ میں لکھا ہے۔ مفسرین نے آیہ وانذر عشیرتك الاقربین کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے تفسیر طبری جلد ۱۹ صفحہ ۶۸ تفسیر عالم التنزیل صفحہ ۶۶۳ تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر ابن حاتم وغیرہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح مرقوم ہے۔

کتب حدیث سے مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، خصائص نسائی۔ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۳۳، مختار وضیاء مقدسی ازالۃ الخفا مقصد ۳ صفحہ ۲۵۲، ریاض نضرہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۸ و صفحہ ۲۰۳ اور احادیث کے بڑے ذخیرہ کتاب کنز العمال (حیدر آبادی دکن) میں اس کی متعدد روایتیں درج ہیں۔

کتب تاریخ میں طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ صفحہ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲، تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، تاریخ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صفحہ ۱۶ البدایہ والنہایہ فی التاریخ ابن کثیر شامی جلد ۳ صفحہ ۴۰، یوپین مورخین کی تاریخ گبن جلد ۳ صفحہ ۴۹۹، تاریخ اوکلی صفحہ ۱۵، تاریخ مسٹر کارلائل صفحہ ۶۱ تاریخ ایرونک صفحہ ۳۷ تاریخ گلمن صفحہ ۸۳، تاریخ ڈیون پورٹ صفحہ ۱۵ وغیرہ میں موجود ہے۔

میں سب سے آگے ہوگا سن رسیدہ اور تجربہ کار اصحاب کرام تو قریش کے ساتھ لگے ہوئے محفوظ مقام میں ہوں گے اور یہ بچہ جنگ بدر کے گھمسان میں لڑتا ہوا نظر آئے گا اور تو سب میدان اُحد میں جناب رسول خداؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے لیکن یہ بچہ ثابت قدم رہے گا اور اپنی جان پر کھیل کے رسول خداؐ کو بچائے گا اس وقت کس کی دور بینی بتا سکتی تھی کہ یہ لڑکا جس جنگ میں جائے گا بغیر فتح کے واپس نہ آئے گا۔۔۔۔آنے والے واقعات نے بہت اچھی طرح واضح کر دیا کہ یہ انتخاب صرف رسول خدا کا انتخاب نہ تھا بلکہ اس ذات علیم الغیب کا انتخاب تھا جس کی نظر کے آگے مستقبل بھی حال ہے ان وجوہ کو زیر نظر رکھتے ہوئے آپ نے وہ عاقلانہ اختیار کیا جس سے بہتر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔سب سے پہلے امر رسالت کی تبلیغ خاندان بنی ہاشم سے بفحوائے **وانذر عشیرتك الاقربین** شروع ہوئی اور اسی وقت صراحت سے رسالت کے ساتھ ساتھ خلافت کا بھی اعلان فرمادیا کہ دیکھو میں نبی ہوں اور یہ علی میرا جانشین ہوگا اور وہ بھی اس طرح کہ لوگوں کا جائے اعتراض نہ باقی رہے اول تو انھیں صدائے عام دی کہ ہے کوئی جو اس امر رسالت میں میرا ہاتھ بٹائے؟ تین بار یہ صدائے عام جاری ہوئی اور تینوں دفعہ سوائے علیؑ کے کسی اور کو لبیک کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔اس پر آپ نے اعلان فرمایا کہ یہ علی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے اور میرے ساتھ کام میں شریک ہے۔یہ شروع زمانہ رسالت تھا لیکن آخر تک آپ نے اس اعلان کو برابر جاری رکھا۔کبھی صراحت سے کبھی کنایہ سے۔" (البلاغ المبین آغا محمد سلطان مرزا دہلوی جلد اول صفحہ ۲۸۲)

رسولؐ کی محبت وشفقت اور علی علیہ السلام کی فداکاری

پیغمبرؐ کی الفت ومحبت ابتدا ہی سے جو علی کے ساتھ رہی اُسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں علیؑ پیغمبرؐ کی آغوش میں پلے بڑھے۔آپ ہی نے تعلیم بھی دی اور تربیت بھی، ہر وقت کا ساتھ یوں بھی اُنس واتحاد کا موجب ہوتا ہے چہ جائیکہ فرزند کی طرح کنار عاطفت میں پرورش پانا۔کون اندازہ کرسکتا ہے کہ کتنا چاہتے تھے پیغمبرؐ علیؑ کو۔عباس عم پیغمبرؐ فرماتے ہیں **انه کان احب علیه من بنیه جمیعا وارأف مارا نیاه زایله یوما من الدهر منذ کان طفلا** (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد سوم صفحہ ۲۵۱ طبع مصر) رسول اللہؐ اولاد سے بھی علیؑ کو زیادہ چاہتے تھے طفولیت کے زمانے سے آپ کی فریفتگی کا یہ عالم تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں فرماتے جب تک آپ کو دیکھ نہ لیتے پریشان رہتے اور جب آپ کو آتے ہوئے دیکھتے تو فرطِ مسرت سے باغ باغ ہوجاتے۔ایک مرتبہ کسی کام سے علیؑ کو بھیجا، آنے میں دیر ہوگئی، آپ بے چین ہوگئے بارگاہ الٰہی میں عرض کی **اللھم لا تمتنی حتی تریني علیا** خداوندا مجھے اُس وقت تک موت نہ دینا جب تک علیؑ کو صحیح وسالم نہ دکھادے۔(جامع ترمذی صفحہ ۴۶۲) پیغمبرؐ کی خدمت میں جو قرب ومنزلت حاصل تھی اس کے متعلق خود

حضرت علیؑ فرماتے تھے کانت لی منزلۃ من رسول اللہ لم تکن کاحد من الخلائق مجھے پیغمبرؐ سے وہ منزلت وتقرب خاص حاصل تھا جو تمام خلائق میں کسی کو بھی حاصل نہیں تھا۔ (سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ خصائص نسائی صفحہ ۲۱ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۸۵ وصفحہ ۱۰۳) پیغمبرؐ جب غضبناک ہوتے تو کسی کی مجال نہ پڑتی کہ حضرتؐ کو مخاطب کر سکے اعزاء قرباء ازواج اصحاب سبھی تھے مگر کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ آپ کو مخاطب کر کے کچھ عرض کر سکے۔ علیؑ ڈھونڈھے جاتے، انھیں وسیلہ بنایا جاتا، علیؑ پیغمبرؐ کے پاس جاتے اور آں حضرتؐ کا غیظ وغضب فرطِ مسرت سے بدل جاتا۔

اور علیؑ تو پیدا ہی ہوئے تھے قدم قدم پر رسولؐ پر جان چھڑکنے کے لیے، اعلان رسالت کے بعد جب پیغمبرؐ نے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور قریش خون کے پیاسے ہو گئے تو ابتداء جناب ابوطالب کے لحاظ سے اُن کی یہ ہمت تو نہ ہوئی کہ پیغمبرؐ کی براہ راست مزاحمت کرتے انھوں نے اپنے لڑکوں کو پیغمبرؐ کی ایذا رسانی پر آمادہ کیا۔ آں حضرتؐ جب باہر نکلتے تو لڑکے پتھر مارتے، مٹی پھینکتے، ابوطالب بچوں سے کیا بولتے اس موقع پر علیؑ ہی تھے جو پیغمبرؐ کو لڑکوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھتے۔ اگر ابوطالب سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے بچوں سے نہیں بول سکتے تو علیؑ بھی بچے ہی تھے اور وہ بچپن میں بھی اسی طرح بہادر تھے جس طرح جوانی میں بہادر تھے۔ امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ جنگ اُحد میں حضرت علیؑ طلحہ بن ابی طلحہ سے نبرد آزما ہوتے اور طلحہ نے پوچھا صاحبزادے تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں علیؑ ہوں ابوطالب کا فرزند تو طلحہ نے کہا اے قضیم میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ سوا تمھارے میرے مقابل آنے کی کسی کو جسارت نہ ہوگی۔ حضور! یہ قضیم کے کیا معنی؟ امام نے فرمایا کہ "پیغمبر خدا جب مکہ میں تھے تو ابتدائے زمانہ تبلیغ میں ابوطالب کے ڈر سے کسی کو آپ سے تعرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی انھوں نے لڑکوں کو اُبھارا اور جب پیغمبرؐ راہ چلتے وہ لڑکے آپ پر پتھر پھینکتے، مٹی ڈالتے تھے، دوسرے دن علیؑ نے پیغمبر کو ساتھ لیا لڑکوں نے کل کی طرح پھر وہی حرکتیں کیں، علیؑ اُن پر ٹوٹ پڑے اُن کے چہرے ناک، کان توڑ ڈالے۔ لڑکے اپنے گھر روتے ہوئے پلٹے اور جا کر اپنے والدین سے شکایت کی قضمنا علی علیؑ نے ہمیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اسی وجہ سے آپ کا نام بچپن ہی میں قضیم بھی پڑ گیا تھا۔" (اعیان الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۰ طبع ثانی)

جب پیغمبر تبلیغ اسلام کرتے کچھ دن گزر گئے اور قریش کے لیے اب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو ابوطالب کا رہا سہا لحاظ بھی جاتا رہا، تدبیر سوچی گئی کہ "آں حضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے قرابت نہ کرے گا نہ اُن کے ہاتھ خرید وفروخت کرے گا نہ اُن سے ملے گا نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں۔ ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنی ہاشم

کے ساتھ پہاڑ کے درّہ میں جو خاندان بنی ہاشم کا موروثی تھا پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس قید و بند کی زندگی بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ بچّے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے۔'' ابو طالب پر ان تمام مصیبتوں سے زیادہ حضرتؐ کی فکر تھی۔ ہر لحہ خطرہ لاحق رہتا کہ کوئی پیغمبرؐ پر حملہ نہ کردے خصوصاً رات کی تاریکیوں میں اس کا کافی موقع تھا رات کو پیغمبرؐ جب سو جاتے تو اس ڈر سے کہ کہیں دشمنوں نے ان کی جگہ نہ پہچان لی ہو کسی وقت موقع پا کے قتل نہ کردیں، پیغمبرؐ کو سوتے سے جگا کر دوسری جگہ سُلا دیتے اور پیغمبرؐ کی جگہ پر اپنے بیٹوں میں سے کسی کو سلاتے کہ اگر حملہ ہو بھی تو میری اولاد قتل ہو جائے اور پیغمبرؐ پر آنچ نہ آئے یہ شرف زیادہ تر علیؑ ہی کے حصے میں آتا۔ پیغمبرؐ کی جگہ پر علیؑ ہی سلائے جاتے (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)۔ طالب و عقیل و جعفر انھیں بھی یہ سعادتیں نصیب ہوتی تھیں مگر علیؑ کی بات ہی اور تھی۔ جذبۂ جاں نثاری سب میں تھا مگر علیؑ جیسا نہیں اور نہ وہ مواقع کسی اور کو نصیب ہوئے جو علیؑ کو ہاتھ آئے۔

جناب ابوطالب کا انتقال

پیغمبرؐ کی بعثت کے دسویں سال حضرت علیؑ کے والد ماجد جناب ابو طالب نے انتقال فرمایا۔ پیغمبرؐ اُن کے انتقال سے بیحد اندوہگین ہوئے اتنا صدمہ ہوا کہ آپ نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا۔ علامہ سید فخار بن معد موسوی جو ساتویں صدی ہجری کے عالم ہیں اپنی کتاب متعلق بہ اسلام ابی طالب میں روایت کرتے ہیں کہ جب جناب ابو طالب کا انتقال ہوا۔ حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ کی خدمت میں آکر اطلاع کی۔ آپ تڑپ اُٹھے، بکمال درجہ آپ کو صدمہ پہنچا۔ آپ نے علیؑ سے کہا جاؤ اور اپنے سامنے غسل و کفن دلواؤ جب جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے خبر کرنا۔ حضرت علیؑ نے بعد غسل و کفن اطلاع دی۔ آپ جنازہ پر پہنچے اور فرمایا چچا جان!'' آپ نے بڑی عمدگی سے صلۂ رحم فرمایا خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے میرے بچپن میں مجھے اپنی اولاد کی طرح پالا اور میری پختہ سالی میں میری مدد فرمائے میری پشت پناہ ہوئے'' پھر آپ جنازہ کے ساتھ ساتھ قبر تک آئے اور قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا قسم بخدا میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا اور درجات رفیعہ کے لیے ایسی شفاعت کروں گا جس پر زمین و آسمان والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔''

جناب ابو طالب نے انتقال سے پیشتر اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو بُلا کر پیغمبرؐ کی نصرت و حمایت کی وصیت کی حضرت علیؑ خصوصی مخاطب تھے۔ باپ اولاد کے مستقبل کا بہترین قیافہ شناس ہوتا ہے ابو طالب علیؑ کی شجاعت و مردانگی جاں نثاری پیغمبرؐ کا پہلے ہی سے اندازہ کیے ہوئے تھے، دل جانتا تھا کہ آگے چل کر میرا یہی کمسن فرزند پیغمبرؐ کا سب سے بڑا حامی و مددگار ہوگا اور

آنے والے زمانہ نے بتادیا کہ جناب ابوطالب کی قیافہ شناسی وفراست نے ذرّہ برابر خطا نہیں کی۔ (اعیان الشیعہ جلد ۳ طبع ثانی صفحہ ۲۹۳)

شبِ ہجرت

پیغمبرؐ کی بعثت کو ۱۳ سال گزر چکے تھے شمع نبوت کے گرد پروانوں کا ہجوم رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا تھا، کفار قریش نے اگر چہ اعلان نبوت کے دن اپنی بیزاری وناپسندگی کا اظہار کر دیا تھا اور اسی دن سے اُن کی مخالفت ومزاحمت کا آغاز بھی ہو گیا تھا پھر بھی ابوطالب ابھی زندہ تھے اُن کی وجاہت کی وجہ سے کفار قریش کوئی سخت قدم اُٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے مگر اب ابوطالب سے دنیا خالی تھی پیغمبرؐ بے سہارا تھے ادھر ایک طرف مکہ کے مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی ادھر دوسری طرف پیغمبرؐ کی آواز مکہ سے نکل کر مدینہ والوں کے دلوں کو مسخر کرنے لگی تھی۔ ابتدا یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ موسم عمرہ رجب سنہ ۱۱ بعثت میں پیغمبرؐ نے عقبہ منیٰ میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، حاضرین مدینہ کے لوگ بھی تھے، مدینہ کے چھ خزرجی آپ کے وعظ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے انھوں نے مدینہ پہنچ کر اپنے عزیز واقارب کو اسلام سے روشناس کیا۔ دوسرے سال انھیں چھ خزرجیوں میں سے پانچ افراد سات دوسرے مدینہ والوں کو ساتھ لے کر موسم حج میں مکہ آئے وہ سات بھی اسی عقبہ پر مسلمان ہو گئے۔ سنہ ۱۳ بعثت میں ایک دم سے ۷۳ مرد اور عورتوں نے حضرت کے ہاتھ پر آکر بیعت کی اور حضرت سے مدینہ چلنے کی درخواست کی مدینہ میں اسلام کی بنیاد پڑ چکی تھی اور یہ بنیاد روز بروز مستحکم ہوتی جاتی تھی۔ آں حضرتؐ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ مکہ سے ترک سکونت کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے اور مکہ میں صرف پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ اور ابوبکر رہ گئے۔ کفار قریش آغاز بعثت سے پیغمبرؐ کے خون کے پیاسے تھے ہی مدینہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور اس کی طرف مسلمانوں کی ہجرت دیکھ کر ڈرے کہ اب تک تو مکہ کے مسلمان ہمارے رحم وکرم پر تھے اب یہ مدینہ پہنچ چکے ہیں وہاں اہل مدینہ بھی ان کے ساتھ ہوں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب مل کر ہم پر حملہ کر دیں۔ اس لیے قریش کے تمام سر برآوردہ شخصیتوں نے مل کر تدبیر کی کہ پیغمبرؐ پر بھر پور، فیصلہ کن وار کیا جائے کہ اسلام کا قصہ ہی پاک ہو جائے، اس کے لیے دارالندوہ میں اجلاس عام کیا گیا۔ ہر قبیلہ کے روساء شریک ہوئے مختلف تجویزیں زیر بحث آئیں۔ ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص منتخب کیا جائے اور یہ منتخب لوگ ایک ساتھ مل کر آں حضرتؐ کا خاتمہ کر دیں اس صورت میں اُن کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا، ہر قبیلہ شریک قتل ہوگا، بنی ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

اس اخیر رائے پر اتفاق عام ہو گیا اور جھٹ پٹے سے آکر انھوں نے پیغمبرؐ کا گھر گھیر لیا، اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آں حضرتؐ گھر سے نکلیں تو یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ رسول اللہؐ سے قریش کو اس

درجہ عداوت تھی کہ جان لینے پر تیار تھے تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تو آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا اس وقت بھی جب دارالندوہ میں یہ متفقہ تجویز منظور کی گئی تھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں، پیغمبرؐ کو اُن کی سازشوں کا علم ہوگیا آپ نے حضرت علیؑ کو بُلایا قریش کی تیاریوں سے انھیں آگاہ کیا اور فرمایا کہ خداوند عالم نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ میں آج رات مکہ سے ہجرت کر جاؤں اور تمھیں اپنے بستر پر سُلا جاؤں کہ تمہارے سونے سے قریش کو میری روانگی کا وہم وگمان بھی نہ ہوسکے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا یا رسول اللہؐ میرے سونے سے آپ بچ جائیں گے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں۔ اس پر علیؑ خوش ہوئے فرط مسرت سے ہنس پڑے اور پیغمبرؐ کے صحیح وسالم رہنے کی بشارت سُن کر سجدہ میں گر پڑے۔ اسلام میں یہ پہلا سجدۂ شکر تھا۔ سجدے سے سر اُٹھا کر علیؑ نے کہا یا رسول اللہؐ میری جان آپ پر فدا ہو، آپ کو جیسا حکم دیا گیا ہے آپ روانہ ہوجایئے میں تابع فرمان ہوں جیسا آپ حکم دیں! آں حضرتؐ نے فرمایا تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو دیکھو خداوند عالم اپنے دوستوں کا ان کے ایمان ومنزلت کے لحاظ سے امتحان لیتا ہے۔ سخت ترین آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر اوصیاء کی اس کے بعد درجہ بدرجہ مومنین کی اور اے علی آج کے دن خداوند عالم کو میرا امتحان تمہارے بارے میں اور تمہارا امتحان میرے متعلق ایسا ہی لینا مقصود ہے جیسا کہ اس نے اپنے خلیل وذبیح ابراہیم واسماعیل کا لیا تھا لہٰذا صبر ہاتھ سے جانے نہ پائے کہ خدا نیکوکاروں ہی سے قریب ہے۔ پھر پیغمبرؐ نے علیؑ کو سینے سے لگا لیا دونوں کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں پیغمبرؐ علیؑ کی محبت میں آبدیدہ تھے اور علیؑ پیغمبرؐ کی جدائی کے صدمہ سے اشکبار تھے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ''پیغمبرؐ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو علیؑ ابی طالب کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے تاکہ آپ کے قرضوں کو ادا کر دیں اور جن لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ امانتیں واپس کر دیں۔ جس شب میں آپ روانہ ہوئے مشرکین گھر کا احاطہ کیے ہوئے تھے آپ نے علیؑ کو حکم دیا کہ میرے بستر پر میری حضری چادر اوڑھ کر سو رہو، خدا چاہے گا تو تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔ علیؑ بستر پیغمبرؐ پر لیٹ رہے، خداوند عالم نے جبریل ومیکائیل پر وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ قرار دی ہے تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی فاضل مدت حیات دوسرے کو دے دے۔ دونوں نے اپنی زندگی عزیز کی اور ایثار پر کوئی تیار نہ ہوا اُس وقت خداوند عالم نے دونوں پر وحی فرمائی کہ تم دونوں علیؑ جیسے کیوں نہ ہوئے دیکھو میں نے علی اور اپنے نبی کے درمیان بھی بھائی چارہ کیا ہے دونوں کو بھائی بھائی بنایا علی آج محمد کے بستر پر سو کر محمد پر اپنی جان نثار کر رہے ہیں اور اُن کی زندگی کو اپنی زندگی پر مقدم سمجھ رہے ہیں۔ تم دونوں فوراً زمین پر جاؤ اور علیؑ کو اُن کے دشمنوں سے بچاؤ۔ دونوں فرشتے اُترے جبریل سرہانے اور میکائیل پائینتی اور جبریل پکار کر کہہ رہے

تجھے مبارک ہو مبارک ہو آپ کو، کون آپ کے مثل ہوسکتا ہے؟ اے نور چشم ابوطالب خداوند عالم آپ کے ذریعہ ملائکہ پر فخرو مباہات کررہا ہے۔اس موقع پر خداوند عالم نے پیغمبرؐ پر جب کہ آپ مدینہ کی طرف جارہے تھے یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل فرمائی ''لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵) امام غزالی تحریر فرماتے ہیں ''علیؑ بستر رسول پر رات کو سورہے اس وقت خداوند عالم نے جبریل ومیکائیل پر وحی فرمائی کہ میں تم نے دونوں کو بھائی بھائی بنایا اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے کی عمر سے زیادہ کی ہے تم میں کون ایسا ہے جو اپنی فاضل زندگی اپنے بھائی کو دے دے۔ دونوں کو زندگی پیاری ہوئی اُس وقت خداوند عالم نے دونوں پر پروحی فرمائی کہ تم دونوں کیوں نہ ہوگئے علی بن ابی طالب جیسے کہ میں نے اسے محمد کا بھائی بنایا اور وہ محمد کے بستر پر سوکر اپنی جان فدا کررہا ہے اور اس کی زندگی کو اپنی پر ترجیح دے رہا ہے۔تم دونوں ابھی زمین پر جاؤ اور علی کو دشمنوں سے بچاؤ چنانچہ دونوں علی کے پاس آئے جبریل سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیل پائینتی اور جبریل کہتے جاتے تھے مبارک ہو مبارک ہو کون تمہارے مثل ہوسکتا ہے اے فرزند ابوطالب خداوند عالم تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر ومباہات کررہا ہے۔اسی موقع پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی **ومن الناس من یشری** الخ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں۔'' (احیاء العلوم امام غزالی باب الایثار)

جناب امیرؑ کی زندگی میں یقیناً یہ سب سے پہلا واقعہ ہے کہ جو وعدہ آپ نے بنی ہاشم کے مجمع میں آں حضرتؐ کی امداد اطاعت کا کیا اس کو سچ کردکھایا۔آں حضرتؐ کی سلامتی ذات کے لیے اپنی جان تک قربان کرنا قبول کیا اس سے بڑھ کر اور کیا محبت ہوگی۔اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو قوت وشجاعت وشہامت وثبات نفس کے ساتھ مخصوص نہ فرمایا ہوتا تو یقیناً آپ باوجود ارشاد آں حضرتؐ ایسے ہولناک موقع پر مضطرب ہوجاتے اگرچہ مخبر صادق کے ارشاد کے موافق آپ کفار کی ایذا رسانی سے بے خطر تھے نفوس بشری مواقع پر مضطرب ہوجایا ہی کرتے ہیں (۱) حضرت موسیٰ کو باوجود درجہ نبوت اور ارشاد باری خوف آگیا تھا۔جناب امیرؑ کو اضطراب بھی نہ ہوا۔ایسی خوفناک حالت میں تنہا دشمنوں کی جماعت میں جو قتل کے درپے، دین کے سخت تھے سونے کے لیے آں حضرت کا بایں الفاظ حکم دینا کہ ہرگز تم کو کوئی امر مکروہ پیش نہ آئے گا بہ تقاضائے نفس بشری لائق اضطرار واضطراب ضرور تھا مگر اضطرار واضطراب نہ ہونے سے یہ امر پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوہر شجاعت سے مخصوص کردیا تھا اور آں حضرتؐ کے ساتھ اتنی محبت عطا فرمادی تھی کہ آپ اپنی جان کو آں حضرتؐ کے معاملہ میں کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے کلام مجید میں بھی اس ارادہ قتل اور کفار کی ایذا رسانی اور آں حضرتؐ کے اس سے نجات پانے کا مختصر طور پر ذکر ہے ارشاد ہے کہ **وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ**

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (سورہ انفال آیہ ۳۰) ''اے پیغمبرؐ اس وقت کو یاد کرو جبکہ کافر تم پر داؤں چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو گرفتار کریں یا مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں اس وقت کافر اپنا داؤں کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤں کر رہا تھا اور اللہ سب داؤں کرنے والوں سے بہتر داؤں کرنے والا ہے۔'' مفسرین واہل سیر اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ کفار کی مشاورت دربارہ قتل آں حضرتؐ تھی جب آں حضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ اُن کو مغالطہ میں ڈالنے کے واسطے جناب امیرؑ کو اپنے بستر پر لٹا گئے یہ تمام رات بغیر کسی فکر واضطراب کے آں حضرتؐ کے بستر پر لیٹے رہے''

(سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی جلد ۱ صفحہ ۵۸)

---

(۱): علامہ جاحظ نے اس عدیم النظیر ومحیر العقول سرفروشی کو سبک کرنے کے لیے بات یہ بنائی کہ پیغمبرؐ نے جب اطمینان دلایا تھا کہ تم میرے بستر پر سو رہو تمہارا کوئی بال بیکا نہ کر سکے گا تو پھر بستر پر رہنے سے کون سی فضیلت ہوگئی جان کی امان تو قول پیغمبر ہی سے مل گئی تھی اطمینان ہو چکا تھا کہ کوئی کچھ ضرر نہ پہنچائے گا۔ علامہ جاحظ نے یہ نہ سوچا کہ یہی اطمینان کر لینا کیا کم ہے، قول پیغمبرؐ کی صداقت پر یقین کر لینا ہی بڑی بات تھی یہ عزم ویقین کیا کم فخر ومباہات کی بات ہے؟ پیغمبرؐ نے اطمینان دلایا اور علیؑ مطمئن ہو گئے کہ پیغمبرؐ نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ شجاعت کا تعلق دل سے ہے حفاظت کا چاہے کتنا ہی سامان کیوں نہ ہو لیکن مصیبت کا سامنا کر کے انسان گھبرا ہی جاتا ہے مہلکہ میں پڑ کر موت کو سامنے دیکھ کر حواس کو قابو میں رکھنے کے لیے بڑے مضبوط کلیجے کی ضرورت ہے، مادر موسیٰ کو خداوند عالم نے بذریعہ وحی آگاہی دے دی تھی بتا یا تھا کہ تم موسیٰ کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور کسی طرح کا تردد دل میں نہ لاؤ ہم پھر تمہارے ہی پاس پہنچا ئیں گے۔ انھوں نے موسیٰ کو دریا میں ڈال تو دیا مگر بہ تقاضائے بشریت تڑپ کے رہ گئیں، دل کی توانائی جاتی رہی اور قریب تھا کہ اُن کے صدمہ کی کیفیت دیکھ کر راز کھل جائے لیکن خداوند عالم نے دل کو قوت بخشی اتنے بڑے صدمہ کو مادر موسیٰ ضبط کر لے گئیں وہ تو خیر عورت ذات تھیں پہلو میں ماں کا دل رکھتی تھیں۔ جناب موسیٰ جو پیغمبر تھے اور اولوالعزم پیغمبرؐ تھے اُن کے صبر ضبط کا امتحان ہوا قدرت نے حکم دیا کہ موسیٰ ڈرو نہیں اپنے عصا کو پھینک دو، جناب موسیٰ نے عصا پھینکا تو وہ سانپ بن کر پھنکارنے لگا جناب موسیٰ خوفزدہ ہو کر بھاگے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں اسے ہاتھ سے پکڑو ہم ابھی اس کو سابقہ حالت کی طرف پلٹا دیں گے خدا کا حکم تھا جناب موسیٰ تعمیل حکم میں تامل کیا کرتے مگر بشریت کے تقاضوں کے بنا پر سہمے ہوئے تھے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی ہمت نہ ہوتی تھی جناب موسیٰ نے ہاتھ میں چادر لپیٹی اور سانپ کے پکڑنے کو بڑھے ارشاد الٰہی ہوا موسیٰ! یہ ہاتھ کو کپڑے میں لپیٹنا کیا؟ اگر ہماری مرضی ہو کہ سانپ تمھیں ضرور ضرر پہنچائے تو کیا یہ چادر بچا لے گی۔ جناب موسیٰ نے عرض کی ہرگز نہیں مگر ضعیف ہوں اور ضعف سے پیدا ہوا ہوں اور مصیبت میں انسان کی طبیعت سراسیمہ ہو ہی جاتی ہے۔،، قابل غور یہ ہے کہ جناب موسیٰ سے کوئی اور نہیں خود قدرت ہمکلام ہے خداوند عالم اطمینان دلا رہا ہے کہ تمھیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ یقین وایمان میں جناب موسیٰ کے کیا شک؟ ایمان نہ ہوتا تو پلٹ کیوں پڑتے؟ سانپ کے پکڑنے کو بڑھتے کیونکر؟ مگر بشریت کے تقاضوں کو کیا کرتے؟ بڑھے جناب موسیٰ مگر ہاتھ میں چادر لپیٹ کر۔ اللہ اکبر! علیؑ کے یقین واطمینان کا عالم کہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کفار گھر گھیرے ہوئے ہیں۔ خون کے پیاسے دشمنوں کے یلغار ہے مگر پیغمبرؐ کے اطمینان دلانے پر اتنا گہرا اطمینان کہ بشریت بھی حائل نہیں ہوتی وہ فطری جھجک بھی نہیں ہوتی جو عموماً ایسے خطروں کے موقعوں پر بڑے بڑے مضبوط دل کو سہا دیتی ہے۔

علیؑ پیغمبرؐ کے بستر پر پیغمبرؐ کی چادر تان کر سو رہے، پیغمبرؐ ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں لے کر اور اس پر سورہ یٰسین فھم لا یبصرون تک پڑھ کر اُن کافروں کے سر پر پھینکی اور مجمع میں سے صاف نکل گئے کسی نے حجرت کو نہ پہچانا۔

اِدھر مشرکین کا محاصرہ سخت ہوتا جاتا تھا مسلسل خشت باری بھی جاری تھی یہ سمجھ کر کہ بستر پر پیغمبرؐ ہی آرام فرمارہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو وہ لوگ آپ پر حملہ کر بیٹھے۔ اُن دنوں دروازہ نہ ہوا کرتا تھا جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ مشرکین تلواریں نیام سے باہر کیے اُمڈ پڑے ہیں اور آگے آگے خالد بن ولید ہے تو آپ فوراً چارپائی سے کود کر سامنے آگئے، خالد کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ مشرکین مکان کے باہر بھاگے اور دیکھا کہ یہ تو علیؑ ہیں انھوں نے کہا ہمیں تم سے مطلب نہ تھا، تمہارے پیغمبرؐ کیا ہوئے؟ آپ نے فرمایا میں کیا جانوں، کیا تم میرے حوالے کر گئے تھے جو مجھ سے واپس مانگتے ہو۔

پیغمبرؐ گھر سے روانہ ہو کر غار ثور پہنچے، جب دن تمام ہوا اور رات آئی تو حضرت علیؑ خدمت پیغمبرؐ میں پہنچے پیغمبرؐ کے پاس مشرکین کی جو امانتیں محفوظ تھیں پیغمبرؐ نے علیؑ کو ایک ایک کی تفصیل بتائی، تاکید کی کہ ہر ایک کی امانت اسے واپس کر دینا جتنی ذمہ داریاں میرے سر تھیں اُن کی ادائیگی میں فرق نہ آنے پائے۔ آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ ایک منادی کو مقرر کرنا جو صبح و شام اعلان کر دیا کرے کہ جس کی امانت محمدؐ کے پاس رکھی ہو وہ آکر واپس لے جائے اس کی امانت اسے واپس مل جائے گی، پیغمبرؐ نے یہ بھی فرمایا کہ کفار تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ تم لوگوں کی امانتیں سب کے سامنے منظر عام پر واپس کرنا تاکہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے میں اپنی پارۂ جگر فاطمہ کو تمہارے حوالے کرتا ہوں اور تم دونوں کو خدا کے حوالے کیا پھر آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ اپنے لیے اور فاطماؤں (فاطمہ بنت اسد فاطمہ بنت پیغمبرؐ فاطمہ بنت حمزہ) کے لیے سواری کے اونٹ خرید لینا نیز بنی ہاشم میں سے کوئی شخص یا اُن کے علاوہ جو کوئی آنا چاہے اُس کے لیے بھی سواری کا انتظام کر دینا، میں جن جن باتوں کی تاکید کی ہے جب انھیں انجام دے کر فارغ ہو جاؤ تو اپنی ہجرت کی تیاری کرنا میں خط لکھوں گا خط ملنے کے فوراً بعد چل کھڑے ہونا۔''

پیغمبرؐ تین شبانہ روز غار ثور میں تشریف فرما رہے پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، مدینہ کے قریب پہنچ کر مقام قبا پر بنی عمر و بن عوف کے مہمان ہوئے۔ لوگوں کا اصرار ہوا کہ مدینہ چلیے۔ آپ نے فرمایا جب تک علیؑ اور، میری پارہ جگر فاطمہ نہ آجائے گی میں مدینہ کے اندر نہ جاؤں گا۔'' پھر آں حضرتؐ نے ابو واقد لیثی کے ہاتھ حضرت علیؑ کو خط روانہ فرمایا کہ جلد آجاؤ۔ حضرت علیؑ اس وقت تک پیغمبرؐ کے احکام کی تعمیل کر چکے تھے، امانتیں ادا ہو چکی تھیں۔ جب پیغمبرؐ کا خط پہنچا، آپ نے سواریوں کا انتظام کیا، سفر کی تیاری کی اور نادار مومنین جو استطاعت سفر نہیں رکھتے تھے انھیں اطلاع کی کہ رات کو راستہ میں آملو۔

ہجرت

پیغمبرؐ کی روانگی کے بعد تین دن تک حضرت علیؑ نے مکہ میں رہ کر پیغمبرؐ کے احکام کی تعمیل کی، امانتیں لوگوں کی واپس کیں، سفر کی تیاری چوتھے دن اپنی مادر گرامی فاطمہ بنت اسد، فاطمہ بنت پیغمبرؐ اور اپنی پھوپھی فاطمہ بنت عبدالمطلب اور فاطمہ دختر

جناب حمزہ کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پیغمبرؐ کے غلام ایمن بن ایمن اور ابو واقد لیثی جس کے ہاتھ پیغمبرؐ نے مدینہ سے خط لکھ کر روانہ لیا تھا ساتھ ہو گئے۔ راہ میں ابو واقد لیثی نے سواریوں کو تیزی سے ہنکانا شروع کیا۔ آپ نے کہا ابو واقد آہستہ چلو، کمزور عورتیں ہمراہ ہیں اُن سے اتنی تکان برداشت نہ ہو سکے گی۔ ابو واقد نے عذر کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو پیچھا کرنے والے ہمیں پالیں۔

آپ نے کہا اس کی پرواہ نہ کرو، پیغمبرؐ مجھ سے فرما چکے ہیں کہ مشرکین تمھیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے پھر آپ نے خود سواری کی باگ ہاتھ میں لی اور آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ جب مقام ضجنان پر پہنچے تو آپ کا پیچھا کرنے والے آپہنچے، گھوڑے پر سوار، ڈھاٹے باندھے ہوئے آٹھ آدمی اُن کے ساتھ حرب بن امیہ کا غلام جناح بھی تھا (قریش کے حلقے سے جب پیغمبرؐ بخیر وعافیت بچ نکلے اور اُن کی شازش ناکام ہو کر رہ گئی اور کوئی قابو آں حضرتؐ پر نہ چل سکا تو انگاروں پر لوٹتے تھے اب جو انھوں نے دیکھا کہ علیؑ عورتوں کو لے اُن کی آنکھوں کے سامنے کھلم کھلا ہمارے سب سے بڑے دشمن محمدؐ کے پاس لئے چلے جا رہے ہیں اور وہ ایک اکیلے ہیں اور ہم لوگوں کی جماعت ہے تو غیظ وغضب سے بھڑک اُٹھے کہنے لگے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک بے یارومددگار نوجوان شخص عورتوں کو بے جھجک لے کر نکل جائے اور ہم دیکھتے رہیں اُسے روک نہ سکیں نہ اسے مجبور کر کے گھر واپس لاسکیں یہ تو بڑی ذلت ورسوائی کی بات ہے ہم شرم سے بھی سر نہ اٹھا سکیں گے یہ سوچ کر انھوں نے اپنی جماعت سے آٹھ شہسواروں کو منتخب کر کے آپ کے پیچھے روانہ کیا کہ باندھ دو خود آگے بڑھ کر عورتوں کو اُترنے میں مدد دی اتنے میں پیچھا کرنے والے سر پر آپہنچے، آپ تلوار نیام سے کھینچ کر اُن کے سامنے کھڑے ہو گئے (خدا بہتر جانتا ہے کہ اس وقت خواتین کے خوف وہراس کا کیا عالم ہوگا جب انھوں نے اپنے کو دشمنوں کے نرغے میں پایا ہوگا کتنی سراسیمہ ہوئی ہوں گی، دل میں کبھی خیال آتا ہوگا کہ ایک اکیلے علیؑ ہیں وہ بھی پا پیادہ مقابلہ ہے آٹھ سواروں سے نجات پانا مشکل ہی ہے خدا رحم کرے اور علیؑ کو دشمنوں پر فتحیاب کرے۔ کبھی دل کو یہ ڈھارس ہوتی ہوگی کہ شجاعت وجوانمردی علیؑ کے چہرے سے آشکار ہے اگر وہ دشمنوں سے اکیلے نپٹ لینے کا یقین نہ رکھتے ہوتے تو یوں علی الاعلان ہمیں ساتھ لے کر روانہ نہ ہوتے) ان سواروں نے آگے بڑھ کر کہا اے غدار! تم اس گھمنڈ میں تھے کہ عورتوں کو لے کر نکل جاؤ گے؟ فوراً پلٹ چلو! آزمودہ کار سوار مد مقابل ایک پا پیادہ شخص مقابلہ کرنا جس کے لیے خودکشی کے مترادف تھا ظاہر ہے اسی لب ولہجہ میں انھیں بات کرنا چاہیے تھا۔ علی نے ایک لاپرواہ، نڈر انسان کی طرح جیسے انھیں خاطر ہی میں نہ لاتے ہوں انتہائی سکون واطمینان سے جواب دیا۔

اگر میں واپس نہ جاؤں؟ انھوں نے کہا جاؤ گے کیسے نہیں ہم زبردستی واپس لے چلیں گے، زندہ نہ جاؤ گے تو لاش تمہاری

جائے گی یہ کہہ کر وہ سواریوں کی طرف بڑھے کہ انھیں بھڑکا دیں۔ علیؑ بیچ میں آگئے جناح نے تلوار چلا دی آپ نے وار خالی دے کر بھرپور تلوار کا جناح کے کاندھے پر مارا تلوار اسے دو حصّے کرتی ہوئی گھوڑے کے کاندھے تک اُتر آئی (علیؑ پا پیادہ تھے جناح گھوڑے پر سوار تھا اور سوار شخص پیادہ پر جھک کر ہی تلوار چلا سکتا ہے تاکہ پیادے پر وار پورا پڑے۔ جب حملہ کرنے کے لیے جناح جُھکا تو آپ نے جُھکائی دے کر قبل اس کے کہ وہ سیدھا ہو کر دوسرا وار کرے انتہائی پھُرتی سے وار کر دیا) اس کے بعد آپ اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے مجمع پراگندہ ہو گیا دشمن کہنے لگے علیؑ اپنے کو روکو ہماری جان بخشی کرو۔ آپ نے فرمایا میں پیغمبرؐ کی خدمت میں جا رہا ہوں جسے اپنی جان پیاری نہ ہو وہ آ کر ہمیں روک لے۔ جناح کے قتل ہونے اور اس کے ہمراہیوں کے فرار کے بعد آپ نے ایمن وابوواقد سے کہا اب سواریوں کو کھول دو وہاں سے بے خوف وخطر روانہ ہو کر مقام ضجنان میں پہنچے، دن اور رات بھر وہاں ٹھہر کر ضعیف الحال مومنین کا انتظار کرتے رہے جنھیں آپ نے راستہ میں ملنے کی ہدایت کی تھی انھیں میں ام ایمن پیغمبرؐ کی کنیز بھی تھیں وہ رات آپ نے اور خواتین نے عبادت وذکر الٰہی [1] میں بسر کی صبح ہوئی، نماز صبح پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف بڑھے۔ تنہا سفر، دشمنوں سے اندیشہ، رات میں چلتے، دن کو کسی محفوظ مقام پر اس خیال سے پوشیدہ ہو جاتے کہ کہیں دشمن گرفتار نہ کرلیں۔ شوقِ دل رہبر تھا جذب محبت پیغمبر سے سرشار تھے، پیادہ پائی اور منزلوں کے طے کرنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا، راہ دشوار گزار تھی اور قدم قدم پر کانٹے تھے جن کی وجہ سے پائے مبارک زخمی ہو گئے تھے اور چھالے پڑ گئے تھے اس حالت میں بھی چلنے سے باز نہ رہے۔ سترہ یا اٹھارہ ربیع الاول کو آں حضرتؐ کی خدمت

---

[1] فَاسْتَجَابَ لهم ربهم أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔ (پ ۴ع ۱۱)

تو اُن کے پروردگار نے اُن کی دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ ہم تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو اکارت نہیں کرتے مرد ہو یا عورت (اس میں کچھ کسی کو خصوصیت نہیں کیونکہ) تم ایک دوسرے (کی جنس) سے ہو جو لوگ (ہمارے لیے) وطن آوارہ ہوئے اور شہر بدر کیے گیے اور انھوں نے ہماری راہ میں اذیتیں اُٹھائیں اور (کفار سے) جنگ کی اور شہید ہوئے میں ان کی برائیوں سے ضرور در گزر کروں گا اور انھیں بہشت کے اُن باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں خدا کے ہاں یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے اور خدا کے یہاں تو اچھا ہی بدلہ ہے۔

کے متعلق احادیث میں ہے جب حضرت علیؑ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور منزل ضجنان پر ٹھہر کر تمام رات ذکرِ خدا میں گذار دی تو خدا کو اُن کی یاد ایسی پسند آئی کہ خدا نے اُن کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی اور ذکر سے مراد علی ابن ابی طالب اور انثی سے مراد تینوں عورتیں ہیں اور بعضکم میں بعض سے علی ابن ابی طالب اور فاطمہ بنت اسد کی طرف ارشاد ہے مشہور پیشوائے اہلسنت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی حضرت علیؑ کے مآثر میں اس آیہ مبارکہ کا ذکر ہے۔ (دیکھو ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۸۰)

میں پہنچے اس وقت حضرتؐ موضع قبا میں جو مدینہ سے دو میل ہے کلثوم بن ہدم کے مکان پر مقیم تھے آں حضرتؐ جناب امیرؑ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، پاؤں کے زخم دیکھ کر تاسف فرمایا اور بکمال شفقت زخموں پر ہاتھ پھیرا جس کی برکت سے اسی وقت زخم اچھے ہو گئے اور کسی قسم کا درد یا تکلیف یا تکان سفر باقی نہ رہا۔ اال حضرتؐ کے دست مبارک کی برکت سے پھر کسی قسم کا درد ہی نہ ہوا اور زخم سے تکلیف ہی نہ پہنچی۔

علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں حضرت ابو رافع سے اس واقعہ ہجرت میں روایت کرتے ہیں کہ جب آپ مدینہ پہنچے اور آں حضرتؐ کو آپ کے پہنچنے کی خبر ملی تو فرمایا علیؑ کو ہمارے پاس لاؤ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ حاضر ہونے سے معذور ہیں آں حضرتؐ خود تشریف لائے اور اُن سے بغلگیر ہوئے اور اُن کی حالت دیکھ کر بوجہ کمال شفقت آبدیدہ ہوئے اُن کے پاؤں کو دیکھا کہ ورم کر آ گئے تھے اور اُن سے خون ٹپک رہا تھا۔ آں حضرتؐ نے اپنا لعاب دہن اُن کے پاؤں پر ملا اور عافیت کی دعا مانگی۔ جناب امیرؑ اچھے ہو گئے پھر کبھی شہادت کے وقت تک پاؤں کے درد کی اُن کو شکایت نہ ہوئی۔۔۔۔۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ سفر جون کے مہینہ میں ہوا تھا جس میں گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے گرم موسم میں کئی سو میل تک کا پاپیادہ سفر کرنا اور دشمنوں کے ملک کو تنہا عبور کرنا ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر زمانے میں کمتر ملے گی۔ اس واقعہ سے آپ کے ایمان، صبر وسکون، تسلیم وتوکل، جرأت وہمت، شجاعت وشہادت کا پتہ چلتا ہے وذالك فضل الله يو تيه من يشاء۔'' (سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی جلد ا صفحہ ۶۳)

چھٹا باب

زندگی کا دوسرا دور

پیغمبرؐ مکہ سے چل کر قبا میں ٹھہرے علیؑ کی راہ تک رہے تھے، جب علیؑ آ گئے تو اب آپ انہیں ہمراہ لے کر مدینہ میں داخل ہوئے، ابو ایوب انصاری نے آپ کو مہمان کیا۔ سات مہینے تک پیغمبرؐ ابو ایوب کے یہاں مقیم رہے علیؑ بھی ساتھ تھے۔'' مدینہ شریف میں مسلمان مکہ معظّمہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھے آزادی و حریت کی سرزمین تھی، یہاں ہر شخص خدا کی علانیہ پرستش کر سکتا تھا اور احکام شرعیہ کا نہایت اطمینان کے ساتھ پابند ہو سکتا تھا چونکہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس لئے آں حضرت کو ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ کے بعد ہی ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا جس کی بنیاد رکھی گئی اور آں حضرتؐ نے خود اپنے رفقاء کے ساتھ اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے۔ جناب امیرؑ اینٹ اور گارا لا کر دیتے تھے اور جوش کے ساتھ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے کہ جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس کی مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد و غبار کی وجہ سے اس کام سے جی چراتا ہے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ (زرقانی شرح مواہب)۔'' (سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی جلد ا ص ۶۴) جب پیغمبرؐ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے ازواج کے لئے مسجد سے متصل گھر بنوائے اور ان گھروں کے وسط میں علیؑ کے لئے گھر بنایا چنانچہ امام بخاری روایت کرتے ہیں جآء رجل إلی ابن عمر ثم سأله عن علی فذکر محاسن عمله قال هو ذاك بیته أوسط بیوت النبی۔ ایک شخص خلیفہ دوم کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کے پاس آیا ان سے حضرت علیؑ کے متعلق سوال کیا ابن عمر نے حضرت علیؑ کے کردار کے محاسن کا ذکر کیا اور کہا دیکھو وہ ان کا گھر ہے۔ پیغمبرؐ کے گھروں کے بیچوں بیچ۔ (صحیح بخاری پ ۱۴ ص ۳۸۷)

امام مسلم و نسائی نے بھی اس مضمون کی حدیثیں روایت کی ہیں۔

عقد مواخات:

مدینہ آنے سے پہلے پیغمبرؐ نے مکہ کے مسلمانوں میں مواخات قائم کی تھی اس میں (۱) حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا (۲) طلحہ کو

زبیر کا۔ (۳) حضرت عثمان کو عبدالرحمان بن عوف کا اور (۴) جناب حمزہ کو زید بن حارثہ کا بھائی بنایا تھا اور علیؑ کو اپنا بھائی قرار دے کر فرمایا تھا کہ اے علیؑ تم میرے بھائی ہو دنیا و آخرت دونوں میں (تاریخ خمیس جلد ا ص ۳۹۸، ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۵) مدینہ آنے کے بعد صورت حال میں تبدیلی ہوگئی تھی یہاں مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہوئے مسلمان بھی تھے جو مہاجر کہلاتے تھے اور مدینہ کے مسلمان بھی تھے جو نصرت پیغمبرؐ کی وجہ سے انصار کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اسلام نے دونوں شہروں کے مسلمانوں کو ایک رشتہ میں کر دیا تھا ضرورت تھی کہ اس رشتہ کو اور استوار کر دیا جائے۔ آں حضرتؐ نے مدینہ آنے کے ۵ مہینے بعد ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری سے بھائی چارہ مقرر کر دیا چنانچہ ۴۵ یا ۵۰ مہاجرین کا بھائی چارہ ۴۵ یا ۵۰ انصار سے کر دیا جس نے دو جماعتوں کو ایک دوسرے کا ہر حال میں ہمدرد اور شریک بنا دیا" جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگر میں وہ اتحاد و مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لئے ضروری ہے۔ تفحص اور استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شان نبوت کی خصوصیات میں ہے۔" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۱۲)

اسی اتحاد و مذاق ہی کی وجہ سے پیغمبرؐ نے پہلی مرتبہ مکہ میں بھی اپنا بھائی علیؑ ہی کو بنایا اور دوسری مرتبہ مدینہ میں بھی علیؑ ہی کو اور جو فقرہ زبان مبارک سے پہلی مرتبہ ارشاد کیا تھا وہی فقرہ اس دوبارہ مواخات کے موقع پر أنت اخی فی الدنیا والآخرۃ اے علیؑ دنیا و آخرت دونوں میں تم

میرے بھائی ہو[1]۔

۲ ہجری

خانہ آبادی:

مدینہ میں آباد ہو جانے کے بعد ضرورت تھی کہ گھر آباد کیا جائے آپ کی عمر ۲۰ سال سے متجاوز کر چکی تھی، پیغمبر کے لئے ضروری تھا کہ علیؑ کی شادی کر دیں کہ علیؑ کو آپ نے فرزند کی طرح پالا تھا، بچپن سے والدین کی گود سے اپنی آغوش میں لے لیا تھا آپ ہی کو حق تھا کہ علیؑ کے لئے شریک حیات کا انتخاب کریں، اس کے لئے فاطمہ دختر پیغمبر سے بڑھ کر دوسری کوئی خاتون موزوں ہو ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ جس طرح علیؑ آغوش رسالتؐ میں تربیت پانے کی وجہ سے نمونہ تھے پیغمبر کا، اسی طرح فاطمہؑ بھی آئینۂ کمالات پدر تھیں، علیؑ بھی عالم میں منفرد، فاطمہ بھی بے نظیر، نہ علیؑ کو فاطمہؑ سے بڑھ کر دوسری خاتون میسر آسکتی تھی نہ فاطمہؑ کو علیؑ سے بہتر شوہر مل سکتا تھا اسی وجہ سے پیغمبر فرمایا کرتے تھے لولا علی علیہ السلام لم یکن لفاطمہ کفو اگر علیؑ نہ ہوتے تو

---

[1] اس واقعہ مواخات کو تقریباً سبھی محدثین وارباب سیر وتاریخ نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ دیکھئے سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۳ و ص ۱۲۴، حبیب السیر جلد اول جزء سیوم ص ۲۷، تاریخ ابوالفداء جلد ۱۲۷، سیرۃ الحلبی جلد ۲ ص ۹۱، استیعاب ص ۴۷۳، فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۲۱۱ باب کیف آخی النبی بین أصحابه ۔ بدایۃ ونہایۃ ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۲۶، وجلد ۷ ص ۳۳۵، تذکرۂ خواص الامہ ص ۴، ینابیع المودۃ ص ۴۶ و ص ۴۷ و ص ۱۱۷، جامع صغیر سیوطی ص ۵۶، کنوز الحقائق مناوی ص ۲۰، مستدرک امام حاکم جلد ۳ ص ۱۴، مسند امام احمد، حیات محمد مطبوعہ مصر مصنفہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مشہور سوشلٹ ادیب۔

مورخ ابوالفدا نے لکھا ہے ”حضرت رسولؐ خدا نے لوگوں میں مواخات قائم کر دی خود آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا اور حضرت اپنی خلافت کے زمانے میں کوفہ کے منبر پر فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔“ تاریخ ابوالفدا ج ۱ ص ۱۲۷۔

علامہ ابن ہشام کے الفاظ کچھ زیادہ معرفت کے ہیں لکھتے ہیں ”حضرت رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب یعنی مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم کی اور فرمایا تم لوگ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ پھر آں حضرتؐ نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میرے بھائی یہی ہیں پس حضرت رسولؐ خدا جو مرسلین کے سردار متقین کے امام اور رب العالمین کے پیغمبر تھے جن کا نہ کوئی مثل ہوا نہ نظیر اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ بھائی بھائی قرار پائے“۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۸۱۔ علامہ ابن ہشام کا یہ جملہ کہ ”حضرت رسول خدا جن کا کوئی مثل ہوا نہ نظیر اور حضرت علیؑ بھائی بھائی قرار پائے۔“ بتاتا ہے۔ کہ چونکہ مواخات کا رشتہ مہاجرین وانصار میں ہوا تھا اور مہاجرین میں جو صحابی جس عزت وشرف کا تھا اسی عزت وشرف کا انصار سے کوئی شخص اس کا بھائی قرار دیا گیا لیکن انصار میں حضرت رسولؐ خدا کا کوئی مثل ونظیر نہیں تھا اور ضرور تھی کہ آپ کا بھائی بھی وہی بنایا جائے جو آپ کا مثل یا قریب قریب ہو اس سبب سے حضرت علی ابن ابی طالبؑ آں حضرتؐ کے بھائی بنائے گئے۔ یہ خصوصیت ثابت کرتی ہے کہ انصار میں حضرت علیؑ کا مثل ونظیر بھی کوئی نہیں تھا کیونکہ اگر آپ کا مثل کوئی ہوتا تو آں حضرتؐ اسی کو جناب امیرؑ کا بھائی بنا دیتے اور اپنا بھائی چارہ کسی سے بھی قائم نہیں کرتے علماء محققین کی تصریحات سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، علامہ محب طبری نے لکھا ہے ”حضرت علیؑ کو حضرت رسولؐ خدا کے ہاں جو عظیم الشان منزلت تھی اس کی سب سے بڑی دلیل حضرت کا وہ عمل ہے جو آپ نے مواخات کے موقع پر کیا کیونکہ آں حضرتؐ ایک قسم کے لوگوں کو مواخات سے ملاتے تھے یہاں تک کہ حضرت بوبکر وعمر کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا مگر علیؑ کو اپنے نفس کو لئے بطور ذخیرہ رکھا اور آپ کو خاص اپنی مواخات کے لئے محفوظ رکھا، پس سبحان اللہ حضرت علیؑ کی یہ کیسی فضیلت تھی اور آپ کے لئے کیسا فخر ہوا۔“ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)

فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا، چونکہ پیغمبرؐ مدینہ آنے کے بعد سات مہینہ تک ابوایوب انصاری کے گھر فروکش رہے اور علیؑ بھی ساتھ تھے اس وقت تک آپ نہ اپنے لئے کوئی گھر بنا سکے تھے نہ علیؑ کے لئے اسی لئے مدینہ پہنچ کر فوراً اس فرض سے سبکدوش نہ ہوسکے منتظر رہے کہ گھر بن لے تب اس کام کو انجام دیا جائے۔

فاطمہؑ کے لئے شادی کے پیام آنے لگے تھے، سب سے پہلے ابوبکر نے پیام دیا پھر عمر نے خواہش ظاہر کی اور دونوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دے دیا تھا، محدثین ومورخین نے لکھا ہے ''حضرت ابوبکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر مقابل بیٹھ گئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ میری خیر خواہی اور اسلام کی حالت سے واقف ہیں اور میں ایسا اور میں ویسا، حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا مطلب بیان کرو؟ کہا کہ فاطمہؑ کی شادی مجھ سے کر دیجئے اس پر حضرتؐ بالکل خاموش یا ان کی طرف سے منھ موڑ لیا (یہ غیظ وغضب) دیکھ کر حضرت ابوبکر حضرت عمر کے پاس گئے اور کہا میں ہلاک ہوگیا، میں ہلاک کر ڈالا گیا، حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ کیا ہوا؟ کہا میں نے فاطمہؑ سے شادی کا پیغام دیا تو آں حضرتؐ نے میری طرف سے منھ پھیر لیا، حضرت عمر نے کہا اچھا آپ ٹھہرئے میں خود رسولؐ کے پاس جاتا ہوں اور یہی درخواست اپنے لئے کرتا ہوں حضرت عمر جناب رسولؐ خدا کے پاس پہنچے اور رُو در رُو بیٹھ گئے پھر کہا اے رسولؐ خدا آپ میری بہی خواہی اور اسلام کی حالت سے باخبر ہیں اور میں ایسا اور میں ویسا، حضرتؐ نے پوچھا غرض کیا ہے؟ کہا یہ کہ فاطمہؑ کی شادی آپ مجھ سے کر دیں، اس مرتبہ بھی حضرتؐ (کو اتنا غصہ اور رنج ہوا کہ آپ) نے ان کی طرف سے منھ پھیر لیا، تب حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس واپس آئے۔'' (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۲)

حضرت رسولؐ خدا نے صرف منھ ہی نہیں پھیر لیا بلکہ صاف انکار بھی کیا، علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے **خطب ابوبکر یعنی فاطمة إلى رسول الله فأبى رسول الله** حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ سے شادی کرنے کی درخواست حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں پیش کی تو حضرتؐ نے بالکل انکار کر دیا۔'' (اسد الغابہ)

جب حضرت ابوبکر وعمر کی درخواست نامنظور ہوگئی تو بعض انصار نے حضرت علیؑ کو مشورہ دیا کہ آپ جا کر پیام دیجئے، آپ خدمت پیغمبرؐ میں آئے پیغمبرؐ کو سلام کیا، آنحضرتؐ نے مدعا پوچھا، آپ نے اپنی درخواست پیش کی، آنحضرتؐ نے فرمایا **مرحباً وأهلاً** یعنی مبارک ہو بہت خوشی سے۔

(تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۰۷ و ص ۴۰۸ ر طبقات ابن سعد ج ۸ ر ص ۱۱ و ۱۲، بدایہ ونہایہ ج ۷ ر ص ۳۴۲، اسد الغابہ)۔

پیغمبرؐ نے علیؑ کی درخواست قبول کی اور گھر میں جا کر جناب فاطمہؑ سے کہا علی تمہاری خواستگاری کرتے ہیں علیؑ کی قرابت اور اسلام میں انہیں جو فضل وشرف حاصل ہے اس سے تم ناواقف نہیں ہو، میں نے خدا سے دُعا کی تھی کہ خلائق میں جو سب سے بہتر اور سب سے زیادہ خدا کو محبوب ہو اس سے تمہیں بیاہے اب بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟ فاطمہؑ حیا کی وجہ سے خاموش

رہیں لیکن وہ خاموشی اتنی بلیغ تھی کہ پیغمبرؐ یہ کہتے ہوئے فاطمہؑ کے پاس سے اُٹھے اللہ اکبر سکوتھا إقرارھا فاطمہؑ کا سکوت اس کا اقرار ہے۔

جناب فاطمہؑ کو اس نسبت کی ناپسندیدگی کی کیا وجہ ہوسکتی تھی وہ علیؑ کے اخلاق وعادات، سیرت و کردار بچپن سے جانتی تھیں، علیؑ نے بھی اسی آغوش اور گھر میں تربیت پائی تھی جس آغوش اور گھر کی فاطمہؑ پروردہ تھیں، مکہ سے مدینہ آنے میں علیؑ کی محیر العقول شجاعت وبہادری بھی دیکھ چکی تھیں، آپ کو کیا عذر ہوتا، پیغمبرؐ نے فاطمہؑ کا استمزاج کر کے سنت کی پیروی کی اور امت کو تعلیم فرمائی کہ لڑکی کو بیاہنے میں اس کی مرضی بھی دریافت کرلو، اپنی من مانی اور زور زبردستی سے کام نہ لو نیز سیدہؑ کی خوشنودی دریافت کر کے پیغمبرؐ نے عورت کی جلالت وعظمت ظاہر کردی کہ لڑکی کے باپ محمد مصطفیٰؐ خاتم النبین کیوں نہ ہوں جو ہر ایک کے نفوس کے مالک ومتصرف ہیں اور خواستگاری کرنے والا علی ابن ابی طالبؑ جیسا انسان کیوں نہ ہو، جو بعد پیغمبرؐ تمام امت کا سید وسردار تھا لیکن لڑکی کی خوشنودی مقدم ہے اس کی مرضی کے بغیر تزویج نہیں ہوسکتی۔

علیؑ کی درخواست منظور کئے جانے پر لوگوں میں برہمی بھی پھیلی، پیغمبرؐ سے شکایت کی گئی کہ ہم نے جب پیام دیا تو آپ نے منظور نہیں کیا اور علیؑ کی درخواست آپ نے فوراً منظور کرلی، پیغمبرؐ نے فرمایا! میں نے نہ اپنی خوشی سے تمہیں محروم کیا نہ اپنی خوشی سے علیؑ کی درخواست منظور کی بلکہ خدا ہی کی[1] یہ مرضی تھی اسی نے تم سے بیاہنے کی اجازت نہ دی اور علیؑ سے بیاہنے کا حکم دیا، سچ تو

---

[1] احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کی تزویج میں قدرت کو خاص اہتمام مقصود تھا، خداوند عالم ہی نے پیغمبرؐ کو حکم دیا کہ فاطمہؑ کو علیؑ سے بیاہ دو۔

"ابن بطوطہ اور ابن المؤذن اور سمعانی نے اپنی کتابوں میں ابن عباس اور انس بن مالک سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اتنے میں علی ابن ابی طالبؑ آئے، پیغمبرؐ نے پوچھا علیؑ کیسے آنا ہوا؟ علیؑ نے شرم سے گردن جھکا کر کہا یوں ہی سلام کرنے حاضر ہوا ہوں، پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ جبریل آئے ہیں انہوں نے مجھے خبردی ہے کہ خداوند عالم نے علیؑ وفاطمہؑ کا نکاح عرش اعظم پر کیا اور چالیس ہزار فرشتوں نے گواہی دی اور شجرۂ طوبیٰ کی طرف خداوند عالم نے وحی فرمائی کہ وہ دُرّ یاقوت نچھاور کرے اس نے بے شمار دُر و یاقوت نثار کئے پس ان کی طرف حوران جنت دوڑیں اور وہ دُر و یاقوت اپنے طباقوں میں جمع کرلئے۔" (اعیان الشیعہ جلد ثانی ص ۷۴۴)

علامہ طبری روایت کرتے ہیں کہ انس بن مالک صحابی کہتے تھے کہ میں حضرت رسولؐ خدا کے پاس حاضر تھا اتنے میں حضرتؐ پر وحی نازل ہونے لگی جب حضرتؐ اس سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا جانتے ہو ابھی کیا وحی اُتری ہے؟ انس نے کہا نہیں، فرمایا! خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کردوں، تم جا کر ابوبکر وعمر، عثمان، علیؑ، طلحہ، زبیر اور چند انصار کو بلا لاؤ جب آں حضرتؐ کے طلب کرنے پر حضرت علیؑ آئے تو آں حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی تمہارے ساتھ کردوں اس وجہ سے میں انہیں تمہارے نکاح میں دیتا ہوں تم کو بھی منظور ہے؟ علیؑ نے عرض کی ہاں یا رسولؐ اللہ مجھے منظور ہے پھر حضرت علیؑ اپنی جگہ سے اُٹھے اور سجدے میں گر کر شکر خدا بجالائے اور پیغمبرؐ نے دعا دی کہ خدا تم دونوں سے پاکیزہ نسل کثیر تعداد میں پیدا کرے، انس کہتے تھے کہ خدا کی قسم خدا نے دونوں بزرگوں سے نہایت پاکیزہ اور کثیر تعداد کی نسل پیدا کی۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۸۴)

طبرانی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا خداوند تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ فاطمہؑ کا نکاح علیؑ سے کردوں۔ (صواعق محرقہ ص ۷۴)۔

شاہ عبدالحق صاحب دہلوی لکھتے ہیں "رسولؐ نے فرمایا میرے پاس جبریل آئے اور کہا خدا آپ کو حکم دیتا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کردیجئے۔" (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۹۵)

یہ ہے کہ لوگوں کی ناراضی و برہمی جائز تھی بھی نہیں کیونکہ خداوند عالم پیغمبرؐ کو اگر حکم بھی نہ دیتا تب بھی علیؑ ہی ہر ایک سے زیادہ اس عزت کے مستحق تھے۔

خطبۂ پیغمبرؐ:

پیغمبرؐ نے محفل عقد میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمدلله المحمود بنعمته المعبود بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه وسطوته النافذ أمره في سمائه وأرضه الذي خلق الخلق بقدرته وميزهم بأحكامه وأعزهم بدينه وأكرمه بنبيه محمداًﷺإن الله تبارك وتعالىٰ اسمه وعظمته جعل المصاهرة سبباً لأحقاد أمراً مفترضاًشبح بها الأرحام والزمه للأنام فقال عز من قائل وهو الذي خلق من الماء بشراً فجعله نسباًوصهراًوكان ربك قديراًفأمر الله يجري إلى قضائه وقضائه يجري إلى قدره ولكل قضاء قدر ولكل قدر أجل ولكل أجل كتاب يمحوالله مايشاء ويثبت وعنده وأم الكتاب ثم إن الله وأمر أن أزوّج فاطمة بنت خديجة من علي ابن أبي طالب فاشهدوا أني قد زوّجته على أربعمأة مثقال فضة إن رضى بذالك علي ابن أبي طالب۔

حمد وستائش زیبا ہیں اس خدا کے لئے نعمتوں کے سبب جس کی حمد کی جاتی ہے قدرت واختیار کے سبب جس کی عبادت کی جاتی ہے، غلبہ واقتدار کی وجہ سے جس کی اطاعت کی جاتی ہے، سطوت کی وجہ سے اس کے عذاب سے ڈرا جاتا ہے، زمین وآسمان پر جس کا حکم جاری ہے، جس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، اپنے احکام کے ذریعہ انہیں ممیز کیا، اپنے دین کے ذریعہ عزت بخشی، اپنے نبیؐ کے ذریعہ سرفراز کیا، خداوند عالم نے شادی بیاہ کو لوگوں میں جاری کیا اور اس کو فرض قرار دیا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے هو الذي خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وكان ربك قديرا۔ پس خداوند عالم کے حکم سے قضا جاری وساری ہے اور قضا سے قدر (اندازہ)، مقرر ہوتی ہے ہر ایک قدر کے لئے ایک (مدت وانتہا) ہے اور ہر ایک اجل کے لئے کتاب ہے جو چاہتا ہے اس میں مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس میں لکھتا ہے اما بعد خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ سے بیاہ دوں پس تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے چار سو مثقال کے برابر چاندی کا مہر قرار دے کر فاطمہؑ کا نکاح علیؑ سے کر دیا بشرطیکہ علیؑ اس پر راضی ہوں۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا، جناب رسول خداؐ نے دعا کی کہ اللہ تم دونوں کے درمیان میل رکھے تم لوگوں پر اپنی برکتیں نازل کرے اور تم دونوں سے بکثرت اور طیب وطاہر نسل پیدا کرے، انس کہتے تھے کہ خدا کی قسم (رسولؐ کی دعا مقبول ہوئی اور) ان دونوں حضراتؑ سے خدا نے پاکیزہ اور بکثرت نسل پیدا کی۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، مطبوعہ مصر

جلد ۵ ص ۵۷۵) پھر پیغمبرؐ نے ایک طبق کھجوریں منگا کر حاضرین محفل نکاح میں لٹائیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا خطبہ:

بہت سی کتابوں میں ہے کہ حضرت علیؑ نے بھی اس موقع پر ایک خطبہ پڑھا:۔

الحمد لله الذی قرب من حامدیه ودنا من سائلیه ووعد الجنة من یتقیه وأنذر بالنار من یعصیه نحمده علی قدیم إحسانه وأیادیه حمد من یعلم أنه خالقه وباریه وممیته ومحییه وسائله عن مساویه ونستعینه ونستهدیه ونؤمن به ونستکفیه ونشهد أن لاإله الا الله وحده لاشریك له شهادة تبلغه وترضیه وأن محمدا عبده ورسوله ﷺ صلوٰة تزلفه وتحظیه وترفعه وتصفیه وهٰذا رسول الله زوجنی ابنته فاطمة علی خمسمأة درهم ذاسألوه واشهدوا۔ (اعیان الشیعہ جلد ۳/سیرۃ محمدیہ جلد ۲/سیرۃ حلبیہ جلد ۲/ص ۲۰۶)

تعریف ہے اس معبود کے لئے جو اپنے حمد کرنے والوں سے قریب ہوا اور اپنے سوال کرنے والوں سے نزدیک ہوا جو اس سے ڈرتا ہے اس کے لئے اس نے جنت کا وعدہ کیا اور آتش جہنم سے ڈراتا ہے اس کو جو اس کی نافرمانی کرتا ہے، ہم حمد اس کی نعمتوں اور بخششوں پر کرتے ہیں یہ حمد اس کی طرف سے ہے جو جانتا ہے کہ وہ (خدا) اس کا پیدا کرنے والا عالم وجود میں لانے والا، مارنے والا اور جلانے والا ہے اور اس کے گناہوں کا اس سے سوال کرنے والا ہے ہم اس سے مدد کے طالب اس کی ہدایت کے خواہاں ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہی ہمارے لئے کافی ہے ہم گواہی دیتے ہیں کہ کوئی معبود نہیں سوا اس کے، اس کا کوئی شریک نہیں، یہ ایسی گواہی ہے جو اس تک پہنچتی ہے اور اس کو راضی کرتی ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں حضرت محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں خدا کی رحمت ہو ان پر ایسی رحمت جو ان کے لائق وسزاوار ہے جو ان کو بلند کرتی ہے اور منتخب کرتی ہے، ان رسولؐ اللہ نے اپنی دختر فاطمہؑ کا نکاح ۵۰۰ درھم پر میرے ساتھ کر دیا پس تم ان سے معلوم کرلو اور گواہ رہو۔

رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میں نے اپنی دختر فاطمہؑ کا نکاح تم سے اے علیؑ اس مہر پر کیا جس پر خداوند عالم نے تمہارا نکاح فاطمہؑ سے کیا بس راضی ہوا اس سے جس سے خدا راضی ہوا، پس تو اچھا داماد اور ساتھی ہے اور تیرے لئے یہ ہی کافی ہے کہ میری رضا وہی ہے جو خدا کی ہے۔

جناب فاطمہ علیہا السلام کے مہر کی مقدار:

مہر کی مقدار کے متعلق مختلف اقوال ہیں صحیح یہ ہے مہر ۵۰۰ درھم = ۱۲ صحیح ایک بٹا دو، اوقیہ تھا، اور ایک اوقیہ ۴۰ درھم کا ہوتا ہے، یہی مہر سنت بھی ہے جیسا کہ بطریق اہلبیتؑ ثابت ہے یقیناً پیغمبرؐ نے علیؑ وفاطمہؑ کی شادی کے موقع پر اس سنت سے

خود بھی تجاوز نہ کیا ہوگا بکثرت روایتیں اتنا ہی مہر بتاتی ہیں، علامہ ابن سعد نے طبقات میں بھی یہی مہر تحریر کیا ہے اور خود امیر المؤمنینؑ نے اپنے خطبۂ نکاح میں اتنے ہی مہر کا ذکر کیا ہے۔

البتہ پیغمبرؐ کے خطبہ میں جو مقدار مہر مذکور ہے یعنی ۴۰۰ مثقال اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۵۰۰ درھم سے زیادہ مہر مقرر رہا تھا اس لئے کہ ہر سات مثقال دس درھم ہوتا ہے اس کے بنا پر ۵۷۲ درھم مہر ثابت ہوتا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ۴۸۰ درھم تھا علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی یہی لکھا ہے ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس ایک اونٹ تھا جسے آپ نے ۴۸۰ درہم میں فروخت کر کے مہر ادا کیا، ایک میں ہے کہ مہر ایک لوہے کی زرہ تھی جس نام حطمیہ تھا آپ نے اسے فروخت کر کے مہر ادا کیا۔

بعضوں کا قول ہے کہ وہ زرہ ہی مہر قرار پائی لیکن صحیح یہ ہے کہ زرہ بیچ کر اس کی قیمت علیؑ نے مہر میں ادا ہے۔

جناب فاطمہؑ کا جھیز:

حضرت علیؑ ۵۰۰ درہم مہر کے لائے اور پیغمبر کے سامنے رکھ دیا پیغمبر نے حکم دیا کہ ایک تہائی مہر سے خوشبو کا سامان خرید کیا جائے اور ایک تہائی میں کپڑے خریدے جائیں پھر آپ نے ایک مٹھی درہم غالباً ۶۳ یا ۶۶ درہم دئے کہ گھر کا ضروری سامان فراہم کیا جائے اور جو درہم بچ رہے وہ جناب ام سلمہ کے حوالے کئے کہ اپنے پاس وقت ضرورت کے لئے محفوظ رکھو، پھر آپ نے حضرت ابوبکر کو بھیجا کہ جا کر جناب فاطمہؑ کے لئے جو مناسب کپڑے ہوں یا گھر کے ضروریات کی چیزیں خرید لاؤ، ان کے ساتھ جناب عمار اور چند اصحاب بھی کر دئے سب کے رائے مشورہ سے چیزیں جو خریدی گئیں اُن کی فہرست یہ ہے:

ایک قمیص سات درہم کی۔ اوڑھنی چار درہم کی، نرم روؤں کا ایک سیاہ کمبل، کھجور کے پتوں سے بنا ہوا بستر جس کو سریر مزمل کہتے ہیں، موٹے ٹاٹ کے دو فرش، ایک میں لیف خرما بھری ہوئی دوسرے میں اُون بھرا ہوا، چار چھوٹے چھوٹے تکیے طائف کے چمڑوں کے بنے ہوئے اس کے اندر اذخر خوشبودار گھاس بھری ہوئی، ایک سپید چادر، ایک چٹائی، ایک ہاتھ کی چکی، تانبے کا لگن، کپڑا دھونے کے لئے ایک چمڑے کی مشک، کاٹھ کا پیالہ پانی پینے کے لئے مٹی کی صراحی، ایک لوٹا اور دو مٹی کے آبخورے، زمین پر بچھانے کا چمڑا، جب پیغمبرؐ کے سامنے یہ جہیز کا سامان لا کر رکھا گیا تو آپ ایک ایک چیز کو ہاتھ سے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے اللھم بارك أهل البيت، خداوندا اہل بیتؑ پر برکت نازل فرما، ایک روایت میں ہے کہ آپ اس سامان کو دیکھ کر رونے لگے، اور عرض کی خداوندا ان لوگوں پر اپنی برکت نازل کر جن کے اچھے سے اچھے برتن مٹی کے ہیں، پیغمبرؐ کا رونا اس لئے نہ تھا کہ فاطمہؑ کا قیمتی سامان جہیز میسر نہ ہوا بلکہ رقت پدری تھی جو بیٹی کی شادی کے

موقع پر ہر باپ کے ظہور میں آتا ہے۔

علیؑ نے اس شادی کے موقع پر گھر کو جس طرح سجایا تھا وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، تمام گھر میں نرم ریت بچھادی اور گھر میں جو چبوترہ تھا اس پر مینڈھے کی کھال ڈال دی ایک تکیہ جس میں کھجور کے پتے تھے، ایک پانی کی مشک، ایک آٹا چھاننے کی چھلنی، ایک پانی پینے کا پیالہ اور ایک تولیہ کی قسم کا کپڑا، یہ جہیز کا سامان تھا سیدہ نساء عالم کے لئے اور یہ گھر کا مال و اسباب تھا سید الاوصیا کے۔

جناب فاطمہؑ کی رخصتی:

نکاح کے ایک مہینہ کے بعد جناب عقیل و جعفر یا صرف عقیل نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم پیغمبرؐ سے فاطمہؑ کو رخصت کرنے کے لئے کیوں نہیں کہتے؟ آپؑ نے کہا شرم دامن گیر ہے، عقیل نے قسم دے کر کہا اچھا تم میرے ساتھ آؤ، وہ دونوں ام ایمن کے پاس آئے اور اُن سے ذکر کیا وہ جناب ام سلمہ کے پاس گئیں اور اُن کو علیؑ کی خواہش سے مطلع کیا اور دیگر ازواج رسولؐ سے بھی ذکر کیا وہ سب مل کر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہم ایک ایسے کام کے لئے حاضر ہوئے کہ اگر خدیجہ زندہ ہوتیں تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، خدیجہؑ کا نام سُن کر پیغمبرؐ رونے لگے اور فرمایا، خدیجہؑ! کہاں ہے خدیجہؑ؟ کون ہوسکتا ہے خدیجہؑ جیسا؟ انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے انہوں نے میرا بوجھ ہلکا کیا، میری شریک کار رہیں، ام سلمہؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ بے شک خدیجہؑ ایسی ہی تھیں جیسا آپؐ نے فرمایا وہ اب اپنے پروردگار کے پاس ہیں ایک دن خدا ہم کو اور اُن کو ایک جگہ جمع کرے گا یا رسولؐ اللہ ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ علیؑ کی خواہش ہے کہ فاطمہؑ کی رخصتی ہوجائے آنحضرتؐ نے فرمایا حُباً و کرامۃ آپؐ نے علیؑ کو بلایا وہ شرم سے سر جُھکائے حاضر ہوئے، ازواج رسول اُٹھ کر گھر چلی گئیں آنحضرتؐ پوچھا کیا تمہاری خواہش ہے کہ فاطمہؑ کو تمہارے گھر رخصت کردیا جائے؟ علیؑ نے شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کی ہاں یا رسولؐ اللہ، آپؐ نے فرمایا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا پھر آپؐ نے اپنی ازواج کی طرف رُخ کر کے پوچھا کون کون یہاں ہے، جناب ام سلمہؓ نے عرض کی یا رسولؐ میں ام سلمہ حاضر ہوں یہ زینب ہیں اور فلاں فلاں آپ کی بیویاں ہیں، آپ نے انہیں حکم دیا کہ ام سلمہ کے گھر میں فاطمہؑ کو دلہن بناؤ اور وہ مکان جو علیؑ نے لیا ہے اسے ٹھیک کردو۔ (حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ کے گھر سے تھوڑے فاصلہ پر ایک گھر کرایہ پر لیا تھا اور بعد میں پیغمبرؐ نے اس مکان کو از سرنو تعمیر کر کے اپنے مکان سے ملالیا) ازواج رسول نے ایسا ہی کیا جیسا آپؐ نے فرمایا تھا۔

دعوت ولیمہ:

اس شادی کے موقع پر پیغمبرؐ کی خدمت میں مسلمانوں نے تحفے و ہدیے بھیجے، آنحضرتؐ نے روٹیاں پکوائیں، علیؑ کو حکم دیا کہ گائے اور بکریاں ذبح کریں، جب کھانا پک کر تیار ہوا تو آپؐ نے حکم دیا کہ عام منادی کردی جائے کہ پیغمبرؐ کی طرف سے دعوت عام ہے، مسجد میں فرش بچھادیا گیا وہیں ضیافت ہوئی اور چار ہزار سے زیادہ مردوں نے کھانا کھایا اور مدینہ کی کل عورتوں نے۔ پھر آنحضرتؐ نے بڑی رکابیاں منگوائیں ان میں کھانا اپنی ازواج کے مکانوں پر بھیجا، پھر ایک رکابی بھر کر آپؐ نے کہا یہ فاطمہؑ اور ان کے شوہر کے لئے ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں صرف ثرید یعنی روٹی اور گوشت تھا۔

رخصتی کی شان:

جب رخصتی کی رات آئی تو آنحضرتؐ نے اپنا خچر شہبا نامی طلب کیا اس پر کمبل دہرا کر کے بچھادیا جناب فاطمہؑ کو اس پر سوار کر کے جناب سلمان سے کہا خچر کو لے چلو، سواری کے پیچھے بہ نفس نفیس خود پیغمبرؐ چلے ساتھ میں حمزہ و جعفر۱ عقیل اور بنو ہاشم اپنی تلواریں کھینچے پیچھے پیچھے چلے آنحضرتؐ کی ازواج سواری کے آگے آگے رجز پڑھتی چلیں، آپ نے خاندان عبدالمطلب کی لڑکیوں، مہاجرین وانصار کی عورتوں کو حکم دیا کہ فاطمہؑ کے ساتھ ساتھ چلیں اُن کا دل بہلائیں، رجز پڑھیں تکبیر کہیں، خدا کی حمد وثنا کریں لیکن کوئی بات ایسی نہ کہیں جس سے خدا ناخوش ہوتا ہو، پیغمبرؐ نے آواز سنی دیکھا کہ جبریل ومیکائیل ستر ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ فاطمہؑ کو علیؑ کے گھر پہنچانے آئے ہیں، جبریل ومیکائیل اور تمام ملائکہ اور ان کے ساتھ پیغمبرؐ نے تکبیر کہی، اسی رات سے دلہن کے پیچھے تکبیر کہنا سنت میں داخل ہوگیا، (اعیان الشیعہ جلد ۳ر طبع ثانی ص ۳۲۱)۲

اس شان سے یہ جلوس علیؑ کے گھر تک پہنچا، پیغمبرؐ نے علیؑ کو بلایا پھر فاطمہؑ کو آواز دی، جب فاطمہؑ نے باپ کے پاس شوہر کو بھی دیکھا تو رونے لگیں پیغمبرؐ نے فاطمہؑ اور علیؑ کا ہاتھوں میں دینا چاہا تو شدت شرم سے رونے لگیں آنحضرتؐ نے فرمایا پارۂ جگر

۱جناب فاطمہؑ کی شادی کے سلسلہ میں اسما بنت عمیس اور اُن کے شوہر جناب جعفر بن ابوطالب کے نام بار بار آئے ہیں، یہ شُبہ ہوسکتا ہے کہ جعفر تو اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے اور فتح خیبر کے دن تک وہیں مقیم رہے ۷ ھ میں جب خیبر فتح ہوچکا ہے تو یہ دونوں واپس آئے اور جناب فاطمہؑ کی شادی جنگ بدر کے تھوڑے ہی دنوں بعد ۲ ھ میں ہوئی تھی تو غالباً صحیح یہ ہے کہ وہ اسما بنت عمیس نہ تھیں بلکہ اسما بنت یزید بن سکن انصاری تھیں چونکہ اسما بنت عمیس زیادہ شہرت رکھتی تھیں اسی لئے راوی کے اسما نام لینے پر لوگوں نے اسما بنت عمیس سمجھا، اسی طرح جناب جعفر کے متعلق لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اصل میں شریک شادی حمزہ تھے راوی نے حمزہ ہی کا نام لیا ہوگا لوگوں نے جعفر کو سمجھ لیا ۱۲

۲اللہ اکبر فاطمہؑ کی شادی کا یہ اہتمام کہ خداوند عالم نے بالائے آسمان محفل نکاح کا اہتمام فرمایا چالیس ہزار ملائکہ نکاح کے گواہ ہوئے جبریل نے خطبۂ نکاح پڑھا، پروردگار عالم ولی نکاح ہوا، سید المرسلین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بنی ہاشم، اصحاب، خواتین السلام رخصتی کے جلوس میں تھے اُن کے رخصتی کے موقع پر یہ غیر معمولی اہتمام پیغمبر کا یقیناً وہ اس لائق تھیں کہ وفات پر اس سے زیادہ ان کے جنازے پر اہتمام ہوتا مگر ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے انہیں فاطمہؑ کا جنازہ رات کے پردے میں اُٹھایا گیا قبر کا نشان تک مخفی رکھا گیا اور آج تک ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کی قبر ہے کہاں؟ اسی لئے تین مقامات پر آپؑ کی زیارت پڑھی جاتی ہے اور سیدہؑ کے جنازے میں صرف علیؑ ان کے دونوں بچے، بنی ہاشم کے تھوڑے آدمی اور گنے چنے صحابہ تھے ۱۲

میں نے خود تمہاری یہ شادی نہیں کی بلکہ خداوند عالم نے اس شادی کا انتظام کیا، جبریل نے خطبہ پڑھا، خداوند عالم ولی نکاح تھا ، میرے گھر کے لوگوں میں سب سے بہتر اور دنیا وآخرت میں سردار تھا اور صالحین سے تھا میں نے اس سے تمہیں بیاہا ہے، آپ ؐ نے دائیں ہاتھ سے علیؑ کو لیا بائیں ہاتھ سے فاطمہؑ کو، دونوں کو کلیجہ سے لگایا، دونوں کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، فاطمہؑ کا ہاتھ لے کر علیؑ کے ہاتھ میں رکھا اور فرمایا خدا تمہیں برکت دے دختر پیغمبر میں اور فرمایا اے علی بہترین زوجہ تمہاری زوجہ ہے اور فاطمہؑ سے فرمایا بہترین شوہر تمہارا شوہر ہے پھر فرمایا جاؤ اپنے گھر میں جاؤ خدا تم دونوں کو ایک کرے تمہارے دل کو سنوارے پھر ان دونوں کے درمیان چلے یہاں تک کہ ان کے گھر میں ان کو داخل کر دیا اور فرمایا تم دونوں حرکت نہ کرنا میں ابھی آتا ہوں علیؑ گھر کے ایک حصہ میں تھے بیچ میں پردہ پڑا ہوا تھا دوسری طرف ازواج پیغمبر تھیں ان کے حلقہ میں سیدہؑ، پیغمبر تشریف لائے ازواج اُٹھ کر کھڑی ہوئیں آپ نے پیالہ منگا کر اسے پانی سے بھرا ایک گھونٹ منہ میں لے کر اس پیالہ میں پھر ڈال دیا اور فاطمہؑ سے کہا کھڑی ہو، فاطمہؑ کھڑی ہوئیں آپ نے وہ پانی ان کے سر وسینہ پر چھڑکا اور یہ دعا فرمائی کہ خداوند میں اسے اور اس کو اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں اور فاطمہؑ سے کہا پیچھے پھر، پھر وہ پیچھے پھریں آپؐ نے وہی پانی اُن کے دونوں کاندھوں پر چھڑکا اور پھر وہی دعا فرمائی کہ خداوند فاطمہ کو اور ان کی اولاد کو شیطان سے بچا میں تیری پناہ میں دیتا ہوں پھر آنحضرتؐ نے علیؑ سے کہا تم ذرا پانی لاؤ، علیؑ پیالہ بھر کر خدمت پیغمبرؐ میں لائے آپ نے سابق کی طرح ایک گھونٹ پانی منہ میں لیا پھر اسے پیالہ میں ڈال دیا اور اس پانی کو علیؑ کے سر وسینہ پر چھڑکا پھر دعا فرمائی خداوندا میں تیرے ذریعہ اسے اور اس کی اولاد کو شیطان سے بچاتا ہوں پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پیچھے پھرو، علیؑ پیچھے پھر گئے، آپؐ نے وہ پانی علیؑ کے دونوں کاندھوں کے درمیان چھڑکا اور دعائے سابق کے جملے دُہرائے کہ خداوندا میں اسے اور اس کی نسل کو تیرے ذریعہ سے شیطان سے بچاتا ہوں اس کے بعد پیغمبرؐ نے فرمایا اب خدا کا نام لے کر برکت کے ساتھ اپنی زوجہ سے ملو۔'' (منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند امام احمد جلد ۵ ص ۱۰۰ (اعیان الشیعہ جلد ۳ طبع ثانی ص ۲۲۳)

سال ازدواج:

اس میں بے حد اختلاف ہے کہ کس سنہ میں حضرت کا نکاح ہوا، بعض کہتے ہیں کہ ہجرت کے ایک سال کے بعد کوئی کہتا ہے ہجرت کے دو سال بعد، علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ہجرت کے ۲۲ مہینوں کے بعد فاطمہؑ کی شادی ورخصتی ہوئی، علامہ ابن سعد لکھتے کہ مدینہ آنے کے پانچ مہینہ کے بعد نکاح ہوا اور جنگ بدر سے واپسی پر رخصتی ہوئی، جنگ بدر ہجرت کے ۱۹ ماہ کے بعد ہوئی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام کا گھر:

علیؑ بچپن سے پیغمبرؐ کے ساتھ رہتے تھے، مکہ سے مدینہ آنے کے بعد پیغمبرؐ سات مہینہ تک کلثوم بن ہدم کے مکان پر فرکش رہے تو علیؑ بھی اسی مکان میں پیغمبرؐ کے ہمراہ تھے، جب پیغمبر مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے مسجد سے متصل اپنی ازواج کے لئے مکانات بنوائے اور ان مکانات کے وسط میں علیؑ کے لئے مکان تعمیر کیا، عبد اللہ ابن عمر کی حدیث اوپر درج کی جاچکی ہے کسی شخص نے اُن سے حضرتؑ کے متعلق دریافت کیا، ابن عمر نے آپؑ کے محاسن ذکر کرنے کے بعد فرمایا هو ذاك بيته وسط بيوت النبى دیکھو وہ اُن کا گھر ہے پیغمبروںؐ کے گھروں کے بیچ و بیچ (صحیح بخاری پارہ ۱۴ص ۳۸۷) پیغمبرؐ کے اصحاب جو ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آگئے تھے انہوں نے بھی پیغمبرؐ کی تقلید کرتے ہوئے مسجد کے دوسری سمتوں میں مکانات بنائے، تمام مکانوں کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے اور مسجد سے گذر کر ہی باہر جانا ہوتا تھا پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ علیؑ کے سوا تمام صحابہ اپنے مکانات کے دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے ہیں بند کرلیں (۱)۔ عن ابن عباس أن النبی أمر بسد الأبواب إلا باب علی، ابن عباس سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے تمام لوگوں کے دروازے جو مسجد کی طرف

"**بحث لطیف متعلق بہ سد ابواب**" علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں سد ابواب کے متعلق ایک دلچسپ بحث یہ لکھی ہے کہ جو دروازے مسجد کے گرد تھے اور جن کے متعلق بند کئے جانے کا حکم صادر ہوا تھا جن کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ان میں سے ایک حدیث سعد ابن ابی وقاص کی ہے جس کو امام احمد نے اور امام نسائی نے روایت کی اس کی سب سندیں قوی ہیں اور طبرانی نے بھی اس حدیث کو ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے اور ایک حدیث زید بن ارقم کی ہے۔

جسے امام احمد اور امام نسائی نے روایت کیا اس کے بھی سب رجال ثقہ ہیں اور ایک حدیث جابر بن سمرہ کی ہے جس کو طبرانی نے روایت کیا اور ایک روایت ابن عمر کی ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ان دونوں حدیثوں کے راوی حسن یعنی اچھے ہیں ابن عمر والی حدیث کو امام نسائی نے علاء بن عزاء کے طریقہ سے روایت کیا ہے تو اس کے رجال عزاء کے علاوہ اور سب متفقہ طور پر ثقہ ہیں مگر عزاء کو یحیٰ بن معین نے ثقہ مانا ہے غرض کہ یہ تمام حدیثیں بحیثیت اسناد ایک دوسرے سے قوی ہیں علاوہ مجموعہ کے ہر ایک طریقہ احتجاج کی صلاحیت رکھتا ہے، علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ حدیث اس حدیث صحیح کے خلاف ہے جو حضرت عمر کے دروازے کے متعلق وارد ہوئی ہے علامہ ابن جوزی کے اس اعتراض کا جواب مفصل طور پر علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے، اگر یہ بات تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لی جائے کہ یہ حدیث محض اس وجہ سے کہ عزاء نے اس کو روایت کیا ہے موضوع کہی جاسکتی ہے تب بھی اس سے نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ واقعہ سد باب مختلف احادیث سے جن کے سب راوی متفقہ طور پر ثقہ مانے گئے ہیں ثابت ہے رہا یہ اعتراض کہ ان احادیث کا مضمون اس حدیث کے خلاف ہے جو حضرت ابوبکر کے مکان کے دروازے کے متعلق ہے اس کے متعلق حافظ احمد بن عمر عبد الخالق صاحب المسند تلمیذ بخاری نے مفصل طریقہ پر بحث کی ہے صورت یہ تھی کہ جب پہلی مرتبہ حکم سد ابواب ہوا تو سب صحابیوں کے مکانات کے دروازے بہ استثناء جناب امیرؑ بند کرادئے گئے مگر صحابہ نے مسجد میں کھڑکیاں قائم کرلیں تاکہ جماعت کا وقت دیکھ کر مسجد میں آجائیں دوبارہ پھر ان کھڑکیوں کے بند کرنے کا حکم ہوا اور سوائے حضرت ابوبکر کی کھڑکی (خوخہ) کے اور سب کھڑکیاں بند کردی گئیں، ابو جعفر طحاوی نے مشکل الاثار میں اس طریقہ کو جمع کیا ہے اور انہوں اس کی تصریح بھی کردی ہے کہ مسجد میں ابوبکر کا خوخہ (کھڑکی) تھا اور دروازہ مسجد سے علیحدہ تھا اور جناب امیرؑ کا دروازہ مسجد کی طرف تھا۔

محاکمہ متعلق بہ خوخہ ابی بکر و باب علی علیہ السلام: پہلی حدیث یعنی خوخۂ ابی بکر والی حدیث کو بخاری روایت کرتے ہیں اور اسی کو صحیح کہتے ہیں، دوسرے حدیث یعنی باب علیؑ والی حدیث کو امام احمد نسائی طبرانی وغیرہ ھما روایت کرتے ہیں اور محدثین مثل طحاوی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی اسی کو قوی و حسن و صحیح بتاتے ہیں اگرچہ اس تعارج کو علامہ طحاوی مشکل الاثار میں بوجہ احسن رفع کر کے تطبیق دیتے ہیں اور حافظ ابن حجر و عینی بھی ان کے ہم زبان ہیں، مگر بخاری کی روایت مجروح معلوم ہوتی ہے اول اس لئے کہ اس میں فی الجملہ اضطراب ہے کہیں خوخہ کا لفظ آیا ہے کہیں باب کا اور دونوں کے معنوں میں فرق ہے۔

دوسرے اس لئے کہ بخاری کی ایک روایت ابو سعید خدری کی ہے جس میں تیسرے راوی فلیح ہیں جو سخت مجروح ہیں، یحیٰ ابن معین و ابو حاتم و ابوداؤد کا قول ہے کہ عاصم بن عبید اللہ و ابن عقیل و فلیح حدیث میں احتجاج کے قابل نہیں، ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں نسائی کا قول ہے کہ یہ ضعیف ہیں ابن عدی کہتے کہ یہ غرائب روایت کرتے ہیں طبری کہتے ہیں کہ منصور نے ان کو صدقات پر والی کیا تھا انہوں نے بنی حسن کو قید کیا (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۰۴) دوسری روایت بخاری کی ابن عباس کی ہے یہ دیگر اکابر محدثین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے کہ اس میں عکرمہ ابن عباس سے راوی ہیں اور وہ امام مالک وغیرہ کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ان پر دروغ گوئی

وناصبی وخارجی ہونے کی جرح ہے جیسا کہ عامہ کتب رجال ونیز تاریخ ابن خلکان میں اس کی تفصیل ہے اس کے علاوہ مسند وغیرہ میں خود حضرت ابن عباس کی روایت اس کے خلاف ہے تیسرے بخاری کی روایت درایت کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر کا کوئی مکان جو مسجد کے متصل ہونہ تھا پھر کھڑکی اور دروازہ کہاں سے آئیگا، ہجرت کے بعد وہ بنی عبدعوف میں رہتے تھے، حضرت عائشہ کا زفاف وہیں ہوا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے اور عینی وغیرہ شراح حدیث نے تصریح کردی ہے کہ درمیان ان کے اور درمیان مسجد بنوی کے ایک میل کا فاصلہ تھا وہیں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تھے، حضرت ابوبکر وہیں رہتے تھے ان کے ساتھ ان کی بیٹی اسما بھی تھیں حضرت ابوبکر نے خارجہ انصاری کی بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد وہیں سکونت کرلی تھی (عینی جلد ۷ ر ص ۶۰۰) آں حضرتؐ کے مرض الموت میں وہ عوالی کے موضع سخ میں رہتے تھے آنحضرت کی رحلت کے وقت مدینہ میں موجود بھی نہ تھے اپنے مسکن سخ میں ان کو یہ روح فرسا خبر پہنچی وہاں سے وہ آئے اور بعض روایتوں میں ہے کہ گھوڑے پر سوار آئے، خود بخاری نے روایت کی ہے مات وابوبکر بالسخ (کتاب الصلوٰۃ والمناقب) وأقبل ابوبکر علی فرسه من مسکنه بالسخ (جلد ۱ ر باب الجنائز) جناب امیرؑ کا مسکن یعنی حجرۂ فاطمہؑ بالکل مسجد سے ملا ہوا تھا اور حجرۂ عائشہ کے بغل میں تھا، سمہودی نے وفاء الوفاء میں اسی کو لکھا ہے اور خود بخاری نے بھی روایت کی کہ عبداللہ ابن عمر نے فرمایا: هو ذاك بيته وسط بيوت النبي اور یہ بھی ثابت ہے کہ جناب امیرؑ کے لئے حجرہ سے باہر ہونے کا کوئی راستہ بجز توسط مسجد نہ تھا لہٰذا خوخہ ابی بکر وباب ابی بکر کی روایت بالکل خلاف درایت معلوم ہوتی ہے حضرت ابوبکر وعمر کی عظمت وجلالت ورفاقت وصحبت کا ہرگز کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر جناب امیرؑ کی قرابت اور آں حضرتؐ کے ساتھ باعتبار ان لوگوں کے بہت زیادہ تھی روزانہ نماز پنجگانہ کی شرکت وبرکت وصحبت سے جناب امیرؑ ہی زیادہ مستفیض ہوا کئے جیسا کہ خود صحیح بخاری کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ دیگر مہاجرین جو قبا وعوالی میں مقیم ہوگئے تھے وہ ایک دن ناغہ کرکے حضرتؐ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے، حضرت عمر وغیرہ کی بھی یہی حالت تھی صحیح بخاری باب علم وباب النکاح وغیرہ میں متعدد احادیث اس بارے میں موجود ہیں جناب امیرؑ کا گھر حضرت عائشہ کے حجرہ کے متصل تھا ہر نماز میں شریک ہر واقعہ میں موجود ہوتے تھے ایسا ہی مولوی شبلی نعمانی نے ''الفاروق'' میں بھی لکھا ہے، سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر حنفی کاکوروی ص ۷۷ تا ۸۰۔

کھلتے تھے بند کردینے کا حکم دیا سوا علیؑ کے دروازے کے کہ وہ مسجد میں کھلتا رہا، جامع ترمذی ص ۶۲ ۴، خصائص نسائی ص ۷۹، مستدرک امام حاکم وغیرہ) اس پر کچھ صحابہ نے چہ میگوئیاں کیں تو آنحضرتؐ نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں نے خدا کے حکم سے تم لوگوں کے دروازے بند کئے ہیں اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا لہٰذا اس بات میں تم لوگوں کو چوں چرا کی گنجائش نہیں کیونکہ جو کچھ خدا نے حکم دیا میں نے اس کی تعمیل کی اس واقعۂ سد ابواب کو تقریباً سبھی محدثین ومورخین نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ (مستدرک امام حاکم معجم کبیر طبرانی خصائص نسائی، سنن بیہقی وغیرہ)

جہاد کا حکم

اسی سال ۲ھ میں آں حضرتؐ کو حکم جہاد بھی ہوا حفاظت خود اختیاری عقل کا ضروری حکم ہے آنحضرتؐ کو بھی حکم جہاد محض اسی اصول پر ہوا ''کوئی ہوس ملک گیری ان لڑائیوں کا باعث نہ تھی اور نہ مذہب اسلام کا بزور شمشیر پھیلانا ان سے مقصود تھا بلکہ ہر طرح اپنی حفاظت کرنا اور امن کا قائم رکھنا مدنظر تھا، مطالعہ کنندگان تاریخ کو بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ کفار مکہ کو رسول کریمؐ اور ان کے اصحاب سے کس قدر بغض وعداوت تھی اور اس عداوت کے باعث کیا تکلیفیں اور اذیتیں انہوں نے رسولؐ خدا اور صحابہ کو پہنچائی، ہرچند ایک مرتبہ صحابہ کی جماعت کثیر نے حبشہ کو ہجرت کی اور پھر دوسری مرتبہ باقی ماندہ لوگ مدینہ کو ہجرت کرکے چلے آئے مگر کفار کا غصہ فرو نہ ہوا اور آخر کار وہ رسول کریمؐ کے قتل کے درپے ہوئے اور مکہ سے نکل آنے پر بھی تلاش کی کوشش جاری رہی ان حالات میں رسول کریمؐ کا ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ میں مع رفقا کے آجانا اور یہاں کے لوگوں کا آپ کی مدد کرنا ان کی سخت ناگواری کا باعث ہوا اور جو عداوت مہاجرین مکہ سے ان کو تھی وہ مدینہ کے انصار کے ساتھ بھی ہوگئی اور سب

سے بڑا خوف کفار مکہ کو یہ تھا کہ اگر مسلمان زیادہ قوی ہو جائیں گے تو مکہ پر حملہ کر دیں گے اس کے علاوہ مدینہ کے جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ بھی انصار سے ناراض ہو گئے چنانچہ چند معزز لوگ مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قائم رکھنے کے واسطے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ امور ذیل کو اختیار کرتے:

(۱) اس بات کی خبر رکھنا کہ قریش مکہ کیا کرتے ہیں کس منصوبہ میں ہیں () جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے ارد گرد رہتی ہیں ان سے ام کا اور قریش کے مددنہ کرنے کا معاہدہ کرنا اور عہد شکنی کی حالت میں ان سے مقابلہ کرنا، () جو مسلمان مکہ میں بہ مجبوری رہ گئے تھے اور موقع پا کر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے ان کے بھاگ آنے پر جس قدر ہو سکے ان کی اعانت کرنا، () جو گروہ قریش کا، مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے تو ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرنا، غزوات یا سریات مابعد میں معلوم ہوگا کہ ہر لڑائی کے واسطے کوئی نہ کوئی وجہ ان امور چارگانہ سے ضرور تھی، (المرتضیٰ از تاریخ اسلام جلد ۲ رص ۷۹) اور حدیث و سیرت و تاریخ کی کتابوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جتنے غزوات عہد پیغمبرؐ میں پیش آئے ہر ایک میں علیؑ آپ کے ساتھ ساتھ رہے بس ایک غزوۂ تبوک کا نام تاریخ میں ملتا ہے جس میں آپ موجود نہیں رہے اس غزوہ میں پیغمبر آپ کو اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ ہی میں چھوڑ گئے تھے کیونکہ آنحضرتؐ کو پہلے سے معلوم تھا کہ غزوہ تبوک میں لڑائی کی نوبت ہی نہ آئے گی، نیز ہر غزوہ میں علمداری لشکر پیغمبر آپ ہی کی ذات سے مخصوص رہی لڑائی چاہے بڑی ہو یا چھوٹی فوج کا نشان[۱] پیغمبر نے آپ ہی کے ہاتھوں میں دیا کبھی کبھی جناب حمزہ بھی اس شرف سے مشرف ہوتے مگر عموماً علمبردار آپ ہی ہوا کئے۔

لعلی أربع خصالٍ لیست لأحدٍ غیرہ هو أول عربی و عجمی صلی مع رسول الله وهو الذی کان لواء معه فی کل زحف وهو الذی صبر معه یوم فرّ عنه غیرہ وهو الذی غسله وادخله قبرہ

---

[۱] خانہ جنگی میں عموماً دو نشان ہوا کرتے تھے ایک رایت (بڑا نشان) اور دوسرا لواء چھوٹا نشان پیغمبرؐ کے عہد میں جو غزوات پیش آئے ان میں زیادہ تر رایت علیؑ کے ہاتھوں میں رہا کبھی لواء رہا کبھی رایت و لواء دونوں ہی آپؑ کے پاس رہے۔ غزوہ ودان جو سب سے پہلا غزوہ ہے اس میں رایت آپ ہی کے ہاتھوں میں غزوہ بدر اولی میں لواء دیا گیا بدر کبری میں رایت ملا۔

جنگ احد میں رایت اور لواء دونوں آپ کو ملے، جنگ احد میں جب پیغمبر کو معلوم ہوا کہ مشرکین کا لواء بنی عبدالدار میں سے کسی کو دیا گیا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لواء بنی عبدالدار ہی کے ہاتھوں میں رہتا تھا۔ تو آپ نے بھی لواء اسلام مصعب بن عمیر کو مرحمت فرمایا کہ وہ بھی عبدالدار ہی کی نسل سے تھے، جب مصعب شہید ہو گئے تو آپ نے لواء بھی علیؑ ہی کے ہاتھوں میں دیدیا، حُمرالاسد، حدیبیہ، حنین، ذات السلاسل میں لواء علیؑ کے پاس رہا، غزوہ بنی نضیر، غزوہ خیبر، میں رایت آپ کے پاس رہا، فتح مکہ کے موقع پر رایت سعد بن عبادہ انصاری کے ہاتھوں میں اور مہاجرین کا علم علیؑ کے ہاتھوں، اس موقع پر سعد کی زبان سے کوئی ایسا فقرہ نکل گیا جس سے بوئے انتقام آتی تھی مشرکین مکہ سپر ڈال چکے تھے اور پیغمبرؐ نے امان کا اعلان عام کر دیا تھا ایک قطرہ خون کا بہنا آپ کو گوارہ نہ تھا سعد کی باتوں سے پیغمبر کو اندازہ ہوا کہ یہ مشرکین سے انتقام کے درپئے ہیں آپ نے علیؑ کو حکم دیا کہ سعد کے ہاتھوں سے علم لے لو اور خود لے کر مکہ میں داخل ہو، سعد انصار کے سرگروہ تھے، علم کے ہاتھوں سے چھننا باعث اہانت تھی اور کوئی ہوتا تو سعد کبھی علم نہ دیتے اسی لئے پیغمبرؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ اس صورت میں سعد کو مجال دم زدن نہ رہے گی۔

(استیعاب جلد ۲ رص ۴۷۰، ریاض النضرہ جلد ۱ رص ۲۰۷، ازالۃ الخفا مقصد ۲ رص ۲۶۱ وغیرہ)

علیؑ کو چار خصوصیتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی کو نصیب نہ ہوئیں، آپ اہل عرب وعجم دونوں میں پہلے وہ شخص ہیں جس نے پیغمبرؐ کے ساتھ نماز پڑھی، ہر جنگ میں علم لشکر آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا اور اس موقع پر جب کہ سبھی پیغمبرؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے بس آپ ہی پیغمبرؐ کے پاس موجود رہے اور آپ ہی نے پیغمبرؐ کو غسل وکفن دیا اور قبر میں اُتارا،

واجمعوا علی أنه صلی القبلتين وهاجر وشهد بدرا والحديبية وسائر المشاهد وأنه أبلى ببدر وبأحد والخندق وبخيبر بلاء عظيما وأنه أغنى فى تلك المشاهد وقام فيها مقام الكريم وكان لواء رسول الله بيده فى مواطن كثيرة۔

(استیعاب جلد ۲ رص ۴۷۲، ریاض النضرہ جلد ۲ رص ۱۲۲، اصابہ جلد ۴ رص ۲۶۹، اسد الغابہ جلد ۴ رص ۱۶، طبقات ابن سعد جلد ۳ رقسم اول ص ۱۴)

علمانے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے دونوں قبلہ (بیت المقدس اور خانۂ کعبہ) کی طرف نماز پڑھی ہجرت فرمائی، بدر واحد وخندق وخیبر میں بڑی بڑی آزمائشیں جھیلیں اور معرکوں میں پیغمبرؐ کو دوسروں کی مدد سے بے نیاز کیا اور بڑی عزت وشرف کے درجے پر فائز ہوئے اکثر معرکوں میں پیغمبرؐ کا علم لشکر آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔

جناب فاطمۃ الزہراء نے مطالبۂ میراث پیغمبر کے سلسلے میں دربار خلافت اور مہاجرین وانصار کے مجمع میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں یہ فقرے بھی تھے:

كلما أوقدوا ناراً للحرب أطفأها الله أو نجم قرن للشياطين أوفغرت ناعزة من المشركين قذف أخاه فى لهوتها فلاينكفئ حتى يطأصماخها بأخمصة ويخمد لهبها بسيفه (بلاغات النساء واحتجاج طبرسیؒ)

جب کبھی ان لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی خدا نے اسے خاموش کر دیا یا جب کبھی شیطان نے سر اُٹھایا یا مشرکوں کی شرارت کے اژدھے نے منہ کھولا تو آنحضرتؐ نے اپنے بھائی علیؑ ہی کو اس بلا کے منہ میں بھیجا پس بہادر علیؑ کی شان یہ تھی کہ وہ اس وقت تک نہ پلٹا جب تک اپنے پیروں تلے ان بلاؤں کے سر نہ کچل دئے اور فتنہ کی آگ نہ بجھادی،

عن جابر بن سمرة قالوا يارسول الله من يحمل رايتك يوم القيامة قال من عسى أن يحملها إلا من حملها فى الدنيا على ابن ابى طالب۔ (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند جلد ۵ ص ۵۰، ۷ ریاض النضرہ جلد دوم ص ۲۰۳)

جابر بن سمرہ ناقل ہیں کہ لوگوں نے پیغمبرؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ بروز قیامت آپ کے رایت کا حامل کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو دنیا میں میرے رایت کا حامل رہا وہی آخرت میں بھی یعنی علیؑ ابن ابی طالب۔۔۔۔۔

ان روایات واقوال سے حسب ذیل امور محتاج توضیح نہیں رہتے، سوا غزوہ تبوک علیؑ کسی غزوہ میں پیغمبرؐ سے جدا نہیں ہوئے ہر معرکہ میں فوج اسلام کی علمبرداری آپ ہی کو دی گئی، جتنی لڑائیاں فتح ہوئی آپ ہی کی سرفروشیوں کے سبب آئندہ کے

واقعات سے اس کی تفصیل اور زیادہ واضح ہوگی۔

غزوۂ ودان ۲ھ :

جسے غزوۂ ابواء بھی کہتے ہیں، مدینہ سے مکہ کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ابواء ایک مقام ہے یہاں کا قبیلہ بنی ضمرہ مسلمانوں کو ایذا دینے کی غرض سے قریش سے متفق ہوا تھا، پیغمبرؐ نے مہاجرین کے ۶۰ سواروں کے ساتھ چڑھائی کی جنگ کی نوبت نہیں آئی بلکہ اس شرط پر صلح ہوگئی کہ بنی ضمرہ نہ قریش کا ساتھ دیں گے نہ مسلمانوں کا، یہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں پیغمبرؐ بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور پہلی مرتبہ علم اسلام بلند کیا گیا، لوائے فوج حضرت حمزہ کے ہاتھوں میں تھا، (طبقات ابن سعد) اور رایت فوج حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں (ارشاد شیخ مفیدؒ)

غزوۂ بواط وبدر اولی ۲ھ :

اس غزوہ میں مورخین نے علیؑ کی موجودگی اور حامل رایت لشکر ہونے کی صراحت نہیں کی ہے لیکن مورخین کا متفقہ قول أنه لم يتخلف عنه في مواطن الا تبوك وكان صاحب رايته ''سوائے غزوۂ تبوک کے علیؑ کسی غزوہ میں پیغمبرؐ سے جدا نہیں رہے، اور آں حضرتؐ کے علمبردار علیؑ ہی ہوا کئے'' بتاتا ہے کہ اس غزوہ میں بھی آپ موجود تھے اور علم فوج آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔

غزوۂ عشیرہ ۲ھ :

اس غزوہ میں بھی مورخین نے آپ کی موجودگی کی صراحت نہیں کی لیکن مذکورہ بالا قول مورخین سے اس غزوہ میں بھی آپ کی موجودگی وعلمبرداری کے قرائن ظاہر ہیں۔

جنگ بدر ۲ھ

مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل پر ایک گاؤں تھا مدینہ میں خبر پہونچی کہ قریش بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سننے میں آیا کہ ابوسفیان ۱۳۰ سواروں کے ساتھ ہزاروں آدمیوں کے قافلے کے ہمراہ شام سے آرہا ہے (اس طرح مسلمان دونوں طرف سے دشمنوں سے گھر جائیں گے) پیغمبرؐ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام بدر پر اُترے، مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور کافروں کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ جن میں سوسواروں کا رسالہ بھی تھا اور اس غزوہ میں بھی پیغمبرؐ نے رایت لشکر علیؑ ہی کو دیا۔

علامہ ابن عبد البر استیعاب میں عبداللہ بن عباس سے ناقل ہیں کہ پیغمبرؐ نے جنگ بدر میں علم لشکر علیؑ کو دیا اور وہ ۲۰ برس کے تھے، سیرت حلبیہ میں بھی ابن عباس کی یہ حدیث موجود ہے علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کان لواءہ ورأیتہ مع علی ابن ابی طالب ''لواء اور رایت دونوں کے حامل علیؑ تھے۔''

جب دونوں صفیں جمیں اور آغاز جنگ ہوا تو مشرکین کی صف سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ باہر نکلے اور پیغمبرؐ کے ہمراہیوں کو للکارا، مسلمانوں میں سے معاذ، معوذ، عوف انصاری مقابلہ کے لئے نکلے عتبہ وغیرہ اکابر قریش سے تھے خاندانی عزوشرف پر نازاں، کبرونخوت سے دل ودماغ بھرپور وہ لڑنے پر تیار نہ ہوئے کہ ہم میں ان میں کوئی برابری نہیں ،انہوں نے کہا تم واپس جاؤ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے انہوں نے پیغمبرؐ کو آواز دی کہ ہمارے قوم وقبیلہ سے ہمارے برابر کے لڑنے والوں کو بھیجو، پیغمبرؐ نے عبیدہ بن الحارث بن مطلب، حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت علیؑ سے کہا اٹھو جا کر جنگ کروں عتبہ نے کیہا کچھ باتیں کرو تاکہ ہمیں معلوم تو ہو کہ تم کون ہو کون نہیں، اگر تم برابر کے ہوگے تو ہم لڑینگے ورنہ نہیں، سب کے چہروں پر خَود تھی جس سے پہچاننا مشکل ہو رہا تھا، جناب حمزہ نے اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا، ادھر سے عزت وشرافت کا اعتراف ہوا حریف کی برابری تسلیم کی گئی اور جنگ چھڑ گئی، عبیدہ اور شیبہ لگ بھگ عمر کے تھے وہ ایک دوسرے نبرد آزما ہوئے، حمزہ اور عتبہ ایک سن کے اور ولید بن عتبہ وعلیؑ کا سن ایک تھا، فطرۃً اپنے برابر سے جنگ کرنا خوشگوار معلوم ہوتا ہے اسی سے جنگ ہوئی

(طبقات ابن سعد، ارشاد شیخ مفیدؒ)

ولید نے علیؑ پر تلوار چلائی، آپ نے وار خالی دے کر اس کے بائیں یا دائیں کاندھے پر تلوار کا بھرپور ہاتھ مارا، تلوار شانے کو کاٹتی ہوئی بغل سے نکل گئی، ہجرت کے موقع پر جناح کا وار خالی دیتے ہوئے بھی آپ نے اسی طرح اس کے کاندھے پر تلوار ماری تھی کہ ملبان میں اس کے دو حصے کرتی ہوئی گھوڑے کے کاندھے تک تلوار اُتر آئی تھی، ہو بہو وہی نقشہ تھا، علیؑ کے مد مقابل ولید کے ڈیل ڈول، غیر معمولی طاقت وشجاعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے، ولید اپنا دایاں کٹا ہوا ہاتھ بائیں ہاتھ میں لے کر میرے سر پر زور سے کھینچ مارا معلوم ہو جیسے آسمان زمین پر پھٹ پڑا، پھر آپ نے دوسرا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا، ادھر جناب حمزہ عتبہ سے نبرد آزما تھے، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ دونوں نے وار پر وار کئے یہاں تک کہ تلواریں ٹوٹ گئیں، پھر دونوں گتھ گئے، علیؑ ولید سے فرصت پا کے عتبہ پر جا پڑے، حمزہ دراز قد تھے علیؑ نے کہا چچا سر جھکا لیجئے، حمزہ نے سر عتبہ کے سینہ میں ڈال دیا، علیؑ کی تلوار چلی اور عتبہ کے دو ٹکڑے ہو گئے، عبیدہ اور شیبہ میں دو دو ہاتھ چلے عبیدہ نے شیبہ کے سر پر وار کیا اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی، شیبہ نے آپ کی پنڈلیوں کا تا کا اور دونوں ایک ساتھ گرے، حمزہ اور علیؑ نے بڑھ کر شیبہ کا کام تمام کر دیا۔

یہی تین روح رواں تھے مشرکین کے لشکر کے، ان کے خاتمہ نے جنگ کی بساط اُلٹ دی، ۳۱۳ مسلمانوں نے ہزاروں مشرکین کو تلوار کی زد پر لے لیا اُن کے قدم اُٹھنے لگے اور مسلمانوں کی فتح یقینی ہوگئی علیؑ نے ان تین میں ایک کو تنہا قتل کیا دو کے مانے میں برابر کے شریک ہوئے۔

قیس بن عبادہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں۔

قال اول من یجثو بین یدی الرحمان للخصومة یوم القیامة قال قیس وفیهم نزلت هذا ان خصمان اختصموا فی ربهم قال هم الذین تبارزو یوم بدر حمزة وعلی وعبیدة اور عبیدة بن الحارث وشیبة ابن ربیعة وعتبة والولید بن عتبة، (صحیح بخاری پارہ ۱۶رص ۱۰، مستدرک جلد ۲ررص ۳۸۶روغیرہ)

جناب امیرؑ فرماتے تھے میں سب سے اول خدا کے سامنے قیامت کے دن اپنا جھگڑا پیش کروں گا، قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت هذان خصمان الخ، یہ دو جھگڑا کرنے والے ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے روز جنگ کی، وہ جناب حمزہ، علی اور عبیدہ بن الحارث اور عتبہ وشیبہ وولید ہیں۔

اس جنگ میں ستر مشرکین مارے گئے ستر ہی اسیر ہوئے ۳۶ مشرکین کو صرف علیؑ نے قتل کیا۔ابو جہل اس کا بھائی عاص، عتبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ نیز اور بہت سے اسلام کے شدید دشمن تہ تیغ ہوئے، بڑے بڑے سر برآوردہ کفار جن کی شجاعت وبہادری کی داستانیں زباں زد خلائق تھیں، حضرت علیؑ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے، اس جنگ میں حضرت علیؑ کو کئی امتیازی خصوصیات حاصل ہوئیں جو کسی اور کو نہ ہاتھ آئیں۔

(۱) اس جنگ میں علمبردار لشکر اسلام آپ ہی تھے۔(۲) بڑے بڑے شجاعان عرب اور لشکر قریش کے نمودار آپ کے

ا مورخین نے حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد بھی لکھ دی ہے اور اُن کے ناموں کی صراحت بھی (۱) ولید بن عتبہ بڑا نامور شجاع، بے حد دلیر وبیباک جنگجو تھا جس سبھی ڈرتے تھے، (۲) عاص بنی سعید بن عاص بڑا ہیبت ناک ماہر جن حرب تھا جس سے بڑے بڑے سُورما ڈرتے تھے یہی وہ شخص تھا جس کے مقابلے سے حضرت عمر نے گریز کیا تھا، عاص کے فرزند سعید بن عاص جو مسلمان ہو چکے تھے حضرت عمر کے عہد میں ایک مرتبہ دربار خلافت میں آئے اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، حضرت عمر کی نگاہ ان پر پڑی سعید سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، کیا بات ہے؟ میں تمہیں اپنے سے کچھ کبیدہ پاتا ہوں کیا تم اس غلط فہمی میں ہو کہ میں تمہارے باپ کو قتل کیا، خدا کی قسم میری بڑی تمنا تھی کہ میں ہی اس کا قاتل ہوتا اگر میں قتل کئے ہوتا تو کافر کو قتل کرنے کی وجہ سے کوئی عذر بھی نہ کرتا لیکن یہ سعادت مجھے نصیب ہی نہیں ہوئی، میں بروز جنگ بدر گزر رہا تھا کہ عاص پر نظر پڑی وہ لڑنے کے لئے یوں پیچ وتاب کھا رہا تھا جیسے مست میں سانڈ، میں ڈر کے کنّی کاٹ گیا، عاص نے پوچھا بھی کہ فرزند خطاب کدھر جا رہے ہو؟ علیؑ اس پر حملہ آور ہوئے اور ایک ہی وار میں اسے مار لیا، خدا کی قسم ابھی میرے پیر بھی اُٹھنے نہ پائے تھے کہ علیؑ نے اسے قتل کر لیا، حضرت علیؑ بھی وہاں تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا شرک نیست ونابود ہو گیا، اسلام نے پہلی باتوں کو مٹا دیا، یہ تم میرے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے کیوں رہتے ہو، حضرت عمر اس پر خاموش ہو گئے، سعید نے کہا خدا کی قسم اگر علیؑ کے علاوہ میرے باپ کا کوئی دوسرا قاتل ہوتا تو مجھے ذرا بھی خوشی نہ ہوتے، علامہ ابن ابی الحدید نے سعید کا یہ فقرہ بھی نقل کیا، لقد قتله كفو كريم. هو أحب إلي من أن يقتله من ليس من بني عبد مناف۔۔۔۔۔۔میرے باپ کو معزز شریف برابر کے آدمی نے قتل کیا خدا کی قسم علیؑ کا میرے باپ کو قتل کرنا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس کے کہ بنی ہاشم کے علاوہ کوئی دوسرا قتل کرتا (۳) طعیمہ بن عدی بن نوفل یہ مشرکین کے گروہوں میں تھا، علامہ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے اسے نیزہ سے ہلاک کیا، بعض روایات میں ہے کہ جناب حمزہ نے قتل کیا، واقدی کا بیان ہے کہ جناب حمزہ اور علیؑ دونوں اس کے قتل میں شریک تھے (۴) نوفل بن خویلد سخت ترین دشمن پیغمبر تھا، قریش والے اس کی بڑی عزت وتکریم، اطاعت وفرمانبرداری کرتے اور اپنا پیشوا سمجھتے تھے اسی نے حضرت ابوبکر وطلحہ کو وقت اظہار اسلام رسی سے باندھ کر ایک شب وروز اذیتیں دی تھی، اسی کے متعلق پیغمبر نے دعا فرمائی تھی اللهم اكفني نوفل بن العدوية، خدا نوفل کے شر سے محفوظ رکھ، یہ بھاگنے کی تیاریوں میں تھا کہ جبار بن صخر انصاری نے کسی ترکیب سے قید کر لیا، قید کئے لئے جا رہے تھے، کہ سامنے سے حضرت علیؑ آتے نظر پڑے، نوفل نے جبار سے پوچھا یہ کون آرہا ہے، قسم لات عزیٰ کی یہ تو میری ہی تلاش میں نظر آتے ہیں، جبار نے بتایا کہ یہ علیؑ ہیں نوفل سُن کر کہنے لگا کہ بہت ہٹ چھٹ ہیں، اپنی قوم کو مثل چیونٹی کے مسل دیتے ہیں، ان سے بچنا ناممکن ہے، جناب امیر نے تلوار چلا دی اس نے سر پر روکا آپ نے دوسرا وار کر کے پاؤں کاٹ دیئے تیسرے میں خاتمہ کر دیا، پیغمبر نوفل کے متعلق فکر مند تھے لوگوں سے دریافت کیا کسی کو نوفل کا حال بھی معلوم ہے؟ آپ نے کہا یا رسول اللہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے پیغمبر نے خوش خبری سن کر تکبیر کہی اور فرمایا کہ الحمد للہ میری دعا قبول ہوئی، (۵) عامر بن عبداللہ (۶) نضر بن حارث (۷) عبداللہ بن منذر ابن ابی رفاعہ (۸) حاجب ابن سائب۔

(۹) عاص ابن منبہ (۱۰) ابوالعاص بن قیس بن عدی سہمی (۱۱) اوس بن مغیرہ عجمی (۱۲) معاویہ بن عامر (۱۳) حرملہ بن عمر (۱۴) حرملہ بن اسد (۱۵) مسعود ابن المغیرہ (۱۶) ابوالقیس بن الفاکہہ (۱۷) عقبہ بن ابی معیط (۱۸) عمر بن عثمان (۱۹) عمر بن قیس (۲۰) قیس ابن الولید (۲۱) ابن المغیرہ (۲۲) حنظلہ بن ابوسفیان برادر معاویہ، (۲۳) عتبہ بن ابی ربیعہ بن عبدالشمس (۲۴) زمعہ بن اسود (۲۵) عقیل بن اسود (۲۶) علقمہ ابن کلدہ (۲۷) ابوالعاص بن قیس بن عدی (۲۸) معاویہ بن المغیرہ بن ابی العاص (۲۹) لوزان بن ربیعہ (۳۰) اوس بن المغیرہ بن لوزان (۳۱) زید بن لمیص (۳۲) غانم ابن ابی عوف (۳۳) سعید بن وہب حلیف بنی العامر (۳۴) عبداللہ بن جمیل بن زہیر بن الحارث بن اسد (۳۵) ابوالحکم بن الاخنس (۳۶) ہشام بن امیہ بن المغیرہ۔سیرۃ علویہ ص حافظ محمد علی حیدر حنفی کاکوروی واعیان الشیعہ جلد ۳/ص ۳۴۰)

ہاتھوں تہ تیغ ہوئے۔(۳) نصف سے زیادہ مقتولین کو آپ نے قتل کیا۔() حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جس دن جنگ بدر ہوئی، اس سے پہلے کی رات میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کون ہماری فوج کے لئے پانی لانے کی سبیل کرتا، قریش کی دہشت سے کسی کی ہمت باہر نکلنے کی نہ ہوتی تھی سبھی نے گریز کیا، حضرت علیؑ اُٹھ کھڑے ہوئے، مشک ساتھ لی اور ایک بہت گہرے اور تاریک کنویں پر آئے اس کے اندر داخل ہوئے اور پانی لائے۔(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد جلد ۴ر ۱۰ار)۔(پیغمبر کی دعا آپ ہی کے ہاتھوں پر قبول ہوئی، نوفل آپ کے ہاتھوں مارا گیا)

۳ھ

ولادت امام حسن علیہ السلام:

اس سال ۱۵ر ماہ رمضان المبارک کو حضرت علیؑ کے فرزند اکبر امام حسنؑ متولد ہوئے، پیغمبر تشریف لائے اپنی آغوش میں لیا ، داہیں کان میں اذان کہی بائیں میں اقامت، آپ کا عقیقہ کرایا اور سر کے بولوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی، پیغمبرؐ ہی نے آپ کا نام حسن رکھا، آپ سے پہلے کسی کا نام حسن نہیں ہوا، جبریل امین وحی لے کر اُترے تھے کہ ارشاد الٰہی ہے کہ علیؑ آپ کے لئے بمنزلہ ہارونؑ کے ہیں لہٰذا ہارونؑ کے فرزند کے نام پر علیؑ کے فرزند کا نام بھی ہونا چاہیے، حسن نام رکھئے کہ زبان عربی میں شبّر کا ہم معنی ہے پیغمبرؐ کی حدیث بھی ہے، آں حضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں سمی هارون ابنیه شبراً وشبیراً وانی سمیت الحسن الحسین بما سمی به هارون" ہارون نے اپنے دونوں فرزندوں کا نام شبر وشبیر رکھا اور میں نے ان کے نام پر حسن وحسین رکھا۔(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد جلد ۵ر ص ۱۰۶)

جنگ احد:

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اور کفار قریش کے نامی سردار چُن چُن کر مارے گئے تھے، قریش کو جب مقتولین بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اُن کے انتقام کا جوش پیدا ہوا، ابوسفیان ان کا سردار تھا اس کی بیوی ہند خاص کر اس کو اُبھارتی تھی غرض قریش بدر کی شکست کا پورا بدلہ لینے پر تلے ہوئے تھے جس کی آگ نہایت تیزی سے ان کے سینے میں بھڑک رہی تھی، سب لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے اور ابوسفیان تین ہزار کی فوج لے کر شوال ۳ھ میں مدینہ پر چڑھ آیا، خطرہ بے حد بڑھ چکا تھا عمائد انصار سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، اسید بن حضیر تلواریں لے کر رات بھر پیغمبرؐ کے گھر کا پہرہ دیتے رہے کہ مشرکین شب خون نہ ماریں، مدینہ کے سبھی مسلمانوں نے مدینہ کی حفاظت کے لیے رات جاگ کر بسر کی، صبح کو

پیغمبر تقریباً صحابیوں کے ساتھ ان کے مقابلہ کو نکلے اور کوہ احد کی ایک گھاٹی میں جا کر اُترے، احد کے پہاڑ کو پشت پر رکھا، اپنے ہمراہیوں کی کئی جماعتیں بنائیں ہر ایک پر ایک افسر مقرر کیا نیزوں کے تین چھوٹے علم بنائے مدینہ کے مسلمان دو خاندانوں کے تھے ایک اُوس دوسرے خزرج قبیلہ اُوس کا علم اسید بن حضیر کو دیا خزرج کا خباب بن منذر یا سعد بن عبادہ کو اور مہاجرین کا علم حضرت علیؑ کو دیا، (تاریخ خمیس جلد ا رص ۴۷۴) رایت اسلام یعنی بڑا علم حسب معمول علیؑ ہی کے پاس تھا۔

حضرت حمزہ کو اس حصہ فوج کی کمان دی جو زرہ پوش نہ تھا، مشرکین کے لشکر کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ تھا جو بنی عبدالدار سے تھا ،زمانۂ جاہلیت میں قریش کی علمبرداری عبدالدار کی اولاد سے مخصوص تھی وہی علم دار لشکر ہوا کرتے تھے پیغمبر کو جب معلوم ہوا کہ مشرکین کا علمبردار طلحہ ابن ابی طلحہ عبدری ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس دستور کے نباہنے کے ہم زیادہ حق دار ہیں، آپ نے مہاجرین کا چھوٹا علم علیؑ سے لے کر مصعب کے حوالے کیا کہ وہ بھی عبدالدار کی نسل سے تھے جب مصعب شہید ہو گئے تو آپ نے وہ نشان بھی علیؑ ہی کو مرحمت فرما دیا، اس طرح بڑے نشان اور چھوٹے نشان دونوں کے حامل علیؑ ہوئے، دونوں کے حامل ہونے سے مطلب یہ نہیں کہ آپ دونوں کو ہاتھ میں لئے رہتے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ مالک ومختار تھے اپنی پسند سے جس کسی کو چاہتے اُٹھانے کا حکم دیتے تھے۔

مشرکین نے صف بندی کی میمنہ پر دوسو سوار خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل افسر تھا، پیغمبر نے بھی اپنے اصحاب کو صف بستہ کیا پشت کی طرف سے احتمال تھا کہ ادھر سے دشمن حملہ کر دیں گے اس لئے عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں پچاس تیراندازوں کا دستہ معین فرما کر حکم دیا کہ دشمن کو تیروں کی زد پر لئے رہو تا کہ وہ ہمارے عقب سے نہ آ پڑیں یہاں سے تمہارے قدم نہ ڈگنے پائیں چاہے ہماری فتح ہو یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا، جب تک تم قدم جمائے رہو گے ہمارا پلہ بھاری رہے گا، اگر تم دیکھو کہ ہم فتحیاب ہو رہے ہیں اور مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہیں تو اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے ہمارے شریک نہ ہو جانا، اور اگر دیکھو کہ ہم لوگ تہ تیغ کئے جارہے ہیں تب بھی تم ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھنا کہ مشرکین کو شکست دے کر ہم مکہ تک بھگا لے گئے ہیں تب بھی درہ نہ چھوڑنا اور اگر یہ دیکھو کہ مشرکین نے ہمیں شکست دے کر مدینہ کے اندر ڈھکیل دیا ہے تب بھی تم اپنی جگہ جمے رہنا۔

صف بندی کے بعد مشرکین کا علمدار نوف طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مقابلہ کے نے لشکر اسلام کو للکاردی یہ طلحہ اپنی جوانمردی ومہارت حرب وضرب کی وجہ سے کبش الکتیبۃ سردار لشکر کے نام سے پکارا جاتا تھا، علیؑ آگے بڑھے اور آپ نے اسے تہ تیغ کیا، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ طلحہ علیؑ کی تلوار سے قتل ہوا، روایات میں قدرے اختلاف ہے بھی تو کیفیت جنگ میں، علی

ابن ابراہیم قمیؒ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ قریش کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ تھا وہ میدان میں آیا اور پکار کر آواز دی اے محمد! تم لوگ دعوی کرتے ہو کہ اپنی تلواروں سے ہمیں جہنم میں بھیجتے ہو اور ہم تمہیں قتل کرتے ہیں تو تم جنت میں جاتے ہو تو جسے جنت کی تمنا ہو وہ میرے مقابلہ کے لئے آئے، حضرت علیؑ مقابلہ کو نکلے، طلحہ نے پوچھا صاحبزادے تم کون ہو؟ آپ نے کہا میں ہوں علیؑ ابن ابی طالب، طلحہ نے کہا قضیم !! میں پہلے ہی جانتا تھا کہ سوا تمہارے مجھ سے نبرد آزما ہونے کی کسی کو ہمت نہ ہوگی یہ کہہ کر طلحہ تلوار کھینچے آپؑ پر ٹوٹ پڑا، حضرت علیؑ نے اس کا وار سپر پر روک کر اس کی رانوں پر بھرپور ہاتھ مارا دونوں رانیں کٹ گئیں، اور طلحہ زمین پر آ رہا، قریش کے جھنڈے نے زمین دیکھی علیؑ نے چاہا کہ سر کاٹ لیں طلحہ نے رشتہ داری کا واسطہ دیا، آپ چھوڑ کر پیغمبرؐ کے پاس پلٹ آئے، مسلمانوں نے علیؑ سے پوچھا آپ نے سر کیوں نہیں کاٹ لیا؟ آپ نے بتایا کہ وار اتنا کاری پڑا ہے بچنے کا نہیں، ہم گزشتہ صفحات میں اس روایت کا ذکر کر چکے ہیں، طلحہ نے سچ کہا تھا کہ تمہارے سوا کسی کو ہمت میرے مقابلہ کی نہ ہوگی اسی وجہ سے علیؑ کے سوا کوئی مقابلہ کو نہیں نکلا، حالاں کہ اس نے بار بار آوازیں بھی دیں اور طعنے بھی دئے واقدی لکھتا ہے کہ طلحہ کے قتل کئے جانے پر پیغمبرؐ کو بے حد مسرت ہوئی، بڑے زور سے آپ نے تکبیر کہی اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔

طلحہ کے قتل ہونے پر مسلمان مشرکین پر تلواریں سونت کر پل پڑے، اُن کی صفیں پراگندہ ہوگئیں، طلحہ کے بعد یکے بعد دیگے کئی ناموران قریش علمدار لشکر ہوتے رہے، ایک گرتا تھا تو ویسا ہی آزمودہ کار دوسرا بڑھ کر علم اُٹھا لیتا تھا اور جس نے علم ہاتھ میں لیا وہ علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا، اسی طرح لشکر کفار کے آٹھ علمدار یکے بعد دیگرے جناب امیرؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے، (سیرۃ علویہ حافظ محمد حیدر حنفی کاکوری ص ۸۱) علامہ طبری لکھتے ہیں **كان الذى قتل أصحاب اللواء علی** علیہ السلام مشرکین کے علمبرداروں کو علیؑ ہی نے قتل کیا، علامہ طبری، علی ابن ابراہیم قمی، جناب شیخ مفیدؒ کی عبارتیں بتاتی ہیں کہ سب کے سب علمبردار ان قریش علیؑ ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے چنانچہ طبری نے ابو رافع کی روایت لکھی ہے **عن ابی رافع قال لما قتل علی ابن ابی طالب أصحاب الألوية**، جب علیؑ نے علمداران فوج کو قتل کیا، (تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۷ / تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۸ ریاض

النضرۃ جلد ۲ رص ۱۷۲) یہ جملہ بتاتا ہے کل علمبرداران قریش علیؑ ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔

قریش کا علم بنی عبد الدار کے لئے بڑا ہی منحوس ثابت ہوا کیونکہ جس نے بھی اٹھایا اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑا یہاں تک کہ آخر میں جب کوئی اٹھانے والا نہ رہا تو عورت نے اٹھایا، جنگ شروع ہونے سے پہلے ابوسفیان نے قریش والوں کو بڑی غیرت دلائی تھی مطلب یہ تھا کہ اگر جان کی بازی لگا کر علم کی حفاظت کر سکو تو علم ہاتھ میں لو، ورنہ اسے مستحق ہاتھوں میں جانے دو جو اس کی بخوبی حفاظت بھی کر سکیں، اس جملہ نے بنی عبد الدار جو ہمیشہ سے میدان جنگ میں علمدار فوج ہوتے آئے کی رگ حمیت وغیرت میں نشتر کا کام کیا تھا، ان کا ایک ایک علمدار قتل ہوتا گیا اور دوسرا بڑھ کر علم بردار ہوتا گیا یہاں تک کہ ۹ رکے ۹ ر علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

خالد بن ولید دو سو سواروں کی کمان کر رہا تھا اسے ابوسفیان نے تاکید کی کہ جب ہم مسلمانوں سے گتھ جائیں تو تم اس گھاٹی سے نکل کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دینا، خالد پیغمبرؐ کے میسرہ پر بار بار حملہ کرتا تھا کہ مسلمان پرت کو چیرتا ہوا آگے بڑھ جائے اور پھر پلٹ کر حملہ آور ہو مگر عبد اللہ بن جبیر کے ۵۰ ر تیرانداز تیروں کا مینہ برسا رہے تھے بار بار بڑھنا چاہا اور ہر مرتبہ تیروں کی بارش سے گھونگٹ کھائی، جب علمبرداران قریش ایک ایک کر کے قتل ہو گئے تو اب ان لوگوں کے پیر اُکھڑے مسلمانوں نے انہیں تلواروں پر دھر لیا پیچھا کرتے ہوئے انہیں دور تک بھگا لے گئے، فتح ہونے ہی کو تھی کہ مسلمان لوٹ میں مصروف ہو گئے، پچاس تیرانداز جو گھاٹی پر معین تھے اور جن کو پیغمبرؐ نے تاکید کی تھی کہ نتیجۂ جنگ خواہ کچھ بھی ہو تم اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں ان کے دلوں میں بھی مال غنیمت کی لالچ پیدا ہوئی پیغمبرؐ کی ساری تاکیدات ذہن سے اُتر گئیں، خیال ہوا کہ فتح تو

اعلی ابن ابراہیم قمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مشرکین کا علم طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھوں میں تھا وہ میدان میں آیا، علیؑ اس کے مقابلہ کو نکلے اور اس کی ران پر وار کیا دونوں رانیں کاٹ ڈالیں اور طلحہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا علم بھی اس کے ساتھ گرا پھر وہ علم سعید بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا اسے بھی علیؑ نے قتل کیا اور علم زمین پر آتا رہا پھر عثمان ابی طلحہ نے علم لیا اسے بھی علیؑ نے قتل کیا، پھر حارث بن ابی طلحہ، نے وہ بھی علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا پھر ابوغرر نے اسے بھی علیؑ نے ختم کیا، پھر عبد اللہ بن ابی جمیلہ بن زہیر نے، وہ بھی علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا پھر ارطاۃ بن شرجیل نے علم اٹھایا، علیؑ نے لڑ کر اسے بھی قتل کیا پھر مشرکین کے غلام صواب نے علم لیا، علیؑ نے اس کے داہنے ہاتھ پر تلوار ماری، وہ ہاتھ کٹا تو اس نے بائیں ہاتھ میں علم لیا، علیؑ کی تلوار بائیں ہاتھ پر پڑی وہ بھی کٹ گیا تو اس نے وہ دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے علم کو سینہ پر روکا، آپ نے تلوار سر پر ماری اور اسے ٹھکانے لگا دیا، علم زمین پر گرا پھر اسے علقمہ حارثی کی بیٹی عمرہ نے ہاتھوں میں لے لیا۔

جناب شیخ مفیدؒ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ بروز احد مشرکین کے یکے بعد دیگرے نو علمبرداروں کو علیؑ نے قتل کیا بعض مورخین کا خیال ہے کہ سات یا نو علم برداران قریش سے ۳ ر حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے اور باقی ۴ ر یا ۶ ر دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں، ان تین میں ایک طلحہ پر تو سب کا اتفاق ہے ہے کہ حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا مگر باقی دو کے متعلق شدید اختلاف ہے، علامہ ابن سعد نے کسی اور دو کے نام لکھے ہیں واقدی نے کسی اور دو کے ابن اثیر نے کسی اور کے اور جو نام علمداران قریش کے تحریر کئے گئے ان میں سے ہر ایک کے متعلق کسی نہ کسی کا قول مل جاتا ہے کہ حضرت کے ہاتھوں قتل ہوا، زمانہ کے رنگ اور علیؑ کے خلاف متعصب ذہنیتوں کو دیکھتے ہوئے مورخین کا اس سے انکار کہ علیؑ نے سارے علم داران قریش کو مارا کوئی بعید بھی نہیں لھذا صحیح امام جعفر صادقؑ ہی کی روایت ہے کہ علمبرداران قریش ۹ ر ہوئے اور ان سبھوں کو علیؑ ہی نے تہ تیغ کیا کیونکہ دیگر اقوال سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ہو ہی چکی ہے ہمارے دوسرے بھائی مال غنیمت لوٹ رہے ہیں اور ہم محروم رہے جاتے ہیں، آپس میں اس پر اختلاف بھی ہوا مگر عبداللہ بن جبیر تنہا رہ گئے صرف دس آدمی ان کے ہمراہ اپنی جگہ پر جمے رہے ۴۰ر آدمی ہٹ کر لوٹ میں شریک ہو گئے، واقدی کہتا ہے کہ جنگ احد میں پیغمبرؐ کو جیسی شاندار فتح نصیب ہوئی ویسی کسی جنگ میں نہیں مگر لوگوں نے پیغمبر کی نافرمانی کر کے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا فتح شکست سے بدل گئی، خالد نے جب دیکھا کہ تیراندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے، گنے چنے باقی رہ گئے ہیں اپنے رسالہ کو ساتھ لے کر پوری طاقت سے ٹوٹ پڑا، عکرمہ بھی کمک کو آ گیا، دس تیرانداز اس جم غفیر کا مقابلہ کر ہی کیا سکتے تھے جب تک ہاتھوں میں قوت رہی بلکہ جب تک ترکش میں ایک تیر بھی باقی رہا دلیروں نے یلغار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جہاں ان کے قدم تھے وہیں ان کی لاش گری، عبداللہ بن جبیر نے پہلے تو تیروں سے انہیں روکا، تیر ختم ہو گئے تو نیزہ سے کام لیا، نیزہ ٹوٹ گیا تو تلوار سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوئے، بھاگتے ہوئے مشرکین نے جب اپنے لشکر کو لڑتے دیکھا تو ان کے اڑے ہوئے ہوش بھی بجا ہوئے پلٹ کر انہوں نے سامنے سے حملہ کر دیا، مسلمان کہاں تو لوٹ میں مصروف تھے کہاں دونوں سمتوں سے نرغہ، میں گھر گئے، خالد نے تیراندازوں سے راستہ صاف کر کے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا، مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں دہشت و سراسیمگی اتنی پھیلی کہ مسلمان مسلمان پر ہی وار کرنے لگے اس افراتفری میں ستر مسلمان قتل ہوئے اور ستر یا اس سے زیادہ زخمی ہوئے، مال غنیمت جو کچھ لوٹا تھا اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور جن مشرکین کو قیدی بنایا تھا وہ بھی ہاتھ سے گئے۔

ابوسفیان کی بیوی ہند جو عتبہ کی دختر تھی اس نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کے لئے ایک گران بہا انعام مقرر کیا تھا یہ وحشی حبشی تھا اور حبش والے دور سے خنجر پھینک کر دشمن کو ہلاک کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں آج بھی افریقہ کے ممالک میں اس کی مثالیں آئے دن پیش آتی رہتی ہیں یہ وار بہت کم خالی جاتا ہے، ہند نے وحشی سے وعدہ کیا کہ اگر تو محمدؐ یا علیؑ یا حمزہؓ کو قتل کر ڈالے تو انعام واکرام سے نہال کر دوں گی وحشی نے کہا محمدؐ کو قتل کرنا تو ناممکن ہے اصحاب ہر وقت حلقہ کئے رہتے ہیں، علی کو قتل کرنا بھی کارے دارد اس لئے کہ بوقت جنگ وہ بھیڑئے سے بھی زیادہ چوکنے رہتے ہیں ہاں حمزہ کو قتل کرنا ممکن ہے کیونکہ جب انہیں میدان جنگ میں طیش آجاتا ہے تو اپنے سامنے نہیں دیکھتے، وحشی نے تاک کر جناب حمزہ کی طرف خنجر پھینکا وار نشانہ پر پڑا جناب حمزہ شہید ہو گئے۔

جنگ کا رُخ بدل چکا تھا مسلمانوں نے پہلے ہی راہ فرار اختیار کی تھی اور پیغمبر کو دشمنوں کے نرغے میں اکیلے چھوڑ گئے تھے، حمزہؓ کی شہادت کے بعد پیغمبرؐ کی حمایت میں کوئی نہ تھا بس علیؑ تھے جو آپ کے سینہ سپر تھے۔ پیغمبرؐ کے صحابیوں میں بعض نے تو

سیدھے مدینہ پہنچ کر دم لیا اور بعض احد کی چوٹی پر جا کر ٹھہرے، بعض مدینہ کے قریب ایک اور پہاڑ کی طرف بھاگے اور تین روز تک وہاں مقیم رہے، جن لوگوں نے احد کی چوٹی پر پناہ لی تھی ان کے جب پراگندہ حواس مجتمع ہوئے اور دیکھا کہ علیؑ پیغمبرؐ کے پاس قدم جمائے شمشیر زنی میں مصروف ہیں اور دشمنوں کی صفوں پر صفیں اُلٹتے جاتے ہیں تو ان کی گئی ہوئی ہمت بحال ہوئی چار پانچ پیغمبرؐ کی خدمت میں واپس آ کر دشمنوں کے وار روکنے لگے، دشمن بار بار بڑھتے اور پیغمبرؐ کے قتل کے درپے ہوتے اور آپ علیؑ سے فرماتے اُن پر حملہ کرو، آپ ان پر حملہ کر کے تتر بتر کر دیتے تھے کئی کئی مرتبہ دشمنوں نے یورش کی اور ہر مرتبہ علیؑ کو پیغمبرؐ متوجہ کرتے رہے، اور علیؑ انہیں بھگاتے رہے یہاں تک کہ سب کو پسپا کر کے دم لیا اور خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو مشرکین سے نجات دی۔

خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ: جب بروز احد تمام لوگ رسولؐ اللہ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے تو میں نے مقتولین میں پیغمبرؐ کو تلاش کیا آپ نہیں ملے، میں نے دل میں کہا خدا کی قسم ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ رسولؐ اللہ کے قدم پیچھے ہٹے ہوں اور آپ مقتولین میں بھی نہیں دکھائی پڑے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ خداوند عالم ہم مسلمانوں پر غضبناک ہوا اور پیغمبرؐ کو اس نے آسمان پر اٹھا لیا لہٰذا جب پیغمبرؐ ہمارے درمیان سے اُٹھ گئے تو اب جینے کا فائدہ ہی کیا یہی چارہ کار ہے کہ اتنی جنگ کروں کہ قتل ہو جاؤں پس میں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی پھر دشمنوں پر ٹوٹ پڑا دشمن میرے اردگرد سے پراگندہ ہو گئے اور میں اُن کے گھیرے میں سے نکل کر رسولؐ اللہ کے پاس پہنچ گیا، (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند جلد ۴ ص ۱۱۲، سیرۃ علویہ جلد ۱)

مورخین لکھتے ہیں:

لما قتل علی أصحاب الألویة أبصر رسول الله جماعة من مشر کی قریش فقال لعلی أحمل علیهم فحمل علیهم ففرق جمعهم .... ثم أبصر رسول الله جماعة من مشر کی قریش فقال لعلی أحمل علیهم حمل ففرق جماعتهم .... فقال جبرئیل یا رسول الله إن هذا لمواسات فقال رسول الله إنه منی وأنا منه فقال جبرئیل وأنا منکما قال فسمعوا صوتاً لاسیف إلا ذو الفقار ولا فتی إلا علی۔

(تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۷ / تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۸)

جب علی ابن ابی طالب نے کفار کے علمبرداران کو قتل کر دیا تو حضرت رسولؐ خدا نے کفار قریش کی ایک جماعت کو دیکھا اور علیؑ سے فرمایا، اے علیؑ! ان پر حملہ کرو، علیؑ نے حملہ کر کے ان سب کو بھگا دیا پھر آں حضرتؐ نے دوسری جماعت کو دیکھا تو وہی فرمایا علیؑ ان پر بھی حملہ کر کے ان سب کو متفرق کر دیا، اس پر حضرت جبریلؑ نے کہا اے رسولؐ خدا بے شک یہی مواسات ہے، حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں جبریلؑ نے کہا اور میں آپ دونوں سے، اس وقت لوگوں نے

ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہتا تھا ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں اور حضرت علیؑ کے سوا کوئی بہادر جوان نہیں ہے۔

چوں مسلمانان روے بہ ہزیمت آوردند وحضرت رسولﷺ را تنہا گزاشتند حضرتﷺ در غضب آمدو عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت ومثال مروارید دوید، دراں حالت نظر کرد علی ابن ابی طالبؑ را کہ پہلوے مبا کش ایستادہ است فرمود چوں است کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی علیؑ گفت أأكفر بعد الإيمان أن لي بك أسوة آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی کہ مرا بتو اقتدا است یعنی مرا بشما کار است بایاران وبرادران کہ درپے غنیمت رفتند وہزیمت نمودند چہ کادارم دریں حین جمعے از کافران متوجہ آں حضرت علیہ السلام فرمود اے علی مرا ازایں جمع نگاہ دار وحق خدمت ونصرت بجا آر کہ وقت نصرت است علی مرتضی متوجہ آں قوم گشت دومار از روز گار شاں برآوردو ایشان را متفرق گرداندو جمع کثیر را بدوزخ فرستاد وآمدہ است کہ دراں زمان ملائکہ نیز حاضر بودند جبریل ومیکلائیل علیہما السلام بر مثال دو مرد جامۂ سفید بریمین ویسار آں حضرت ایستادہ بودند ومحافظت وے می کردند وباکفار محاربہ می نمودند۔۔۔ چوں علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ایں مردانگی کرد ونصرت داد جبریلؑ بآں حضرت فرمود کہ ایں کمال مواسات جوان مردی است کہ باتو می برد آں حضرتﷺ فرمود إنه مني وأنا منه کنایہ است از کمال اتحاد واخلاص ویگانگی ۔۔۔۔۔ظاہر اًقصۂ ناد علیاً مظہر العجائب ہم دریں معاملہ ومحاربہ واقع شدہ است بالجملہ سے رضی اللہ عنہ حق مبارزت ومحاربت وجلادت وشجاعت بجاے آورد کہ فوق آں تصور نہ تواں کرد وروایت اس از قیس کہ وے از پدرش سعد روایت کرد کہ گفت از علی مرتضی شنیدم کرم اللہ وجہہ کہ فرمود در روز احد شانزدہ ضربۃ ہمن رسید کہ درچہار ضربۃ ازاں بر زمین افتادم وہر بار کہ می افتادم مردے خوبروے خوشبوے بازو را می گرفت ومرا برپاے کرد ومی گفت متوجہ کافران شو کہ تو در طاعت خدا ورسول روی وایشان ہر دو از تو راضی اند بعد از فراغ جنگ آں واقعہ را آں حضرت رسالت عرض کردم۔ آں سرور فرمود کہ تو اورا می شناسی گفتم نے اما بدحیہ کلبی می آنست فرمود اے علی خداے تعالیٰ چشم شما روشن کندو آں جبریل بود علیہ السلام۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۵۳)

جب مسلمانوں نے بھاگنے کی راہ اختیار کر لی اور حضرت رسولؐ خدا کو اکیلے چھوڑ کر چلے گئے تو حضرت اس درجہ غضبناک ہوئے کہ پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگا جو موتی کی طرح بہتا تھا، اس حالت میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو

دیکھا کہ حضرت کے پہلوئے مبارک میں کھڑے ہیں، فرمایا اے علی کیا بات ہے تم اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں گئے، حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا حضرتؐ کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا، مجھے تو حضور ہی کی پیروی سے کام ہے یعنی مجھے صرف حضورؐ ہی سے مطلب ہے اپنے یاروں اور بھائیوں سے جو مال غنیمت کے پیچھے چلتے بنے اور بھاگ کھڑے ہوئے مجھے کیا غرض ہے اس حالت میں کافروں کی ایک جماعت آں حضرتؐ کی طرف بڑھی تو حضرتؐ نے فرمایا اے علی مجھ کو اس جتھے سے بچاؤ اور خدمت ومدد کا جو حق ہے بجالاؤ کہ مدد کا وقت ہے، حضرت علی مرتضیٰ اس قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان لوگوں پر قتل وہلاکت کی بوچھار کرنے گے یہاں تک کہ ان سب کو بھگا دیا اور بہت بڑی جماعت کو دوزخ میں پہنچا دیا اور وارد ہوا ہے کہ اس روز فرشتے بھی حاضر تھے حضرت جبریل ومیکائیل سفید پوش مردوں کی شکل میں حضرت کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوئے حضرت کی حفاظت کرتے اور کافروں سے لڑتے تھے۔۔۔ جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے یہ بہادری انجام دی اور ایسے اعلیٰ درجہ کی مدد کی تو جبریلؑ نے آں حضرتؐ سے کہا کہ یہ نہایت اعلیٰ درجے کہ مواسات اور جوانمردی ہے جو حضرت علیؑ آپ کی خدمت میں کررہے ہیں، حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، یہ جملہ آں حضرتؐ اور حضرت علیؑ کے درمیان کمال درجے کے اتحاد، اخلاص اور یگانگی کی طرف اشارہ تھا۔۔۔۔۔۔اور آں حضرتؐ کو جو خدا نے حکم دیا کہ ناد علیاً مظہر العجائب (علیؑ کو پکارو جو عجائب وغرائب کے ظاہر کرنے والے ہیں) وہ غالباً اسی جنگ کا واقعہ ہے، مختصر یہ کہ حضرت علیؑ نے جہاد، مقابلہ بہادری اور شجاعت کی وہ مثال قائم کردی جس سے زیادہ کا تصور محال ہے، سعید کہتے تھے کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو میں نے سنا فرماتے تھے کہ جنگ احد میں مجھ پر سولہ وار پڑے جن میں سے چار ایسے تھے کہ ان سے میں ہر ایک پر میں زمین پر گر پڑتا تھا اور ہر مرتبہ جب گرتا تھا تو ایک خوبصورت خوشبودار شخص میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کر دیتا اور کہتا تھا کہ کافروں کی خبر لو کہ تم اس وقت خدا ورسول کی اطاعت میں مشغول ہو اور دونوں (خدا ورسولؐ) تم سے راضی ہیں جب جنگ سے فراغت ہوگئی تو حضرت علیؑ نے آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا آں حضرتؐ نے فرمایا اے علی تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ حضرت علیؑ نے کہا، نہیں لیکن دحیہ کلبی سے صورت ملتی تھی، آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ خدا تمہاری آنکھیں روشن رکھے وہ جناب جبریل تھے۔

مورخ شہیر علامہ دیار بکری لکھتے ہیں:

وعلی ابن ابی طالب مع أنه مجروح مکسور الید حمل علی الکفار فھزمھم فجآء جبرئیل وقال یا محمد من ذا الذی بارز الکفار انفاً فإن الله باھی به الملائکة قال ھو علی۔ (تاریخ خمیس جلد ا رص ۴۳۶)

حضرت علیؑ ابن ابیطالب باوصف اس امر کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا آپ زخمی ہو گئے تھے آپ نے کفار پر حملہ کر کے

ان سب کوشکست دے دی اس وقت جبریل امین نے نازل ہوکر رسول خدا سے پوچھا کہ یہ کس نے ابھی کفار سے جنگ کی ہے؟ جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر ومباہات کررہا ہے آں حضرتؐ نے فرمایا وہ علیؑ تھے۔

تین ہزار دشمن کی سپاہ ان کی امنگیں بڑھی ہوئیں حوصلے بلند مسلمانوں کا پورا لشکر شکست کھا کر میدان خالی کر گیا تھا دو چار جنہوں نے داد مردانگی دی وہ عروس مرگ سے ہم کنار ہوئے۔حمزہ ایسے شیر بھی جام شہادت نوش کر چکے تھے عرصہ کارزار میں بس ایک پیغمبر کی ذات تھی جو مجسمہ حق بنی ہوئی اپنی جگہ پر ثابت قدم تھی اور ایک علیؑ تھے جو کبھی داہنے کبھی بائیں دشمنوں کے بڑھتے ہوئے ہجوم کو تلوار کی باڑھ پر روکے ہوئے تھے دشمن ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے اور بھیڑ بکریوں کی طرح علیؑ کی تلوار انہیں پراگندہ کردیتی تھی، اس یورش میں پیغمبر کے جسد اطہر پر بھی کچھ زخم آگئے دو دندان مبارک شہید ہوگئے، ایک پتھر سے پیشانی مجروح ہوئی، گھٹنے زخمی ہوگئے اور آپ گڑھے میں جا پڑے تھے، علیؑ نے پیغمبر کو اُٹھنے میں سہارا دیا، پہاڑی کے اوپر لے گئے، پہاڑی پر پہنچا کر پانی کی تلاش میں باہر نکلے، اپنے خود میں پانی بھر کر لائے، حضرت کا چہرہ مبارک دُھلایا، بھگدڑ جب ہورہی تھی تو کسی نے یہ خبر بھی اُڑادی تھی کہ پیغمبر قتل ہوگئے، مدینہ میں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی، جناب سیدہؑ باپ کے پاس پہنچ گئیں، باپ کو اس حال میں دیکھا کہ پیشانی مجروح، چہرہ خون سے رنگین ہے، باپ سے لپٹ گئیں روتی جاتی تھیں اور چہرہ مبارک سے خون صاف کرتی جاتی تھیں، علیؑ سپر میں پانی بھر بھر کے لاتے جناب سیدہؑ دھوتی تھیں لیکن خون تھمتا نہ تھا بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا، جب راکھ بن گئی تو زخم پر رکھ دیا، خون فوراً تھم گیا۔(صحیح بخاری)

مشرکین میدان سے ہٹ چکے تھے، پیغمبرؐ نے علیؑ کو بھیجا کہ جا کر مشرکین کی خبر لاؤ دیکھو ان کا ارادہ کیا ہے گھوڑے پر سوار ہورہے ہیں یا اونٹوں پر، اگر گھوڑے چھوڑ کر اونٹوں کو انہوں نے اختیار کیا ہے تو وہ مکہ پلٹ رہے ہوں گے اگر گھوڑوں پر زین کسی ہے تو یقیناً وہ مدینہ پر تاخت کرنا چاہتے ہیں علیؑ نے آکر دیکھا تو مشرکین اونٹوں پر سوار ہورہے تھے ادھر سے جب اطمینان ہوا تو مفقودین کی تلاش شروع ہوئی جو مسلمان زندہ تھے مگر زخمی ان کی مرہم پٹی کی گئی جو مر چکے تھے انہیں دفن کیا گیا، پیغمبرؐ نے سعد بن ربیع خزرجی کو دریافت کیا وہ زخموں سے چور ملے چند سانسیں باقی تھیں چند لمحوں میں بھی چل بسے پھر آپ نے فرمایا کہ میرے چچا حمزہ کی بھی کسی کو خبر ہے؟ کسی نے بتایا کہ میں نے فلاں جگہ دیکھا ہے اس شخص نے حمزہ کو گرتے ہوئے دیکھا تھا مگر یہ خبر نہ کہ وفات پا چکے ہیں یا ممکن ہے وفات کا بھی علم رہا ہو مگر یہ خبر نہ تھی کہ آپ کا مثلہ بھی کیا گیا ہے، جب اس نے لاش پر آکر یہ ہولناک منظر دیکھا تو پیغمبرؐ کی خدمت میں جانے کی ہمت نہ ہوئی، اس کے دیر لگانے سے صورت حال کا اندازہ ہوا آپ نے علیؑ سے کہا جا کر اپنے چچا کو ڈھونڈھو پہلے اس لئے نہیں بھیجا کہ علیؑ چچا کو مقتول یا شدید زخمی پا کر شدید صدمہ سے نہ

دوچار ہو جائیں جب وہ شخص واپس نہیں آیا تو مجبوراً علیؑ کو بھیجا، علیؑ نے چچا کو جب اس عالم میں دیکھا تو اب ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ پیغمبرؐ سے جا کر چچا کا آنکھوں دیکھا حال عرض کر سکیں آخر خود پیغمبرؐ اسی زخمی حالت میں جناب حمزہ کی لاش پر پہنچے، آنکھوں نے وہ منظر دیکھا کہ پیغمبرؐ ایسا مجسمۂ صبر ضبط نہ کر سکا، شکم جگر تک چاک، کان ناک بچا، خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا، ان کے ناک کان کاٹ ڈالے، ہندا میر معاویہ کی ماں نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اُتر نہ سکا اس لئے اُگل دینا پڑا، تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔" (سیرۃ النبی ص ۲۸۰)" پیغمبرؐ باوجود اس صبر وضبط کے جو دنیا میں کسی کو نصیب نہ ہوا ڈاڑھیں مار کر رونے لگے، فرط الم سے بیہوش ہو گئے۔

حمزہ تھے بھی اس کے اہل کہ پیغمبرؐ یوں ہی ماتم کرتے، خدا کے بھی شیر تھے اور پیغمبرؐ کے بھی شیر، ہر مصیبت میں پیغمبر کے سپر، پیغمبر آپ کو سخت اور کٹھن مواقع کے لئے محفوظ رکھتے تھے، یہ داغ آپ کے سینہ پر ہمیشہ رہا، حمزہ کو یاد کر کے برابر آبدیدہ ہو جاتے تھے، جنگ خندق میں آپ نے درد بھرے لہجہ میں دعا کی تھی معبود تو نے بدر میں عبیدہ کو اُٹھا لیا، احد میں حمزہ کو لے لیا، ایک علی بچ رہے ہیں، انہیں میرے لئے بچائے رکھنا، آپ نے جناب حمزہ کے جنازے پر بار بار نماز پڑھی، ہر شہید کی میت کے ساتھ، حمزہ کی میت کو بھی نماز میں شریک کر لیا یہاں تک کہ آپ نے ستر مرتبہ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

آں حضرتؐ جب مدینہ میں تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کے گریہ وماتم کی آوازیں کان میں پہنچیں جو اپنے عزیز مقتولین پر رو رہی تھیں آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے اختیار زبان مبارک پر یہ فقرہ آ گیا کہ ہائے حمزہ کی رونے والیاں نہیں، حمزہ کی رونے والیاں بنی ہاشم کی خواتین تھی تو مگر انصار کی عورتیں تعداد میں زیادہ تھیں، انصار کے گھروں جیسا شور ماتم ہاشمی گھروں سے نہ بلند ہو سکا اسی لئے آپ نے فرمایا ولکن حمزۃ لا بوا کی لہ، ہائے حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں اور سچ بھی ہے کہ حمزہ سے زیادہ کون ماتم کئے جانے کے قابل تھا، حمزہ کی موت تو وہ تھی جس نے پیغمبر کو تڑپا دیا تھا پیغمبر گا درد بھرا فقرہ انصار نے جو سنا تو سب نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ جا کر حمزہ کا ماتم کرو، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ انصار کی عورتوں کا آج بھی دستور ہے کہ جب انصار میں کوئی مرجاتا ہے تو پہلے حمزہ کو رو لیتی ہیں تب اپنے مرنے والے کا ماتم کرتی ہیں۔

ابوسفیان اور اس کی بیوی کی مسرتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے، غلبہ کی خوشی نے دونوں کی خباثت آئینہ کر دی، ہند نے جناب حمزہ کے کٹے ہوئے اعضا کے ہار بنا کر پہنے، جگر چبا کر نگلنا چاہا، ابوسفیان نیزہ کا پھل حمزہ کے دہانہ میں چبھو چبھو کر کہتا تھا، سرکشی کا مزہ چکھو، جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے ہیں تو جناب حمزہ کی قبر کو ٹھوکر مار کر اس نے کہا تھا (اے ابوعمارہ) بدر میں ہم

نے جس چیز کے لئے جنگ کی تھی آج وہ ہمارے بچوں کے ہاتھوں میں ہے، کل جو درخت تم نے لگایا تھا آج ہمارے بچے اس کا پھل کھا رہے ہیں۔

حضرت علیؑ کو اس جنگ میں بہت سے امتیازی خصوصیات حاصل ہوئے جس طرح دیگر غزوات میں بھی آپ سب سے ممتاز رہا کئے:

(۱) بدر اور دیگر غزوات کی طرح پیغمبرؐ کا بڑا علم آپ ہی کو ملا نیز مہاجرین کا علم بھی۔ گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبرؐ نے غزوۂ احد میں تین چھوٹے علم بنائے تھے دو سرداران اوس وخزرج کے لئے اور ایک مہاجرین کے لئے، مہاجرین کا علم بھی پیغمبرؐ نے علیؑ ہی دیا، عین جنگ کے وقت پیغمبرؐ کو معلوم ہوا کہ مشرکین نے اپنا علمبردار طلحہ ابن ابی طلحہ کو بنایا ہے جو عبدالدار کی نسل سے ہے اور زمانۂ جاہلیت کا دستور چلا آرہا تھا کہ میدان جنگ قریش کا علم عبدالدار کی اولاد ہی کے ہاتھوں میں ہوا کرتا تھا، آپ نے فرمایا اس دستور کے نباہنے کے ہم زیادہ حقدار ہیں، آپ نے وہ چھوٹا علم جو مہاجرین کے لئے بنا تھا مصعب بن عمیر کو مرحمت فرمایا کہ وہ بھی عبدری تھے جب مصعب شہید ہو گئے تو آپ نے وہ علم پھر علیؑ کو پلٹا دیا، (سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری، تاریخ کامل، سرۃ حلبیہ وغیرہ)

(۲) تمام علم برداران قریش جو سات یا نو ہوئے آپ ہی کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے سب سے پہلا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ تھا جو اپنی غیر معمولی شجاعت وبہادری کے سبب کبش الکتیبۃ کے لقب سے پکارا جاتا تھا اس نے میدان میں آکر مسلسل آوازیں دیں، مسلمانوں کو للکارا، مقابلہ کی دعوت دی، مسلمانوں کو طعنے بھی دئے کہ تم تو کہتے ہو کہ قتل ہو گے تو جنت میں جاؤ گے اور ہم کو قتل کر کے جہنم میں بھیجو گے کیوں نہیں جنت میں جاتے یا ہمیں کو جہنم میں بھیجتے مگر مسلمانوں میں سے کسی کو تاب مقابلہ نہ پیدا ہوئی، علیؑ مقابلہ کو نکلے اور اسے تہ تیغ کیا، پیغمبرؐ نے اس کے قتل ہونے پر تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور اس کی ہلاکت سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ باقی علمداروں میں ارطاۃ بن شرجیل اور صواب بنی عبدالدار کے غلام پر بھی تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ علیؑ ہی کے ہاتھوں مارے گئے، باقی کے متعلق مختلف باتیں مورخین نے کہی ہیں مگر صحیح یہ ہے باقی سب بھی علیؑ ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے جیسا کہ طبری وغیرہ کی عبارت سے وضاحت ہوتی ہے، سب سے آخری علمدار صواب تھا اس کے قتل کے بعد ہی مشرکین کے پیر اکھڑ گئے، مسلمان انہیں تہ تیغ کرتے، قیدی بناتے، لوٹتے ان کا پیچھا کئے جا رہے تھے فتح یقینی ہو چکی تھی مگر تیراندازوں کے رسالہ کی مخالفت کی وجہ سے پانسہ پلٹ گیا فتح شکست سے بدل گئی۔

(۳) آپ پیغمبرؐ کے پاس ثابت قدم رہے جب کہ باقی مسلمان راہ فرار اختیار کر چکے تھے، پیغمبرؐ کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ

کر بعض پہاڑی پر چڑھ گئے، بعض نے مدینہ کی راہ لی لیکن علیؑ کے قدموں نے لغزش نہ کی، بے نظیر استقامت و پامردی سے جمے ہوئے پیغمبرؐ کی حفاظت بھی کر رہے تھے اور دشمنوں کی صفوں پر صفیں الٹتے جا رہے تھے ایسی بے نظیر استقامت کہ ملائکہ انگشت بدنداں رہ گئے اور جبریل نے آواز دی لاسیف الا ذوالفقار ولافتی الا علیؑ، آپ کو سولہ ایسے کاری وار لگے کہ ہر وار پر آپ زمین پر گر پڑتے تھے اور جبریل آ کر آپ کو اٹھاتے تھے، بھاگنے کے بعد دو چار صحابہ پیغمبرؐ کے پاس آئے تو علیؑ ہی کی ثبات واستقامت دیکھ کر۔

(۴) آپ ہی نے پیغمبرؐ کی حفاظت کی، مشرکین کے غول کے غول پیغمبرؐ پر ٹوٹ پڑے اور آپ نے ہر مرتبہ انہیں مار بھگایا۔

(۵) مشرکین کی زیادہ تعداد آپ ہی کے ہاتھوں قتل ہوئی، علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ ''جنگ بدر میں ۲۸ رمشرکین قتل ہوئے جن میں ۱۲ ر تنہا علیؑ نے قتل کئے جو قریب قریب نصف کے ہے۔''

(۶) اس جنگ میں جبریل آپ کو سہارا دیتے تھے چنانچہ سعید بن مسیب کی روایت ہے لقد اصابت علیاً یوم أحد ست عشر ضربة كل ضربة تلزمه الأرض فما كان يرفعه إلا جبريل (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۰)

(۷) آپ کی جنگ اور پیغمبرؐ کی مواسات دیکھ کر ملائکہ متحیر رہ گئے، تاریخ طبری کی عبارت اوپر لکھی جا چکی ہے ''إنه لما دفع كتائب المشركين عن النبي وقتل فيها قال جبريل يا رسول الله إن هٰذا للمواسات فقال إنه مني وأنا منه فقال جبريل وأنا منكما فسمعوا صوتاً لا سيف إلا ذوالفقار ولا فتى إلا علي۔''

جب علیؑ نے مشرکین کے رسالوں کو پیغمبرؐ سے دور کیا اور شدید جنگ کی تو جبریل نے پیغمبرؐ سے عرض کی حضور اس کا نام ہے مواسات و ہمدردی، رسولؐ اللہ نے فرمایا کیوں نہ ہو علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اسی وقت لوگوں نے یہ آواز سنی لاسيف إلا ذوالفقار ولا فتى إلا علي، کوئی تلوار نہیں سوائے ذوالفقار کے اور کوئی جوان نہیں سوا علیؑ کے، زید بن وھب نے عبداللہ بن مسعود صحابی پیغمبرؐ سے کہا کہ علیؑ کا بروز اُحد ثابت قدم رہ جانا بڑا ہی حیرت خیز ہے، ابن مسعود نے کہا تمہیں حیرت ہوئی تو کیا ہوا علیؑ کی پامردی تو وہ تھی کہ ملائکہ متحیر رہ گئے۔

(۸) آپ نے طلحہ کو جب قتل کیا اور اس کا ستر کھل گیا تو آپ نے انتہائی غیرت وحیا، فطری رحمدلی وسیر چشمی کا مظاہرہ فرمایا اس کے دہائی دینے پر آپ نے اس کا سر نہیں قلم کیا اور اس کی قیمتی زرہ جسم سے نہیں اُتاری حالانکہ عرب کا یہ عام دستور تھا کہ فاتح مفتوح کی زرہ و شمشیر وغیرہ قبضہ میں کر لیتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص صحابی پیغمبرؐ ہمیشہ کف افسوس ملتے رہے کہ ہم نے جنگ بدر میں دو ایک کافروں کو قتل کیا مگر ان کا سامان نہ لوٹ سکے مگر علیؑ سے ہمیشہ ایسی ہی سیر چشمی

دیکھنے میں آئی،، جنگ احد میں طلحہ کے سامان کی طرف اُنھوں نگاہ نہ کی، جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود کے سامان کو ہاتھ نہ لگایا۔

(۹) جب بروز احد پیغمبرؐ زخمی ہوکر ایک گڈھے میں جا پڑے تو وہ علیؑ ہی تھے جنہوں نے اُٹھنے میں سہارا دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ جہاں ہوتے جہاں جاتے علیؑ ایک منٹ کے لئے آپ سے جدا نہ ہوتے، پیغمبرؐ کی حمایت میں اپنے کو تج دیا تھا آپ نے

(۱۰) آپ ہی خود میں پانی لائے اور پیغمبرؐ نے آپ ہی کو بھیجا کہ جا کر پتہ چلاؤ کہ مشرکین کا ارادہ کیا مکہ واپس جا رہے ہیں یا مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔

غزوئہ حمراء الاسد:

غزوۂ احد کے بعد پیغمبرؐ مدینہ واپس آئے تو پتا ملا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں حضرتؐ اُسی طرح روانہ ہو گئے، اس مرتبہ بھی علم علیؑ ہی کو مرحمت فرمایا، مقام حمراء الاسد میں تین دن قیام کیا کفار حضرت کی خبر سن کر مکہ واپس گئے۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۸)

۴ھ

غزوہ بنونضیر:

یہ ماہ ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا، مدینہ سے آس پاس جو یہودی رہتے تھے انہیں کا ایک گروہ بنونضیر بھی تھے ان کے اور پیغمبرؐ کے درمیان عدم جنگ کا معاہدہ چلا آرہا تھا مگر ان لوگوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ان کے سرگروہ عمر بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دئے تھے اور ان کا خوں بہا تک واجب الادا تھا اس کے مطالبہ کے لئے پیغمبرؐ کچھ اصحاب کے ساتھ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے مطالبہ قبول کیا لیکن در پردہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے کوٹھے پر چڑھ کر پیغمبرؐ پر پتھر گرادے بذریعہ وحی آپ کو سازش کا پتہ چل گیا آپ نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ تم لوگ ہمارے شہر سے نکل جاؤ جب غداری ہی کرنی ہے تو یہاں رہنے کی ضرورت نہیں، دس روز کی آپ نے انہیں مہلت دی، انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم گاؤں خالی کر دیں گے، عبداللہ بن ابی بن سلول نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم لوگ شہر خالی نہ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے حی بن اخطب جو سردار قبیلہ تھا لالچ میں پڑ گیا، دوسرے رئیس قبیلہ اسلام بن مشم نے اسے باز رکھنا چاہا مگر وہ مانا نہیں، پیغمبرؐ نے علیؑ کو علمبردار بنایا اور ان کی سرکوبی کو روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر آپ نے ان کے مکانوں کے سامنے خیمہ نصب کیا، وہیں نماز عصر پڑھی، جب رات ہوئی تو بنونضیر کے ایک آدمی نے جو غرور یا غزول نام اور بلا کا تیر انداز تھا اس کا پھینکا ہوا تیر اتنی دور تک جاتا جتنا کسی کا بھی نہیں پیغمبرؐ کے خیمہ کو تاک کر تیر چلا دیا، پیغمبرؐ نے اپنا خیمہ ہٹوا دیا اور پہاڑی کے دامن میں نصب کرنے کا حکم دیا، ایک پہر

رات گذر گئی اور تاریکی شب انتہا کو پہنچی تو لوگوں نے دیکھا کہ علیؑ غائب ہیں، صحابہ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ علیؑ نظر نہیں آتے ؟ آپؐ نے فرمایا، تمہارا ہی کام کر رہے ہوں گے، تھوڑی دیر گذری ہوگی کہ علیؑ اس یہودی کا سر لئے ہوئے خدمت پیغمبرؐ میں پہنچے جس نے خیمہ پر تیر چلایا تھا، سر لا کر پیغمبر کے سامنے ڈال دیا، آپ نے واقعہ پوچھا، علیؑ نے کہا اس کی خبیث جسارت وجرأت سے متردد تھا، اندیشہ تھا کہ یہ شبخون ضرور مارے گا، میں گھات میں رہا چنانچہ میرا اندیشہ صحیح نکلا، یہ ۹ر آدمیوں کے ہمراہ تلواریں بے نیام کئے حملہ کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ میں نے اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا، مگر اس کے ساتھی بھاگ گئے وہ کہیں قریب ہی میں ہوں گے، آپ کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ کر دیں مجھے امید ہے کہ ہم لوگ جلد ہی انہیں پالیں گے، پیغمبرؐ نے دس آدمیوں کو ساتھ کیا جن میں ابودجانہ اور سہیل بن حنیف بھی تھے قبل اس کے کہ یہودی بھاگ کر قلعہ میں داخل ہوں ان لوگوں نے انہیں جالیا اور ایک ایک کو قتل کر کے ان کے سر پیغمبرؐ کے پاس لائے، یہی واقعہ بنونضیر کے قلعوں کی فتح کا باعث ہوا۔

اسی ۴ھ میں اور بھی چھوٹے چھوٹے غزوے پیش آئے، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر ثانی وغیرہ ان تمام غزوات میں علمبردار لشکر اسلام علیؑ ہی رہے کوئی خاص واقعہ ان غزوات میں پیش نہیں آیا۔

امام حسین کی پیدائش:

اسی ۴ھ کی ۳ر شعبان کو آپ کے فرزند امام حسینؑ متولد ہوئے پیغمبرؐ نے آپ کا نام حسینؑ رکھا۔

۵ھ

غزوہ بنی مصطلق:

یہ غزوہ ماہ شعبان ۵ھ میں پیش آیا، بنی مصطلق کا سردار حارث ابن ابی ضرار جو جویریہ (زوجۂ پیغمبرؐ) کا باپ تھا اس نے اپنی قوم کو پیغمبرؐ سے جنگ کرنے پر تیار کیا، دیگر قبائل سے بھی مدد لی، پیغمبر کو خبر ملی تو آپ اپنے اصحاب کو لے کر مدافعت کو نکلے، لڑائی ہوئی، مسلمانوں کو خداوند عالم نے فتح عنایت کی، مسلمانوں میں کوئی قتل نہیں ہوا صرف ایک مسلمان دھوکہ میں مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارا گیا، دشمن کے دس آدمی قتل ہوئے باقی قیدی بنا لئے گئے، اس غزوہ میں بھی علیؑ ہی علمبردار تھے آپ نے اس غزوہ میں دو نمودار کافروں کو قتل کیا، ایک مالک دوسرا اس کا فرزند، اور جویریہ بنت حارث کو اسیر کر کے خدمت پیغمبرؐ میں لائے، آں حضرتؐ نے انہیں آزاد فرما کر اپنے حبالۂ زوجیت میں لے لیا۔ (سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

واقعہ افک:

غزوہ مصطلق میں پیغمبرؐ کے ہمراہ جناب عائشہ بھی تشریف لے گئی تھیں واپسی میں کہیں قیام ہوا پھر کوچ کی تیاری ہوئی اس اثنا میں جناب عائشہ لشکر سے باہر نکل کر قضاء حاجت کے لئے چلی گئیں تھیں، پلٹنے لگیں تو دیکھا کہ گلے میں گلو بند ندارد خیال ہوا کہ ٹوٹ کر کہیں گر پڑا ہے اسے تلاش کرتی ہوئی پھر پلٹیں، جب ہار لے کر واپس ہوئیں تو لشکر روانہ ہو چکا تھا، آپ کا سن بھی کچھ زیادہ نہ تھا اور بدن بھی ہلکا پھلکا تھا، جس ہودج میں آپ سوار تھیں اس کے اُٹھانے والوں نے سمجھا کہ ہودج میں بیٹھ چکی ہیں لشکر روانہ ہو گیا اور آپ تنہا رہ گئیں، مطمئن تھیں جب ہماری عدم موجودگی کا علم ہوگا تو خود ہی لوگ واپس آ کر لے جائیں گے، صفوان بن معطل سلمی لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا وہ جب آپ کے پاس پہنچا اور آپ کو صحرا میں تنہا دیکھا تو اس نے اونٹ بٹھا دیا آپ کو سوار کر کے خود ناقہ کی مہار پکڑے لشکر سے جا ملا، اس پر منافقوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے آپ پر تہمت لگا دی ،سب سے پہلے یہ خبر عبداللہ ابن اُبی مشہور منافق نے اُڑائی، حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ نے بھی اس چنگاری کو ہوا دی، شدہ شدہ پیغمبرؐ کے کانوں میں بھی اس کی بھنک پہنچی، جناب عائشہ کو بھی مسطح کی ماں کی زبانی اس چرچے کی خبریں ملیں۔

علامہ دحلان اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ جب نزول وحی میں دیر ہوئی تو پیغمبرؐ نے علیؑ ابن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو عائشہ سے جدائی اختیار کرنے کے بارے میں مشورے کے لئے بلایا، اسامہ نے تو یہ کہا کہ یا رسولؐ اللہ عائشہ آپ کی زوجہ ہیں ہم ان میں کوئی برائی نہیں پاتے، علیؑ نے کہا یا رسولؐ اللہ خدا نے آپ پر تنگی نہیں کی ہے، عائشہ کے علاوہ اور بہت سی عورتیں آپ کو مل جائیں گی، آپ جناب عائشہ کی کنیز سے تو تصدیق کریں، آں حضرتؐ نے بریرہ کنیز عائشہ سے دریافت کیا، اس نے قسم کھا کر بیان کیا کہ میں نے عائشہ میں کوئی نازیبا بات نہیں دیکھی، پیغمبرؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا ''مجھے جہاں تک علم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی کوئی چیز نہیں پاتا اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا، وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا مگر ہمیشہ میرے حضور میں، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میری اذیت کے درپے رہتے ہیں۔''

اس واقعہ کی وجہ سے بے حد فضا خراب ہو چکی تھی، قریب تھا کہ اوس و خزرج میں ٹھن جائے ایک قبیلہ خواہاں تھا کہ عبداللہ بن اُبی کو قتل کر دیا جائے دوسرا قبیلہ اس کی پشت پناہی کرتا تھا، پیغمبرؐ نے ان میں بیچ بچاؤ کر دیا، وحی نے اتر کر بات صاف کر دی کہ اِن الذین جاؤا بالإفك عصبة منكم الخ جن لوگوں نے یہ جھوٹی خبر مشتہر کی تھی یعنی حسان بن ثابت اور مسطح ابن اثاثہ، پیغمبرؐ نے ان پر حد جاری کی مگر مورخین نے اصل بانی فساد عبداللہ بن اُبی کے متعلق کوئی صراحت نہیں کی کہ اس پر حد جاری ہوئی یا نہیں (۱)

(۱):اس حدیث کو کم وبیش انہیں الفاظ میں دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے مگر یہ کئی وجہوں سے محل تامل ہے:

(۱) پیغمبرؐ کا علیؑ و اسامہ سے مشورہ کرنا عقل نہیں مانتی محض اتنی سی بات پر کہ کچھ منافقوں نے وہ بھی عبداللہ بن ابی کے ایسے منافقوں نے آپ کی زوجہ کے متعلق ایک غلط بات مشہور کر دی نہ انہوں نے کوئی ثبوت پیش کیا نہ اس پر کسی نے گواہی دی پیغمبرؐ کا مشکوک ہوجانا اور طلاق دے دینے پر آمادہ ہوجانا، علیؑ و اسامہ کو بلا کر ان سے مشورہ کرنا ہماری عقل میں نہیں آتا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ بغیر باقاعدہ جرم ثابت ہوئے پیغمبرؐ عائشہ کو طلاق دینے کا تصور بھی دماغ میں نہیں لا سکتے تھے، بغیر جرم ثابت ہوئے عائشہ کو طلاق دے دینے کا تہیہ کر لینا یہ تو اور شک وشبہ پیدا کر دیتا، لوگوں کو خیال ہوتا کہ کوئی بات ہے جبھی پیغمبرؐ عائشہ سے جدائی اختیار کرنے کے خواہشمند ہیں جو دھبّہ آپ کے اور آپ کے عیال کے دامن پر یوں لگنے والا نہیں تھا، آپ کے اس ارادے سے لگ جاتا، ایسا اقدام تو کوئی بے وقوف انسان بھی نہ کرے گا چہ جائیکہ حضرت خاتم المرسلینؐ جو مکمل ترین خلائق تھے پھر علیؑ آپ کو ایسا غلط مشورہ بھی کب دے سکتے تھے؟ یہ تو کھلا ہوا فریب تھا، علیؑ سے کمتر انسان بھی ایسی بات زبان سے نہ نکال سکتا تھا چہ جائیکہ علیؑ؟ حقیقت تو یہ ہے کہ علیؑ کے دشمنوں ہی نے علیؑ کی طرف نازیبا باتیں منسوب کرنے کے سلسلے میں یہ حدیث بھی گڑھی ہے۔

(۲) علیؑ پیغمبرؐ کو یہ مشورہ کیونکر دے سکتے تھے کہ آپ کنیز سے پوچھ دیکھیں رسولؐ اس کنیز سے کیونکر دریافت کرنے کا ارادہ کرتے یہ تو اور گندگی اُچھالنے والی بات ہوتی جو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں چہ جائیکہ پیغمبرؐ کے، اگر کوئی شخص ایسی بات زبان سے نکالتا اور شرعی طریقے پر اس کی گواہی پوری نہ اترتی تو اس پر حد جاری کرنا واجب ولازم ہوتا لہٰذا پیغمبرؐ کنیز کو ایسی بات پر کیونکر مجبور کر سکتے تھے اگر وہ بات صحیح نہ نکلتی تو غریب خود پھنستی اور تہمت تراشی کی سزا بھگتنی پڑتی، نیز مان بھی لیا جائے کہ علیؑ نے پیغمبرؐ کو مشورہ دیا کہ آپ کنیز سے پوچھ دیکھیں اور پیغمبرؐ نے کنیز سے پوچھا بھی تو فرض کیجئے اگر کنیز جناب عائشہ کے خلاف کہتی، انہیں واقعاً عیب لگاتی تو کیا محض اس کنیز کے الزام لگا دینے پر پیغمبرؐ کنیز کو سچا اور جناب عائشہ کو خطا کار سمجھ لیتے ناممکن تھا پیغمبرؐ ان کو اس وقت تک خطا کار سمجھ ہی نہیں سکتے تھے جب تک مطابق قانون شرع چار شخص حلف اٹھا کر گواہی نہ دیتے، یہ مسئلہ بہت سخت ہے کسی کی عصمت پر حرف لانا قدرت نے بے حد عظیم سمجھا ہے اسی لیے اور مواقع پر دو گواہوں سے کام چل جاتا ہے مگر اس معاملہ میں چار گواہوں کو شرعی حلف کے ساتھ گواہی دینی پڑتی ہے جب اتنا سخت مسئلہ ہے تو ایک اکیلی کنیز سے پوچھنے اور عائشہ کے کیریکٹر کے متعلق تصدیق کرانے کا فائدہ ہی کیا تھا اگر جناب عائشہ پر الزام لگا بھی دیتی تو پیغمبر عائشہ پر فرد جرم کس قاعدے سے لگا سکتے تھے، کیونکر جائز تھا ان کے لئے کہ محض ایک کنیز کے بیان کر دینے پر عائشہ سے علٰحدگی کا تہیہ کر لیتے، ان سب امور کی وجہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ پیغمبرؐ کا جناب عائشہ کی طرف سے بدظن ہوجانا علیؑ و اسامہ سے عائشہ کو طلاق دینے کے متعلق مشورہ کرنا سراسر جھوٹ سب سے بڑا افتراء و بہتان ہے۔ آپ نے تو صرف منبر پر جا کر دشمنوں کی ایذا رسانی کا شکوہ کیا تھا یہ کہا تھا کہ لوگ میری گھر والی کے متعلق لب کشائی کر کے کیوں میرے درپے آزار ہیں۔

صاحب سیرۃ حلبیہ نے ایک اور نیا شگوفہ چھوڑا ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے حضرت عمر سے اس معاملہ میں مشورہ کیا حضرت نے پیغمبرؐ سے پوچھا ''یا رسولؐ اللہ عائشہ کی شادی آپ سے کس نے کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے، حضرت عمر نے کہا تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ خداوند عالم نے آپ کے ساتھ فریب کیا ہے، بُرے کردار کی عورت کو آپ کی بیوی بنا دیا ہے'' اگر سیرۃ حلبیہ کی یہ روایت صحیح ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضرت عمر پیغمبرؐ سے بھی دو ہاتھ آگے تھے جہاں پیغمبرؐ کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتی تھی وہاں ان کی نگاہ پہنچ جاتی تھی، وہ پیغمبرؐ سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ تھے۔

ہم شیعیان امیرالمومنین پر بھی مخالفین اس مسئلہ میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، طرح طرح کے افتراء اور بہتان لگاتے ہیں جھوٹی تہمتیں ہمارے سر منڈھتے ہیں، خدا ہی منصف حقیقی ہے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی شیعہ ایسا ڈھونڈھنے سے نہ ملے گا جو معاذ اللہ جناب عائشہ کے کیریکٹر پر حرف رکھتا ہو ان کی طرف بدکاریوں کی نسبت دیتا ہو، ہمارا تو اعتقاد ہے کہ پیغمبرؐ کی زوجہ کافرہ ہوسکتی ہے جیسے جناب نوحؑ و لوطؑ کی بیویاں کافرہ تھیں مگر بدکار وزانیہ نہیں ہوسکتی، ورنہ نبوت کی مٹی پلید ہوجائے گی ہم یہ بھی کہنے میں تامل نہیں کرتے کہ انہوں نے امام عادل (علیؑ) پر خروج کرنے میں خطا کی تھی، ان سے جنگ کر کے ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی کیونکہ قرآن نے حکم دیا تھا وقرن فی بیوتکن تم اپنے گھروں میں نچلی بیٹھی رہو مگر ان کے کیریکٹر کے متعلق لب کشائی ہرگز جائز نہیں سمجھتے اور یہی جمہور محققین اہلسنت کا بھی نظریہ ہے چنانچہ مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں، حضرت عائشہ سے خطائے اجتہادی ہوئی تھی حضرت علیؑ اس وقت کے امام برحق تھے ان کی اطاعت خدا کی اطاعت تھی۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲ رص ۷۲)

غزوۂ خندق:

یہ غزوہ ماہ شوال یا ذی قعدہ ۵ھ میں پیش آیا، اس کا سبب یہ ہوا کہ جب پیغمبرؐ نے بنی نضیر کو معاہدہ کی خلاف ورزی اور غداریوں کے سبب ان کی سرزمین سے نکال باہر کیا تو ان کے کچھ معززین مکہ میں آرہے انہیں میں سے حی بن اخطب سلام بن مشکم اور کنانہ بن الحقیق بھی تھے، ان لوگوں نے قریش کو اُبھارا پیغمبرؐ سے لڑنے کے لئے باہم عہدو پیمان ہوئے قبیلہ غطفان، بنو اسد اور آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شریک کرلیا گیا، چار ہزار کا ایک زبردست لشکر تیار ہوا سب نے قسمیں کھائیں کہ قریش کی اطاعت وفرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں گے،، دارالندوہ میں علم لشکر سجایا گیا، طلحہ جسے بروز احد حضرت علیؑ نے تہ تیغ کیا تھا کا فرزند عثمان بن طلحہ علم بردار لشکر مقرر ہوا لشکر کی کمان ابوسفیان کے ہاتھوں میں رہی راستہ میں بنوسلیم وغیرہ بھی آکر مل گئے لشکر کی تعداد بڑھ کر دس ہزار تک پہنچ گئی، لشکر کے تین حصے تھے اور تینوں کا افسر اعلیٰ ابوسفیان تھا، مدینہ پر چڑھائی کی تیاری ہوری تھی کہ بنوخزاعہ کے چار آدمیوں نے پیغمبرؐ کو آکر اطلاع دی آپ ایک ہزار یا سات سو آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے اور جبل سلع کے سامنے قیام کیا مگر دشمن کی تعداد کا حال سن کر مسلمانوں کے حواس جاتے رہے، پیغمبرؐ نے فتح کا بھی وعدہ کیا مگر ان کو قرار نہ تھا آخر صحابہ سے مشورہ کیا، سلمان فارسی نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر آنا مصلحت نہیں ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود لی جائے سب نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے، مکہ و مدینہ کی درمیان دس دن کی راہ ہے قبل اس کے کہ قریش پہنچیں کم وبیش ایک ہفتہ میں خندق کھد کر تیار ہوگئی، خندق کھدتے ہی قریش کا لشکر بھی پہنچ گیا اور آتے ہی انہوں نے لشکر کا محاصرہ کرلیا، بنوقریظہ بھی دشمنوں سے مل گئے، سردی شباب کی تھی دشمن مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، مگر خندق کو عبور نہیں کرسکتے تھے، اس لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے، مسلمانوں کی حالت بے حد تباہ تھی، خندق کھودنے کی تکان بھوک کی تکلیف، دشمنوں کا مقابلہ، جاڑے کی اذیت دومن کوہ میں رہنا، تقریباً ایک مہینہ تک اسی حالت میں رہے، رات کو جاگنا بھی پڑتا تھا کہ دشمن شبخون نہ ماریں،

عمرو بن عبدود کا قتل:

ایک دن قریش کے چند شہسوار گھوڑے پھندا کر خندق کے اس پار آگئے، انہیں میں عمرو بن عبدود بھی تھا، یہ اپنے زمانے کا مشہور یکہ تاز میدان شجاعت تھا اہل عرب اسے ہزاروں بہادروں کے برابر جانتے تھے، حضرت عمر نے اس موقع پر بیان کیا کہ ایک دن ہم قریش کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں عمرو بن عبدود بھی شام کی طرف جارہے تھے کہ دفعتہ تقریباً ہزار ڈاکوؤں نے ہمارا راستہ روک لیا، اہل قافلہ جان ومال سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر عمر بن عبدود کچھ بھی نہ ڈرا سپر کے بدلے اونٹ کا بچہ

ہاتھ میں لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ سب ڈاکو پریشان ہو کر بھاگ گئے اور ہمارا قافلہ اطمینان سے گزر گیا (معارج النبوۃ رک ۴رص ۶۱) یہ عمرو بن عبدود جنگ بدر میں شریک تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں شدید زخمی ہوا تھا جس کی وجہ سے جنگ احد میں شریک نہ ہو سکا، جنگ خندق میں اپنا امتیازی نشان لگا کر نکلا تھا، تا کہ ہر ایک کو اس کی موجودگی معلوم ہو جائے، مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں ''ان میں سب سے زیادہ مشہور عمرو بن عبدود تھا وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے مطابق پکارا کہ کون مقابلہ کو آتا ہے؟ حضرت علیؑ نے اُٹھ کر کہا میں، لیکن آں حضرتؐ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے!! حضرت علیؑ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا، عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی ایک صدا جواب میں تھی، تیسری دفعہ جب آں حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؑ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمر ہے، غرض آپ نے اجازت دی، خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی، سر پر عمامہ باندھا، (سیرۃ النبی جلد ۱رص ۳۱۴)

علیؑ میدان کو روانہ ہوئے اور پیغمبرؐ نے ہاتھ اٹھا کر درگاہ الٰہی میں عرض کی الهي أخذت عبيدة مني يوم بدر وحمزة يوم أحد وهذا علي أخي وابن عمي فلا تذرني فرداً وأنت خير الوارثين۔ ''خداوندا عبیدہ بن حارث کو تو نے بدر کے دن مجھ سے لے لیا، چچا حمزہ کو احد کے دن بلالیا، یہ علی میرا بھائی میرے چچا کا بیٹا بچ رہا ہے، خداوندا تو اس کی حفاظت کرنا میں اس کو تیری پناہ میں دیتا ہوں تو مجھے اکیلا نہ چھوڑنا کہ تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔'' (منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند امام احمد جلد ۴رص ۱۲۵) مورخین لکھتے ہیں کہ جب علیؑ عمرو بن عبدود کے مقابلے کے لئے نکلے ہیں، تو جہاں پیغمبرؐ نے خدا کی بارگاہ میں دعا فرمائی وہاں یہ فقرہ بھی زبان مبارک سے نکلا برز الايمان كله إلى الشرك كله ''پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے کو نکلا ہے۔ (حیٰوۃ الحیوان جلد ۱رص ۲۳۸، سیرۃ محمدیہ جلد ۲رص ۱۰۲)

آپ عمرو کے مقابل پہنچے، آپ میں اور عمرو میں یہ باتیں ہوئیں۔

عمرو۔ تم کون؟

علیؑ۔ میں ہوں علی۔

عمرو۔ بیٹے کس کے ہو؟ علیؑ۔ میں عبد مناف کا پوتا علی ابن ابی طالب ہوں۔

عمرو۔ بھتیجے جا کر اپنے چچا کو مقابلے کے لئے بھیجو جو تم سے زیادہ قوت و طاقت والے ہوں، تم واپس جاؤ کہ مجھے تمہارا خون

بہانا گوارا نہیں کیونکہ تمہارے باپ ہمارے دوست تھے۔

علیؑ۔لیکن بخدا مجھے تمہارا خون بہانا ذرا بھی ناگوار نہیں۔

عمر کو غصہ آ گیا، بعض روایات میں ہے کہ عمر نے کہا تمہارے ایسے شریف آدمی کو قتل کرنا مجھے پسند نہیں تم اُلٹے پیروں واپس جاؤ کہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:

عمرو۔یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؑ۔لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو۔میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سُن سکتا۔

حضرت علیؑ۔مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔

حضرت علیؑ پیادہ تھے عمرو کی غیرت نے گوارا نہ کیا گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔۔۔۔عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا، آگے بڑھ کر وار کیا، حضرت علیؑ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی، گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہے گا، قاموس میں ہے کہ حضرت علیؑ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے ایک عمرو کے ہاتھ اور دوسرا ابن ملجم کا، دشمن کا وار

اعلامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد بیان کرتے کہ خدا کی قسم عمرو نے علیؑ کو واپس جانے کے لئے جو کہا تو ان پر ترس کھا کر نہیں بلکہ ان سے خوفزدہ ہو کر اس نے یہ بات کہی تھی، اسے معلوم تھا کہ علیؑ نے بدر میں کتنی تباہی مچائی تھی، کتنے قریش کے نمودار جوانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا، جانتا تھا کہ اگر میں ان سے جنگ کروں گا تو یہ ضرور مجھے قتل کر ڈالیں گے، شرم کے مارے کمزوری تو دکھا نہیں سکتا تھا، لہٰذا خیر خواہی و رحم دلی کا مظاہرہ کر کے جان بچانی چاہی اور قطعی جھوٹا تھا۔(شرح ابن ابی الحدید معتزلی) علامہ ابن ابی الحدید کا کہنا صحیح بھی ہے کیونکہ عمرو کا ٹال مٹول کرنا، حیلے بہانے کرنا، جنگ سے واپس جانے کی ترغیب دینا، محبت و خلوص کے الفاظ زبان پر لانا، بھتیجے کیا تمہارے کوئی چچا تم سے زیادہ قوی و طاقتور لڑنے کے لئے نہیں؟''۔

میرے اور تمہارے باپ کے درمیان بڑی دوستی تھی ہم دونوں یار تھے ایک دوسرے کے ہم نوالہ و پیالہ تھے، '' مجھے تمہارا قتل گوارا نہیں'' یہ سب فقرے بتاتے ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے اپنی جان بچانا چاہتا تھا، یہ تو کوئی موقع اپنی اور علیؑ کے باپ کی دوستی کے تذکرہ کا تھا بھی نہیں، جنگ کے میدان میں ایک دوسرے کے حریف بن کر دوسرے کی باتیں کہاں ہوا کرتی ہیں؟ یہ عمرو تو وہ تھا جس نے بدر میں شدید جنگ کی تھی، اور اتنا ہی سخت زخمی بھی ہوا تھا اور اس نے منت مانی تھی کہ جب تک محمدؐ کو قتل نہ کروں گا اپنے سر میں تیل نہ لگاؤں گا، اور محمدؐ میں اور محمدؐ کی حمایت کرنے والے ان کی طرف سے دشمنوں کی مدافعت کرنے والے علیؑ میں کوئی فرق نہ تھا جو خود اس کے قتل کے لئے آمادہ ہو کر میدان میں آئے تھے، یہ سب کچھ نہ تھا عمرو جانتا تھا کہ بدر کے مقتولین آدھے کے قریب علیؑ کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے جن میں بڑے بڑے نام دار شجاعان عرب تھے پھر احد میں علیؑ نے کبش الکتیبۃ کو موت کے گھاٹ اُتارا اور دیگر علمبرداران قریش کو ٹھکانے لگایا، اس دن بھی زیادہ تعداد علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئی تھی لہٰذا اگر علیؑ سے مقابلہ کرتا ہوں تو یہ ضرور مجھے بھی اسی انجام کو پہنچا ئیں گے، کھلے بندوں بھاگ تو سکتا نہیں تھا اس لئے اس نے مکر و فریب سے کام لے کر جان بچانی چاہی ۱۲

ہو چکا تو حضرت علیؑ نے وار کیا، اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی ساتھ ہی حضرت علیؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہوگیا۔‘‘ (سیرۃ النبی جلد ۱ رص ۳۱۴)

جناب جابر کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤد اور جالوت کے قصہ سے مشابہ ہے (مستدرک ج ۳ رص ۳۳) جس کا ذکر خداوند عالم نے یوں کیا ہے کہ **فهزموهم بإذن الله وقتل داؤد جالوت**، یعنی طالوت کے ہمراہیوں نے جالوت کی فوج کو شکست فاش دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا، عبداللہ بن مسعود آیت **و کفی الله المؤمنين القتال و كان الله قويا عزيزاً** کو اس طرح پڑھا کرتے تھے **و کفی الله المؤمنين القتال بعلی و كان الله قويا عزيزاً**، لڑائی میں مومنین کی اللہ نے علیؑ کی وجہ سے کفایت کی اور اللہ غالب و مہربان ہے۔
(سیرۃ علویہ ص ۴۹، ارجح المطالب ص ۷۵، ینابیع المودۃ ص ۷۷، تفسیر درمنثور سیوطی وغیرہ)

عمرو بن عبدود کے ساتھ ۶ رآدمی اور خندق پار کر کے آ گئے تھے، منبہ بن عثمان عبدری، نوفل بن عبداللہ مخزومی، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی، عکرمہ ابن ابی جہل، ضرار بن خطاب اور حسل بن عمرو عبدود، حسل کے علاوہ باقی ۵ رآدمیوں نے جب عمرو کا انجام دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے انہیں یقین ہوا کہ اگر ٹھہرتے ہیں تو ہمارا بھی وہی حشر ہوا جو عمرو کا ہوا انہیں بھاگنے کو موقع بھی مل گیا کیونکہ علیؑ عمر کا سر کاٹنے کے بعد پیغمبرؐ کی خدمت میں چلے گئے تھے، پیغمبرؐ کے قدموں میں عمرو کا سر ڈال کر فوراً ہی پلٹے کہ باقی کو بھی ٹھکانے لگا دیا جائے، آپ جب پہنچے تو دیکھا کہ سب بھاگ چکے ہیں، بعض تو خندق پار کر چکے تھے ان میں ایک تو عکرمہ بن ابی جہل تھا وہ نیزہ پھینک کر بھاگا دوسرا ضرار بن خطاب تھا، دو آدمی مارے جا چکے تھے ایک منہ کہ اسے مسلمان تیر اندازوں کا ایک تیر لگا اور مکہ پہنچنے پر مر گیا دوسرا نوفل تھا یہ خندق میں گر پڑا، مسلمانوں نے اس پر تیر برسانا شروع کئے اس نے کہا بھائیوں اس سے قتل کر دینا اچھا ہے، حضرت علیؑ نے خندق میں اُتر کر اسے قتل کیا، پھر آپ نے ہبیرہ کا پیچھا کیا وہ بھی زرہ پھینک کر بھاگ نکلا، ہبیرہ گھوڑے پر سوار تھا آپ پیدل تھے اسی وجہ سے وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، آپ نے تلوار چلائی مگر وہ گھوڑے کی کاٹھی پر پڑ کر رہ گئی، حسل بھاگنے نہ پایا تھا کہ آپ کی تلوار نے اسے مار لیا۔ (سیرۃ ابن ہشام، طبری، ارشاد شیخ مفید وغیرہ)

عمرو بن عبدود کی بہن:

علامہ دیار بکری لکھتے ہیں کہ جب علیؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا تو دستور عرب کے مطابق اس کے اسباب نہیں لئے، جب عمرو کی بہن لاش پر آئی اور دیکھا کہ قاتل نے عمرو کا کوئی سامان نہیں لیا بلکہ اسی طرح اس کے بدن پر چھوڑ دیا ہے تو کہنے لگی **ماقتل إلا كفو كريم** میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی شریف اور بزرگ شخص ہے، پھر اس نے قاتل کا نام پوچھا، لوگوں

نے بتایا کہ علیؑ بن ابی طالب نے قتل کیا ہے اس پر اس نے دو شعر کہے۔

لو کان قاتل عمرو غیر قاتله　　لکنت أبکی علیه آخر الأبد

لکن قاتله من لا یعاب به　　من کان یدعی قدیماً بیضة البلد

''اگر عمرو کا قاتل علیؑ کے سوا کوئی ہوتا تو میں اپنے بھائی پر زندگی بھر روتی رہتی مگر عمرو کا قاتل تو وہ معزز و محترم ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ بیضۃ البلد سردار عرب کہتے ہیں''۔ (تاریخ خمیس جلد ا رص ۵۴۸)

عمر کی ہلاکت سے قریش پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ان کے لئے یہ صدمہ برداشت سے باہر تھا، جہاں مسلمانوں کی مسرت کا ٹھکانہ نہ تھا وہاں قریش کی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس حادثہ پر اشکبار نہ ہوئی ہو، دشمنوں نے عمرو کے بکثرت مرثیے کہے، ان مراثی میں جہاں عمرو کی غیر معمولی طاقت وشجاعت کا ذکر تھا وہاں علیؑ کی محیر العقول جوانمردی ودلیری کا بھی اعتراف تھا، مسلمانوں نے بھی فخریہ اشعار کہے حسان بن ثابت نے جو مدینہ کے رہنے والے اور انصار سے تعلق رکھتے تھے ایک فخریہ نظم لکھی تھی:

أمسی الفتی عمرو بن عبد یبتغی　　بجنوب یثرب غارة لم تنظر

ولقد وجدت سیوفنا مشهورة　　ولقد وجدت جیادنا لم تقصر

ولقد رأیت غداة بجدر عصة　　ضربوك ضربا غیر ضرب الحسر

أصبحت لا تدعی لیوم عظیمة　　یا عمرو أو لجسیم أمر منکر

''تم نے اے قریش ہماری تلواروں کو ہمیشہ کھنچا ہوا پایا ہوگا اور ہمارے گھوڑوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ کوتاہی نہیں کرتے،،،، تم نے بروز جنگ بدر ان لوگوں (انصار) کو بھی دیکھا ہوگا جنہوں نے ایسے ایسے کاری وار تم پر کئے جو تھکے ہارے انسانوں کے وار کی طرح نہ تھے۔ اے عمرو اب تو تم وہاں پہنچ گئے جہاں سے تمہیں کسی سخت ترین دن یا کسی خطرناک ناگہانی مصیبت کے وقت بلایا ہی نہیں جاسکتا۔''

یہ حسان ہمیشہ سے بزدلی میں مشہور رہے، انہوں نے ان اشعار میں فخر کیا تھا کہ عمرو انصار (مسلمانان مدینہ) کے ہاتھوں قتل ہوا، جس کی کوئی اصلیت نہیں تھی، عمرو تو علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا جو ہاشمی تھے، قریش کے معزز شاخ سے تعلق رکھتے تھے، حسان کے اشعار بنی عامر تک پہنچے، ان میں سے کسی نوجوان نے حسان کے جواب میں کہا:

کذبتم وبیت الله لا تقتلوننا　　ولکن بسیف الهاشمیین فافخروا

لسیف ابن عبد الله أحمد فی الوغا　　بکف علی نلتم ذاك فاقصروا

ولم تقتلوا عمرو بن عبد بأسکم　　ولکنه الکفو الهزبر الغضنفرُ

علی الذی فی الفخر طال نبأہ فلاتکثروا الدعوی علینا فتحقروا
ببدر خرجتم للبراز فردکم شیوخ قریش جھرۃ وتأخروا
فیما أتاھم حمزۃ وعبیدۃ وجاء علی بالمھند یخطرُ
فقالوا نعم أکفاء صدق فاقبلوا إلیھم سراعا إذبغوا و تجبروا
فجال علی جولۃ ھاشمیۃ فدمرھم لما عتوا وتکنزوا
فلیس لکم فخرا علینا بغیرنا ولیس لکم فخر بعد فیذ کرُ

''خانۂ کعبہ قسم (اے حسان) جھوٹ کہا، تم ہمیں کیا قتل کر سکتے تھے؟ ہاں ہاشمیوں کی تلواروں پر جتنا جی چاہے فخر کرو، محمد مصطفیٰؐ، فرزند عبداللہ کی تلوار جو علیؑ کے ہاتھوں میں تھی اس تلوار سے تمہیں یہ نعمت ملی، لہٰذا زیادہ بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ تم نے اپنی قوت وطاقت سے عمرو بن عبدود کو قتل نہیں کیا البتہ شریف ومعزز شیر غضنفر نے اسے قتل کیا وہ ولیؑ جس کے فخر کی عمارت بہت سر بلند ہے، لہٰذا ہمارے سامنے زیادہ باتیں نہ کرو کہ خواہ مخواہ کی رسوائی ہو، تم (انصار) مقابلہ کے لئے بدر میں آئے تھے لیکن بزرگان قریش (عتبہ وشیبہ وولید بن عتبہ) نے صاف تمہیں واپس پلٹا دیا اور تم سے لڑنا پسند نہ کیا ہاں جب حمزہ عبیدۃ اور علیؑ سیف ہندوانی لے کر پہنچے تو انہوں نے کہا ہاں! یہ برابر کے معزز لوگ ہیں، وہ بزرگان قریش بھی بہت سرعت سے ان کی طرف بڑھے وہ تو سرکش وجابر تھے ہی، علیؑ نے ایک ہاشمی داؤں کیا اور انہیں نیست نابود کر دیا کیونکہ انہوں نے سرکشی وبڑائی کا اظہار کیا تھا لہٰذا بغیر ہمارے (قبیلہ قریش کے) تمہیں کوئی فخر حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اور نہ اب بھی تم سے کوئی قابل ذکر، لائق فخر بات مشاہدہ میں آتی ہے۔'' (ارشاد شیخ مفیدؒ)

اس غزوہ میں حضرتؑ سب سے ممیز وممتاز اور بہت سے خصوصی امتیاز کے حامل ہوئے۔

(۱) سب سے بڑا امتیاز یہ کہ آپ نے عمرو بن عبدود ایسے پہلوان کو تہ تیغ کیا، یہ اتنی بڑی خدمت تھی اسلام کی اور پیغمبرؐ کی نگاہوں میں علیؑ کا یہ کارنامہ ایسا عظیم وبزرگ تھا کہ آپ نے فرمایا ضربۃ علی یوم الخندق أفضل من عبادۃ الثقلین ۔(مستدرک ج ۳/ص ۳۲) علیؑ کی ایک ضربت بروز خندق ثقلین کی عبادت سے افضل تھی، آپ کی یہی ایک ضربت مشرکین کی شکست فاش اور فرار کا باعث ہوئی۔

(۲) عمرو کو قتل کرنے کے بعد آپ نے اس کے باقی ساتھیوں کا تعاقب کیا حالانکہ آپ پا پیادہ تھے اور وہ سب سوار اور عمرو سے جنگ کرنے میں آپ کو تکان بھی پہنچی ہوگی مگر یہ تکان ان کا پیچھا کرنے میں مانع نہ ہوئی۔

(۳) خندق میں اتر کر نوفل کو قتل کیا اور ایسی ضربت لگائی کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

(۴) آپ نے ہبیرہ کا پیچھا کیا حالانکہ ہبیرہ سوار تھا اور آپ پا پیادہ تھے مگر اس پر بھی وہ ٹک نہ سکا بھاگا بھی تو گھوڑے کی بدولت اور ایسی بدحواسی کے عالم میں کہ زرہ چھوڑتا گیا۔

(۵) آپ ہی نے حسل کو بھی قتل کیا، مسلمانوں کا پورا لشکر موجود تھا مگر کسی کو حسل کے قتل کرنے کا خیال نہ ہوا، آپ ہی جب سب سے نپٹ کر اس کی طرف آئے تو اسے قتل کیا۔

(۶) آپ نے عمرو کو قتل کر کے اس کا اسباب نہیں لوٹا حالانکہ یہ عرب کا قدیمی دستور تھا کہ قاتل مقتول کا اسباب لوٹ لیا کرتا تھا عمرو کی زرہ اپنی گراں قدری کے لحاظ سے شہرہ آفاق حیثیت رکھتی تھی مگر علیؑ کی سیر چشمی و عزت نفس نے اعتنا تک نہ کی۔

جب آپ عمر کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ کر خدمت پیغمبرؐ میں پہنچے تو پیغمبرؐ کا چہرہ فرط مسرت سے گلنار ہو رہا تھا، حضرت عمر نے علیؑ سے کہا، آپ نے عمرو کی زرہ کیوں نہ اُتار لی کہ عرب میں اس کے ایسی کوئی زرہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ مجھے شرم آئی کہ میں اپنے قوم و قبیلہ کے آدمی کو ننگا دیکھوں۔ (مستدرک ج ۳/ص ۳۲)

(۷) وہ بے نظیر قوت قلب و ثبات قدم جو علیؑ نے عمرو سے جنگ کرتے وقت اپنے میں پایا علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب علیؑ عمرو کو قتل کر چکے تو آپ سے لوگوں نے پوچھا علی! عمرو سے مقابلہ کرتے وقت آپ نے اپنے نفس کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا اس وقت میرے قلب کی قوت اور میرے ثبات قدم کا یہ عالم تھا کہ اگر اہل مدینہ ایک طرف اور میں ایک طرف یکہ و تنہا ہوتا تو میں ہی ان پر غالب ہوتا۔

(۸) آپ کا عمرو و نوفل کو قتل کرنا مشرکین کی ہزیمت کا باعث ہوا اور ایسی دھاک ان پر بیٹھ گئی کہ اس وقت دس ہزار کی تعداد میں ہونے کے باوجود دوبارہ حملہ نہ کر سکے، شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں کہ عمرو و نوفل کی ہلاکت علیؑ کے ہاتھوں مشرکین کی شکست کا باعث ہوئی، اس دن عمرو اور دیگر مشرکین کے قتل ہونے پر پیغمبرؐ نے فرمایا آج ہم ان سے لڑ رہے ہیں وہ ہم سے نہیں لڑتے، (یعنی آئے تو وہ تھے ہم پر چڑھائی کر کے ہمیں قتل کرنے کی خاطر مگر بجائے اس کے کہ وہ ہمیں قتل کریں ہم انہیں قتل کر رہے ہیں) اسی کے متعلق ارشاد خداوند عالم ہے ورد الله الذین کفروا لم ینالو خیراً و کفی الله المؤمنین القتال و کان الله قویاً عزیزاً، خداوند عالم نے کافروں کو ناکام پلٹا دیا، انہیں کچھ بھی بھلائی نہ حاصل ہو سکی اور خداوند عالم نے لڑائی میں مومنین کی کفایت کی اور اللہ غالب و مہربان ہے۔“

(۹) خداوند عالم نے بروز خندق مسلمانوں پر عتاب فرمایا سوا ایک علیؑ کے کہ آپ ہی بس عتاب سے محفوظ رہے، جنگ خندق ہی کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اذجاؤو کم من فوقکم و من أسفل منکم وإذا زاغت الأبصار

وبلغت القلوب الحناجر وتظنون بالله الظنونا هنالك ابتلى المومنون وزلزلوا زلزالاً شديداً واذيقول المنافقون والذين في قلوبهم مرض ما وعدنا الله إلا غروراً۔'' جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے آ پڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی پل گئے اور جس وقت (ان کی کثرت سے) تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں، اور (خوف سے) کلیجے منھ کو آ گئے تھے، اور خدا پر طرح طرح کے برے خیال کرنے لگے تھے، یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے اور جس وقت منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا کہنے لگے کہ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے جو ہم سے وعدے کئے تھے وہ بالکل دھوکے کی ٹٹی تھی۔ (سورہ احزاب پارہ ۲۱) یہ عتاب سب پر تھا سبھی مورد ملامت ٹھہرے کوئی بھی بالاتفاق اس ملامت سے محفوظ نہ رہا سوا علیؑ کے، فتح انہیں کے ہاتھوں پر ہوئی تھی۔

(۱۰) جب آپ عمرو کے مقابلے کو نکلے تو پیغمبرؐ نے فرمایا لبرز الإيمان كله إلى الكفر كله ''پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے میں جا رہا ہے'' نیز آپ نے فرمایا قتل علي لعمرو بن عبدود أفضل من عبادة الثقلين 'علی کا عمرو کو قتل کرنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہے'' امام حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا لمبارزة علي ابن ابي طالب لعمرو بن عبدود يوم الخندق أفضل من أعمال أمتي إلى يوم القيامة ''علیؑ کا بروز خندق عمرو بن عبدود سے جنگ کرنا میری امت کے ان تمام اعمال سے بہتر ہے جو وہ قیامت تک کرے گی (۱) (اعیان الشیعہ جلد ۳)

(۱) علامہ ابن تیمیہ جو حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کے فضائل کی حدیثوں کا انکار کرنے، جھٹلانے، غلط ثابت کرنے میں شہرت عام رکھتے ہیں خواہ حدیث کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو بلکہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہو مگر اسے غلط ثابت کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیا کرتے ہیں انہوں نے حسب عادت ''ضربة علي أفضل من عبادة الثقلين'' کو بھی موضوع کہہ دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ بھلا علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے کیوں کر افضل ہو جائے گی، ثقلین میں جن بھی ہیں انس بھی، انس میں انبیائے کرام بھی ہیں، عمرو بن عبدود بھی کوئی ایسی مشہور شخصیت کا کافر نہ تھا کہ اس کا قتل اسلام کے لئے ایسی نعمت عظمیٰ ہوتا، اس کا تو بس جنگ خندق میں نام سنائی دیا ہے۔'' صاحب سیرۃ حلبیہ نے اس کا جواب دیا ہے'' علامہ تیمیہ کا اعتراض کہ علیؑ کی ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل کیسے ہو سکتی ہے؟'' محض غلط کیونکہ عمرو کے قتل ہونے میں اسلام کی بڑی کامیابی اور کافروں کی زبردست شکست تھی، رہ گیا یہ کہنا کہ عمرو کا نام سوا غزوہ خندق کے کبھی نہ سنا گیا یہ بھی غلط ہے کیونکہ روایتوں میں موجود ہے کہ یہ عمرو بن عبدود جنگ بدر میں شریک تھا اور بہت شدید زخمی ہوا جس کی وجہ سے احد کی لڑائی میں حصہ نہ لے سکا جب جنگ خندق چھڑی تو امتیازی نشان لگا کر نکلا تھا تا کہ سب دیکھ لیں اور پہچان لیں، نیز اس وجہ سے بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اوپر گزر چکا ہے کہ عمرو بن عبدود نے منت مانی تھی کہ جب تک محمد کو قتل نہ کر لوں گا سر میں تیل نہ لگاؤں گا۔'' (سیرۃ حلبیہ) نیز ابن تیمیہ کی تردید علامہ ابن اسحاق کے اس فقرہ سے بھی ہوتی ہے كان عمرو بن عبدود ثالث قريش شجعان، شجاعت میں عمرو بن عبدود تیسرا شخص تھا۔

نیز عمرو کی بہن کو جب بھائی کے قتل کی خبر ملی ہے تو اس نے کہا تھا عمرو کو قتل کرنے کی جرأت کس میں پیدا ہوگئی؟'' یہ فقرہ بتاتا ہے کہ اسے یقین تھا کہ عمرو کی شجاعت کو دیکھتے ہوئے کسی کو اس سے مقابلہ کی جرأت نہ ہوگی۔ نیز یہ عمرو فارس یلیل کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں بے نظیر مظاہرہ اس کی شجاعت کا ہو چکا تھا، نیز پیغمبرؐ کے فقروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عمرو بن عبدود کوئی ایسا ویسا کافر نہیں تھا بلکہ مشہور شخصیت تھی اسی وجہ سے اتنے مسلمانوں کے باوجود جب اس نے دعوت

مبارزت دی تو اس کے جواب میں سب دم بخود رہے كأنّ علی رؤسهم الطیر جیسے سروں پر پرندہ بیٹھا ہو، وہ آوازوں پر آوازیں دیتا رہا پیغمبر مسلمانوں کو اس سے لڑنے پر برابر اُبھارتے رہے اور اس جنگ کرنے پر جنت کی ضمانت کرتے رہے مگر کوئی مقابلہ کو نہیں نکلا، یہ دلیل ہے کہ عمرو کافی مشہور و معروف تھا اور لوگوں کے دلوں میں اس کی بڑی دہشت تھی۔

علامہ ذہبی تلخیص مستدرک میں دوسری حدیث لمبارزۃ علی لمبارزة علی ابن ابی طالب لعمرو بن عبدود یوم الخندق أفضل من أعمال أمتی إلی یوم القیامة نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں قبح الله رافضیاً أفتراه خدا اس رافضی کا ستیاناس کرے جس نے اس حدیث کو گڑھا ہے، میں کہتا ہوں کہ خدا اس ناصبی کا ستیاناس کرے جو برادر پیغمبرؐ کے بغض و کینہ کے سبب حدیث پیغمبر کو جھٹلائے، یہی علامہ ذہبی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں اب ناصبیت کا کوئی وجود نہ رہا کون پوچھے ان سے کہ محض عداوت امیر المومنینؑ میں پیغمبرؐ کی اس مشہور حدیث کو رافضی کا افترا و بہتان بتانا ناصبیت نہیں تو کیا ہے؟ اور ناصبیت دنیا سے مٹ کہاں گئی؟ علامہ ذہبی سے عداوت کے یہ مظاہرے کوئی تعجب خیز بھی نہیں وہ تو ابن تیمیہ ہی کے شاگرد ہیں اور ابن تیمیہ کا حال دنیا پر روشن ہے، بدیہی سے بدیہی بات کا انکار کر دینا ان کی عادت ہے، معمولی سے معمولی انسان بھی اس نزاکت محل کا اندازہ کر سکتا ہے، دس ہزار مشرکین کا لشکر جرار چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر کمربستہ، مسلمانوں کی تعداد ان کے ایک تہائی بھی نہیں۔

اور اس ایک تہائی سے کم تعداد میں منافقین کی اچھی خاصی تعداد، بغل میں بنو قریظہ جن کی غداری کا ہر وقت خطرہ، بدترین اندیشہ کہ ہم ادھر مشرکین کے لشکر سے برسر پیکار رہیں ادھر بنو قریظہ کہیں ہمارے گھروں پر نہ دھاوا بول دیں اور ہماری عورتوں، بچوں کو لوٹ لے جائیں، اس وقت کی خود قرآن نے منظر کشی کی ہے اذجاؤو کم من فوقکم ومن أسفل منکم وإذ زاغت الأبصار وبلغت القلوب الحناجر یہ منظر اس وقت کا اور اسی عالم میں عمرو بن عبدود اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ خندق پھلانگ کر مسلمانوں کے سر پر آجاتا ہے، ان پر طعنے کستا ہے، مقابلہ کہ دعوت دیتا ہے اور کوئی جواب نہیں ملتا، کسی کے منہ سے بات نہیں نکلتی، ایک علیؑ اُٹھتے ہیں اور اسے موت کے گھاٹ اتارتے ہیں اور اس کی ہلاکت سے مشرکین کو شکست فاش ہوتی ہے، آزمائش و مصیبت کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں، فتح و نصرت مسلمانوں کے قدم چومتی ہے ایک سرسری نظر بھی انسان ان تمام باتوں پر ڈالے تو یہ یقین کرنے میں ذرا بھی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس روز علیؑ کی ضربت یقیناً عبادت جن وانس بلکہ تمام عالم کے باشندوں کی عبادت سے بہتر تھی خواہ اس کے متعلق پیغمبرؐ کی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، بغیر حدیث کے بھی عقل کو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں، آفتاب کب کسی دلیل و ثبوت کا محتاج رہا، اگر خندق کے دن علیؑ کی ضربت نہ ہوتی تو اس زمین پر خدا کی پرستش نہ ہوتی، بت پوجے جاتے۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ علیؑ کا بروز خندق عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں نکلنا اسے صرف اہم اور عظیم کہہ دینا کہ کافی نہیں بلکہ یہ اہم سے بھی اہم تر اور عظیم سے بھی عظیم تر تھا، یہ تو ایسا عظیم ترین تھا جیسا ہمارے استاد ابوالہذیل نے کہا تھا جب ان سے کسی شخص نے سوال کیا کہ خدا کے نزدیک علیؑ کی منزلت زیادہ تھی یا فلاں کی تو انہوں نے جواب دیا، بیٹے! خدا کی قسم علیؑ کا بروز خندق عمرو سے جنگ کرنا تمام مہاجرین وانصار کے جملہ اعمال و عبادات سے افضل تھا چہ جائیکہ فلاں بزرگ۔'' (اعیان الشیعہ جلد ۳)

غزوہ بنو قریظہ:

اسی ۵ھ میں غزوہ بنو قریظہ واقع ہوا، غزوۂ خندق کے سلسلہ میں بیان کیا جاچکا ہے بنو قریظہ جن کے اور پیغمبرؐ کے درمیان متارکہ جنگ کا باہمی معاہدہ تھا، حی بن اخطب رئیس بنو نضیر کے بہکانے سے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ بھی شریک جنگ ہو گئے تھے، جب پیغمبر غزوہ خندق سے واپس ہونے لگے تو وحی نازل ہوئی کہ بنی قریظہ کی سرکوبی بھی ضروری ہے، آپ تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کی طرف روانہ ہوئے، ''اس میں بھی جناب امیرؑ کی کوشش وہمت نے نیا رنگ دکھایا، مروی

ہے کہ جب آں حضرتؐ بطرف بنی قریظہ عازم ہوئے تو اولاً جناب امیرؑ کو لشکر کا علمبردار کر کے اس طرف روانہ کیا، جناب امیرؑ حسب ارشاد آنحضرت لشکر سے پہلے قلعہ کے قریب پہنچ گئے اور علم زیر قلعہ نصب کر دیا، جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ جب میں قلعہ کے پاس پہنچا تو ایک شخص مجھ کو دیکھ کر غل مچانے لگا کہ لوگو ہوشیار ہو جاؤ عمر بن عبدود کا قاتل یہاں بھی آ پہنچا دوسرے نے کہا کہ علیؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا کہ ایک شہباز بلند پروانہ کو شکار کیا ہم لوگوں کی پیٹھ توڑ ڈالی جس کا ارادہ کیا اس کو تمام ہی کر کے چھوڑا، جناب امیرؑ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ الحمدللہ اسلام غالب اور شرک مغلوب ہوا، جناب امیرؑ نے جب زیر قلعہ علم نصب کیا تو یہودیوں نے قلعہ سے آں حضرت کو سخت وسست کہنا شروع کیا، جناب امیرؑ نے ان کلمات کو سُن کر علم کو ابوقتادہ کی حفاظت میں چھوڑا اور خود آں حضرتؐ کی خدمت میں واپس آئے راستہ میں آنحضرت تشریف لاتے ہوئے ملے، جناب امیرؑ نے آں حضرتؐ سے عرض کیا کہ آپ قلعہ سے دور رہیں تو بہتر ہے، آں حضرتؐ فرمانے لگے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ان سے کچھ سخت باتیں سنی ہیں جب وہ مجھے دیکھ لیں گے پھر نہ کہیں گے، ابن اسحاق سیرت میں لکھتے ہیں کہ جب محاصرہ کو مدت گزری اور یہودی قلعہ سے نیچے نہ اُترے تو جناب امیرؑ اور حضرت زبیر دونوں آگے بڑھے اور قلعہ کے پاس پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ بغیر حملہ کئے واپس نہ ہوں گا یا قلعہ کو فتح کروں گا یا جان دے کر حضرت حمزہ سے ملوں گا، اہل قلعہ جناب امیرؑ کے تیور دیکھ کر ڈر گئے اور آں حضرتؐ کی دہائی دینے لگے، پھر جناب امیرؑ نے قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں نماز عصر ادا کی (سیرت ابن ہشام وزرقانی)'' (سیرۃ علویہ محمد علی حیدر کاکوروی حنفی ص۹)۔

اس غزوہ میں بھی آپ کی امتیازی شان رہی علمبردار لشکر آپ ہی تھے، پیغمبرؐ کا خیال آپ کو اتنا تھا کہ دل کو یہ تک گوارا نہ ہوا کہ پیغمبرؐ کے گوش اقدس میں دشمنوں کے نامناسب الفاظ جائیں، مشرکین آپ کو دیکھتے ہی سراسیمہ و بدحواس ہو گئے، رعب طاری ہو گیا ان کے دلوں پر، جو مشرکین اس غزوہ میں قتل ہوئے وہ آپ ہی کے ہاتھوں ہوئے، حی بن اخطب نے آپ کے ہاتھوں قتل کئے جانے پر فخر و مسرت کا اظہار کیا چنانچہ جس وقت حی بن اخطب رئیس قبیلہ بنو نضیر کے متعلق پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ علیؑ اُٹھو اسے قتل کرو تو اس نے کہا قتلة شريفة بيد شريف، یہ میرا باعزت قتل ہونا ہے عزت والے کے ہاتھ سے، حضرت علیؑ نے فرمایا بہترین مردم بدترین مردم کو قتل کرتے ہیں اور بدترین مردم بہترین مردم کو، ہلاکت ابدی اس کی ہے جسے بہترین مردم تہ تیغ کریں اور سعادت وشرف ان کے لئے ہے جنہیں اراذل کفار قتل کریں، حی نے کہا سچ کہتے ہیں آپ! براہ کرم میرا لباس نہ اُتاریں گے آپ نے فرمایا مجھے اس کی پروا نہیں، حی نے کہا آپ نے میرا پردہ رکھا خدا آپ کا بھی پردہ رکھے، آپ نے اسے قتل کیا اور وعدہ وفا کرتے ہوئے اس کا لباس نہ اُتارا۔ (اعیان الشیعہ جلد ۳ ص ۴۱۹)

۵۶ھ

سریہ فدک:

سریہ فدک خیبر کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں بنی سعد آباد تھے، خیبر کے یہودی بنوقریظہ اور بنونضیر کی بدعہدیوں کا انجام دیکھ کر ہراساں ہوئے انہوں نے بنی سعد کی پیٹھ ٹھونکی اور پیغمبرؐ سے لڑنے پر آمادہ کر دیا، پیغمبر کو جب خبر ملی کہ بنی سعد نے لشکر جمع کرلیا ہے اور خیبر کے یہودیوں کی مدد پر آمادہ ہیں تو آپ نے مدینہ سے حضرت علیؑ کو سو مسلمانوں کے ہمراہ روانہ کیا، آپ دن کو چھپتے اور رات کو سفر کرتے ہوئے مقام ہج تک جا پہنچے، وہاں ایک مشرک ملا، پوچھا کہ کون ہو؟ اس نے کہا کہ میری کوئی چیز کھو گئی ہے اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں، مسلمانوں نے پوچھا بنی سعد کے تیاریوں کی بھی کچھ خبر ہے؟ اس نے ناواقفیت ظاہر کی، جب سختی کی گئی تو اقرار کیا کہ میں ان کا جاسوس ہوں، بنی سعد کا پیام لے کر خیبر والوں کیطرف جا رہا ہوں، پوچھا گیا کہ بنی سعد ہیں کہاں؟ بتایا کہ دوسو آدمی ہتھیاروں سے لیس کھڑے ہیں، کہا گیا ہمیں ان کے کیمپ تک لے چلو، اس نے جان کی امان مانگی، حضرت علیؑ نے منظور کیا، اس شخص کی رہبری میں مسلمان بنی سعد کی چراگاہ تک پہنچ گئے جہاں ان کے مویشی اونٹ، گائے، بکریوں کے گلّے تھے، چرواہے گلّوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے اور انہوں نے جا کر مالکوں کو خبر دی، وہ خبر ملتے ہی ادھر اُدھر منتشر ہو گئے، مسلمانوں نے بنی سعد کے تمام مویشیوں کو لوٹ لیا۔ جب دشمنوں کے کیمپ کے پاس پہنچے تو وہاں سناٹا تھا کوئی بھی موجود نہ تھا،، آپ نے جاسوس کی جاں بخشی کی اور ۵۰۰ر کے قریب اونٹ، ۲ ہزار بکریاں لے کر خدمت پیغمبرؐ میں پہنچے، تھوڑے ہی دنوں کے بعد خیبر کی مشہور لڑائی پیش آئی، خیبر فتح ہونے کے بعد فدک والے کافی مرعوب ہو چکے تھے، انہوں نے پیغمبرؐ کی خدمت میں صلح ومصالحت کے پیام بھیجے (۱) اور نصف فدک دے کر مصالحت کرلی۔

(۱) چونکہ بغیر لڑے بھڑے فدک پیغمبرؐ کے ہاتھوں میں آیا تھا اسی لئے یہ فدک خاص پیغمبرؐ کی جائداد قرار دیا گیا مسلمانوں کا اس میں کوئی حق نہ تھا، یہ وہی فدک ہے جس کا مطالبہ جناب معصومہؑ نے بعد وفات پیغمبرؐ دربار خلافت میں کیا تھا اور حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جناب معصومہؑ کے مطالبہ کو رد کر دیا تھا، جناب معصومہؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار زندگی ہی میں مجھے فدک ہبہ کر چکے ہیں وہ آں حضرتؐ کی زندگی ہی سے میری ملکیت میں ہے اگر بفرض محال یہ حدیث صحیح بھی تسلیم کرلی جائے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو فدک تو میراث پیغمبرؐ میں داخل بھی نہیں وہ تو آں حضرتؐ کی زندگی ہی میں میرے قبضہ میں آچکا تھا اگر میراث اس لئے نہیں دیتے کہ پیغمبرؐ کے مرنے کے بعد ان کا ترکہ صدقہ ہو جاتا ہے تو پیغمبرؐ جو چیز جیتے جی بطور ہبہ دے چکے ہوں اس سے کیوں محروم کرتے ہو؟ حضرت ابوبکر نے کہا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟ جناب معصومہؑ نے بطور گواہ حضرت علیؑ کو پیش کیا، علیؑ کی گواہی پر حضرت ابوبکر کو اطمینان نہ ہوا، دوسرا گواہ طلب کیا تو آپ نے جناب ام ایمن کو پیش کیا، انہوں نے گواہی دی، اس پر بھی حضرت ابوبکر نہ مانے اور کہا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی صحیح نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے غرضکہ جس طرح پیغمبرؐ کے میراث وترکہ سے محروم کیا سیدہؑ کو، اسی طرح سیدہؑ کو حضرت علیؑ کو اور ام ایمن جھوٹا قرار دے کر پیغمبرؐ کے عطیہ وہبہ سے بھی محروم رکھا۔

یہ تو ایک رخ ہے حضرت ابوبکر کے طرز عمل کا، اب دوسرا رخ بھی دیکھنے کے قابل ہے، صحیح بخاری میں یہ حدیث متعدد مقامات پر موجود ہے:

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ لَقَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا ثَلَاثًا فَلَمْ يَقْدَمْ مَالُ الْبَحْرَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمَ عَلٰى أَبِي بَكْرٍ أَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادٰى مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ أَوْ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنِي قَالَ جَابِرٌ فَجِئْتُ أَبَا بَكْرٍ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا ثَلَاثًا قَالَ فَأَعْطَانِي قَالَ جَابِرٌ فَلَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ بَعْدَ ذٰلِكَ فَسَأَلْتُهُ فَلَمْ يُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَلَمْ يُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُهُ الثَّالِثَةَ فَلَمْ يُعْطِنِي فَقُلْتُ لَهُ قَدْ أَتَيْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي فَإِمَّا أَنْ تُعْطِيَنِي وَإِمَّا أَنْ تَبْخَلَ عَنِّي فَقَالَ أَقُلْتَ تَبْخَلُ عَنِّي وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ قَالَهَا ثَلَاثًا مَا مَنَعْتُكَ مِنْ مَرَّةٍ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُعْطِيَكَ وَعَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ جِئْتُهُ فَقَالَ لِي أَبُو بَكْرٍ عُدَّهَا فَعَدَدْتُهَا فَوَجَدْتُهَا خَمْسَ مِائَةٍ فَقَالَ خُذْ مِثْلَهَا مَرَّتَيْنِ (صحیح بخاری پارہ ۱۷رص ۷۸ / پارہ ۱۰رص ۵۴ و ۵۷۳ وغیرہ)

جابر بن عبداللہ بیان کرتے تھے کہ کہ مجھ سے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آئے گا تو میں تم کو ضرور اس قدر اس قدر اس قدر (تین مرتبہ) دوں گا مگر وہاں سے مال نہیں آیا یہاں تک کہ حضرتؐ کا انتقال بھی ہوگیا، پھر جب حضرت ابوبکر کے پاس وہاں کا مال آیا تو انہوں نے ایک منادی کو حکم دیا کہ پکار دے جس شخص کا کوئی قرض رسولؐ کے ذمہ ہو یا حضرتؐ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آئے اس پر میں (جابر) حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور ان سے بیان کیا کہ حضرت رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آئے گا تو تم کو اس قدر اس قدر اس قدر (تین مرتبہ) دوں گا اس پر حضرت ابوبکر نے مجھے دیا جابر کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں پھر حضرت ابوبکر سے ملا اور ان سے مانگا مگر انہوں نے نہیں دیا پھر ان کے پاس دوبارہ گیا تب بھی نہیں دیا سہ بارہ گیا تب بھی نہیں دیا تب میں نے ان سے کہا میں آپ کے پاس تین مرتبہ آیا اور ایک مرتبہ بھی آپ نے مجھے نہیں دیا بس یا تو مجھے دے دیجئے یا مجھ سے بخل کیجئے اس پر حضرت ابوبکر بولے کہ کیا تم مجھے بخل کرنے کو کہتے ہو؟ بخل سے زیادہ بری بیماری کیا ہو سکتی ہے اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا پھر کہا اے جابر میں نے تم سے ایک دفعہ بھی انکار نہیں کیا بلکہ میرا ارادہ یہی رہا کہ تم کو دوں گا اور عمرو نے محمد بن علی سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ سنا میں نے جابر بیان کرتے تھے کہ میں ابوبکر کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ اس کو شمار کرو، میں نے گنا تو ۵۰۰ رتھا اس پر انہوں نے کہا اس کو دوگنا لے لو۔

جناب جابر کا کیا ذکر ایک معمولی غلام بھی آپ سے وصیت رسول کا حوالہ دے کر مطالبہ کرتا تو آپ نہ اس میں کوئی عذر کرتے نہ گواہ طلب کرتے نہ اس کو محروم واپس کرتے، امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں ''زنباع نے اپنے ایک غلام کو اپنی کسی لونڈی کے ساتھ پکڑ لیا تو اس کی ناک کاٹ دی، رسولؐ خدا نے دیکھا تو پوچھا یہ کس نے کیا؟ کہا زنباع نے، حضرتؐ نے فرمایا، جا تو اب آزاد ہے پھر حضرتؐ نے اس کے بارے میں مسلمانوں سے وصیت کی اور جب حضرتؐ کا انتقال ہوگیا تو وہ غلام حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہا رسولؐ کی وصیت یاد کیجئے انہوں نے کہا ہاں ہم تیرا اور تیرے عیال کا وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں اور فوراً مقرر کر دیا جو ان کے انتقال تک جاری رہا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ رص ۱۸۲)

اللہ اکبر، جناب سیدہؑ اس غلام کے برابر بھی نہیں سمجھی گئیں کہ اس غلام سے نہ کوئی عذر کیا گیا نہ گواہ طلب کئے گئے اور جناب سیدہؑ کو ان سب کے بعد بھی محروم کر دیا گیا، جناب جابر کے صرف دعوے پر حضرت ابوبکر کے ۱۵۰۰ ردینے کے متعلق تو علماء اہلسنت نے ممدوح کے عمل کی تائید بھی کی کہ یہی کرنا چاہئے، علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں فيه قبول خبر الواحد العدل من الصحابة ولو جر ذالك نفعاً لنفسه لأن أبابكر لم يلتمس من جابر شاهداً على صحة دعواه، اس حدیث میں یہ بات بھی ہے کہ صحابہ سے کسی ایک عادل شخص کی خبر بھی قبول کر لی جائے گی اگر چہ وہ شخص اپنے ذاتی نفع ہی کے لئے بیان کرتا ہو کیونکہ حضرت ابوبکر نے جابر سے کوئی گواہ ان کے دعوی کی صحت پر نہیں طلب کیا، (فتح الباری پارہ ۹ رص ۴۲۶) علامہ عینی لکھتے ہیں

إنما لم یلتمس شاهداً منه لأنه عدل بالکتب والسنة، حضرت ابوبکر نے جناب جابر سے کوئی گواہ اس سبب سے نہیں طلب کیا کہ جابر قرآن وحدیث دونوں کی رو سے عادل تھے (عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۶۱۵)۔

کس قدر لائق ماتم ہے کہ جابر ایسے صحابی کا دعویٰ تو اس طرح قبول کرلیا جائے اور کوئی گواہ بھی نہ طلب کیا جائے مگر جناب سیدہؑ نے جب دعوائے ہبہ فدک کیا تو انہیں سچا نہیں سمجھا گیا وہ نہ کتاب کی رو سے عادل تھیں نہ سنت کی رو سے بلکہ ان سے گواہ طلب کئے گئے اور جب انہوں نے علیؑ وام ایمن، حسنؑ وحسینؑ کو گواہ میں پیش کیا تو سب کو جھوٹا سمجھا گیا حالانکہ انہیں سیدہؑ کے متعلق رسول خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ (یہ ایسی معصومہ ہیں کہ) ان کی خوشی سے میری خوشی اور ان کی ناراضی سے میری ناراضی وابستہ ہے، جناب امیرؑ کے بارے میں فرمایا کہ حق ادھر جائے گا جدھر علیؑ جائیں گے، حسنؑ وحسینؑ کو سردار جوانان اہل بہشت فرمایا مگر حضرت ابوبکر کے دربار میں یہ کل حضرات جناب جابر بلکہ اس غلام سے بھی حقیر تر تھے، فلیبك علی الاسلام من کان باکیاً۔ (جس کو رونا ہو آئے اور اسلام پر نوحہ وماتم کرے)۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں ''میں نے علی بن فارقی سے جو بغداد کے مدرسہ عربیہ میں مدرس تھے پوچھا کہ کیا جناب فاطمہ زہراؑ اپنے دعوے میں سچی تھیں؟ انہوں نے کہا ہاں، میں نے کہا پھر کیوں حضرت ابوبکر نے ان کو فدک نہیں دیا؟ حالانکہ جناب سیدہؑ اپنے دعوے میں سچی تھیں اس پر وہ ہنسے باوجود اس کے کہ وہ کم مزاح کے آدمی اور عزت وحرمت وشان ووقار کے بزرگ تھے، ایک لطیف بات کہی کہ اگر آج حضرت ابوبکر جناب سیدہؑ کے دعوے پر فدک ان کو واپس کردیتے تو کل وہ پھر پہنچتیں اور اپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعویٰ کرتیں اور ابوبکر کو ان کے تخت حکومت سے ہٹا دیتیں اس وقت ابوبکر نہ کوئی عذر کرسکتے نہ ان کی بات ٹال سکتے کیوں کہ انہوں نے خود اپنے خلاف اس بات پر مہر کردی ہوتی کہ فاطمہؑ جو بھی دعویٰ کریں اس میں وہ سچی ہیں اس پر نہ کسی گواہ کی ضرورت ہے نہ دلیل کی اور (علی بن فارقی کا) یہ کلام بالکل صحیح ہے اگرچہ بطور مزاح کہا ہے'' (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۱۰۵)۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ''آدھا فدک خاص رسول اللہ کی ملکیت تھا کیونکہ مسلمانوں نے اس کے لئے جنگ نہ کی تھی پیغمبرؐ اس کی آمدنی فقراء ومسکین پر صرف کیا کرتے تھے، آپ کے انتقال کے بعد خلفاء اربعہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلیؑ نے بھی پیغمبرؐ کے طرز عمل کی پابندی کی جب معاویہ خلیفہ بن بیٹھا تو اس نے فدک مروان بن حکم کو بطور جاگیر دے دیا مروان نے اپنے دونوں بیٹے عبدالملک اور عبدالعزیز کو ھبہ کردیا پھر یہ عمر بن عبدالعزیز اور ولید وسلیمان فرزند عبد الملک کے قبضہ میں آیا جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے اپنا حصہ بھی عمر بن عبدالعزیز کو دے دیا، جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوا تو اس نے ایک خطبہ کے ذریعے لوگوں کو فدک کی حقیقت سے آگاہ کیا اور کہا کہ میں اسے پھر وہیں لوٹا دیتا ہوں جہاں عہد رسولؐ وخلفاء اربعہ میں تھا چنانچہ اس نے بنی فاطمہ کے تصرف میں دے دیا۔ عمر بن عبدالعزیز کے مرنے کے بعد پھر فدک بنی فاطمہ سے لے لیا گیا ۲۱۰ھ میں مامون نے پھر بنی فاطمہ کے حوالے کردیا۔''

علامہ ابن اثیر کی اس عبارت میں جو منافات ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ جب پیغمبر فدک کی آمدنی فقراء ومساکین پر خرچ کرتے تھے اور ان کے بعد خلفاء اربعہ نے بھی اس کی پابندی کی اور انہوں نے فقراء ومساکین پر خرچ کیا تو عمر ابن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت میں بنی فاطمہ کے حوالہ کیوں کردیا نیز مامون جب خلیفہ ہوا تو اس نے بھی ایسا ہی کیوں کیا؟ یہ عمر بن عبدالعزیز اور مامون کا فدک کو بالخصوص بنی فاطمہ کو پلٹانا ثبوت ہے اس کا کہ فدک پیغمبرؐ کے زمانہ میں جناب معصومہ ہی کی ملکیت میں تھا اسی وجہ سے ان دونوں بادشاہوں نے اپنے زمانے میں اصل مستحق ہاتھوں میں واپس کیا اگر پیغمبرؐ اور خلفاء اربعہ فدک کی آمدنی کو غریبوں پر خرچ کیا کرتے تھے تو چاہیئے تھا کہ عمر ومامون بھی ویسا ہی کرتے وہ بھی فقیروں، محتاجوں پر خرچ کرتے کہ یہ توعمل پیغمبرؐ کی تاسی تھا؟۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں ''جب ۲۱۰ھ ہوا تو خلیفہ مامون نے فدک کو اولاد جناب فاطمہؑ کے حوالہ کردیا اور اس کے متعلق مدینہ میں اپنے عامل کو فرمان لکھ بھیجا کہ خلیفہ رسولؐ (مامون) کو سب سے زیادہ یہ بات مناسب ہے کہ آں حضرتؐ کے عمل کی پیروی کرے اور حضرت کے حکم کو جاری کرے اور حضرتؐ نے جو چیز جس کو دے دی تھی اس کو دے دے اور یہ واقعہ ہے آں حضرتؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو فدک دے دیا تھا اور آپ کو بطور مستقل جائداد اسے بخش دیا تھا اور یہ امر ایسا ظاہر ومشہور تھا کہ اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (فتوح البلدان ص ۴)

غزوۂ حدیبیہ:

ماہ ذی قعدہ ۶ ھ میں یہ غزوہ پیش آیا۔ چودہ پندرہ سو مسلمانوں کے ہمراہ پیغمبرؐ مدینہ سے مکہ کی طرف حج کے ارادے سے روانہ ہوئے کسی جنگ کا ارادہ نہ تھا نہ لڑائی کے ساز وسامان آپ کے ساتھ تھے تلواریں تھیں سو وہ بھی نیاموں میں، اس مرتبہ بھی پیغمبرؐ کے قافلہ کا نشان حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں تھا، مقام ذی الحلیفہ پر پہنچ کر پیغمبرؐ نے احرام باندھا اور ستر اونٹ قربانی کے ارادے سے لے چلے، قریش کو جب جب آپ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو انہوں نے تہیہ کرلیا کہ پیغمبرؐ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے، جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں اور سو سواروں کے ساتھ خالد بن ولید کو ایک منزل آگے بھیج دیا گیا، حضرتؐ ایک کنویں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رک گئے اور مرنے مارنے اور کبھی جنگ سے نہ ہٹنے پر صحابہ سے بیعت لی یہ بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور بیعت کرنے والے اصحاب الشجرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ قریش کے ایلچی عروہ نے پیغمبرؐ کی خدمت میں عرض کیا اس سال آپ حج کو نہ جائیں باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور ان اوباش لوگوں کو آپ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ جنگ سے بھاگ جائیں اور آپ کو چھوڑ کر چل دیں گے، (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۷۵۰) جنگ چھڑنے ہی کو تھی کہ طرفین سے صلح ومصالحت کے پیام آنے جانے لگے قریش نے سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھ کچھ لوگوں کو بات چیت کے لئے پیغمبرؐ کی خدمت میں بھیجا پیغمبرؐ نے نہایت نرمی اور صلح پسندی کو راہ دی، کفار قریش کی کل شرطیں مان لیں چنانچہ رسولؐ اللہ نے علیؑ کو بلا کر حکم دیا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم، سہیل نے کہا یہ کیا؟ ہم یہ نہیں جانتے، بسمك اللھم لکھو چنانچہ علیؑ نے لکھا پیغمبرؐ نے فرمایا لکھو یہ وہ صلحنامہ ہے جس پر محمد رسولؐ اللہ اور سہیل بن عمرو نے مصالحت کی ہے، اس پر عمر پھر معترض ہوا کہ اگر ہم آپ کو رسول خدا ہی جانتے تو آپ سے جنگ کیوں کرتے البتہ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوایئے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ سے کہا اچھا لفظ رسولؐ اللہ کو مٹا دو علیؑ نے عرض کی مجھ سے تو یہ لفظ نہیں مٹایا جائیگا تب حضرتؐ نے خود کاغذ لے لیا اور رسولؐ اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا اور فرمایا کہ اے علیؑ آئندہ تم کو بھی ایسے ہی معاملہ میں مبتلا ہونا پڑے گا"۔ (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۷۷ طبع مصر) ایک دن تمہیں بھی ایسا ہی پیش آنے والا ہے غرض کہ صلحنامہ لکھ کر تیار ہوا کہ "یہ معاہدہ صلح ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان مصالحت ہوئی ان شرائط پر کہ میعاد صلح دس برس ہوگی اس اثناء میں کوئی فریق دوسرے کی جان ومال سے کوئی تعرض نہ کرے گا، فریقین کے ہم عہد بھی اس معاہدہ میں شامل ہوں گے، اس سال اہل اسلام عمرہ بھی نہ کرنے پائیں گے، آئندہ سال سے مسلمان عمرہ کرسکیں گے، جب مسلمان عمرہ کے لئے آئیں تو اپنے ساتھ اسلحے نہ لائیں صرف تلوار مستثنی ہے مگر وہ بھی نیام کے اندر رہے گی، مسلمان حرم میں تین دن سے زائد نہ ٹھہریں گے، کفار

میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر مسلمانوں کے پاس بھاگ جائے تو واپس دیا جائے گا، مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھاگ کر کفار سے جا ملے تو وہ واپس نہ کیا جائے گا، اس صلحنامہ کی دو نقلیں کی گئیں ایک پیغمبرؐ کے پاس رہی ایک سہیل بن عمرو کے پاس۔

یہ صلح بے شمار فوائد اپنے دامن میں لئے ہوئے تھی مگر بعض کوتاہ بین مسلمانوں کو بے حد ناگوار گزری ادخل الناس من ذالك أمر عظيم حتى كادو أن يهلكوا ، مسلمانوں کے دل میں بڑا شک پیدا ہوا اور قریب تھا کہ سب گمراہ ہوجائیں۔(تاریخ طبری جلد ۳ رص ۷۹) صلح نامہ مکمل ہوجانے کے بعد آں حضرتؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانی کا جانور ذبح کردو' فوالله ما قام منهم رجل حتى قال ذالك ثلاث مرات فلما لم يقم منهم أحد قام فدخل على أم سلمة ، مگر خدا کی قسم ایک صحابی بھی نہیں اٹھا، حضرت نے تین مرتبہ یہی فرمایا اور ہر بار صحابہ نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی غرض جب کسی طرح کوئی صحابی آمادہ نہیں ہوا تو آں حضرتؐ جناب ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔(تاریخ طبری جلد ۳ رص ۸۰) آخر خود حضرتؐ بہ نفس نفیس آمادہ ہوئے آپ نے اور حضرت علیؑ نے اونٹ ذبح کئے سر کے بال منڈوائے ،آپ کو دیکھ کر مجبوراً صحابہ نے بھی پیروی کی۔

اس غزوہ میں سارے امور کا نظم و انصرام حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں رہا، قافلہ کا نشان آپ ہی کے ہاتھوں میں دیا گیا،

اعام مسلمانوں کی نگاہ ان فوائد پر نہ جاسکی نہیں پیغمبرؐ کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھی'' اس صلح کو خداوند عالم نے صلح نہیں بلکہ فتح مبین فرمایا ہے چنانچہ سرور عالمؐ اس صلح کو انجام دے کر واپس ہو رہے تھے تو خدا کو اپنے محبوب کی یہ بامحل مصالحانہ روش ایسی پسند آئی کہ جبریل کے ہاتھوں إنا فتحنا لك فتحاً مبيناً کی سند بھجوائی۔ اولاً تو مسلمان آئے دن کی جنگوں اور قریش اور مکہ والوں کی چھیڑ چھاڑ سے نپٹنے نہیں پاتے تھے اب موقع مل گیا کہ اکٹھے دس سال تک اطمینان ہوگیا کہ گھر کے بھیدی دشمنوں کے حملوں کی فکر نہ رہی اور اپنی حفاظت وحراست کے سامان مہیا کرلیں، زندگی کے ساز وسامان کی طرف توجہ کریں کچھ احکام الٰہیہ باطمینان سن سیکھ سکیں، دوسری بات یہ ہوئی کہ قریش کے لوگ کفار کے ڈر سے مسلمان نہ ہوتے تھے وہ مسلمان ہونے لگے اب صلح کے سبب باوجود مکہ میں ہونے کے کوئی انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، علی الاعلان مسلمانوں کی تبلیغ اور اشاعت وتلاوت قرآن ہونے لگی اور دو ہی سال ہوئے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد دو چند سے زیادہ ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ حجاز میں حکومت تو قائم نہ ہوئی مگر اتنا ضرور ہوگیا کہ اللہ کا نام اور محمدؐ کا کلمہ کوئی جرم نہ رہا، ارکان اسلام کی بجا آوری کھلم کھلا ہونے لگی۔ ایک شخص دوسرے شخص کو ترغیب اسلام دینے میں آزاد ہوگیا، ابن خلدون میں ہے زہری روایت کرتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں اور کفار قریش میں نزاع قائم تھی اس وقت تک کوئی کسی سے مل جل نہ سکتا تھا، جب مصالحت ہوگئی اور لڑائی نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے لوگوں کو امن مل گیا ایک دوسرے سے ملنے لگے نہ کوئی کسی کے اسلام سے معترض ہوتا تھا اور نہ اسلام کی کوئی برائی کرتا تھا، (طبری جلد ۳ رص ۸۱)'' (صلح الحسن مولانا عدیل اختر صاحب مرحوم ص ۴۵) سچ پوچھیے تو یہی صلح آگے چل کر بہت بڑی کامیابی کا سبب قرار پائی اس صلحنامہ کی رو سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ مشرکین نہ پیغمبرؐ پر فوج کشی کریں گے نہ پیغمبرؐ سے برسرپیکار دشمنوں کی مدد کریں گے، تھوڑے ہی دنوں کے بعد قریش نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کی اور قبیلہ خزاعہ جو پیغمبرؐ سے برسرجنگ تھا اس کی خفیہ حمایت کرنے لگے، اب پیغمبرؐ کو مکہ والوں سے جنگ کا ذریعہ ہاتھ آگیا ان سے جنگ کرنا جائز ہوگیا قریش مطمئن تھے کہ ہم میں پیغمبرؐ میں دس برس کا معاہدہ ہو چکا ہے جنگ تو وہ کریں گے نہیں وہ اطمینان سے اپنے گھروں میں چین کے دن گزار رہے تھے انہیں جنگ کا وہم وگمان بھی نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب پیغمبرؐ فوج لے کر مکہ کی طرف بڑھے ہیں تو بغیر خون کا ایک قطرہ بہائے مکہ پر قبضہ ہوگیا، اگر یہ صلح نہ ہوتی تو جس طرح مشرکین ہر وقت پیغمبرؐ سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے اس وقت بھی رہتے اور پھر اتنی آسانی سے مکہ جو مرکز تھا کفار ومشرکین کا ہاتھ نہ آتا۔(اعیان الشیعہ جلد ۳)

جنگ کا اندیشہ پیدا ہونے پر لشکر کی صف بندی آپ ہی نے، جب پیغمبرؐ نے اصحاب سے مرنے مارنے پر بیعت لی ہے، تو اس بیعت کے انتظامات بھی آپ ہی نے انجام دیے اور جس طرح تمام غزوات میں کامیابی کا سہرا آپ کے سر رہا صلحنامہ بھی آپ ہی کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا، اس غزوہ میں آپ کی دو بڑی گراں قدر فضیلتوں کا مظاہرہ ہوا۔(۱) جب پیغمبرؐ حدیبیہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں تو ایک مقام **جحفہ** پر پہنچ کر آپ نے منزل فرمائی وہاں پانی نایاب تھا، سعد بن مالک نامی ایک شخص کو آپ نے پانی کی تلاش میں روانہ کیا، تھوڑی دور گیا ہوگا کہ مشرکین کے خوف سے آب بردار اونٹوں کو لے کر بھاگ آیا، عرض کی حضور آگے بڑھنے کی مجھ میں ہمت نہیں، مشرکین کے خوف سے میرے پیر جم گئے، آپ نے اسے بٹھالیا، دوسرے آدمی کو بھیجا وہ بھی تھوڑی دور جا کر بھاگ آیا، پیغمبرؐ نے پوچھا تم کیوں پلٹ آئے؟ اس نے بھی یہی عذر کیا کہ مشرکین کی ہیبت سے میرے قدم آگے نہیں بڑھتے، پھر آپ نے علیؑ کو بلا کر پانی لانے کا حکم دیا، آپ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر میں تمام مشکوں میں پانی بھر کر واپس آئے، جب آپ خدمت پیغمبرؐ میں پہنچے، پیغمبرؐ نے قدموں کی آہٹ پہچان کر بآواز بلند تکبیر کہی اور آپ کے لئے دعا کی۔(ارشاد شیخ مفیدؒ)

(۲)قال حدثنا علی ابن ابی طالب برحبة فقال لما كان يوم الحديبية خرج إلينا ناس من المشركين فيهم سهيل بن عمرو وأناس من رؤساء المشركين فقالوا يا رسول الله خرج إليك ناس من أبنائنا وإخواننا وأرقائنا وليس لهم فقه فی الدين وإنما خرجوا فراراً من أموالنا وضياعنا فارددهم إلينا فإن لم يكن لهم فقه فی الدين سنفقههم فقال النبی يا معشر قريش لتنتهن أوليبعثن الله عليكم من يضرب رقابكم بالسيف على الدين قد امتحن الله قلوبهم على الإيمان قالوا من هو يا رسول الله فقال له أبوبكر من هو يا رسول الله وقال له عمر من هو يا رسول الله قال هو خاصف النعل وكان اعطى علياً نعله يخصفها ثم التفت علينا على فقال إن رسول الله قال من كذب علیّ معتمداً فليتبوء مقعده من النار۔

(ریاض النضرۃ جلد ۲ رص ۱۹۱، ازالۃ الخفا جلد ۲ رص ۲۵۶، جامع ترمذی ص ۴۶۰، اسد الغابہ جلد ۴ رص ۲۶، مستدرک جلد ۲ رص ۱۳۸)

حضرت علیؑ نے کوفہ کے میدان رحبہ میں بہ سلسلۂ تقریر ارشاد فرمایا کہ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکین سے چند افراد ہم لوگوں کے پاس آئے جن میں سہیل بن عمرو بھی تھا اور چند سر برآوردہ مشرکین تھے ان لوگوں نے پیغمبرؐ سے کہا کہ یا حضرت آپ کے پاس ہمارے فرزند، بھائیوں، غلاموں میں سے کچھ لوگ بھاگ کر آ گئے ہیں اور وہ دین و مذہب کی کچھ سوجھ بوجھ نہیں رکھتے وہ صرف ہماری جائداد و املاک سے بھاگ کر آئے ہیں انہیں ہمیں واپس دے دیجیے اگر یہ لوگ مذہبی معاملات کی

سمجھ نہیں رکھتے تو ہم انہیں لے جا کر اچھی طرح سمجھا لیں گے۔

اس پر آں حضرتؐ نے فرمایا اے گروہ قریش اپنی حرکتوں سے باز آؤ ورنہ خداوند عالم تمہاری طرف ایسے شخص کو روانہ کرے گا جو تمہاری گردن مارے گا جس کے دل کو ایمان کے معاملہ میں خدا نے اچھی طرح جانچ لیا ہے، لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے حضورؐ؟ حضرت ابوبکر نے کہا وہ کون ہے یا حضرت؟ حضرت عمر نے پوچھا وہ کون ہے حضور؟ آنحضرتؐ نے فرمایا، وہ جوتیوں کا ٹانکنے والا، آں حضرتؐ نے علیؑ کو اپنی جوتیاں دی تھیں کہ اس میں ٹانکے لگا دو اور وہ ٹانک رہے تھے، یہ حدیث بیان کر کے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ پیغمبرؐ خدا کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کر لے۔

امام نسائی نے خصائص میں اس حدیث کو ذرا فرق کر کے بیان کیا ہے:

جاء النبی أناس من قریش فقالوا یا محمد أنا جیرانك وحلفاءك وإن عبیدنا قد أتوك لیس بهم رغبة فی الدین ولا رغبة فی الفقه إنما فروا من ضیاعنا وأموالنا فرددهم إلینا قال لأبی بکر ما تقول فقال صدقوا إنهم لجیرانك وحلفاءك فتغیر وجه النبی ثم قال لعمر ما تقول قال صدقوا إنهم لجیرانك وحلفاءك فتغیر وجه النبی ثم قال یا معشر قریش الخ (خصائص نسائی ۸ و ۴۱)

قریش کے معززین پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمدؐ ہم آپ کے پڑوسی ہیں اور (اب) حلیف ہیں (بھی ہو چکے) ہیں ہمارے کچھ غلام آپ کے پاس بھاگ کر آ گئے ہیں انہیں نہ تو دین سے کوئی رغبت ہے نہ فقہ ہی سے کوئی سروکار، وہ ہماری جائداد و املاک سے بھاگ کر آئے ہیں آپ انہیں واپس ہمیں کر دیجئے، رسالتمآب نے حضرت ابوبکر سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا حضور قریش سچ کہہ رہے ہیں یہ آپ کے پڑوسی بھی ہیں اور حلیف بھی یہ سُن کر آپ کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا، پھر آپ نے حضرت عمر سے پوچھا انہوں نے بھی یہی کہا کہ حضور یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں یہ آپ کے پڑوسی بھی ہیں اور حلیف بھی اس پر پیغمبرؐ کے چہرے کا رنگ غیظ و غضب سے بدل گیا پھر آپؐ نے فرمایا کہ اے معشر قریش اپنی حرکتوں سے باز آؤ ورنہ خداوند عالم تم پر ایک شخص کو مسلط کرے گا جس کے دل کو خدا نے ایمان میں آزما لیا ہے وہ تمہاری گردن مارے گا۔

غزوئہ خیبر:

ماہ محرم یا جمادی الاولیٰ ۷ ھ میں خیبر کی مشہور لڑائی ہوئی، یہودیوں کی شرارت دفع کرنے کے لئے آں حضرتؐ ان کی طرف روانہ ہوئے، مسلمانوں کی تعداد ۱۴ سو تھی، مورخین نے لکھا ہے فلما نزل رسول الله خیبر أخذته الشقیقة

فلم يخرج إلى الناس وأن أبابكر أخذ رأية رسول الله ثم نهض فقاتل قتالاً شديداً ثم رجع فأخذها عمر فقاتل قتالاً شديداً هو أشد من القتال الأول ثم رجع ،پیغمبرؐ جب خیبر میں پہنچے تو آپ کو درد شقیقہ ہو گیا اور آپ باہر نہیں آسکے اس وقت حضرت ابوبکر نے علم لے لیا، گئے اور سخت لڑائی کی مگر فتح نہ کر سکے اور واپس آئے پھر حضرت عمر گئے اور حضرت ابوبکر سے زیادہ لڑے مگر ان سے بھی فتح نہ ہوسکی تو واپس آئے ، دوسری روایت میں ہے فانكشف عمر وأصحابه فرجعوا إلى رسول الله يجنبه أصحابه ويجنبهم ،حضرت عمر اور ان کے اصحاب بھاگ کھڑے ہوئے اور آں حضرتؐ کی خدمت میں آئے تو حضرت عمر کی فوج کہتی تھی یا حضرتؐ ہمارے سردار حضرت عمر نے نامردی کی اور حضرت عمر کہتے تھے کہ یا حضرت ہماری فوج ہی نے نامردی کی ۔ (تاریخ طبری جلد ۳/ص ۹۳)

پیغمبرؐ نے یہ کہا کہ فوج تو وہی باقی رکھی البتہ سردار فوج بدل دیا اور ارشاد فرمایا لأعطين الرأية غداً رجلاً يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله ،کل میں یہ علم یقیناً ایسے بہادر شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ ورسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں (تاریخ طبری جلد ۳/ص ۹۳،صحیح بخاری کتاب المغازی پ ۱۷، باب غزوہ خیبر) اس ارشاد نبوی نے صحابہ میں خاص ولولہ پیدا کر دیا، امام بخاری وغیرہ نے لکھا ہے فبات الناس يدو كون ليلتهم أيهم يعطاها ، رات بھر صحابہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہے کہ دیکھیں کل حضرت کس کو علم عنایت فرماتے ہیں؟ امام مسلم وغیرہ نے لکھا ہے إن عمر قال ما أحببت الأمارة إلا يومئذ ،حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس روز کے سوائے کبھی امیر بننے کی آرزو نہیں کی اور علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے فلما كان من الغد تطاول لها أبوبكر وعمر ، جب صبح ہوئی تو اس علم کی آرزو میں حضرت ابوبکر وعمر دونوں نے اپنے کو لمبا کر کے دکھانا شروع کیا (تا کہ حضرتؐ کی نظر انہیں صاحبوں پر پڑ جائے اور علم دے دیں (طبری جلد ۳/ص ۹۳) (۱)

(۱) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں ''ناعم کے بعد اور قلعے بآسانی فتح ہوتے گئے قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا اس مہم پر آں حضرتؐ نے حضرت ابوبکر وعمر کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے ،طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں نہ جم سکے اور آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی ، اس روایت کو طبری نے جس سلسلہ سند سے نقل کیا ہے اس کے راوی عوف ہیں ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا، لیکن بندار جب ان کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن ان کی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمر کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس روایت کا کیا مرتبہ رہ جاتا ہے اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہ ہے کہ ان کی جو روایتیں باپ کے سلسلے سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں؟'' (سیرۃ النبی جلد ص ۳۵۶) اس روایت پر مولوی شبلی صاحب نے دو اعتراض کئے ہیں ایک عوف کا شیعہ ہونا مگر یہ نہیں بیان کیا کہ عوف کو شیعہ کن لوگوں نے تسلیم کیا ہے؟ کیا بندار کا کسی کو شیعہ یا کاذب کہہ دینا ہی کافی ہے؟ کیا علامہ طبری ایسے

محقق وامام فن تاریخ کا اسے روایت کرنا اس کی بیان کردہ حدیثوں کو قبول کر کے ان پر اعتماد کرتے ہوئے تاریخ میں درج کرنا اس کی دلیل نہیں کہ بندار نے مذہبی تعصب سے عوف کو رافضی کہہ دیا ہو، پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود بندار کتنے پانی میں تھے اور ان کے متعلق محققین علمائے اہلسنت کے کیا خیالات ہیں اور کن لفظوں سے یہ یاد کئے گئے ہیں؟ اہل سنت کے مشہور علامہ ذہبی جن کی کتاب میزان الاعتدال رواۃ کی جانچ پڑتال کے لئے بہترین کسوٹی قرار دی گئی ہے، راویوں کے حال میں اس جیسی معتبر و معتمد کتابیں کمتر تصنیف ہوسکی ہیں اسی میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں بندار بن عمرو الرویانی شیخ الفقیہ نصر المقدسی قال النخشی کذاب، بندار جو عمر ورویانی کا بیٹا اور نصر مقدسی کا استاد تھا اس کے بارے میں نخشی کا قول ہے کہ کذاب۔(اول درجہ کا) جھوٹا تھا، (میزان الاعتدال جلد ۱ رص ۱۴۲) بندار ایسا جھوٹا تھا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے معتبر راویوں کے حالات میں جو نہایت مبسوط اور مفصل کتاب تہذیب التہذیب ۲۱ جلدوں میں لکھی ہے اس میں مصنف نے ایسے شخص کا ذکر تک جائز نہیں سمجھا، اس کتاب میں ہزاروں راویوں اور محدثین کے حالات لکھ ڈالے ہیں لیکن بندار کا نام تک نہ لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کو کوئی چیز نہیں قرار دیا، انہیں علامہ ابن حجر نے جھوٹے اور بیہودے راویوں کے حال میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام لسان المیزان اس میں البتہ اس کا حال لکھا ہے، تحریر فرماتے ہیں بندار بن عمرو الرویانی شیخ الفقیہ نصر المقدسی قال النخشی کذاب، بندار بن عمر ورویانی جھوٹا شخص تھا، (لسان المیزان جلد ۲ رص ۶۴ مطبوعہ ریاست حیدر آباد دکن) کیا۔ مولی شبلی صاحب ایسے مشہور مصنف کے لئے یہ نہایت شرمناک امر نہیں ہے کہ حضرت عمر کی حمایت میں ایسے شخص کے قول کی پناہ لیتے ہیں جو خود ان کے علماء و محدثین کی نظروں میں انتہائی درجہ کا جھوٹا تھا؟

اب عوف جنہیں بندار نے رافضی اور شیطان کہا ہے اس کا حال دیکھئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کا حال اپنی معتبر کتاب تہذیب التہذیب میں درج کیا ہے جو خود اس کی کافی دلیل ہے کہ عوف نہایت معتبر راوی تھا کیونکہ تہذیب التہذیب میں صرف ان ہی راویوں کے حالات ہیں جو نہایت معتبر اور ثقہ تھے لکھتے ہیں ثقة صالح وقال النسائی ثبت کان یسمی الصدوق وذکرہ ابن حبان فی الثقات، ابن معین کہتے تھے کہ عوف بڑے مقدس نہایت معتبر اور سچے تھے ابو حاتم کہتے تھے کہ عوف اول درجے کے سچے تھے اور صالح تھے اور امام نسائی کہتے تھے کہ ان کا نام ہی صدوق (نہایت سچے) مشہور ہو گیا تھا اور ابن حبان نے ان کو ان راویوں میں شمار کیا ہے جو نہایت سچے معتمد علیہ اور ثقہ تھے (تہذیب التہذیب جلد ۸ رص ۱۶۷) کیا تماشہ ہے کہ عوف ایسے مقدس معتبر راوی کو جن کی دنیائے حدیث مداح تھی بندار ایسا اول نمبر کا جھوٹا شیطان کہتا ہے تو مولوی شبلی صاحب اس جھوٹے کی پیروی کرنے لگے ہیں اور اپنے ایسے مقدس اور جلیل القدر صحابی کی سچی بات سے منہ موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں   جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

دوسرا اعتراض مولوی شبلی صاحب نے یہ کیا کہ عبداللہ بن بریدہ کی روایتوں میں محدثین کو شبہ ہے، مگر موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ کن محدثین کو شبہ ہے اور ان کا شبہ کن کتابوں میں مذکور ہے اور کیا صرف شبہ ہونے کی وجہ سے کسی کی روایت کے متعلق کوئی تامل کیا جاسکتا ہے، آپ نے جن محدثین کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو شبہ ہے ان کا کوئی درجہ بھی نہیں لکھا کہ محدثین میں کس پایہ کے تھے تا کہ غور کیا جاتا کہ ان کا شبہ قابل توجہ بھی ہے یا نہیں عبداللہ بن بریدہ کے متعلق بھی دیکھئے کہ علماء محققین کیا لکھتے ہیں، علامہ ابن حجر نے لکھا ہے قاضی مرو عبداللہ ایسا معتمد علیہ شخص تھا کہ مرو کا قاضی بنا دیا گیا تھا وقال ابن معین والعجلی وأبو حاتم ثقة، ابن معین وعجلی اور ابو حاتم کہتے تھے کہ عبداللہ بڑا معتبر شخص ہے قال ابن خراش صدوق، ابن خراش کہتے تھے کہ عبداللہ بن بریدہ بڑے سچے راوی تھے، (کتاب تہذیب التہذیب جلد ۵ رص ۱۵۸) امام حاکم جن کا درجہ امام بخاری و امام مسلم کے قریب مانا گیا ہے وہ عبداللہ بن بریدہ کی روایت کو اصح الاسانید سب سے زیادہ صحیح اسناد والی سمجھتے تھے۔ (کتاب تہذیب التہذیب جلد ۵ رص ۱۵۸) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ کے والد ماجد) جو تحقیق حدیث میں ہندوستان کے کل علماء اہل حدیث کے سرتاج سمجھے جاتے ہیں جن کے بارے میں خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہیں کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ

میں جب کہ اسلام کا نفس باز پسین تھا شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔۔۔ختم تحصیل کے بعد بارہ برس تک درس وتدریس کا شغل قائم رہا پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے ۱۲۴۳ھ میں حج سے مشرف ہوئے قریباً دو برس تک حرمین میں قیام رہا اور یہاں شیخ ابوطاہر اور دیگر محدثین سے حدیث کی تکمیل کی علماء حرمین سے اکثر افادہ واستفادہ رہا۔" (علم الکلام ص ۱۰۹)۔

غرض مولوی شبلی صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب کے فضائل ۱۱ صفحوں میں جمع کئے ہیں اور ان کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اب انہیں شاہ صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو کہ اس واقعہ کے متعلق کیا لکھتے ہیں "چہارم آن کہ در بعض ایام خیبر او امیر لشکر بود مجاہد ہا فرمود ہر چند فتح بردست حضرت مرتضیٰ ﷺ واقع شدہ وفضیلت وے دریں واقعہ غالب بر آمد علی مرتضی گفت سار رسول الله إلى خيبر ظماً أتاها عمرو وبعث الناس ملى مدينتهم أو قصرهم فقاتلوهم فلم يلبثوا أن هزموا عمرو أصحابه فجائوا يجنبونه ويجنبهم أخرجه الحاكم، چوتھی بات یہ کہ جنگ خیبر کے بعض دنوں میں حضرت عمر سردار لشکر ہوئے تو لڑائیاں کیں اگرچہ فتح حضرت مرتضیٰ ہی کو ہوئی اور حضرت کی فضیلت اس واقعہ میں بہت بڑھ گئی حضرت علی مرتضیٰ فرماتے تھے کہ حضرت رسولؐ خدا خیبر کی طرف گئے جب وہاں پہنچے تو عمر کو لوگوں کے ساتھ ان کے قلعہ کی طرف بھیجا ان لوگوں نے جا کر جہاد کیا مگر کافروں نے حضرت عمر کو شکست دے کر بھگا دیا تو حضرت عمر کے ساتھی رسول خدا کے پاس آ کر کہنے لگے کہ یا حضرت میرے سردار عمر نے نامردی کی اور حضرت عمر کہتے تھے کہ نہیں یا حضرت میرے ساتھیوں ہی نے نامردی کی، اس حدیث کو امام حاکم نے درج کیا ہے (ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۴۹)۔اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اس روایت کے بیان کرنے والے امام حاکم اور ان سے نقل کرنے والے شاہ ولی اللہ صاحب ہیں اگر اس واقعہ میں شک وشبہ کی گنجائش ہوتی تو شاہ ولی اللہ صاحب سینکڑوں صفحے اس کے لئے سیاہ کر سکتے تھے، علامہ ذہبی جن کی عصبیت دنیا پر ظاہر ہے انہوں نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ایک کلمہ اعتراض بھی ان کے قلم سے نہیں نکلا ان کے لئے بہت آسان تھا کہ غلط قرار دیدیتے جیسا کہ ان کا عام طرز عمل تھا، امام نسائی جن کی سخت گیری علم حدیث میں اظہر من الشمس ہے جن کے متعلق سبھی علماء محققین کا متفقہ فقرہ ہے له شرطاً في الرجال أشد من الصحيحين، رجال ورواۃ کے ثقہ ومستند ہونے کے متعلق یہ بخاری ومسلم سے بھی سخت تھے انہوں نے بھی ابن بریدہ والی حدیث کو خصائص میں درج کیا ہے، اتنے بڑے بڑے ائمہ فن حدیث کے اس حدیث کو درج کرنے کے بعد مولانا شبلی صاحب کا بیان کتنا مضحکہ خیز ہے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اس واقعہ میں حضرت ابوبکر وعمر کا علمبردار بننا کتابوں میں مذکور تو ہے مگر اکثر میں یہ نہیں ہے کہ خود پیغمبرؐ نے ان کو علم دیا بلکہ طبری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ کو دردسر ہو گیا تھا، آپؐ باہر تشریف لائے ہی نہیں اور خود ان حضرت نے علم لے لیا، علامہ ابن حجر کی لفظیں ہیں: لما كان يوم خيبر أخذ أبوبكر اللواء فرجع ولم يفتح له فلما كان الغداة أخذه عمر فرجع ولم يفتح له، جب جنگ خیبر شروع ہوئی تو حضرت ابوبکر نے علم لے لیا گئے مگر واپس آئے اور فتح نہیں کر سکے پھر جب صبح ہوئی تو حضرت عمر نے اس علم کو لیا اور گئے مگر وہ بھی واپس آئے اور فتح نہیں کر سکے۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۷ ص ۹)

بعض مورخین ومحدثین نے پیغمبرؐ کی حدیث صرف اس قدر لکھی ہے: لأعطين الراية غداً رجلا يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله . مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث اسی قدر نہ تھی بلکہ اس میں کچھ اور الفاظ بھی تھے جو بعض طبیعتوں کو گوارا نہ ہوئے، پوری حدیث یوں ہے لأعطين الراية غداً رجلا كراراً غير فرار يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله يفتح الله على يديه ۔میں کل یہ علم اس شخص کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں خدا اسی کے ہاتھ پر اس

قلعہ کو فتح کردے گا۔ (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۳۸۵، حبیب السیر ص ۲ ۱۳۲، منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد جلد ۵ ص ۴۵، سیرۃ حلبیہ وغیرہ)

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں، (یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں) یہ رات نہایت امیدوں، انتظار کی رات تھی صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کو ہاتھ آتا ہے؟ حضرت عمر نے قناعت پسندی اور بلند نظری کے بنا پر کبھی حکومت و سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علی میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری ابھی قائم نہ رہ سکی صبح کو دفعۃً یہ آواز کانوں میں آئی

---

[1] تاریخ وحدیث کے صفحات پر اور بھی بہت سے ایسے مواقع ملتے ہیں جہاں حضرت عمر کی حسرت وتمنا کا خون ہوا اور (مولوی شبلی صاحب کی) مفروضہ خودداری ہاتھ سے جاتی رہی۔

قال رسول الله إن منکم من یقاتل علی تاویله کما قاتلت علی تنزیله قال فقام ابوبکر وعمر فقال لا ولکن خاصف النعل وعلی یخصف نعله (مسند احمد حنبل جلد ۳ ص ۳۳، مستدرک جلد ۳ ص ۱۲۳، منتخب کنز العمال)

حضرت رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا تم میں وہ شخص ہے جو کلام مجید کی تاویل کے متعلق اسی طرح جنگ کرے گا جس طرح میں نے کلام مجید کی تنزیل کے متعلق جنگ کی ہے ابوبکر وعمر اُٹھ کھڑے ہوئے آں حضرتؐ نے فرمایا تم دونوں نہیں ہو بلکہ وہ جوتیاں ٹانکنے والا اور حضرت علیؑ پیغمبرؐ کی جوتیاں اس وقت ٹانک رہے تھے۔

قال عمر بن الخطاب لقد اعطی علی ابن ابی طالب ثلاث خصال لا تکون لی خصلة منها أحب إلی من أن اعطی حمر النعم قیل وما هن قال تزوجه فاطمة بنت رسول الله وسکناه المسجد مع رسول الله یحل له فته ما یحل له والرایة یوم خیبر۔ (مسند امام احمد حنبل جلد ۲ ص ۲۶، مستدرک جلد ۳ ص ۱۲۶، منتخب کنز العمال)

حضرت عمر کہا کرتے کہ علی بن ابی طالب کو تین باتیں ایسی حاصل ہوئی کہ اگر ایک بات بھی ان میں سے مجھے حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں کی قطار عطا ہونے سے زیادہ محبوب ہوتی، لوگوں نے پوچھا وہ کون تین باتیں؟ کہا فاطمہ بنت پیغمبرؐ سے بیاہ ہونا، پیغمبرؐ کے ساتھ مسجد میں ان کی سکونت، کہ علیؑ کے لیے بھی مسجد میں وہی سب باتیں جائز تھی جو پیغمبرؐ کے لئے جائز تھیں اور بروز خیبر علم لشکر کا مرحمت ہونا۔

قال رسول الله لوفد ثقیف حین جاءه لتسلمن أو لأبعثن رجلاً منی أو قال مثل نفسی فلیضربن أعناقکم ولیسبین ذراریك ولیأخذن أموالکم قال عمر والله ما تمنیت الأمارة إلا یومئذ وجعلت أنصب صدری له رجاء أن یقول هو هذا قال فالتفت إلی علی فأخذ بیده ثم قال هو هذا (استیعاب جلد ۲ ص ۴۷۷، ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۹۴، اصابہ جلد ۴ ص ۲۷۰)

حضرت رسالت مآب نے ثقیف کے وفد سے جب وہ پیغمبرؐ کی خدمت میں باریاب ہوا فرمایا تم لوگ اسلام لاؤ ورنہ میں اپنے میں سے ایک شخص کو یا اپنے جیسا ایک شخص تم پر مسلط کروں گا وہ تمہاری گردنیں مارے گا، تمہاری عورتوں کو قیدی بنائے گا تمہارا مال ومتاع قرق کرلے گا، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے کبھی حکومت وامارت کی تمنا نہیں کی سوا اس دن کے، میں اپنا سینہ تان کر دکھانے لگا اس امید میں کہ پیغمبرؐ میرے ہی متعلق فرمائیں گے کہ وہ شخص یہ ہے مگر پیغمبرؐ حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوئے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے۔

کہ علیؑ کہاں ہیں یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے آں حضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی جب ان کو علم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی کہ کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالوں ارشاد ہوا کہ بہ نرمی ان پر اسلام کو پیش کرو اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری میں منقول ہے لیکن یہودی اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے، مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

قد علمت خیبر أنی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں۔''

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانے میں گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا، مرحب کے جواب میں حضرت علیؑ نے یہ رجز پڑھا۔

أنا الذی سمتنی أمی حیدرہ کلیث غابات کریہ المنظرہ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا شیر نیستاں کی طرح مہیب منظر ہوں۔''

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اُتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی۔ (طبری ص ۱۵۸۹، سیرۃ النبی جلد ا ص ۳۵۸)

اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں ''یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے وطیح وسلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے آں حضرت نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے پھر حضرت عمر مامور ہوئے وہ برابر دو دن جا جا کر لڑے لیکن دونوں ناکام رہے، آں حضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جو حملہ آور ہوگا، اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج سج کر آئے ان میں حضرت عمر بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں کبھی اس موقع کے سوا علمبرداری اور افسری کی آرزو نہیں کی لیکن قضا وقدر نے یہ فخر حضرت علیؑ کے لئے اُٹھا رکھا تھا چنانچہ آں حضرتؐ نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علیؑ کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا، مرحب حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔'' (الفاروق ص ۵۵)

حضرت علیؑ کی شجاعت اور کامیابی کا ایسا شہرہ تھا کہ مورخین نے لکھا ہے جب حضرت رسولؐ نے آپ کو علم دے کر روانہ کیا ،فنھض وعلیه حلة حمراء فأتی خیبر فاشرف علیه رجل من یهود فقال من أنت قال أنا علی ابن ابی

طالب فقال الیهودی غُلبتم یا معشر یهود. حضرت علیؑ علم لے کر چلے اس وقت آپ سرخ عبا اوڑھے ہوئے تھے قلعہ خیبر کے دروازے پر پہنچے تو قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی نے دیکھ کر پوچھا اے شخص تو کون ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا میں علیؑ بن ابی طالب ہوں، اس پر وہ یہودی چیخ پڑا، اے قوم یہود بس اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے۔

(تاریخ کامل جلد ۲ ص ۸۳، ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۵۶، ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۸۷)

شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں: علی علم بر گرفته رواں شد و بپا ے حصار قموص آمد و علم رو بر تودہ از سنگ ریزہ کہ در ان جا بود بزد یکے از احبار یہود کہ بالا ے حصار بود پرسید کہ اے صاحب علم تو کیستی و نام تو چیست؟ گفت منم علی ابن ابی طالب پس آں یہودی با قوم خویش گفت سوگند بتوریت کہ شما مغلوب شدید ، ایں مرد فتح ناکردہ برنہ خواہد گشت ظاہر ا آں خبر صفات علی وشجاعت و ے رامی دانست کہ در توریت وصف او را خواندہ بود۔

حضرت علیؑ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کے نیچے پہنچ کر آپ نے اس علم کو پتھر کے ایک تودے پر گاڑ دیا، یہ دیکھ کر قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی عالم اور مذہبی پیشوا نے پوچھا کہ اے علم والے تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ آپ نے کہا علی ابن ابی طالب، یہ سنا تھا کہ وہ یہودی اپنی قوم کو پکار کر کہنے لگا توریت کی قسم اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے کیونکہ یہ شخص وہ ہے جو بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہیں جائے گا غالباً وہ یہودی حضرت علیؑ کی صفات اور شجاعت کی حالت سے واقف تھا کیونکہ توریت میں حضرت کے اوصاف پڑھ چکا تھا۔

جنگ کے لئے سب سے پہلے مرحب کا بھائی حارث کہ وہ بھی شجاعت میں فرد تھا چند نمودار جوانوں کے ساتھ قلعہ سے نکلا، ادھر سے مسلمان بھی مقابلے کے لئے بڑھے، کئی مسلمان شہید ہوئے پھر حضرت علیؑ نے بڑھ کر ایک وار میں اس کا کام تمام کیا، بھائی کے مرنے پر مرحب کے خون میں اُبال آیا، بھائی کا بدلہ لینے اس ہیئت سے میدان میں آیا کہ دوہری زرہیں پہنے ہوئے تھا دو تلواریں لگائے ہوئے، بھاری خود سر پر، جب مقابلہ ہوا ہے تو آپ نے وہ کاری ضرب لگائی کہ سپر کو کاٹتی ہوئی مغفر پر پہنچی مغفر کو کاٹتی ہوئی اس کے دانتوں تک اتر آئی اور ضربت کی آواز سارے لشکر نے سنی، مرحب کے قتل ہونے پر یہودیوں کے قدم اُکھڑ گئے وہ بھاگ کر قلعہ میں جا پہنچے آپ ان کا پیچھا کرتے ہوئے قلعہ کے دروازے پر پہنچے اسی اثناء میں ایک یہودی نے آپ کے ہاتھ پر تلوار ماری جس کے صدمہ سے ڈھال چھوٹ کر گر گئی، آپ نے قلعہ کے پاس پڑا ہوا ایک دروازہ اٹھا لیا اور اس کو بجائے سپر ہاتھ میں لے کر جہاد کرنے لگے یہاں تک کہ خدا نے آپ کو نمایاں فتح عنایت کی پھر جنگ سے فارغ

ہونے کے بعد آپ نے اس دروازے[1] کو ہاتھ سے ڈال دیا وہ اس قدر وزنی تھا کہ آٹھ آدمی مل کر بھی اس کو کسی طرح ادھر سے اُدھر پلٹ نہیں سکے۔ (طبری جلد ۳ ص ۹۳، کامل جلد ۲ ص ۸۴ وغیرہ) قلعہ کے قریب پہنچ کر آپ نے دروازۂ قلعہ کو اکھاڑ لیا اور اتنے زور سے پھینکا کہ ۸۰ بالشت دور جا کر گرا بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اس دروازے کو خندق کا پُل بنا دیا جس سے مسلمانوں کا لشکر قلعہ کے اندر داخل ہو گیا، وہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ ستر آدمی بمشکل جنبش دے سکے۔

جب آپ مہم سر کر کے آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیغمبرؐ آپ کو آتا دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ آپ کا استقبال کرنے اور مبارکباد کہنے کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکل پڑے اور دوڑ کر آپ کو سینے سے لپٹا لیا پھر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا علیؑ! تمہارا قابل شکریہ کارنامہ اور نہ بھولنے والا احسان مجھ تک پہنچا، تمہاری اس خدمت کو خدا نے بہت پسند کیا اور میں تم سے بہت راضی ہوں اس پر آپ رونے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا یہ خوشی کا رونا ہے یا غم کا؟ حضرت علیؑ نے کہا نہیں یا حضرتؐ یہ خوشی کا رونا ہے اور کیونکر میں خوش نہ ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں، آں حضرتؐ نے فرمایا تنہا میں ہی راضی نہیں ہوں بلکہ خدا، جبریل، میکائیل اور سب فرشتے بھی تم سے راضی ہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۳۰۲)

''اے علی، اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے بارے میں میری امت کے لوگ بھی وہی کہنے لگیں گے جو حضرت عیسیٰ بن مریم

---

[1] مورخین ومحدثین کی عبارتوں میں یہاں اشتباہ ہو گیا ہے۔ طبری وتاریخ کامل وغیرہ میں ہے کہ تناول علی بابا کان عند الحصن فتترس به نفسه فلم یزل فی یده وهو یقاتل حتی فتح الله علیه ثم القاه من یده حین فرغ فلقد رأیتنی فی نفر سبعة انا ثامنهم نجهد علی ان نقلب ذالك الباب فما نقلبه۔ آپ نے ایک دروازہ قلعہ کے پاس سے اٹھا لیا اور اس سے سپر کا کام لیتے رہے یہاں تک کہ خدا نے آپ کو فتح عنایت کی اس دروازہ کو آٹھ شخصوں نے ہلانے کی کوشش کی مگر نہ ہلا سکے، دوسری روایت میں ہے، قلع علی باب خیبر ولم یحر که سبعون رجلا إلا بعد جهد، حضرت علیؑ نے قلعہ خیبر کا دروازہ اکھاڑ لیا حالانکہ اس کو ستر آدمی جنبش تک نہ دے سکے، سیرۃ حلبیہ میں بھی اسی مضمون کی حدیث ہے کہ آپ نے قلعہ کے پاس سے ایک دروازہ اٹھا کر سپر کا کام لیا جب تک قلعہ فتح نہ ہو گیا اسے سپر بنائے رہے فتح کے بعد آپ نے اسے ۷۰ بالشت دور پھینک دیا، روای کا بیان ہے کہ ہم آٹھ آدمیوں نے اسے پلٹنے کی کوشش کی مگر اسے پلٹ نہ سکے۔'' علامہ زینی دحلان سیرۃ محمدیہ میں لکھتے ہیں، مرحب نے علی پر وار کیا آپ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ گئی آپ نے قلعہ کے پاس ایک پڑے ہوئے دروازے کو سپر بنا لیا جب تک آپ جنگ کرتے رہے دروازہ آپ کے ہاتھ میں تھا پھر آپ نے اسے اپنے پیچھے پھینک دیا اس دروازے کا طول ۸۰ بالشت تھا اور اسے ستر آدمی بڑی مشکل سے حرکت دے سکے۔''

یہ اتنے بیانات ہیں مورخین کے اور ان میں کافی اختلافات ہیں سیرۃ حلبیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دروازے کو ۸۰ بالشت دور پھینک دیا تھا اور دحلان کہتے ہیں کہ دروازے کا طول ۸۰ بالشت تھا کوئی روایت بتاتی ہے کہ آٹھ آدمی اس دروازے کو نہ پلٹ سکے کوئی بتاتی ہے کہ ستر آدمی مشکل سے حرکت دے سکے، غالباً اس گتھی کا حل یہ ہے کہ جس دروازے کو ستر آدمی حرکت نہ دے سکے وہ قلعہ کا دروازہ تھا جسے آپ نے اکھاڑ پھینکا تھا اور جسے ۸ آدمی نے حرکت دینے کی کوشش کی وہ کوئی چھوٹا دروازہ تھا جو قلعہ کے قریب پڑا ہوا تھا آپ نے سپر ہاتھ سے چھوٹنے پر اس سے جو قلعہ کے پاس تھا اٹھا لیا، جیسا کہ روایت کی لفظیں بتاتی ہیں فتناول علی بابا کان عند الحصن، علی نے ایک دروازہ جو قلعہ کے پاس تھا اٹھا لیا۔

دوسری روایت کی لفظیں ہیں قلع علی باب خیبر علی نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ لیا معلوم ہوا کہ وہ دروازہ جو قلعہ کے پاس تھا وہ اور تھا اور قلعہ کا دروازہ اور تھا۔

یہ دونوں باتیں بشری طاقتوں سے خارج معلوم ہوتی ہیں مگر پیغمبر اسلام اور آپ کے وصی کے ہاتھوں خداوند عالم نے اس سے بھی زیادہ محیر العقول معجزات ظاہر فرمائے ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قلعہ کے دروازے سے بھی سپر کا کام لیا بعض میں ہے کہ آپ نے اسے خندق پر پل بنا دیا، بعض میں ہے کہ آپ نے اپنے پیچھے ۴۰ ہاتھ دور پھینک دیا اور بعض میں ہے کہ وہ دروازہ پتھر کا تھا۔

کے بارے میں عیسائی کہتے ہیں تو البتہ میں تمہارے بارے میں وہ باتیں بیان کردیتا جس کی وجہ سے تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے اور شفا حاصل کرنے کے لئے تمہاری طہارت کا بچا ہوا پانی لے جاتے لیکن اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھ سے اسی درجے پر ہو جس درجے پر ہارون جناب موسیٰ سے تھے مگر فرق اتنا ہی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اے علیؑ تم ہی میرے قرضوں کو ادا کروگے، میری سنت پر جہاد کروگے، آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ میرے نزدیک وقریب تم ہی ہوگے اور قیامت میں حوض کوثر پر بھی تم ہی میرے خلیفہ ہوگے اور تم ہی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر پہنچوگے اور منافقوں کو تم ہی حوض کوثر سے ہٹاؤگے اور میری امت کے لوگوں میں سب سے پہلے تم ہی داخل جنت ہوگے اور تمہارے دوست اور تمہارے شیعہ نور کے منبروں پر ہوں گے وہ سب اس روز میرے ہمسایہ ہوں گے اور تمہارے دشمن سیاہ رو رہیں گے۔ (مناقب اخطب خوارزمی، ینابیع المودۃ ص ۱۰۷ وغیرہ)

اس غزوہ میں بھی دیگر غزوات کی طرح آپ کئی باتوں میں تمام صحابہ سے ممیز و ممتاز رہے، بہت سے ایسے خصوصیات آپ کو حاصل ہوئے جن میں سے کسی ایک میں بھی کوئی آپ کا شریک نہ ہوسکا:

۱۔ جس طرح ہر غزوہ میں علم بردار لشکر آپ ہی ہوا کئے اس غزوہ خیبر میں بھی علم دار آپ ہی تھے دوسروں نے علم پایا بھی تو اس وجہ سے کہ آپ آشوب چشم میں مبتلا تھے محاذ جنگ پر موجود نہیں تھے اکثر روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محاصرہ کے دنوں پیغمبر سر کے درد میں مبتلا اور اندرون خیمہ تشریف فرما تھے کئی دن باہر تشریف نہ لائے، آپ کی عدم موجودگی میں بعض لوگوں نے خود علم لے لیا، اور جنگ کرنے کے لئے گئے مگر آپ کے علاوہ جو بھی علم لے کر گیا شکست کھا کر واپس آیا خداوند عالم نے دعائے پیغمبرؐ کی برکت سے آپ کو آشوب چشم سے شفا بخشی اور آپ ہی پھر علم دار لشکر ہوئے۔

۲۔ پیغمبرؐ نے آپ کے متعلق فرمایا لأعطین الرایة غدا رجلا کرارا غیر فرار یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله یفتح الله علی یدیه۔ میں کل یہ علم اس شخص کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں خدا اسی کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائے گا۔

۳۔ آپ کے متعلق پیغمبرؐ کا عظیم الشان معجزہ ظاہر ہوا کہ آپ آشوب چشم میں مبتلا تھے، پیغمبرؐ نے آپ کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور آپ کی آنکھیں ایسی اچھی ہوگئیں کہ پھر آپ کی آنکھوں کو کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔

۴۔ آپ کے ذریعہ پیغمبرؐ اور مسلمانوں کا رنج وملال دور ہوا جو صدمۂ عظیم تھا قلب پیغمبر کو وہ فرط مسرت سے بدل گیا، کیونکہ جب دیگر حضرت علم لے کر گئے اور پے در پے شکست کھا کر واپس آگئے تو پیغمبرؐ کے قلب مبارک پر بیحد صدمہ گزرا مسلمانوں

پر بھی رنج وہراس کی کیفیت طاری تھی آپ کے ذریعہ یہ صدمہ خوشی ومسرت سے بدلا۔

۵۔آپ جب علم لشکر لے کر چلے تو آہستہ آہستہ نہیں گئے بلکہ تیزی کے ساتھ دوڑ کر ایک شجاع وبہادر کی طرح جو کسی چیز کی پروانہیں کرتا، ہمراہیوں نے کہا بھی کہ آہستہ چلئے مگر آپ رُکے نہیں قلعہ کے پاس علم لشکر نصب کر کے دَم لیا (سیرۃ ابن ہشام)

۶۔یہودیوں نے جب آپ کا اسم گرامی سنا تو حد سے زیادہ خوفزدہ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ ہماری شکست قطعی ہے، سلمہ راوی ہیں کہ ''جنگ خیبر میں حضرت علم لے کر آگے بڑھے میں آپ کے پیچھے پیچھے تھا آپ نے قلعہ خیبر کے پاس پہنچ کر وہ علم پتھر میں نصب کر دیا ایک یہودی نے بالائے قلعہ سے جھانک کر آپ کو دیکھا، پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپؑ نے فرمایا کہ میں ہوں علی ابن ابی طالب، یہ سُن کر یہودی نے کہا قسم توریت کی آپ ان خیبر والوں پر فتحیاب ہو کر رہیں گے،

(ریاض النضرۃ جلد ۲ ص ۱۸۷، ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۵۶، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۸۳)

۷۔مرحب پر آپ نے ایسا بھر پور وار کیا کہ آپ کی تلوار اس کی ڈھال، خود پتھر دونوں عمامے جو سر پر باندھے ہوئے تھا اور اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک جا پہنچی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی، سیرۃ حلبیہ کی عبارت ہے ''إن مرحباً لما رأى أخاه قد قتل خرج سريعاًمن الحصن فی سلاحه وكان قد لبس درعين وتقلد بسيفين واعتم بعمامتين ولبس فوقهما حجراً قد ثقبه قدر البيضة .....وقع السيف على الترفقده وشق المغفر والحجر الذی تحته والعمامتين وفلق هامته حتى أخذ السيف فی الأضراس، جب مرحب نے دیکھا کہ اس کا بھائی حارث قتل ہو گیا تو ہتھیار سجے، جھپٹ کر قلعہ سے نکلا، اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، دو تلواریں حمائل کئے ہوئے تھا اور دو عمامے سر پر باندھے ان پر خود اور پتھر رکھے تھا، پتھر میں سوراخ کر کے خود جیسا بنا لیا تھا، تلوار اس کی ڈھال پر پڑی اسے کاٹتی ہوئی مغفر کو کاٹا دونوں عمامے کاٹے اور کھوپڑی کاٹتی ہوئی دانتوں پر اُتر آئی ''سمع أهل العسكر صوت ضربته، ضربت کی آواز لشکر والوں نے سنی (اصابہ جلد ۴ ص ۲۷۰، طبری ۱۵۷۹)

۸۔قبل اس کے کہ مسلمانوں کا لشکر کمک کو آئے آپ نے مرحب کو قتل کر کے قلعہ فتح کر لیا۔

۹ پیغمبرؐ نے اپنی عبا آپ کو پہنائی اپنا عمامہ سر پر باندھا اپنی تلوار کمر میں لگائی اور اپنے مرکب پر سوار کر کے بھیجا۔ (سیرۃ حلبیہ)

۱۰۔مرحب سے پہلے آپ نے مرحب کے بھائی حارث کو کہ وہ بھی یکہ تاز عرصہ شجاعت تھا تہ تیغ کیا۔ (سیرۃ حلبیہ)

۱۱۔جس وقت حارث حملہ آور ہوا تھا سارے مسلمانوں کے قدم پیچھے ہٹ گئے تھے مگر آپ ہی ثابت قدم رہے۔ (سیرۃ حلبیہ)

۱۲۔جب آپ کو ارشاد پیغمبرؐ کہ میں کل علم ایسے مرد کو دوں گا کی خبر ملی تو آپ نے ارشاد فرمایا اللهم لا معطی لما منعت ولا مانع لما اعطيت، خداوندا جسے دینا تجھے منظور نہ ہو اسے کوئی نہیں دے سکتا اور جسے دینا تجھے منظور ہو گا اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا،

(سیرۃ نبویہ زینی دحلان) چنانچہ آپ نے نہ اس کی لالچ کی نہ ہوس نہ اونچا ہو ہو کے اپنے کو دکھایا نہ امارت وافسری کی تمنا کی۔

۱۳۔ پیغمبرؐ نے آپ کو حکم دیا کہ خیبر والوں پر اسلام جا کر پیش کرو اور بتاؤ کہ ان پر خدا کے کون سے حقوق فرض ہیں۔ سیرۃ حلبیہ میں ہے "وأخبرهم بما يجب عليهم من حق الله فوالله لأن هدى الله بك رجلاً واحداً خير لك من أن يكون لك حمر النعم تتصدق في سبيل الله. انہیں بتاؤ کہ خدا کے کیا کیا حقوق ان پر فرض ہیں۔ خدا کی قسم اگر خدا نے تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دی تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے جسے تم راہ خدا میں صدقہ کرو۔

۱۴۔ پیغمبرؐ کی دعا آپ کے لئے اور اس دعا کی قبولیت کہ خداوندا علی کو سردی گرمی سے محفوظ رکھ، عبدالرحمان بن ابی لیلی ناقل ہیں کہ میرے باپ حضرت علیؑ کے ہم سفر تھے، حضرت اعلیؑ گرمی کے کپڑے جاڑے میں پہنتے اور جاڑے کے گرمی، ہم نے

اہم نے نقل اکبر جلد سوم سوانح حضرت امیر المومنینؑ میں ہارون ابن عنترہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں عنترہ بیان کرتے ہیں کہ میں قصر خورنق میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ ایک پتلا کمبل اوڑھے ہوئے سردی سے کانپ رہے تھے، میں عرض کیا امیر المومنینؑ! خدا نے مسلمانوں کے مال میں آپ کا بھی حق مقرر کر رکھا ہے اور آپ اپنے نفس کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، خدا کی قسم میں تمہارے مال کیطرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا میرے پاس یہ وہی پتلا کمبل ہے جسے میں مدینہ سے لے کر چلا تھا۔" یہ حدیث اس مشہور ومعروف حدیث کے مغائر ہے کہ بہ برکت دعائے پیغمبر آپ پر نہ گرمی اثر انداز ہوتی تھی نہ سردی اور آپ جاڑوں میں گرمی کے کپڑے اور گرمی میں جاڑوں کے روئی دار کپڑے پہنا کرتے تھے۔ مشہور حدیث تو بتاتی ہے کہ نہ آپ پر سردی اثر انداز ہوتی تھی نہ گرمی، اور ہارون بن عنترہ والی حدیث کا مضمون ہے کہ آپ سردی سے کانپ رہے تھے۔

صاحب سیرۃ حلبیہ نے دونوں حدیثوں کے اختلاف کو یوں مٹانے کی کوشش کی ہے کہ "صحیح یہی ہے کہ آپ پر نہ سردی اثر انداز ہوتی نہ گرمی، ہارون نے سردی کی وجہ سے جو آپ کو کانپتے دیکھا وہ شاید اس وجہ سے دیکھا ہوگا کہ آپ کو تپ آ گئی ہوگی" یہ توجیہ جتنی مہمل ہے وہ ظاہر ہے، استاذ عقاد مصری اپنی کتاب عبقرية الإمام علي میں تحریر فرماتے ہیں "حضرت علیؑ جاڑوں میں گرمی کے کپڑے اور گرمی میں جاڑوں کے کپڑے اس لئے پہنتے تھے کہ آپ کی جسمانی ساخت آپ کی کاٹھی ایسی ٹھوس اور مستحکم تھی کہ آپ سردی یا گرمی کسی کا پروا نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ اس کے متعلق آپ سے پوچھا بھی گیا تو آپ نے فرمایا کہ پیغمبرؐ نے مجھے بروز خیبر بلا بھیجا مجھے آشوب چشم کی تکلیف لاحق تھی آں حضرتؐ نے میرے لئے دعا کی کہ "خداوندا! ان سے سردی وگرمی کو دور رکھ" چنانچہ پیغمبرؐ کی دعاؤں کی برکت سے پھر میں نے اس دن سے سردی یا گرمی محسوس نہ کی لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ کو سردی گرمی کی حس ہی باقی نہ رہی تھی، جب سردی سخت ہوتی تھی تو آپ سردی سے کانپتے بھی تھے مگر لحاف وغیرہ کے ضرورتمند نہ ہوتے تھے اس کے بعد استاذ عقاد یہی ہارون بن عنترہ والی حدیث کہ میں قصر خورنق میں گیا اور آپ کو سردی سے کانپتے ہوئے پایا بیان کر کے کہتے ہیں کہ یہ سردی سے آپ کا کانپنا ثبوت ہے کہ آپ سردی گرمی محسوس کرتے تھے البتہ آپ کی جسمانی ساخت ایسی تھی کہ کسی کی بھی ویسی نہ ہوئی۔"

یہ استاذ عقاد کی عبارت بھی مہمل ولغو ہے اس لئے کہ حضرت امیر المومنین کے بیان کے قطعاً برخلاف ہے، آپ سے جب پوچھا گیا کہ یہ آپ پر سردی گرمی کا اثر کیوں نہیں ہوتا، آپ سردی میں گرمی کا اور گرمی میں سردی کا لباس کیوں پہنتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ پیغمبرؐ نے بروز خیبر دعا فرمائی تھی کہ اللهم أذهب عنه الحر والبرد، خداوندا تو علی سے سردی گرمی کو دور رکھ اور اس دعا کی مقبولیت اس پیمانہ پر ہوئی کہ فما وجدت حراً ولا برداً منذ يومئذ اس دن سے پھر میں سردی محسوس کی نہ گرمی آپ کی لفظیں بتاتی ہیں کہ سردی وگرمی آپ سے جو دور ہوئی وہ پیغمبرؐ کی دعاؤں کی برکت سے دور ہوئی نہ اس وجہ سے کہ آپ کی جسمانی ساخت ایسی مضبوط تھی، لہٰذا قرینہ غالب یہ ہے کہ ہارون بن عنترہ والی حدیث ہی باطل ہے کیونکہ حضرت علیؑ زہد کے چاہے جس درجے بھی ہوں مگر اپنے کو سردی سے بچانے پر قاصر تو تھے نہیں آپ آگ کے ذریعہ سردی دور کر سکتے تھے، موٹا جھوٹا پرانا لحاف، کمبل ہی اوڑھ کر سردی سے بچ سکتے تھے سردی سے ٹھٹھرتے رہنا اور کوئی کپڑا نہ پہننا یا آگ تاپ کر سردی سے اپنے کو نہ بچانا یہ کوئی زہد تو ہے نہیں۔ (اعیان الشیعہ جلد ۳)

سوچا کہ اس کے متعلق آپ سے دریافت کرنا چاہئے چنانچہ ہم نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا ''پیغمبرؐ نے بروز خیبر مجھے بلا بھیجا اور مجھے آشوب چشم کی تکلیف تھی، میں نے پیغمبرؐ سے عرض کی حضورؐ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں، پیغمبرؐ نے میری آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا پھر دعا فرمائی کہ ''خداوندا ان سے ہر سردی و گرمی کو دور رکھ'' آپ کی اس دعا کے بعد آج تک پھر میں نے نہ کبھی گرمی محسوس کی نہ سردی۔ (سُنن ابن ماجہ ص ۱۰۹)

۱۵۔ آپ نے ایک ایسے وزنی دروازے سے سپر کا کام لیا جسے صرف اُلٹنے پر آٹھ آدمی قادر نہ ہو سکے۔

۱۶۔ وقت جنگ جبریل آپ کے دائیں تھے اور میکائیل آپ کے بائیں، (مستدرک جلد ۳ ص ۱۷۲) خود حضرت عمر سے مروی ہے پیغمبرؐ نے فرمایا کل میں یہ علم لشکر ایسے مرد کو دوں گا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں، وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا بھگوڑا نہیں، خدا اس کے ہاتھوں پر فتح عنایت فرمائے گا، جبریل اس کے دائیں میکائیل بائیں ہوں گے۔'' (منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند ص ۴۵، جلد ۵)

۱۷۔ آپؑ نے خیبر کے دروازے کو اکھاڑ کر خندق کا پل بنا دیا اور دروازہ اتنا بھاری تھا کہ ستر آدمی صرف اسے پلٹ سکے۔
(اصابہ جلد ۴ ص ۲۷۰، ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۵۶، ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۸۸ وغیرہ)

۱۸۔ آپ نے صفیہ دختر مرحب کو اسیر کر کے باہتمام خاص بلال کے ہمراہ خدمت پیغمبرؐ میں بھیجا۔ (مسند امام احمد جلد ا ص ۳۳۰)

رجعت شمس:

جب حضرت رسولؐ خدا خیبر سے واپس ہوتے ہوئے منزل صہبا میں پہنچے تو نماز عصر پڑھنے کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے، اسی حال میں آں حضرتؐ پر آثار وحی ظاہر ہونا شروع ہوئے، حضرت علیؑ کو نماز عصر پڑھنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وحی کا سلسلہ اتنا طویل رہا کہ آفتاب ڈوب گیا جب وحی ختم ہوئی تو آنحضرت نے جناب امیر سے پوچھا، تم نے نماز عصر پڑھی ہے؟ آپ نے کہا نہیں یا رسول اللہ۔ اس پر جناب رسالت مآب نے بارگاہ احدیت میں دعا کی کہ خداوندا علیؑ تیرے رسول کی اطاعت میں تھے آفتاب کو ان کے لئے طالع کر دے تا کہ وہ نماز عصر پڑھ لیں، فوراً خدا نے حضرت کی دعا قبول کی اور آفتاب نے بعد غروب پھر طلوع کیا کہ اس کی شعاع تمام پھیل گئی اور لوگوں نے آں حضرت کے اس معجزے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا پھر جناب امیرؑ نے نماز عصر پڑھ لی، (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۳۱۱ وغیرہ) علامہ دیار بکر نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھنے کے بعد یہ بھی ذکر کیا ہے **ھذا حدیث ثابت الروایۃ عن ثقات**، یہ حدیث بڑے معتمد راویوں سے بیان کی گئی ہے اور اس کی روایت بالکل ثابت ہے۔ (تاریخ خمیس جلد ص ۶۴) (۱)

(۱) حضرت امیرالمومنین کے لئے آفتاب کا دوبارہ پلٹنا ایسا مسلم الثبوت واقعہ ہے جس سے انکار کی کسی کو ہمت نہیں ہوسکتی متقدمین ومتاخرین علمائے اہل سنت سبھی نے اس واقعہ کو پوری صراحت کے ساتھ لکھا ہے دیکھئے منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند جلد ۴ ص ۲۹۱، ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۶۳، ریاض النضرۃ جلد ۲ ص ۱۹۰ وغیرہ بہت سی تاریخ وسیرت کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے اور علماء ومحققین نے اس واقعہ کے ذکر میں بے حد اہتمام کیا ہے:

ومن كراماته الباهرة أن الشمس ردت عليه لما كان رأس النبي في حجره والوحي ينزل عليه وعلي لم يصل العصر فما سري عنه صلى الله عليه وسلم إلا وقد غربت الشمس فقال النبي اللهم إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك فاردد عليه الشمس فطلعت بعد ما غربت وحديث ردها صححه الطحاوي والقاضي عياض في الشفاء وحسنه شيخ الإسلام أبو زرعة وغيره وردوا على جمع قالوا إنه موضوع، (فتح المبین برحاشیہ سیرۃ نبویہ زینی دحلان جلد ۲ ۱۸۲)

آپ کے واضح وروشن کرامات سے یہ بھی ہے کہ آپ کے لئے آفتاب پلٹ آیا، پیغمبرؐ آپ کی آغوش میں سر رکھے محو استراحت تھے وحی کا نزول ہورہا تھا، اور علیؑ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی جب تک وحی اختتام پر پہنچے آفتاب غروب کر چکا تھا

پیغمبرؐ نے درگاہ الٰہی میں دعا کی بارالٰہا علیؑ تیری اطاعت میں تھے اور تیرے رسول کی اطاعت میں ان کے لئے آفتاب کو پلٹادے چنانچہ آفتاب غروب ہوجانے کے بعد دوبارہ نکل آیا اور آفتاب کے دوبارہ پلٹنے کی حدیث کو امام طحاوی نے صحیح قرار دیا ہے اور قاضی عیاض نے بھی شفاء میں اس کی صحت کی صراحت کی ہے شیخ الاسلام ابوزرعہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور ان مذکورہ بالا ائمہ فن حدیث نے ان تمام لوگوں کی تردید کی ہے جنھوں نے رجعت شمس کی حدیث کو موضوع کہا ہے۔

جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب فرنگی محلی لکھنوی اپنی تفسیر معدن الجواہر جلد ۲ میں لکھتے ہیں:

وباتفاق است آفتاب برائے کسے باز نگشته مگر برائے یوشع پیغمبرؑ که وصی موسی، بود وسلیمان که فرزند ووصی داؤد بود وازیں امت مرحومه برائے علی ابن ابی طالب که وصی وداماد پیغمبرؐ آخر الزماں محمدؐ بود چنانچه مروی است که روزے رسول خدارا حالت وحی در گرفت سربه زانوئے علی گذاشت وطول کشید چنداں که آفتاب غروب کرد علی نماز عصر نه خوانده بود واز ادب آں حضرتؐ برخواستن نتوانست ونماز عصر را باشاره کرد تاآنکه وحی شد حضرت چشم بکشاد وعلی را متغیر یافت سبب تغیر پرسید علی صورت حال عرض کرد حضرت سربآسمان برداشت وبگفت بارخدایا تومی دانست که علی درطاعت تو وطاعت پیغمبر تو بود اورا مجال قیام به نماز میسر نه شد آفتاب را برائے او باز گرداں تا نماز خود را بگذارد حق تعالیٰ دعائے رسول خدا را قبول فرمود وآفتاب را باز گردانید وشعاع او بر عالم افتاد وچنداں ایستاده بود تا علی نماز عصر گذارد چوں سلام باز داد او یکبار غائب شد نه بر عادت که اندک اندک فرو می رود وایں روایت از بسیاری صحابه چوں ابن عباس وابوذر ومقداد وجابر وامثال ایشاں در کتب موافق ومخالف آمده وقریب متواتر رسیده چنانکه ہیچ کس مجال انکار آں نمانده۔"

تمام علماء کا اتفاق ہے اس پر کہ آج تک کسی کے لئے آفتاب نہیں پلٹا سوا تین شخصوں کے ایک یوشع وصی موسیٰ دوسرے سلیمان جو جناب داؤد کے فرزند بھی تھے اور وصی بھی اور اس امت مرحومہ اسلام سے علیؑ بن ابی طالب کے لئے کہ وہ وصی اور داماد پیغمبر آخر الزماں تھے چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک روز پیغمبر علیؑ کے زانو پر سر رکھے محو استراحت تھے اور وحی کا نزول ہو رہا تھا اتنی دیر ہوئی کہ آفتاب غروب ہو گیا علیؑ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور پاس ادب سے

حضرت کا سر اپنے زانو سے ہٹا بھی نہیں سکتے تھے، آپ نے اشارے سے نماز عصر پڑھ لی تھی، حضرت نے آنکھیں کھولیں چہرے پر نظر پڑی دیکھا کہ چہرہ متغیر ہے پیغمبرؐ نے پوچھا، یہ چہرے کا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے، علیؑ نے صورت حال بیان کی پیغمبرؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر عرض کی خداوندا تو بخوبی واقف ہے کہ علیؑ تیری اور تیرے پیغمبرؐ کی اطاعت میں تھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں حاصل ہو سکا آفتاب کو علیؑ کے لئے پلٹا دے تا کہ علیؑ نماز پڑھ لیں خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کی دعا قبول فرمائی اور آفتاب کو پلٹا دیا۔

آفتاب کی شعاعیں تمام عالم پر پڑیں اور اتنی دیر آفتاب ٹھہرا رہا کہ علی نے نماز عصر ادا کر لی، جب علی سلام پھیر کر فارغ ہوئے آفتاب ایک مرتبہ غائب ہو گیا، رفتہ رفتہ کر کے غروب نہیں کیا جیسا کہ عادتاً ہوتا ہے یہ واقعہ بکثرت صحابہ سے مروی ہے جیسے ابن عباس، ابوذر، مقداد، اور جابر وغیرہ اور مخالف وموافق دونوں کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے اور یہ حدیث تقریباً درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے کسی شخص کو اس سے انکار کی مجال نہیں۔

مشہور تفسیر روح البیان میں ہے:

وأما عود الشمس بعد غروبها فقد وقع له فى خيبر فعن اسماء بنت عميس قالت كان يوحى إليه ورأسه الشريفة فى حجر على ولم يسر عنه حتى غربت الشمس وعلى لم يصل العصر فقال له رسول الله أصليت العصر قال لا فقال اللهم إنه كان فى طاعتك وطاعت رسولك فاردد عليه الشمس قالت اسماء فرأيتها طلعت بعد ماغربت وهو من أجل أعلام النبوة فليحفظ (تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۴۰۶)

آفتاب کا غروب ہونے کے بعد پلٹنا تو ایسا غزوہ خیبر کے موقع پر واقع ہوا جیسا کہ اسما بنت عمیس ناقل ہیں کہ آں حضرتؐ پر ایک مرتبہ وحی نازل ہونے لگی اور آپ کا سر مبارک حضرت علیؑ کی آغوش میں تھا وحی کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہوا جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو گیا اور علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے پیغمبرؐ نے پوچھا تم نے نماز پڑھی؟ علیؑ نے کہا نہیں، اس پر آں حضرتؐ نے دعا فرمائی، خداوندا یہ علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے آفتاب کو ان کے لئے پلٹا دے، اسماء کہتی ہیں کہ میں نے آفتاب کو دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد پھر پلٹ آیا، یہ آفتاب کا پلٹنا نبوت کی بہت گراں قدر علامتوں میں سے ہے ضروری ہے کہ اسے یاد رکھا جائے۔

محدث دہلوی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی اس حدیث کو ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۷۱ میں بہت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ''ردشمس کی روایت کو علامہ طحاوی نے اپنی کتاب شرح مشکل الآثار میں اسماء بنت عمیس سے دو طریقوں سے لکھا ہے اور لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں مسلم الثبوت اور ان کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں قاضی عیاض نے شفاء میں صاحب بشری اللیث نے اپنی کتاب میں حافظ علاء الدین مغلطائی نے اپنی کتاب الزہرا الباسم میں اسے نقل کیا ہے۔ ابوالفتح ازدی نے اس حدیث کو صحیح اور ابوزرعہ بن عراقی ہمارے پیر و مرشد حافظ جلال الدین سیوطی نے درر منتشرہ فی الاحادیث میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۷۱)

غزوۂ وادی القری:

وادی القری شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے، اکثر آبادی وہاں یہودیوں کی تھی، ماہ جمادی الاخری ۷ھ میں پیغمبرؐ خیبر سے فارغ ہو کر ادھر روانہ ہوئے، حضرت علیؑ بھی آپ کے ہمرکاب تھے اور جیسا کہ مورخین کا فیصلہ ہے کہ إنه صاحب رايته فى المواقف كلها، آپ ہی اس غزوہ میں علم بردار لشکر بھی رہے ہوں گے، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی

طرف سے پہلے ایک شخص نکلا اسے زبیر نے قتل کیا، دوسرا آیا اسے علیؑ نے قتل کیا، تیسرا نکلا وہ ابودجانہ انصاری کے ہاتھوں مارا گیا اور وادی پر پیغمبرؐ کا قبضہ ہو گیا۔

عمرۃ القضا:

حدیبیہ کے سال جب پیغمبرؐ حج کے ارادے سے مکہ کو روانہ ہوئے تھے کسی جنگ کا خیال بھی نہیں تھا، مشرکین قریش نے مزاحمت کی اور پیغمبرؐ اور مشرکین کے درمیان معاہدہ صلح ہوا اس کی وجہ سے اس سال عمرہ نہ بجالا سکے کیونکہ مشرکین کی ایک شرط یہ بھی شرط تھی کہ اس سال آپ عمرہ بھی نہ بجالائیں بلکہ مدینہ واپس جائیں، دوسرے سال آپ اس عمرہ کے قضا کے ارادے سے اپنے اصحاب کے ہمراہ عازم مکہ ہوئے تین دن تک مکہ میں قیام رہا، تلواریں نیام میں تھیں، مصالحت کی فضا تھی، آپ کے ہمراہ حضرت علیؑ تھے، جناب معصومہ تھیں، جنگ کا چونکہ امکان نہ تھا اس لئے میدان جنگ کے سپاہی مدینہ ہی میں چھوڑ دیئے گئے تھے، تین دن کے بعد مشرکین حضرت علیؑ کے پاس آئے کہ آپ اپنے پیغمبرؐ سے کہیے کہ مدت پوری ہو چکی اب مکہ سے روانہ ہو جائیں، (سیرۃ نبویہ دحلان) آں حضرتؐ معاہدہ صلح کا احترام کرتے ہوئے چل کھڑے ہوئے، جب واپس جانے لگے تو جناب حمزہ کی کمسن بچی جس کا نام عمارہ یا امامہ یا سلمٰی تھا پیغمبرؐ کو پکارتی ہوئی پیچھے دوڑیں، حضرت علیؑ نے گود میں اٹھالیا اور جناب معصومہ کے پاس ہودج میں بٹھا دیا، پیغمبرؐ کی خدمت میں عرض کی کہ چچا کی یتیم بچی کو مشرکین کے درمیان کیوں چھوڑا جائے، پیغمبرؐ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

مدینہ پہنچنے کے بعد دختر حمزہ کی تربیت و پرورش کے متعلق حضرت علیؑ جناب جعفر طیار اور زید بن حارثہ تینوں خواہش مند ہوئے، علیؑ کی خواہش تھی عمارہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں نے ہی انہیں ساتھ لیا اور مشرکین کے حلقہ سے نکالا لہٰذا میری ہی آغوش تربیت میں انہیں رہنا چاہیے، جناب جعفر کا دعویٰ تھا کہ میری بیوی عمارہ کی اپنی خالہ ہیں خالہ بھانجی کی تربیت بہ نسبت دوسروں کے زیادہ محبت و پیار سے کرے گی، زید کا دعویٰ تھا کہ پیغمبرؐ نے مکہ میں مجھے اور حمزہ کو بھائی بھائی قرار دیا تھا، میرے اور ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا، لہٰذا یہ میری بھتیجی ہے میرے بھائی کی دختر میں اس کی تربیت کا ذمہ دار ہوں۔ پیغمبرؐ نے مناسب سمجھا کہ عمارہ جعفر کے گھر میں پرورش پائے اس لئے کہ بہرحال خالہ کا حق مقدم ہے، ماں کا غم خالہ ہی غلط کر سکتی

ہے اور حضرت علیؑ سے فرمایا أنت منی و أنا منك، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ (صحیح بخاری)[۱]

۸ھ

فتح مکہ:

حدیبیہ والے سال پیغمبرؐ اور مشرکین کے درمیان صلح کی قرارداد طے پائی تھی معاہدہ ہوا تھا کہ پیغمبرؐ نہ مشرکین سے دس برس تک جنگ کریں نہ مشرکین پیغمبرؐ سے لڑیں فریقین کے حلیف و ہم عہد بھی اس کے پابند ہوں گے لہٰذا جس طرح پیغمبرؐ یا پیغمبرؐ کے حلیف نہ مشرکین سے یا مشرکین کے حلیفوں سے لڑ سکتے تھے اسی طرح مشرکین اور ان کے حلیف پیغمبرؐ یا پیغمبرؐ کے حلیفوں کے جان و مال سے تعرض نہیں کر سکتے تھے، دو سال مشکل سے گزرے ہوں گے کہ قریش کے حلیف بنو بکر نے پیغمبرؐ کے حلیف

ایہ کوئی نزاع و خصومت نہ تھی یتیم کی تربیت یوں ہی باعث اجر عظیم ہے چہ جائیکہ حمزہ ایسے عم رسول کی یتیمہ بچی کی تربیت ہر دل کو تڑپ تھی ہر شخص خواہاں تھا کہ یہ کار ثواب ہمارے ہاتھوں انجام پائے جعفر و علیؑ و زید تینوں خواہشمند تھے کہ یہ فضیلت مجھے ہاتھ آئے اور دوسرے لوگ رضا کارانہ طور پر ہمارے حق میں دستبردار ہو جائیں، علیؑ کے دل میں یہ تڑپ پہلے ہی سے تھے، پیغمبرؐ جب مکہ میں پہنچے تھے تو اس وقت عمارہ اپنی ماں کے ساتھ مکہ میں تھیں، علیؑ نے پیغمبرؐ سے کہا کہ چچا کی بیٹی مشرکین کے رحم و کرم پر رہے دل نہیں مانتا! مگر پیغمبرؐ معاہدہ صلح کی وجہ سے مجبور تھے ایسا اقدام نہیں کر سکتے تھے کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کا الزام عائد ہو آپ خاموش رہے جب مکہ سے کوچ کرنے لگے اور عمارہ آپ کو پکارتی ہوئی پیچھے پیچھے دوڑیں تو علیؑ ہی نے گود میں اٹھا کر ہودج میں جناب معصومہؑ کے حوالہ کر دیا اس لئے ان کی تمنا فطری تھی کہ جب ہم نے مشرکین کے حلقہ سے عمارہ کو نکالا تو ہمی پرورش کے کفیل بھی ہوں۔

جناب جعفر کا یہ خیال کہ عمارہ میری بیوی کی بہن کی اولاد ہے بھانجی خالہ سے زیادہ مانوس رہے گی لہٰذا انہیں ہمارے پاس رہنا چاہیے، زید کا دعویٰ ذرا کمزور تھا اس لئے کہ پیغمبرؐ نے مکہ کے مسلمانوں کے درمیان جو مواخات قائم کی تھی وہ تالیف قلب اور مسلمانوں کی باہمی موانست کی پختگی کے لئے تھی، عمارہ کی پرورش میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا پھر زید کی بیوی بھی عمارہ کے لئے غیر ہوتیں نہ عمارہ ان سے مانوس ہو سکتی تھیں نہ زید کی بیوی ان پر اتنی شفیق ہو سکتی تھیں اسی لئے پیغمبرؐ نے عمارہ کا جعفر کے کنار عاطفت میں رہنا بہتر سمجھا کیونکہ علیؑ و جعفر اگرچہ برابر کے محبت کرنے والے تھے عمارہ کے علیؑ بھی چچازاد بھائی اور جعفر بھی چچازاد بھائی دونوں کی محبت ایک جیسی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی لیکن تربیت کے لئے عورت کی آغوش ہی سازگار ہے مرد کو اس میں اتنا دخل نہیں ہوتا اور جناب فاطمہ کی شفقت و محبت میں بھی کوئی کلام نہیں وہ جعفر کی بیوی اسماء سے محبت و شفقت میں ہرگز کم نہ تھیں بلکہ آپ کی محبت زیادہ ہی ہوتی اس لئے کہ آپ رحمۃ للعالمین کی دختر اور خلق عظیم پیغمبرؐ کا آئینہ تھیں مگر فطری طور پر خود عمارہ جتنا اپنی خالہ سے مانوس ہو سکتی تھیں اتنا جناب معصومہؑ سے نہیں اسی لئے پیغمبرؐ نے عمارہ کو جعفر کے حوالہ کیا اور حوالہ کرتے ہوئے یہ فقرہ حضرت علیؑ سے فرمایا أنت منی و أنا منك، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں مطلب یہ کہ جعفر کو اس موقع پر جو ترجیح دی جا رہی ہے وہ اس لئے نہیں کہ جعفر کسی بات میں تم سے افضل ہیں۔ ایک شبہ یہاں ہو سکتا ہے کہ پیغمبرؐ و مشرکین کے درمیان جن شرائط پر صلح ہوئی تھی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر پیغمبرؐ کے پاس چلا جائے گا تو پیغمبرؐ اسے واپس دیں گے، لہٰذا پیغمبرؐ نے عمارہ کو ساتھ لے جا کر معاہدہ کی خلاف ورزی کیوں کی، غالباً اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ یہ شرط بچوں کو شامل نہ تھی یا عورتیں اس سے مستثنیٰ تھیں، اسی واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب حمزہ نے جب ہجرت کی تھی تو آپ کی بیوی بچے مکہ ہی رہ گئے تھے۔

بنوخزاعہ پر کسی دیرینہ عداوت کے سبب حملہ کر دیا اور بنوخزاعہ کے بیس آدمی قتل کر ڈالے، قریش نے بھی پوشیدہ طریقے پر ان کی مدد کی، خزاعہ کے ۴۰ آدمیوں نے آ کر پیغمبرؐ کی خدمت میں فریاد کی آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میں خزاعہ کی مدد نہ کروں تو میری بھی مدد نہ کی جائے، تیر کمان سے نکل چکا تھا قریش کو بڑی ندامت تھی کہ ہم میں اور پیغمبرؐ میں اس بات کی مصالحت ہو چکی تھی یہ تو معاہدہ کی صریحی خلاف ورزی ہوئی اب پیغمبرؐ یقیناً ہم سے سختی سے پیش آئیں گے کیونکہ زیادتی ہماری ہی جانب سے ہوئی انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ جا کر پیغمبرؐ سے بات چیت کرو، ابوسفیان نے خدمت پیغمبرؐ میں آ کر عرض کی کہ معاہدہ کی از سر نو تجدید ہو جائے اور مدت بھی بڑھا دی جائے، پیغمبرؐ نے پوچھا کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ یہ تجدید کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ابوسفیان نے کہا نئی بات تو کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا تو جو معاہدہ ہو چکا ہے وہی کافی ہے، اس نے ابوبکر سے خواہش کی کہ آپ چل کر سفارش کر دیں، انہوں نے صاف انکار کیا، پھر حضرت عمر سے خواہش کی انہوں نے بھی روکھا جواب دیا، پھر حضرت علیؑ کے گھر پر آیا جہاں جناب معصومہؑ بھی تھیں، اور امام حسنؑ گھٹنیوں کے بل چل رہے تھے اس نے کہا (اے علیؑ ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تمہیں قرابتداری کا پاس کرنے والے ہو، میں ایک غرض لے کر آیا ہوں مجھے بے نیل و مرام نہ پلٹانا، چل کر پیغمبرؐ سے ہماری سفارش کر دو۔ آپ نے فرمایا، پیغمبرؐ ایک امر کا تہیہ کر چکے ہیں ہمارا اس بیچ میں پڑنا مناسب نہیں امام حسن علیہ السلام پانچ برس کے بچے تھے ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کر دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۴۷۳)۔ بعض روایات میں ہے کہ ابوسفیان کے جواب میں امام حسنؑ اس کی طرف بڑھے اور ایک ہاتھ سے اس کی ناک اور دوسرے سے اس کی داڑھی پر مار کر بحکم خدا گویا ہوئے اے ابوسفیان کلمہ لآ إلٰه إلا الله محمد رسول الله پڑھ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے نانا سے کر دیتا ہوں، یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کا شکر جس نے آل محمدؐ میں بھی خاص ذریت محمد مصطفیٰؐ سے یحییٰ بن زکریا پیغمبرؑ کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں ان کو شریعت کی حکومت عطا فرمائی۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۴۶) ابوسفیان نے کہا اے ابوالحسن (علی) میں دیکھتا ہوں کہ حالات کافی بگڑ چکے ہیں، میں بے حد مخمصے میں پھنس گیا ہوں، میرے حال پر کرم کرو، آپ نے فرمایا حالات سنورنے کی تو کوئی صورت نظر نہیں آتی میرا خیال یہ ہے کہ تم قریش کے سردار ہو تم خود ہی تجدید معاہدہ کا اعلان کر دو، ابوسفیان نے پوچھا، میرا

اعلان کرنا کچھ مفید ہوگا؟ آپ نے فرمایا نہیں مفید تو کچھ نہ ہوگا لیکن اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی تو نظر نہیں آتی،[1] بالآخر ابوسفیان نے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ صلح کی تجدید کر دی، اس کے بعد ابوسفیان مکہ کو واپس چلا گیا، قریش اس کی واپسی کے بڑی بے چینی سے منتظر تھے اس کے پہنچنے پر انہوں نے سرگزشت پوچھی، ابوسفیان نے بتایا کہ پہلے تو میں نے جا کر محمدؐ سے گفتگو کی مگر انہوں نے کوئی جواب ہی نہیں دیا، پھر میں ابوبکر کے پاس گیا ان کے یہاں بھی ناکامی ہوئی، عمر کے پاس گیا انہوں نے بھی انکار کیا، پھر علیؑ کے پاس آیا، انہیں دوسروں سے بہت نرم پایا انھوں نے ایک کام کا مشورہ دیا، میں نے اس مشورہ پر عمل بھی کیا مگر نہیں کہہ سکتا کہ کوئی فائدہ بھی اس کا ہوگا یا نہیں، علیؑ نے مجھے حکم دیا کہ میں خود تجدید معاہدہ کا اعلان کردوں۔ قریش نے پوچھا تو تمہارے اس اعلان کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سراہا، ابوسفیان نے کہا نہیں، ان لوگوں نے کہا تو تمہارے ساتھ کھیل کھیل گئے۔ (تاریخ طبری)

پیغمبرؐ معاہدہ کی خلاف ورزی کی پوری سزا دینی چاہتے تھے، آپ نے طے کر لیا تھا کہ مکہ بغیر فتح کئے چارۂ کار نہیں، آپ جنگ کی تیاریوں میں مصروف رہے مگر بہت مخفی طریقہ پر تا کہ مشرکین کی بالکل بے خبری کی حالت میں ان کے سر پر پہنچ جائیں، حاطب بن بلتعہ جو مکہ کا باشندہ تھا اور مسلمان ہو کر پیغمبرؐ کی خدمت میں رہ گیا تھا، آپ کا صحابی تھا جنگ بدر میں پیغمبرؐ کی معیت میں قریش سے لڑا بھی تھا اس نے پوشیدہ طریقہ پر ایک خط لکھ کر قریش کو یہاں کی تیاریوں کی خبر دی کہ پیغمبرؐ مکہ کو فتح کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں، قریش کی ایک حبشی کنیز جو مانگتی کھاتی مدینہ آئی تھی حاطب نے اسے پکڑا اسے روپیہ پیسہ دینے کا وعدہ کر کے خط حوالہ کیا کہ مکہ پہنچ کر فلاں کو میرا خط دے دینا اور اسے تاکید کی کہ عام راستہ سے نہ جانا بلکہ کسی اور سمت سے جانا، وحی نے اُتر کر

---

[1] امیر المومنینؑ نے اس موقع پر جو کچھ کیا یہی مقتضائے دوراندیشی بھی تھا اور صحیح ترین تدبیر بھی آپ کی اسی حکمت عملی کی وجہ سے مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچا اور پیغمبرؐ کے مقاصد کی تکمیل ہوئی، آپ نے ابوسفیان سے پہلے تو صاف صاف کہہ دیا کہ صورت حال خراب ہو چکی ہے، اور پیغمبرؐ ہرگز معاہدہ کی تجدید نہ فرمائیں گے پھر ذرا سا نرم پڑ گئے اس نرمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابوسفیان جو بالکل مایوس جانے والا تھا ہلکی ہی امید کی کرن دل میں لے کر پلٹا کہ شاید میرے اکیلے تجدید کا اعلان کر دینے کی وجہ سے پیغمبر بھی تجدید پر آمادہ ہو جائیں اگر وہ بالکل مایوس پلٹتا جیسا کہ آپ سے مشورہ کرنے کے قبل تک اس کو مایوسی پر مایوسی نصیب ہو رہی تھی تو مکہ جا کر قریش کو جو بڑے چین سے بے فکر بیٹھے تھے۔

انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا کہ پیغمبرؐ سے جنگ کی نوبت آئے گی پیغمبرؐ سے وہ ہشیار رہنے کی تاکید کرتا اور فوراً جنگ کی تیاریاں شروع کر دیتا اور اگر آپ نرمی سے کام لے کر ہلکی سی امید اس کے دل میں نہ پیدا کر دیتے تو نہ جانے وہ کب تک مدینہ میں ٹکا رہتا کبھی ان سے سفارش کراتا کبھی ان سے اس کے مدینہ میں زیادہ ٹکنے کی وجہ سے بڑی خرابیاں پیش آتی اور پیغمبرؐ کے عزم وارادت میں بھی رکاوٹیں درپیش ہوتیں، یہ تائید ایزدی تھی کہ علیؑ نے ایسا مشورہ دیا کہ ابوسفیان یہ سمجھ کر کہ میں اپنے مشن میں بالکل ناکام نہیں رہا، ہلکی ہی امید لے کر مدینہ سے فوراً روانہ ہو گیا اور فتح مکہ کے لئے پیغمبرؐ کی تیاریوں میں کوئی خلل نہ پڑنے پایا۔

راز فاش کردیا، پیغمبرؐ کو حاطب کی اس حرکت کا علم ہوگیا، آپ نے حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ میرے کسی صحابی نے اہل مکہ کو خط لکھا ہے جس میں ہمارے ارادے کی انہیں آگاہی دی ہے، خط ایک حبشی عورت کے پاس ہے اور وہ عام راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ سے جارہی ہے تم تلوار لے کر جاؤ اسے پکڑو، خط لے کر اسے چھوڑ دو، پھر آپ نے دو ایک صحابیوں کو بھی آپ کے ساتھ کردیا جن میں ایک زبیر بھی تھے حضرت علیؑ روانہ ہوئے، تھوڑی دور جا کر اس عورت کو پالیا، زبیر آگے بڑھ گئے اور جا کر اس عوت سے پوچھا کہ وہ خط کہاں ہے؟ اس نے بالکل ناواقفیت کا اظہار کیا، قسم کھا کر کہنے لگی کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ پھر رونے لگی ، زبیر نے کہا یا علیؑ میں تو سمجھتا ہوں یہ عورت بے قصور ہے چلو مدینہ واپس چلیں، علیؑ نے کہا پیغمبرؐ نے تو مجھ سے فرمایا ہے کہ اس کے پاس خط موجود ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس سے خط واپس لے کر رہوں اور تم کہتے ہو کہ اس کے پاس کوئی خط ہی نہیں ؟ پھر آپ نے تلوار نیام سے نکال لی، کھینچے ہوئے اس عورت کی طرف بڑھے اور کہا سیدھی طرح سے خط دینا ہو تو دیدے ورنہ ابھی تیری تلاشی لے کر خط نکالے لیتا ہوں، اور پھر تیری گردن بھی آڑائے دیتا ہوں، اس نے کہا اگر ایسی ہی مجبوری ہے تو آخر آپ ذرا اپنا منھ میری طرف سے ہٹا لیجئے، آپ نے منھ پھیر لیا، اس نے سر کے گندھے ہوئے بال کھول کر جوڑے کے اندر سے وہ خط نکال کر پیش کردیا، آپ وہ خط لئے ہوئے خدمت پیغمبرؐ میں آئے، پیغمبرؐ نے سب کو نماز جماعت میں شرکت کا حکم دیا ، بعد نماز ہاتھوں میں وہی خط لیے ہوئے بالائے منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا تم لوگوں میں سے کسی نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا ہے جس میں ہمارے ارادوں کی مشرکوں کو خبر دی ہے، جس نے یہ خط لکھا ہے وہ کھڑا ہو کر اعتراف کرے ورنہ وحی اسے رسوا کردے گی کوئی نہیں اُٹھا آپ پھر اپنے فقرے دُہرائے، حاطب بن بلتعہ رعشہ براندام اُٹھ کھڑا ہوا، یوں کانپ رہا تھا جس طرح آندھی میں کھجور کی شاخیں ہلتی ہیں اس نے کہا یا رسول اللہ یہ خط میرا ہے، میں نے ہی یہ خط لکھا تھا، یہ میں از روئے نفاق نہیں لکھا نہ آپ کی نبوت کا یقین کرنے کے بعد میں شک میں مبتلا ہوا، آپ نے فرمایا تو ایسا کیوں کیا؟ حاطب نے عرض کی حضورؐ میرے عیال مکہ ہی میں رہ گئے ہیں وہاں نہ میرا کوئی خاندان ہے نہ قوم وقبیلہ جس کی دل کو ڈھارس ہو، میں ڈرا کہ میں ہوں مسلمان اور میرے عیال مکہ میں مشرکین کے رحم وکرم پر اس وقت تو وہ معاہدہ صلح کی وجہ سے ان سے تعرض نہیں کرتے لیکن جنگ ہوئی اور اس جنگ میں خدا نہ کردہ ان کا پلہ بھاری رہا اور انہیں فتح یابی ہوئی تو وہ جہاں مکہ کے اور مسلمانوں کو ہلاک کردیں گے وہاں میرے بال بچوں کا بھی صفایا کردیں گے مکہ میں میرے خاندان یا قبیلہ کے لوگ بھی نہیں جو آڑے آئیں گے اس لئے میں نے یہ خط انہیں لکھ بھیجا کہ وہ میرے ممنون احسان رہیں اور اس کے صلہ میں میرے عیال سے متعرض نہ ہوں ، حضرت عمر کو طیش آگیا اور پیغمبرؐ سے درخواست کی کہ اجازت دیجیے میں اس کی گردن اُڑا دوں یہ منافق ہوگیا ہے، پیغمبرؐ نے

منظور نہ فرمایا بلکہ کہا یہ بدر میں ہمارے ساتھ مشرکین سے جنگ کر چکا ہے بس صرف اسے مسجد سے نکال دو، لوگوں نے اسے دھکے دے دے کے مسجد کے باہر کر دیا اور وہ بار بار پیغمبرؐ کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتا جاتا تھا کہ پیغمبرؐ کو شاید میرے حال پر ترس آجائے آخر رحمۃ للعالمین کو رحم آ ہی گیا، حکم دیا حاطب کو میرے پاس لاؤ، وہ پاس آیا، آپ نے فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا، تمہارا جرم بھی بخشا خدا سے اپنے گناہ پر استغفار کرو اور پھر کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہو۔

پیغمبرؐ کو اس طریقۂ کار میں بڑی کامیابی ہوئی، آپ نے اپنے عزم و ارادے کو مخفی رکھ کر اور ایکا ایکی مشرکین کے سر پر پہنچ کر بغیر ایک قطرہ خون بہائے مکہ پر قبضہ کر لیا، ورنہ اگر مشرکین کو پہلے سے اطلاع ہو جاتی اور وہ بھی مقابلہ پر کمر بستہ ہو جاتے تو یہ بات نہ ہوتی۔

نیز اس عورت سے خط حاصل کرنے کے لئے آپ نے علیؑ ہی کو قابل اعتماد سمجھا اور کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کیا اور آپ ہی اس مہم میں کامیاب ہوئے اور آپ ہی کی کوششوں سے پیغمبرؐ کی تدبیروں نے عملی جامہ پہنا اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے ذرائع ہاتھ آئے۔

یہ واقعہ حدیث و تاریخ سبھی کتابوں میں موجود ہے، صحیح بخاری میں بھی متعدد مقامات پر اس کا ذکر ہے اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علیؑ کو پیغمبرؐ کی سچائی کا کس قدر یقین کامل تھا اور زبان پیغمبرؐ سے نکلے ہوئے ہر حرف کو وہ کس قدر صحیح سمجھتے تھے کہ باوجودیکہ زبیر اور دوسرے صحابی کا اصرار تھا کہ اس عورت کے پاس خط نہیں اور وہ عورت بھی انکار کر رہی تھی، تلاشی بھی پوری لی جا چکی تھی، مگر آپ کسی کو نہیں مانتے اور یہی فرماتے ہیں کہ رسولؐ خدا کی بات غلط نہیں ہو سکتی اگر اس کے پاس خط نہ ہوتا تو حضرتؐ کبھی ایسا نہ فرماتے اور آخر تلوار کھینچ کر قتل کی دھمکی دے کر خط حاصل کر ہی لیا۔

پیغمبرؐ مکہ کو روانہ ہوئے راستہ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو آپ کا چچا زاد بھائی بھی تھا، اور رضاعی بھائی بھی اور عبداللہ بن امیہ مخزومی جو آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا فرزند تھا یہ دونوں خدمت پیغمبرؐ میں آئے اور حاضری کی اجازت چاہی آپ نے ان دونوں کی طرف سے منھ پھیر لیا ان دونوں نے جناب ام سلمہ کو سفارشی بنایا انہوں نے مناسب عنوان اور خوش اسلوبی سے ان دونوں کی سفارش پیغمبرؐ سے کی کہ حضورؐ! ان میں ایک آپ کے چچا کا فرزند ہے دوسرا آپ کی پھوپھی کا، آں حضرتؐ نے فرمایا مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں چچا کے فرزند تو میری آبرو پر حرف رکھا کرتے تھے، میرا مذاق اڑایا کرتے تھے، اور پھوپھی کے صاحبزادے نے مکہ میں مجھ سے کہا تھا کہ آپ آسمان پر بھی چڑھ جائیں اور وہاں سے اپنی نبوت کا پروانہ لا اور چار ہزار ملائکہ آ کر آپ کی نبوت کی گواہی بھی دیں تو خدا کی قسم میں آپ پر ایمان نہ لاؤں گا، اصل مقصد

پیغمبرؐ کا ان دونوں کی زجر وتوبیخ ،تنبیہ وتادیب تھی ،ان کی کجی کو سیدھا کرنا تھا ورنہ پیغمبرؐ رحمۃ للعالمین تھے دو عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے جو شخص مسلمان ہو کر آپ کے ہاتھوں پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہو اس کے ساتھ آپ ایسا سخت سلوک کیسے فرما سکتے تھے؟ مگر چونکہ ان کی سرزنش مقصود تھی ،اس لئے آپ نے اولاً سختی کا مظاہرہ کیا ،جناب ام سلمہ نے کہا آپ کے چچیرے بھائی اور پھوپھی زاد بھائی آپکی نوازشوں سے اس قدر محروم نہیں ہو سکتے نہ اتنا بد بخت ،ابو سفیان نے عرض کی یا تو مجھے قدمبوسی کی اجازت دیجئے ،ورنہ یہ میرا لڑکا آپ کے حوالہ ہے کہیں دفعان ہو جاتا ہوں جہاں بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا ،پیغمبرؐ کو رحم آ گیا ،آپؐ نے ان دونوں کو اجازت باریابی دی ،دونوں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے ،اس موقع پر علیؑ کی نیک طینتی ،صلۂ رحم ،خیر خواہی دین ومذہب نے بڑا کام کیا ،آپ نے ابو سفیان کو مشورہ دیا کہ پیغمبرؐ کے چہرے کے سامنے سے آؤ اور وہی فقرہ کہتے ہوئے آؤ جو برادران یوسف نے یوسفؑ سے کہا تھا چنانچہ وہ پیغمبرؐ کے سامنے یہ کہتے ہوئے آئے تاللہ لقد أثرك الله علینا ،خدا کی قسم تمہیں خدا نے یقیناً ہم پر فضیلت دی ہے ،مجسم رحم وکرم پیغمبرؐ نے جواب میں وہی یوسفؑ کا فقرہ زبان سے ارشاد فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر الله لکم وھو أرحم الراحمین ،اب آج سے تم پر کچھ الزام نہیں خدا تمہارا گناہ معاف کرے وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ علیؑ نے ابو سفیان بن حارث کو چہرے کے سامنے سے آنے کا اس لئے حکم دیا تا کہ پیغمبرؐ اس کی ذلت وانکساری کا مشاہدہ فرمائیں اور آپ کی شفقت وعظمت اور زیادہ جوش میں آئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آں حضرتؐ روانہ ہو کر بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے دس ہزار مسلمانوں کی تعداد آپ کے ہمرکاب تھی آپ نے فتح مکہ کے دن اولاً رایت لشکر سعد بن عبادہ انصاری کو مرحمت فرما کر حکم دیا کہ ہمارے آگے آگے مکہ میں داخل ہو سعد نے کوئی ایسا جملہ کہا جس سے بوئے انتقام آتی تھی یہ شعر بھی انہوں نے پڑھا۔

الیوم یوم الملحمة الیوم تسبی الحرمة

”آن کا دن زبردست معرکہ کا دن ہے ،آج حرم کی سرزمین لوٹی جائیگی۔

عباس عم رسول کے کانوں میں بھی سعد کا یہ جملہ آ گیا بڑھ کر خدمت پیغمبرؐ میں عرض کیا کہ آج سعد کا رنگ بے ڈھب ہے یہ یقیناً قریش سے سخت انتقام لیں گے ،پیغمبرؐ نے علیؑ کو پکار کر کہا کہ جلد آگے بڑھ کر سعد سے علم لے لو اور تمہیں علم لے کر مکہ میں داخل ہو ،علیؑ نے بڑھ کر سعد سے علم لے لیا ،سعد نے کوئی عذر نہ کیا۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ)

یہی مضمون طبری میں بھی ہے مگر وہاں عباس کا نام مذکور نہیں بلکہ رجل من المھاجرین کی لفظ ہے یعنی مہاجرین میں

سے کسی نے کہا، پیغمبرؐ کا مقصد فوت ہوا جا رہا تھا، آپ کا منشا تو یہ تھا کہ خون کی ایک بوند نہ گرے اور مکہ میں اسلام کا پرچم لہرا جائے اسی لئے آپ نے فوراً سعد کو ہٹا کر علیؑ کے ہاتھوں میں علم دے دیا، پیغمبرؐ نے علیؑ کو سوا مہاجرین انصار میں افتراق وانتشار پیدا ہو جائے گا، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ انصار اپنے رئیس وسردار سعد سے علم لیے جانے پر ہرگز راضی نہ ہوں سوا اس کے کہ یا تو خود پیغمبرؐ اپنے ہاتھوں میں علم لے لیں یا کوئی ایسا شخص جو جلالت قدر، علوئے منزلت اور واجب الاطاعت ہونے میں ہو بہو پیغمبرؐ جیسا ہو جس کے حامل رایت ہونے پر سعد کو اپنی معزولی کا صدمہ نہ ہو۔ اگر علیؑ کے سوا کوئی اور مجمع اصحاب میں ہوتا تو پیغمبرؐ اسی کو حکم دیتے مگر علیؑ کو حکم دینا بتاتا ہے کہ انصار بعد پیغمبرؐ اگر کسی کو معزز ومحترم اور واجب الاطاعت سمجھتے تھے، تو بس علیؑ ہی کو سمجھتے تھے، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ علیؑ کے علاوہ پیغمبرؐ کسی اور کو علم لے لینے کا حکم دے دیدیتے اور سعد حکم پیغمبرؐ کی پابندی کرتے ہوئے علم حوالہ بھی کر دیتے تب بھی دل پر چوٹ ضرور لگتی صدمہ ضرور ہوتا کہ مجھ سے کمتر آدمی کو مجھ پر ترجیح دی گئی مگر علیؑ کے علم لینے پر ان کو یہ صدمہ بھی نہ ہوا ہوگا۔

مکہ میں داخل ہونے کے بعد پیغمبرؐ نے علیؑ کو چند شخصوں کے متعلق حکم دیا کہ جہاں بھی ملیں قتل کر دئے جائیں چاہے وہ خانۂ کعبہ کے پردے سے چمٹے ہوئے کیوں نہ ہوں کیوں کہ وہ ایسے ہی خبیث اور بدکردار تھے کہ ان کی طرف سے چشم پوشی کی ہی نہیں جاسکتی تھی بعض کے متعلق پیغمبرؐ سے امان کی التجا کی گئی، آپ نے درگذر فرمایا بعض قتل کئے گئے، انہیں میں دو گانے والی کنیزیں بھی تھیں جو پیغمبرؐ کی ہجو اور مقتولین بدر کا مرثیہ گایا کرتی تھیں ان میں سے ایک کو علیؑ نے قتل کیا جویرث بن نفیل بن کعب جو رسولؐ اللہ کو مکہ میں بڑی اذیتیں دیا کرتا تھا، علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا، دو ایک کے سوا باقی اہل مکہ کے ساتھ پیغمبرؐ نے بے نظیر وحیرت انگیز رحم وکرم کا سلوک فرمایا، سب دشمنوں کا قصور معاف کر کے خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور اس کے اندر داخل ہوئے اس میں بکثرت بُت رکھے ہوئے تھے اکثر کو آں حضرتؐ نے خود ہی توڑ ڈالا اور جو اونچے تھے ان کے توڑنے کے لئے علیؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھایا اور آپ نے سب کو توڑ کر گرا دیا، مورخین نے تصریح کی ہے کہ خانۂ کعبہ کے اندر ایک اونچی جگہ پر کئی بڑے بڑے بت رکھے ہوئے تھے جہاں ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا خاص کر سب سے بڑا بت ہبل تو نیچے سے ٹوٹ ہی نہیں سکتا تھا حضرت علیؑ نے آں حضرتؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ اپنا پاؤں میرے شانوں پر رکھ کر ان بتوں کو نیچے گرا دیں، آں حضرتؐ چڑھے تو جناب امیر کو ضعف محسوس ہوا، آں حضرتؐ فوراً اُتر آئے اور فرمایا اے علیؑ تم کو نبوت کا بار اُٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب تم اپنا پاؤں میرے شانوں پر رکھ کر بلند ہو، حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا اور بتوں کو نیچے گرا دیا، آں حضرتؐ نے پوچھا اے علیؑ تم اپنے کو اس وقت کیسا پاتے ہو؟ عرض کی ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابوں کے پردے ہٹ گئے ہیں اور میرا سر ساق عرش

تک پہنچ گیا ہے، آں حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ کیا اچھا نصیب تمہارا ہے کہ خدا کا کام کرتے ہو اور کیا اچھا نصیب میرا ہے کہ بار حق اُٹھائے ہوں، بتوں کو گرانے کے بعد علیؑ آں حضرتؐ کے کاندھوں سے کود پڑے اور تبسم فرمانے لگے، پیغمبرؐ نے پوچھا علیؑ کس بات پر خوش ہو؟ اس پر کہ اس بلندی سے کودا اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی، فرمایا زحمت کیسے ہوتی کہ محمدؐ نے تم کو اٹھایا اور جبریل نے اتارا۔ (مسند احمد جلد ا ص ۱۵۱، تفسیر نیشاپوری، تفسیر جاء الحق وزھق الباطل، روضۃ الندیہ ص ۱۰ وغیرہ) ایک شاعر نے ان اشعار میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

قیل لی قل فی علی مدحاً ذکرہ یخمد نار موصدہ

قلت لا أقدم فی مدح امرءٍ ضل ذو اللب إلی أن عبدہ

والنبی المصطفی قال لنا لیلۃ المعراج لما صعدہ

وضع اللہ یطھرہ یدہ فأحس القلب أن قد بردہ

وعلی واضع اقدامہ فی محل وضع اللہ یدہ

(لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں علیؑ کی مدح میں کچھ اشعار کہوں کیونکہ حضرت کا ذکر (جہنم کی) بند آگ تک بجھا دیتا ہے میں نے ان لوگوں کے جواب میں کہا کہ میں ایسے بزرگ کی مدح کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا جن کے فضائل کی کثرت سے بڑے صاحبان عقل تک اس قدر گمراہ ہو گئے کہ حضرت ہی کی عبادت کرنے لگے، (جیسے نصیری فرقہ وغیرہ) اور حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب معراج کی رات میں آسمان پر گیا تو خدا نے میری پشت پر اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک میرے دل نے محسوس کی اور حضرت علیؑ نے فتح مکہ میں آں حضرتؐ کی پشت مبارک پر اپنے قدم اسی جگہ رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا،

(تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۹۶، تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو سیوم ص ۶۳، روضۃ الاحباب ص ۴۳۱)

یوم غمیصاء:

مکہ سے قریب غمیصا نام کی ایک جگہ ہے جہاں بنو خذیمہ آباد تھے، فتح مکہ کے بعد پیغمبرؐ نے خالد بن ولید کو (جو مسلمان ہو چکے تھے) تبلیغ اسلام کے لئے بنو خذیمہ کی طرف روانہ کیا۔ اور عبدالرحمان بن عوف کو بھی ساتھ کر دیا، تاکید کر دی تھی کہ محض اسلام کی دعوت دینا، ان سے جنگ نہ کرنا، بنو خذیمہ پہلے ہی سے اسلام لا چکے تھے مگر پیغمبر تک ان کے اسلام کی ابھی تک خبر نہ پہنچنے پائی تھی، سوء اتفاق کہ انہیں بنی خذیمہ کے ہاتھوں کچھ دن پہلے زمانہ جاہلیت میں خالد کا چچا فاکہ بن مغیرہ اور عبدالرحم بن عوف کے باپ عوف مارے جا چکے تھے، بنو خذیمہ نے جب خالد کو جمعیت کے ساتھ آتے دیکھا تو وہ بھی سنبھل بیٹھے اور اسلحہ سے لیس ہو گئے، خالد نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ کہا ہم مسلمان ہیں، خالد نے پوچھا پھر یہ اسلحہ بندی کیسی؟ انہوں نے کہا ہم

میں تم میں پہلے کی کچھ آویزش چلی آ رہی ہے ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں تمہاری نیت کچھ خراب ہو، خالد نے اصرار کیا کہ ہتھیار اتار کر رکھ دو، بنی خذیمہ کے کسی شخص نے کہا خذیمہ والو سمجھ لو یہ خالد ہے ہتھیار رکھنے کے بعد اسیر اور اسیر کے بعد جان سے ہاتھ دھونا ہی ہے، ان لوگوں نے اسلحے دینے سے انکار کر دیا، دیر تک تکرار رہی آخر خالد نے حملہ کر کے ان کے ہتھیار چھین لیے پھر سب کی مشکیں باندھی گئیں، بہت سے لوگوں کی تہ تیغ کر ڈالا گیا، عبدالرحمن نے کہا کہ یہ تو تم نے جاہلیت والا کام کیا ہے، دونوں میں جھگڑے کی نوبت آ گئی، جب پیغمبرؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو بے حد صدمہ ہوا، آپ نے ہاتھ اٹھا کر درگاہ الٰہی میں عرض کی ''خداوندا خالد نے جو کچھ کیا ہے اس سے میں بالکل بے قصور ہوں'' پھر آپ نے علیؑ کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً بنی خذیمہ کی طرف جاؤ واقعہ کی تحقیقات کرو اور جتنی جاہلیت کے زمانے کی باتیں تمہیں نظر آئیں اپنے پیروں سے کچل دو۔ آپ رسولؐ اللہ کی طرف سے بہت سامال لے کر ان کے پاس پہنچے جو لوگ ناحق مارے گئے تھے ایک ایک کا خوں بہا ادا کیا، جو جو مال و اسباب لوٹے گئے تھے ایک ایک کر کے واپس کیا جب ہر ایک خوں بہا ایک ایک چیز کا نقصان پورا کر دیا تو آپ کے پاس کچھ مال فاضل بچ رہا، آپ نے ان لوگوں سے پوچھا، کسی کا کوئی مطالبہ اب باقی تو نہیں رہا کوئی مال و اسباب؟ یا کسی مقتول کا خوں بہا؟ لوگوں نے کہا، نہیں اب ہمارا کوئی مطالبہ باقی نہیں، آپ نے فرمایا تو میرے پاس جو مال بچ رہا ہے اسے بھی میں احتیاطاً رسولؐ اللہ کی جانب سے دیتا ہوں کہ شاید تمہارا کوئی مطالبہ باقی رہ گیا ہو جو اس وقت تمہیں یاد نہ ہو یا ہمیں کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو، آپ ان تمام امور کو باحسن وجوہ انجام دے کے خدمت پیغمبرؐ میں آئے ساری سرگذشت بیان کی، آں حضرتؐ نے فرمایا تم نے بالکل ٹھیک کیا، بہت اچھا کیا، پھر آں حضرتؐ نے قبلہ رُخ ایستادہ ہو کر دونوں ہاتھوں کو اوپر پھیلا کر تین مرتبہ فرمایا ''خداوندا خالد نے جو کچھ کیا ہے اس سے میں بالکل بے قصور ہوں (طبری جلد ۳ ص ۱۲۴، صحیح بخاری، فتح الباری شرح صحیح بخاری، طبقات ابن سعد وغیرہ)

غزوۂ حنین:

ماہ شوال ۸ھ میں مشہور غزوۂ حنین ہوا فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن، ثقیف، اہل طائف اور بنو سعد بن بکر مجتمع ہو کر آں حضرتؐ سے لڑنے کو آمادہ ہوئے، اس کی خبر آں حضرتؐ کو ہوئی تو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ ۶ شوال کو ان کے مقابلے پر نکلے راہ میں اس درخت کے پاس سے گزرے جس کو مشرکین ذات انواط کہتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے اس کو دیکھ کر صحابہ نے فرمائش کی کہ یا رسولؐ اللہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ذات انواط بنا دیجئے، آں حضرتؐ نے فرمایا سبحان اللہ ھذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلھۃ والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم، سبحان اللہ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی جیسی حضرت موسیٰؑ سے ان کی قوم نے فرمائش کی تھی اے موسیٰؑ جیسے کافروں

کے معبود ہیں ایسا ہی ایک معبود ہمارے لئے بنا دیجئے، خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ ان کفار یہود وغیرہ کا طریقہ اختیار کرو گے جو تم سے پہلے گزر چکے۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۶۵) غرض حضرت رسولؐ خدا وہاں سے روانہ ہو کر وادیٔ حنین میں داخل ہوئے اور جنگ بڑے زور سے شروع ہوگئی کفار کا ایسا مقابلہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ ایسا بد حواس بھاگے کہ کوئی شخص کسی طرف مڑتا بھی نہ تھا اکثر مورخین ومحدثین نے لکھا ہے کہ فتح مکہ اور اپنی تعداد کی کثرت سے بعض صحابہ میں غرور وتکبر بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اب ہم ہی ہم ہیں، مثلاً حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کی عظیم الشان فوج دیکھ کر کہا کہ لن نغلب الیوم آج تو ہم لوگ کسی طرح شکست نہیں کھا سکتے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۱۱ وغیرہ) ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی دشمن نکل پڑے اور مسلمانوں کو تیروں، پتھروں اور نیزوں سے بدحواس کر دیا جس سے انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی، بہت سے مسلمان مارے گئے، بکثرت زخمی ہوئے، آں حضرتؐ نے ان کو بہت پکارا اور دوسروں سے آواز دلوائی کہ اے بیعۃ الرضوان والو تم اپنے رسول کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو مگر ان لوگوں نے ایک بھی نہ سنی۔

اکثر مورخین ومحدثین کی تحقیق ہے کہ بروز حنین حضرت رسولؐ خدا کے ساتھ جو صحابہ ثابت قدم رہے وہ جناب عباس، حضرت علیؑ، فرزند حارث، عقیل بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر، زبیر بن العوام اور اسامہ بن زید ہیں۔ (کنز العمال جلد ۵ ص ۳۰۷) بعض مورخین نے ان سے بھی کم لوگوں کی تعداد لکھی ہے کہ آں حضرتؐ کے ساتھ صرف چار شخص باقی رہ گئے، تین شخص بنی ہاشم سے حضرت علیؑ، حضرت عباس اور ابوسفیان بن الحارث اور ایک شخص غیر بنی ہاشم سے یعنی عبداللہ بن مسعود (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۰۹) علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنے قصیدۂ رائیہ میں حضرت ابوبکر کی نسبت لکھا ہے۔

ولیس ینکر فی حنین فرارہ ففی أحد قد فرّ خوفاً وخیبراً

یعنی حضرت ابوبکر کا جنگ حنین سے فرار کرنا قابل انکار واقعہ ہے حضرت ممدوح تو اس سے قبل غزوۂ احد اور غزوۂ خیبر سے بھی بسبب خوف کے بھاگ گئے تھے۔

اور حضرت عمر کی یہ حالت لکھی ہے، ایک صحابی ابوقتادہ بیان کرتے تھے انھزم المسلمون وانھزمت معھم فإذا بعمر بن الخطاب فی الناس فقلت لہ ماشأن الناس قال أمر اللہ ثم تراجع الناس إلی رسول اللہ۔ غزوۂ حنین میں صحابہ بھاگ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگا، ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ بھاگنے والوں میں حضرت عمر بن الخطاب بھی ہیں میں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ (کہ بھاگ کھڑے ہوئے) حضرت عمر نے فرمایا کیا کیا جائے خدا کی مشیت یہی تھی پھر سب لوگ حضرت رسولؐ خدا کے پاس واپس آ گئے۔ (صحیح بخاری پ ۱۷ ص ۵۰ کتاب

المغازی) مگر حضرت علیؑ اور جناب رسالت مآبؐ جنگ میں اسی طرح ثابت قدم رہے یہاں تک کہ بھاگے ہوئے مسلمان پھر واپس آئے اور کافروں سے سخت جنگ ہوئی اب مسلمان کامیاب ہو گئے۔

اس لڑائی میں ستر ۷۰ رکافر اور چار مسلمان مارے گئے، بکثرت لوگوں کو صرف حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا۔(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۶۱ وغیرہ)

مولوی علی حیدر حنفی کاکوروی لکھتے ہیں "جب لڑائی شروع ہوئی تو ایک شخص قوم ہوازن کا جو سرخ اونٹ پر سوار تھا اور سیاہ نشان اس کے ہاتھ میں تھا اپنے قوم کے ساتھ لڑنے آیا تھا جس مسلمان پر وہ قابو پاتا اس کو قتل کرتا، جو ہٹ جاتے ان کا تعاقب کرتا، جناب امیرؑ نے ایک ہاتھ اس کے مارا اونٹ کے پیر قلم ہو گئے وہ نیچے گرا پھر دوسرے ہاتھ میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر ابو جرول جو نہایت مشہور پہلوان تھا مقابلہ میں آیا جناب امیرؑ نے اس کو بھی قتل کیا اس جنگ میں جناب امیرؑ کے ہاتھ سے چالیس آدمی مارے گئے۔(سیرۃ ابن ہشام مستدرک، سیرۃ علویہ ص ۱۰)

غزوئہ طائف:

حنین کی بقیہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی تیاری شروع کی تو آں حضرت نے ادھر کا عزم کیا اور وہاں پہنچ کر طائف والوں کا محاصرہ کر لیا اسی محاصرہ کے زمانے میں پیغمبرؐ نے علیؑ کو چند اصحاب کے ساتھ گردونواح میں اس غرض سے روانہ فرمایا کہ جہاں جہاں بت خانے ملیں منہدم کر ڈالیں، آپ نے وادی ثقیف وہوازن کے بتوں کو توڑ ڈالا، قبیلہ بنی ضیغم کے ایک نامور بہادر کو جس کے مقابلہ کی مسلمانوں میں کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی تہ تیغ کیا اس کامیابی کے بعد آں حضرتؐ کے پاس واپس آئے، پیغمبرؐ نے آپ کو آتے دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تنہائی میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور کسی دوسرے شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی اس رازداری کی گفتگو میں جب بہت تاخیر ہوئی تو صحابہ کہنے لگے کہ ایسے دور دراز کے راز آں حضرتؐ اپنے چچا زاد بھائی سے کہتے ہیں جو دوسروں سے نہیں کہتے، حضرتؐ نے فرمایا میں خود راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا حکم دیتا ہے تب کرتا ہوں۔

عن جابر قال دعا رسول الله عليا يوم الطائف فانتجاه فقال الناس لقد طال نجواه مع ابن عمه فقال رسول الله ما انتجيته ولكن الله انتجاه۔(جامع ترمذی ص ۴۶۱)

جناب جابر سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے بروز طائف حضرت علیؑ کو بلایا اور ان سے چپکے چپکے باتیں کیں لوگوں نے اس پر کہا کہ پیغمبرؐ اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ بڑی دیر سے سرگوشی کر رہے ہیں، آں حضرت کو لوگوں کی اس چہ میگوئی کی خبر ملی تو آپ نے

فرمایا میں نے علیؑ سے سرگوشی نہیں کی بلکہ خداوند عالم نے ان سے سرگوشی کی ہے۔

جناب ملا معین کاشفی نے لکھا ہے ''در ہنگام خلوت و مشاورت نبی با علی امیر المومنین عمر با حضرت رسول گفته که یا رسول الله با علی راز می گوئی و با وے خلوت می کنی آں سرور فرمود ما انتجیته ولکن الله انتجاه یعنی من با او راز نمی گویم بلکه خدا تعالیٰ با او راز می گوید'' جب آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ سے تخلیہ میں راز کہنا شروع کیا تو حضرت عمر نے پیغمبرؐ صاحب پر اعتراض کیا کہ آپ خلوت میں علیؑ سے راز کی باتیں کرتے ہیں؟ پیغمبرؐ نے فرمایا میں خود علی سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا کرتا ہے۔ (مدارج النبوۃ رکن ۴ ص ۳۷۷) بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت کی راز داری پر اعتراض کرنے والے حضرت عمر تھے، اور بعض میں حضرت ابوبکر کا نام بھی ہے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۹ و شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۶۴ وغیرہ) جب آں حضرتؐ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر جعرانہ میں تشریف لائے تو حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنا چاہا جو بے شمار ذخیرہ تھا مکہ کے اکثر رؤساء کو جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا آں حضرتؐ نے نہایت فیاضی سے حصہ دیا مگر اس پر انصار کو رنج ہوا، بعضوں نے کہا رسولؐ نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ (صحیح بخاری، غزوۂ طائف) بعض بولے مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت دوسروں کو ملتی ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۲۱) آں حضرتؐ نے ان کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ اسلام میں نئے نئے آئے ہیں میں نے تالیف قلب سے ان کو کچھ دیا ہے، ایک شاعر عباس بن مرداس کو حصہ میں سو سے کم اونٹ ملے وہ اس پر خفا ہو گیا اور آں حضرتؐ کی مذمت میں اشعار کہہ ڈالے، آں حضرتؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا اسے یہاں سے لے جاؤ اور اس کی زبان قطع کر دو۔ یوروپین مورخ ایرونگ نے لکھا ہے ''عمر جو ہمیشہ سختی کے کاموں کے واسطے تیار رہتے تھے وہیں اس کی زبان کاٹنے کو تیار ہو گئے لیکن جو آں حضرتؐ کا اصل مقصود سمجھتے تھے یعنی حضرت علیؑ اس شاعر کو اس جگہ لے گئے جہاں اونٹ رکھے گئے تھے اور فرمایا ان میں سے جتنے اونٹ چاہو لے لو''۔ شاعر بولا کیا حضرت نے اسی طرح میری زبان کاٹنے کا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اپنے حصے پر راضی ہوں۔'' (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۴۶۰)

ابوسفیان و معاویہ کو بھی مورخین نے انہیں مولفۃ القلوب افراد میں شمار کیا ہے **وفیها كان أعطائه للمؤلفة قلوبهم وفيهم ابو سفيان بن حرب وابنه معاوية** اسی سال ۸ھ میں رسولؐ نے ان نئے مسلمانوں کو بھی مال غنیمت وغیرہ کے حصے عطا کئے جو بتالیف قلوب مسلمان ہوئے تھے اور انہیں میں ابوسفیان اور اس کا بیٹا معاویہ بھی تھا۔ (مروج الذہب جلد ۵ ص ۸۷)

امارت یمن:

اکثر مورخین نے صراحت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے اشاعت اسلام کی غرض سے دو مرتبہ علیؑ کو یمن بھیجا ایک ۸ھ میں چنانچہ سیرۃ ابن ہشام کی لفظیں ہیں وغزوۃ علی بن ابی طالب إلی الیمن غزاھا مرتین، علامہ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں ثم سریۃ علی بن ابی طالب إلی الیمن یقال مرتین، علامہ زینی دحلان کا بھی یہی قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے علی کو تین مرتبہ یمن کی طرف بھیجا پہلے ۸ھ میں دوسرے ۸،۹ھ کے درمیان تیسرے ۱۰ھ میں، (اعیان الشیعہ جلد ۳)

پہلی مرتبہ ۸ھ میں پیغمبرؐ نے اولاً خالد بن ولید کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ یمن کی طرف دعوت اسلام کے لئے روانہ فرمایا تھا، جانے والوں میں براء بن عازب بھی تھے، خالد بن ولید ۶ مہینے تک وہاں فروکش رہے روزانہ اسلام کی طرف بنی ہمدان کو دعوت دیا کئے مگر کسی نے لبیک نہ کہی، نہ خالد کی باتوں پر توجہ دی، پیغمبر کو یہ تاخیر ناگوار گذری، آپ نے حضرت علیؑ کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً یمن کی طرف روانہ ہو جاؤ، خود پہنچ کر اس فریضہ کو انجام دو اور خالد اور ان کے ہمراہیوں کو مدینہ واپس کر دو وہاں اگر کوئی تمہارے ساتھ رہنا چاہے تو بخوشی رہ سکتا ہے براء کا بیان ہے کہ میں نے بھی واپسی کا ارادہ ترک کر کے حضرت علیؑ کی معیت کو ترجیح دی جب ہم لوگ حضرت علیؑ کے ساتھ اہل یمن کی ابتدائی آبادی کے پاس پہنچے اور یمن والوں کو خبر پہنچی تو وہ سب کیل کانٹے سے لیس ہو کر ایک نقطہ پر سمٹ آئے، حضرت علیؑ نے پہلے ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی پھر ہم سے آگے بڑھ کر آپ نے تقریر شروع کی حمد وثنائے الٰہی کے بعد پیغمبرؐ کا وہ خط جو آں حضرتؐ نے اہل یمن کو لکھا تھا پڑھ کر سنایا، علیؑ کی تقریر اور پیغمبرؐ کے خط کا یہ اثر ہوا کہ اسی وقت ایک دن کے اندر پورا قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا، حضرت علیؑ نے یہ خوشخبری خدمت پیغمبرؐ میں لکھ بھیجی، جب آں حضرتؐ نے علیؑ کا نوشتہ پڑھا تو خوشی سے باغ باغ ہو گئے، بے حد مسرت ہوئی اور آپ سجدۂ شکر میں گر پڑے، سجدے سے سر اٹھا کر آپ بیٹھے اور فرمایا ہمدان پر میرا اسلام ہو پھر فرمایا باشندگان یمن پر میرا اسلام ہو (طبری جلد ۳ ص ۱۵۹، استیعاب جلد ۲ ص ۴۸۱، صحیح بخاری، سیرۃ حلبیہ، سیرۃ محمدیہ وغیرہ) علامہ ابن طبری لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے تین مرتبہ فرمایا السلام علی ھمدان ہمدان پر میرا اسلام ہو، اسی دن سے علیؑ کی محبت قبیلہ ہمدان کے دلوں میں متمکن ہو گئی اور پورا قبیلہ آپ کا شیدائی ہو گیا، خود حضرت علیؑ نے بارہا اپنی زندگی میں جذبۂ ممنونیت کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ جنگ صفین کے موقع پر آپ کا یہ شعر مشہور ہے۔

ولو کنت بوابأ علی باب جنة   لقلت لھمدان ادخلوا بسلام

(اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوتا تو میں ہمدان والوں سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ داخل جنت ہو۔

اس موقع پر مورخین کو غلط فہمی ہوگئی وہ ان واقعات کو جو آپ کے ۸ھ میں یمن جانے پر پیش آئے تھے ۱۰ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھ گئے اور ۱۰ھ کے واقعات کو ۸ھ کے واقعات کے سلسلے میں چنانچہ علامہ زینی دحلان لکھتے ہیں ''بعض روایت (بخاری) میں ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو ماہ مبارک ۱۰ھ میں یمن کی طرف بھیجا اور آپ کی وجہ سے پورا قبیلہ مسلمان ہوا ہمدان ایک دن میں سلمان ہو گیا، علیؑ نے اس واقعہ کی پیغمبر کو خبر لکھ بھیجی پیغمبرؐ نے سجدہ شکر فرمایا اور سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا السلام علی همدان'' اس روایت میں ۱۰ھ کی صراحت راوی کا وہم ہے اس لئے کہ حضرت علیؑ ہمدان کی طرف ۱۰ھ میں نہیں بھیجے گئے تھے ۱۰ھ میں تو آپ بنی مذحج کی طرف بھیجے گئے تھے کہ وہ بھی یمن میں آباد ہیں ہمدان کی طرف آپ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں بھیجے گئے اس بنا پر آپ کا یمن کی طرف دو مرتبہ جانا ہوا۔'' (سیرۃ محمدیہ علامہ زینی دحلان)

دوسری مرتبہ آپ ۸، ۹ھ کے درمیان یمن کی طرف تشریف لے گئے، خود حضرت علیؑ سے روایت ہے قال بعثنی النبی الی الیمن فقلت یا رسول الله تبعثنی إلی القوم اسن منی وأنا حدیث السن لا أبصر القضاء فوضع یده علی صدره فقال اللهم ثبت لسانه واهد قلبه وقال یا علی اذا جلس إلیك الخصمان فلا تقض بینهما حتی تسمع من الآخر فإنك اذا فعلت ذالك تبین لك القضاء قال علی والله ماشککت فی قضاء بین إثنین، مجھے پیغمبرؐ نے یمن کی طرف روانہ کیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ایسے لوگوں کی طرف مجھے بھیج رہے ہیں جو مجھ سے سن میں کافی بڑے ہیں اور میں ان سے عمر میں بہت چھوٹا ہوں فیصلہ مقدمات کا پورا تجربہ بھی نہیں، یہ سن کر پیغمبرؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا خداوندا علیؑ کی زبان کو استواری مرحمت فرما اور ان کے دل کی ہدایت کر پھر فرمایا اے علیؑ جب دو فریق اپنا مقدمہ لے کر تمہارے پاس آئیں تو جب تک دونوں کا بیان نہ سن لو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا، جب دونوں کے بیان سن لو گے تو تم پر صحیح فیصلہ خود بخود واضح ہو جائے گا، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم پیغمبرؐ کی اس دعا کے بعد پھر دو شخصوں کے باہمی نزاع کا فیصلہ کرنے میں کبھی میں متردد نہ ہوا،

(سنن ابن ماجہ ص ۱۶۸، خصائص نسائی ص ۸، مسند امام احمد جلد ۱ ص ۸۳، ص ۸۸، ۱۳۶، سیرۃ محمدیہ زینی دحلان وغیرہ)

اس حدیث سے وضاحت ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ نے آپ کو یمن کی طرف دوبارہ جو بھیجا تو وہ خاص کر فیصلۂ مقدمات کے لئے بھیجا نہ کہ جنگ کرنے اور ملک فتح کرنے کے لئے، ورنہ علیؑ کے یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ آپؐ ایسی قوم کی طرف مجھے بھیج رہے ہیں جو مجھ سے سن میں بڑے ہیں اور مجھے فیصلۂ مقدمات کا پورا تجربہ نہیں نہ پیغمبر آپؐ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرماتے۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ذرا اور واضح کر کے لکھا ہے ''جب حضرت رسالت مآبؐ نے یمن والوں کے مقدمات کے فیصلہ پر مامور فرما کر روانہ کیا تا کہ یمن والوں کو احکام اسلامیہ کی تعلیم دیں، انہیں بتائیں کہ حلال کیا ہے حرام کیا ہے؟ اور ان

کے درمیان احکام قرآنی کی رو سے فیصلہ مقدمات سے فرمائیں تو حضرت علیؑ نے عرض کی یارسول اللہ آپ مجھے فیصلۂ مقدمات کے لئے بھیج رہے ہیں میرا کوئی سن زیادہ نہیں، فیصلہ مقدمات کا پوری طرح تجربہ بھی نہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا اچھا قریب آؤ، آپ قریب گئے، پیغمبرؐ نے اپنا ہاتھ علیؑ کے سینے پر رکھا اور فرمایا خداوندا علیؑ کے دل کو ہدایت دے اور زبان کو استواری مرحمت فرما، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر کبھی دو شخصوں کے مقدمے کا فیصلہ کرنے میں تردد نہیں ہوا'' چنانچہ جب آپ یمن پہنچ کر فروکش ہو گئے اور پیغمبرؐ نے جس خدمت کے لئے بھیجا تھا اسے انجام دینے لگے تو دو شخص آپ کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئے'' الیٰ آخر کلامہ۔

ان سب روایات کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ تین مرتبہ یمن بھیجے گئے پہلی مرتبہ فتح خیبر کے بعد ۸ھ میں بنی ہمدان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے دوسری مرتبہ ۸،۹ھ کے درمیان ان کے مقدمات کے فیصلہ کے لئے تیسری مرتبہ ۱۰ھ میں بنی مذحج سے (کہ وہ بھی یمن ہی میں رہتے تھے) جنگ کرنے اور ان کے علاقہ کو فتح کرنے لئے اسی سے فارغ ہو کر آپ حجۃ الوداع میں پیغمبرؐ کے شریک ہوئے یمن کے بہت سے مقدمات کے فیصلے تاریخ وحدیث میں ملتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ وہاں کافی دن تک رہے۔

چند مقدمات کے فیصلے، چند مشکل مسائل کا حل:

حضرت علیؑ نے عہد پیغمبرؐ میں خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں اور اپنے عہد خلافت میں بے شمار مقدمات کے جچے تلے فیصلے فرمائے، بہت سے مشکل مسائل جن کے حل کرنے میں عقلائے زمانہ عاجز تھے بڑی خوش اسلوبی سے حل کئے، بہت سی کتابیں خاص کر آپ فیصلوں، مشکل مسائل کے جوابوں کے متعلق علمائے کرام نے تحریر کی ہیں ہم بھی انشاء اللہ نفس رسولؐ کی ایک مستقل جلد اس کی نذر کریں گے اس وقت مناسبت مقام سے ہم صرف دو ایک ایسے مقدمات کا ذکر کرتے ہیں جو یمن کے قیام میں آپ کی خدمت میں فیصلہ کے لئے پیش کئے گئے۔

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ جب یمن میں تھے تو آپ کے پاس تین شخص لائے گئے جو ایک لڑکے کے متعلق باہم متخاصم تھے انہوں نے ایک ہی طہر میں ایک عورت سے مباشرت کی تھی اور اس سے لڑکا پیدا ہوا تھا، آپ نے دونوں شخصوں سے پوچھا تم دونوں اقرار کرتے ہو کہ یہ لڑکا اس تیسرے شخص کا ہے، ان دونوں نے کہا نہیں، پھر آپ نے دوسرے دو آدمیوں سے پوچھا، آپ جب کسی دو سے دریافت کرتے کہ تمہیں اقرار ہے کہ یہ لڑکا اس تیسرے کا ہے تو وہ دونوں انکار کرتے، آخر آپ نے قرعہ ڈالا جس کے نام کا قرعہ نکلا لڑکا اس کے حوالہ کیا اور اس شخص کو حکم دیا کہ وہ تہائی دیت باقی دو مدعیوں

کو ادا کرے آپ کا یہ فیصلہ پیغمبرؐ کو سنایا گیا تو آپ فرطِ مسرت سے کِھل کھلا کر ہنس پڑے۔

(سنن ابی داؤد جلد ا ص ۲۰۴، سنن نسائی جلد ۲ ص ۱۱۰، مستدرک جلد ۲ ص ۲۰۷)

حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا وہاں آپ جب پہنچے تو یہ واقعہ گزرا کہ چار شخص ایک گڑھے میں گر کر ہلاک ہو گئے، وہ گڑھا شیر کا شکار کرنے کے لئے کھودا گیا تھا، پہلے ایک گرا وہ جب گرنے لگا تو اپنے بعد والے کو پکڑا اور بعد والے نے اپنے بعد والے کو پکڑا اسی طرح چار شخص گڑھے میں جاتے رہے شیر نے انہیں زخمی کر دیا اور وہ سب کے سب زخموں سے مر گئے، ان چاروں شخص کے عزیزوں میں فساد برپا ہو گیا، قریب تھا کہ کشت وخون کی نوبت آ جائے، حضرت علیؑ نے فرمایا میں تمہارے اس معاملہ کا فیصلہ کرتا ہوں اگر تم لوگ میرا یہ فیصلہ پسند کرو گے تو وہ نافذ رہے گا، جن لوگوں نے شکار کے یہ گڑھا کھودا تھا ان سے ایک چوتھائی دیت، ایک تہائی دیت، ایک نصف دیت اور ایک مکمل دیت وصول کرو، سب سے پہلے جو گرا تھا اس کے ورثہ کو چوتھائی دیت دو کیونکہ وہ اپنے بعد والے کی ہلاکت کا موجب ہوا اگر وہ نہ پکڑتا تو یہ اس کے ساتھ گڑھے میں نہ جاتا اور اس کے بعد والے کو تہائی دیت دو اس لئے کہ یہ بھی اپنے بعد والے کی ہلاکت کا سبب بنا تیسرے کو آدھی دیت دو کہ یہ بھی اپنے عبد والے کی ہلاکت کا باعث ہوا تھا، اور چوتھے کو پوری دیت دو کیونکہ اس نے کسی کو نہیں پکڑا اور نہ کسی کو ساتھ لیے گرا، لوگوں نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کیا وہ پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچے، واقعہ کو بیان کیا پیغمبرؐ نے فرمایا میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں آپ مستعد ہو کر بیٹھے کہ ایک شخص نے بتایا کہ حضور علیؑ اس مقدمہ کا ایسا ایسا فیصلہ کر چکے ہیں جب پورا واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے علیؑ ہی کا فیصلہ نافذ قرار دیا اور فرمایا کہ خدا کا شکر جس نے ہم اہلبیت میں حکمت ودیعت فرمائی، (ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۹۹، ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۶۹)

اسی طرح آپ کی خدمت میں ایک اور مقدمہ پیش کیا گیا، تین کنیزیں تھی آپس میں چُہلیں کر رہی تھیں ایک نے دوسرے کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیا تیسری نے اٹھانے والی کو گدگدانا شروع کیا جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ ڈھیلے ہو گئے اور جو کنیز اس کی پیٹھ پر لدی تھی وہ سر کے بل زمین پر آ رہی گردن ٹوٹ گئی اور وہ اسی وقت مر گئی، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ جس نے اپنے کاندھے پر اٹھایا تھا ایک تہائی دیت وہ ادا کرے اور جس نے گدگدایا تھا ایک تہائی وہ دے، باقی ایک تہائی دیت آپ نے ساقط قرار دی کیونکہ جس کی گردن ٹوٹی تھی وہ بھی کھیل میں شریک تھی، اور کھیل ہی سے وہ اس کے کاندھے پر چڑھی تھی، اس فیصلہ کی بھی پیغمبرؐ کو اطلاع پہنچی اور آپ نے پسند فرمایا اور تصدیق کی کہ یہی صحیح فیصلہ ہے۔

۹ھ

سریہ ذات السلاسل:

آں حضرتؐ کو خبر ملی کہ وادی الرمل میں کچھ لوگ اکٹھے ہوئے ہیں تا کہ مدینہ پر حملہ کریں آں حضرت نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر ایک لشکر روانہ کر دیا، حضرت ابوبکر نے وہاں جا کر ان پر قبضہ کرنا چاہا مگر مخالفین دفعتہً باہر نکل پڑے اور اس زور کی جنگ شروع کر دی کہ حضرت ابوبکر کو سخت شکست ہوئی، بہت سے مسلمان مارے گئے اور باقی مدینہ بھاگ آئے، تب حضرت عمر کو علم دے کر اور فوج کا سردار بنا کر بھیجا، جب ممدوح اس وادی کے قریب پہنچے تو دشمنوں نے کمیں گاہ سے نکل کر مسلمانوں پر زور کا حملہ کیا اہل اسلام کی طرح مقابلہ نہ کر سکے اور پھر سب کے سب شکست کھا کر مدینہ واپس آئے اس کے بعد عمرو عاص نے خواہش کی کہ حضور مجھ کو حکم ہو جا کر ان کا کام تمام کر دوں آں حضرت راضی ہو گئے اور مسلمانوں کو ان کے ماتحت کر کے پھر وادی الرمل کی طرف روانہ کر دیا یہ سب گئے لڑائی ہوئی مگر حضرت اول و دوم کی طرح یہ بھی شکست کھا کر واپس آئے، اس دفعہ بھی کئی مسلمان مارے گئے جب اس طرح کئی روز تک مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی اہل اسلام کا معاملہ نازک اا اور دشمنوں کا دل قوی ہو گیا تو حضرت رسولؐ کو تردد ہوا آخر حضرت نے جناب امیر کو عنایت فرما کر اور مسلمانوں کو آپ ساتھ روانہ کیا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر حضرت کے لئے دعا کی اور مسجد احزاب تک رخصت کرنے کو تشریف لے گئے اس دفعہ حضرت ابوبکر، عمر، عمرو عاص بھی جناب امیر کے ماتحت بھیجے گئے اور ان سب کو حکم دیا گیا کہ سب علیؑ کی اطاعت کریں حضرت علیؑ نئی راہ سے روانہ ہوئے اور جب وادی رمل قریب ہوا اس طرف مڑ گئے آپ نے کمال احتیاط برتی کہ دشمن کسی طرح قابو سے باہر نہ ہو جائے رات بھر چلتے اور صبح ہوتے ہی کسی مقام پر آرام کے لئے ٹھہر جاتے، جب دشمنوں کے قریب پہنچ گئے تو حکم دیا کہ فوج آہستہ آہستہ چلے اور خود آگے بڑھے ان تدبیروں سے عمرو عاص کو اندازہ مل گیا کہ اس دفعہ ضرور مسلمانوں کی فتح ہو جائے گی، اور حضرت علیؑ کامیاب واپس ہوں گے جس سے ان لوگوں کی ذلت ہوگی اس وجہ سے حضرت ابوبکر و عمر کو بہکانے لگے کہ اس راہ میں بڑے خطرے ہیں بہتر ہے کہ ہم لوگ وادی کے اوپر سے دشمنوں پر رات کے وقت حملہ کر دیں۔ یہ جادو حضرت ابوبکر و عمر پر چل گیا دونوں صاحبوں نے کہا ہاں تمہاری رائے درست ہے پھر دونوں نے حضرت علیؑ سے یہ تجویز پیش کر کے کہا کہ اس کے مطابق جنگ کی جائے مگر حضرت علیؑ یہ چالا کی سمجھ گئے اور انکار کر دیا۔ تب عمرو عاص نے فوج کو بھڑکانا چاہا اور کہا تم لوگ کیوں اپنی جان ہلاکت میں ڈالو وادی کے اوپر سے چلو کہ وہ محفوظ راہ ہے مگر لشکر نے جواب دیا کہ حضرت رسولؐ نے ہم کو حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس کے خلاف کیوں کر کریں غرض علیؑ اسی راہ پر چلتے ہوئے صبح ہوتے دشمنوں کے سر پر پہنچ

گئے اوران کو ہرطرح زیر کردیا سب بھاگ گئے اور حضرت علیؑ فتح کی خوشخبری لے کر واپس ہوئے، جب آں حضرت کو آپ کے تشریف لانے کی خبر ملی تو استقبال کے لئے بڑھے، جب علیؑ نے پیغمبرؐ کو آتے دیکھا تو سواری سے اتر پڑے مگر آں حضرت نے فرمایا اے علی سوار ہو کہ خدا اور رسول تم سے راضی ہیں، اس پر علیؑ فرط مسرت سے رونے لگے۔ (حبیب السیر ومدارج النبوۃ وغیرہ) پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا اے علیؑ اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ ہماری امت کے لوگ تمہارے متعلق بھی وہی باتیں کہنے لگیں گے جو نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے متعلق کہنے لگے تو میں آج کے دن تمہارے متعلق وہ باتیں بیان کرتا کہ تمہارا گزر جس طرف سے ہوتا لوگ تمہاری خاک قدم اٹھا کر آنکھوں سے لگاتے۔

بت خانوں کا انہدام:

تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بت خانے تھے فتح مکہ کے بعد عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کرلیا تو بتوں کی عظمت وجباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعتہ نہ مٹ سکا، اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے تاہم ان کے دلوں پر اصنام کی وراثت ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس سے یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیوں کے مرکز خود اپنے ہاتھوں سے مٹادیں، جاہلوں کو یقین تھا ان مقدس پتھروں کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا زمین پھٹ جائے گی مصائب اور بلاؤں کا ایک طوفان برپا ہوجائے گا۔ اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے اور جب آں حضرتؐ نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے توڑیں گے، بعض اور نامسلم قبائل بھی ادائے فرض میں جھکتے تھے، اس بنا پر ان مقامات میں چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ ان کی طرف سے اس فرض کو انجام دیں چنانچہ سریہ خالد بن ولید بت خانہ عزیٰ سریہ عمرو بن عاص بت خانہ سواع سعد بن زید اشہلی بت خانہ منات سریہ ابوسفیان ومغیرہ بن شعبہ بت خانہ جریر بت خانہ ذی الخلصہ (صحیح بخاری غزوہ ذی الخلصہ) سریہ طفیل بن عمر دوسی بت خانہ ذی الکفلین اور سریہ علیؑ بن ابی طالب بت خانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے اس باب میں تمام تر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہیں۔" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۴۴۰)

فُلس یا فِلس قبیلہ طے کا بت خانہ تھا، پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو ۱۵۰ انصار کے ساتھ اس کے انہدام کے لئے روانہ کیا تھا آپ اپنی جمعیت کو ساتھ لے کر علی الصباح محلہ آل حاتم پر حملہ آور ہوئے، بت خانہ کو شکست وریخت کر کے زمین کے برابر کردیا، مال غنیمت میں بہت سی لونڈیاں، غلام، اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں قیدیوں میں حاتم کی بیٹی عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بھی تھی، اس کے علاوہ تین زِرہیں اور تین تلواریں بھی ملیں ان میں سے دو تلواریں مخذوم اور رسوب حارث بن ابی شمر غسانی کی مشہور

تلواریں تھیں جو اس نے بت خانہ فلس کو نذر کی تھیں یہ حارث عیسائی تھا اور قبیلہ طے والے بھی عیسائی مذہب رکھتے تھے ہم مذہب ہونے کی بناء پر ہی حارث نے قبیلۂ طے کے بت خانہ کو تلوار نذر کی تھی عدی بھاگ کر شام کے نصرانیوں کے پاس چلا گیا کیونکہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے پناہ ملنے کی امید ہوسکتی تھی، مال غنیمت میں جتنی چیزیں ہاتھ آئیں مسلمانوں نے وہیں تقسیم کرلیں صرف حاتم کے گھر والے پیغمبرؐ کی خدمت میں بحفاظت تمام پہنچادئے گئے حاتم کی عزت ووجاہت اور شہرۂ آفاق مکارم کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ اس کی اولاد کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جائے۔

سفانہ دختر حاتم:

سفانہ فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی موتی کے ہیں اولاد اکثر اپنے باپ کے کمالات کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے حاتم کے جودوکرم شرافت، وعزت کا عالم میں شہرہ تھا، سفانہ اسی حاتم کی بیٹی تھی اور باپ کی خوبیوں کی تصویر، حضرت امیرالمومنینؑ نے اس کے ساتھ انتہائی رحمدلی کا سلوک اور شریفانہ برتاؤ کیا، مدینہ پہنچ کر سفانہ کو تعلیم دی کہ پیغمبرؐ سے اپنے متعلق خود درخواست کرو، سفانہ نے خدمت پیغمبرؐ میں اپنی درخواست پیش کی، پیغمبرؐ نے بھی عزت واحترام کا سلوک فرمایا۔

جس بہترین اسلوب اور فصیح وبلیغ پیرایہ میں اس نے پیغمبرؐ کی خدمت میں اپنی معافی کی درخوست پیش کی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے اسے دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر زیرک ودانا اور شریف النفس خاتون تھی۔

علامہ ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں ''قبیلہ طے کے قیدیوں کے ہمراہ دختر حاتم طائی بھی خدمت پیغمبرؐ میں پیش کی گئی، پیغمبرؐ کو خبر مل چکی تھی کہ عدی بن حاتم شام کی طرف بھاگ گیا ہے اس کی بہن سفانہ دروازۂ مسجد سے متصل ایک حطیرہ میں جس میں لونڈیاں رکھی جاتی تھیں ٹھہرائی گئی پیغمبرؐ کا اس طرف سے گزر ہوا، دختر حاتم جو صاحب عزووقار اور عقل وخرد والی عورت تھی اس نے عرض کی یا رسول اللہ هلك الوالد وغاب الوافد فامن علی من الله علیك یا رسول اللہ باپ میرا مرچکا ہے اور وفد غائب ہے مجھ پر کرم فرمایئے خدا بھی آپ پر کرم فرمائے گا، آپ نے پوچھا تیرا وافد کون ہے عرض کیا بھائی میرا عدی بن حاتم، آپ نے فرمایا وہی عدی جو خدا اور اس کے رسول سے بھاگا پھر رہا ہے،'' سفانہ کہتی ہیں کہ پیغمبرؐ یہ جملہ فرماکر آگے بڑھ گئے دوسرے دن پھر آپ کا گزر ہوا میں نے وہی بات دھرائی اور آپ نے وہی پہلا جواب دیا، تیسرے دن جبکہ میری مایوسی انتہا پر پہنچ گئی تھی آپ پھر گزرے اب کی مرتبہ ایک نوجوان بھی آپ کے پیچھے پیچھے تھا اس نے مجھے اشارہ کیا کہ پیغمبرؐ سے پھر گفتگو کرو، میں اٹھ کھڑی ہوئی اور وہی التجا اس مرتبہ بھی کی، پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا تم جلدی نہ کرو اس وقت تک صبر سے کام لو جب تک تمہارے قوم وقبیلہ کا کوئی شخص مل جائے جس پر تمہیں بھروسہ بھی ہو اور وہ تمہیں بہ

حفاظت تمہارے وطن تک پہنچادے ایسا آدمی کوئی ملے تو مجھے خبر کرنا، میں نے بعد میں لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کس نے مجھے پیغمبرؐ سے بات کرنے کے لئے اشارہ کیا تھا لوگوں نے بتایا کہ وہ علیؑ ابن ابی طالب تھے پیغمبرؐ کی ہدایت کے بموجب میں کچھ دن اور ٹھہری رہی یہاں تک کہ خبر ملی کہ قبیلہ طے کے کچھ لوگ مدینہ آئے ہیں؟ میں چاہتی تھی کہ جلد سے جلد اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤں۔ میں نے پیغمبرؐ کی خدمت میں اطلاع کی کہ چند بھروسے کے لوگ میرے وطن کے آگئے ہیں، پیغمبرؐ نے مجھے حلّے مرحمت فرمائے سواری مہیا کی اور سفر کے لئے زادراہ ساتھ کردیا اور میں ان لوگوں کے ساتھ چل کر اپنے بھائی کے پاس آگئی وہ ان دونوں دومۃ الجندل میں مقیم تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

سیرۃ حلبیہ میں سفانہ کی گفتگو پیغمبرؐ کے ساتھ ذرا تفصیل سے مذکور ہے سفانہ نے پیغمبرؐ سے عرض کیا:

یا محمد إن رأيت أن تخلي عنا ولا تشمت بنا أحياء العرب فإني إبنة سيد قومي وأن أبي كان يحمي الذمار ويفك العاني ويشبع الجائع ويكسو العاري ويقرء الضيف ويطعم الطعام ويفشي السلام ولم يرد طالب حاجة قط أنا ابن حاتم طي فقال لها جارية هذه صفة المؤمن حقاً لو كان أبوك مسلماً لترحمنا عليه خلو عنها فإن أباها كان يحب مكارم الأخلاق۔

اے محمدؐ اگر مناسب سمجھئے تو مجھے رہائی عنایت کیجئے اور مجھے اس حال میں رکھ کر عرب کے لوگوں کو شماتت کا موقع نہ دیجئے کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی دختر ہوں میرا باپ دادخواہوں کی حمایت کرتا، قیدیوں کو رہا کرتا، بھوکے کو کھانا کھلاتا، ننگے کو کپڑا پہناتا، مہمان کی ضیافت کرتا اور لوگوں کو شکم سیر کیا کرتا تھا، کبھی کسی حاجتمند کو بغیر اس کی حاجت پوری کیے واپس نہیں کیا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ پیغمبرؐ نے اس کی سُن کر ارشاد فرمایا یہ تو سچے مومن کی ساری علامتیں ہیں اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو میں اس کے لئے دعائے رحمت کرتا اسے چھوڑ دیا جائے کہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو دوست رکھتا تھا۔

اسی سیرۃ حلبیہ میں سفانہ و پیغمبرؐ کی گفتگو کے متعلق قدرے فرق کے ساتھ دوسری روایت بھی ہے سفانہ نے پیغمبرؐ سے عرض کیا تھا۔

یا محمد إن رأيت أن تمن علي ولا تفضحني في قوم فإني بنت سيدهم إن أبي كان يطعم الطعام يحفظ الجوار ويرعى الذمار ويفك العاني ويشبع الجائع ويكسو العريان ولم يرد طالب حاجة قط أنا بنت حاتم الطائي فقال لها هذه مكارم الأخلاق حقاً وإن الله يحب مكارم الأخلاق۔

اے محمدؐ اگر آپ مناسب سمجھئے تو مجھ پر احسان فرمایئے اور میری قوم میں مجھے رسوا نہ کیجئے میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں ، میرا باپ لوگوں کو کھانا کھلاتا ہمسایہ کے حقوق کا خیال رکھتا بیکسوں کی فریادرسی کرتا، قیدیوں کو رہا کرتا، بھوکے کو کھانا کھلاتا، ننگے کو کپڑا پہناتا اور کبھی کسی ضرورتمند کو ناکام نہیں پلٹاتا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا یہی باتیں تو حقیقت میں مکارم اخلاق ہیں اور خدا

مکارم اخلاق کو محبوب رکھتا ہے۔

چونکہ سفانہ نے تین مرتبہ پیغمبرؐ کی خدمت میں درخواست کی تھی اس لئے ممکن ہے کہ تینوں روایتیں صحیح ہوں۔

یہ سفانہ تھوڑے دنوں بعد مشرف بہ اسلام ہوئی دومۃ الجندل میں اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچ کر انہیں بھی اسلام کی طرف مائل کیا، اسی کی تحریک پر عدی مدینہ میں پہنچ کر پیغمبرؐ کے ہاتھوں پر اسلام لائے۔ یہ عدی حضرت علیؑ کے مخصوص صحابیوں میں سے تھے اور آپ کے ساتھ ہر معرکہ میں شریک رہے انشاء اللہ ان کے حالات ہم اصحاب امیر المومنینؑ کی جلد میں درج کریں گے۔

غزوئہ تبوک:

مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ میں مدینہ سے ۴ منزل پر ایک مقام تبوک ہے پیغمبرؐ کو خبر ملی کہ شاہ روم نے شام میں ایک بڑا لشکر جنگ کے لئے تیار کیا ہے، عرب کے قبائل بھی اس کے پاس سمٹ آئے ہیں اور انہوں نے اپنی فوج کا ایک حصہ آگے روانہ بھی کر دیا ہے پیغمبرؐ نے ان کی مدافعت کے لئے فوج کو تیاری کا حکم دیا، گرمی کا زمانہ تھا، قحط کی مصیبت بھی تھی اس پر طرہ یہ کہ منافقین طرح طرح کی افواہوں سے مسلمانوں میں دہشت و سراسیمگی پھیلائے ہوئے تھے ایک دوسرے سے کہتے پھرتے کہ روم والوں سے جنگ آسان نہیں نہ وہاں اس طرح لڑائی ہوگی جس طرح عرب والے باہم لڑتے ہیں ان بدشگونیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے بہت جی چھوٹے ہوئے تھے، بہت سے لوگوں نے جان چرائی کچھ آمادۂ سفر ہوئے بھی تو بڑی کاہلی سے منافقین کی یہ حرکتیں پیغمبرؐ کی نگاہوں سے مخفی نہ تھیں ان کے باہمی چرچے آپس کی سرگوشیاں باطنی خباثتوں کا پتہ دیتی تھیں پیغمبر جس غزوہ میں تشریف لے گئے علیؑ ساتھ ساتھ رہے ہر جنگ میں لشکر کا علم انہیں کے ہاتھوں میں رہا اور کامرانی و فتحیابی انہیں کے ہاتھوں پر ہوئی مگر یہ موقع نازک تھا دور و دراز کا سفر جنگ کے طول کھینچنے کا امکان ساتھ ہی ساتھ یہ احتمال بھی کہ ممکن ہے مسلمانوں کی جمعیت روم والوں کی تاب مقاومت نہ لا سکے اور یہاں مدینہ کے منافقین اور مکہ کے لوگ جو کل تک ہمارے خون کے پیاسے تھے اور آج بھی موقع کے منتظر ہیں اُٹھ کھڑے ہوں اور مدینہ میں اسلام کا تختہ اُلٹ دیں اور اس طرح ہم دو طرف سے دشمنوں کے حلقے میں آجائیں اس لئے ضرورت تھی کہ مدینہ کی دیکھ بھال کے لئے یا خود پیغمبرؐ مقیم رہیں یا اسے اپنا قائم مقام کر جائیں جو آپ ہی جیسا ہو اور انتظام رعایا میں انہیں صلاحیتوں کا مالک ہو جن صلاحیتوں کے پیغمبرؐ حامل تھے اسی لئے پیغمبرؐ نے اس غزوہ میں روانگی کے وقت علیؑ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا (۱) اور ارشاد فرمایا یا علی إن المدینۃ لا تصلح إلا بی أو بك، (مستدرک امام حاکم)

(۱) یہاں چند امور کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے (۱) علامہ طبری اپنی تاریخ میں ابن اسحاق سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوتے وقت اپنے گھر والوں میں علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر حکم دیا کہ تم یہیں ٹھہرے رہو اور میرے اور اپنے گھر کے لوگوں کے نگراں رہو اور مدینہ کے لئے اپنا قائم مقام سباع ابن عرفطہ غفاری کو بنایا، علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

کہ مدینہ کے لئے محمد بن مسلمہ کو اپنا قائم مقام بنایا، سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ مدینہ کے لئے اپنا قائم مقام ابن مکتوم نابینا صحابی کو مقرر کیا علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں إلا ثبت أنه علی ابن ابی طالب، صحیح و ثابت تر یہ ہے کہ مدینہ کے لئے بھی علیؑ ہی پیغمبرؐ کے قائم مقام تھے یہی قرین عقل بھی ہے مدینہ میں آپ کے موجود رہنے پر کسی اور کی ضرورت بھی کیا تھی علیؑ کا تدبر اور انتظامی صلاحیت پیغمبرؐ کی صلاحیتوں کا نمونہ تھی اس موقع پر پیغمبرؐ نے جو حدیث ارشاد فرمائی اس کی لفظیں بھی بتاتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے پورے مدینہ پر علیؑ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے یہ حدیث یوں لکھی ہے فقال له أما ترضی أن تکون منی بمنزلة هارون من موسی إلا أنه لیس نبی بعدی لا ینبغی أن أذهب إلا و أنت خلیفتی، کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جو مرتبہ جناب ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا حاصل تھا وہی درجہ تم کو بھی مجھ سے نہ ہو۔(ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۶۱) علامہ سبط ابن الجوزی تحریر کرتے ہیں فقال ألا ترضی أن تکون منی بمنزلة هارون من موسی إلا النبوة و أنت خلیفتی، اے علی تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا سوا اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے۔(تذکرہ خواص الامہ ص ۱۲) علامہ متقی لکھتے ہیں خلفتك لتكون خلیفتی، میں تم کو اس لئے چھوڑے جاتا ہوں کہ تم میرے خلیفہ رہو۔(کنز العمال جلد ۲ ص ۴۰۴) ان تمام عبارتوں کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ آں حضرتؐ نے علیؑ کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ مقرر کیا تھا خود حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ سے پوچھا: کیا آپ مجھ کو لڑکوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اگر آں حضرتؐ نے آپ کو اپنے اہل و عیال کے لئے خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو حضرت ضرور جواب دیتے کہ ہاں میں تم کو ان ہی لوگوں کی نگرانی کے لئے چھوڑے جاتا ہوں لیکن کسی کتاب سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آں حضرتؐ نے یہ فرمایا ہو بلکہ ارشاد ہوا کیا تم اس پر خوش نہیں ہوئے کہ جو مرتبہ جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھا وہی تم کو مجھ سے حاصل ہے یعنی جس طرح موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں ہارون امت موسیٰؑ کے حاکم و امیر تھے اسی طرح تم میری عدم موجودگی میں مسلمانوں پر امیر و حاکم ہو۔

(۲) یہ حدیث منزلت صحیح ترین و متواتر حدیثوں میں سے ہے حدیث و تاریخ کی سبھی کتابوں میں موجود ہے امام بخاری و مسلم نے بھی اپنے صحیحین میں متعدد مقامات پر اس کو درج کیا ہے۔

(۳) یہ حدیث صرف غزوۂ تبوک ہی کے موقع پر نہیں بلکہ اور بھی بہت سے مواقع پر پیغمبرؐ نے ارشاد فرمائی جس کی تفصیل ہم انشاء اللہ آئندہ پیش کریں گے۔

(۴) اس حدیث منزلت سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی اور بعد وفات دونوں حالتوں میں علیؑ کو ایسی جانشینی اور خلافت کا درجہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھا، دنیا کو معلوم ہے کہ ہارونؑ موسیٰؑ کے شریک کار، معاون اور وزیر و جانشین تھے اور اگر ان کی زندگی موسیٰؑ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق سوا ان کے کسی کو نہیں پہنچتا بالکل اسی طرح علیؑ کے لئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حیات و ممات ہر حالت میں رسول اللہ کے جانشین تھے اور اگر ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ ہارونؑ نبی تھے اور رسولؐ اللہ کی ذات پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، لیکن اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو نبی بھی سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا نہ ہوتا، اس مسئلہ پر انشاء اللہ ہم خلافت والی جلد میں مفصل بحث کریں گے۔ ۱۲

اے علیؑ مدینہ کو یا تم سنبھال سکتے ہو یا میں، یہی ایک وہ غزوہ تھا جس میں علیؑ پیغمبرؐ کے ہمراہ نہ جا سکے مجبور تھے۔ پیغمبرؐ کہ علیؑ کو اپنی جگہ مدینہ میں چھوڑ جائیں کیونکہ علیؑ ہی کی ذات وہ یکہ و تنہا ذات تھی جو پیغمبرؐ کی عدم موجودگی میں مملکت اسلامیہ کے نظم

وانصرام کو سنبھال سکتی تھی اور اُبھرتے ہوئے فتنوں کو کچلنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔علیؑ کے مدینہ میں رک جانے کی وجہ سے منافقین کی تمناؤں کا خون ہو گیا منصوبے جو بنائے گئے تھے وہ درہم و برہم ہو گئے یقین ہو گیا کہ جس طرح پیغمبرؐ کی موجودگی میں ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے علیؑ کی موجودگی میں بھی ہم کچھ نہ کر سکیں گے، آخری چال کے طور پر یہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا کہ پیغمبر علیؑ سے ناراض ہو گئے ہیں بار خاطر سمجھنے لگے ہیں علیؑ کو جبھی مدینہ میں چھوڑ گئے اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کیا یہ خبر قصداً مشہور کی گئی اور علیؑ کے دشمنوں نے کافی شہرت دی تاکہ کسی طرح علیؑ مدینہ میں رکنے نہ پائیں اور پیغمبرؐ جو پیش بندیاں کر گئے ہیں وہ بے اثری ہو جائیں علیؑ کے کانوں میں بھی یہ خبریں پہنچیں آپ ہتھیار سجے گھوڑے پر سوار ہو کر خدمت پیغمبرؐ میں حاضر ہوئے مدینہ سے تھوڑی دور مقام پر جرف میں فروکش تھے علیؑ نے پیغمبرؐ سے عرض کیا حضورؐ منافقین یہ کہتے پھرتے ہیں کہ آپ نے مجھے بار سمجھ کر مدینہ میں چھوڑ دیا ہے اور اپنے ہمرکاب نہیں رکھا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کذبوا ابما کذبو اعنی فقالوا إنی ساحر وإنی کذاب، منافقین نے تم پر تہمت باندھی ہے جس طرح وہ مجھ پر بھی تہمت باندھ چکے ہیں یہ وہی ہیں جو مجھے ساحر کہتے تھے، کاہن کہہ کر پکارتے تھے مجھے کذاب کہا کرتے تھے، میں نے تو تمہیں مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے جو چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہوں ان پر تمہیں اپنا قائم مقام کیا ہے أفلا ترضی یا علی أن تکون منی بمنزلة هارون من موسی إلا أنه لا نبی بعدی، اے علیؑ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہوئے جو جناب ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا، بس فرق صرف اسی قدر ہے کہ میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ (صحیح بخاری پارہ ۱۴ص ۸۸ ۳و پارہ ۱۸ص ۸۹ وغیرہ) علیؑ ان کلمات کو سن کر خوش کر مدینہ واپس آ گئے اور نیابت پیغمبرؐ کے فرائض انجام دینے لگے۔

تبلیغ سورئہ برأت:

اسی ۹ ہجری کے موسم حج میں تبلیغ سورہ برأت کا واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب سورہ برأت پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تو آپ نے حضرت ابوبکر کو اسے دے کر بھیجا تاکہ بروز حج سارے مجمع کو پڑھ کر سنا دیں اور اعلان کر دیں کہ "اللہ اور رسولؐ مشرکین سے بے تعلق ہیں ان سے اب تک جو معاہدے تھے وہ ختم کئے جاتے ہیں اور اس سال کے بعد پھر مکہ میں کوئی مشرک قدم نہ رکھے نہ کوئی شخص خانۂ کعبہ کا برہنہ طواف کرے" ابوبکر سورہ کو لے کر زیادہ دور نہ گئے ہوں گے کہ خداوند عالم کی طرف سے پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوئی کہ لا یؤدی عنك إلا أنت أو رجل منك، اے پیغمبرؐ اس کام کو یا تو خود انجام دیجئے یا اسے بھیجئے جو آپ سے ہو، آپ نے علیؑ کو بلا کر حکم دیا کہ جلد جا کر ابوبکر سے ملو اور سورہ برات لے کر مکہ جاؤ اور خدا اور رسول کی طرف سے یہ اعلان تم جا کر کرآؤ اور اس موسم حج کی افسری پیغمبرؐ نے علیؑ کو بخشی انہیں حکم دیا کہ ابوبکر کو اختیار دینا کہ چاہے تمہاری ماتحتی

میں جائیں یا مدینہ لوٹ آئیں، علیؑ پیغمبرؐ کے ناقہ عضباء پر سوار ہوئے اور ابوبکر کو راستہ میں جالیا ابوبکر نے علیؑ سے پوچھا، کیسے آنا ہوا ابوالحسن؟ علیؑ نے کہا پیغمبرؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سے آیات لے لوں اور اپنی زبان سے جاکر معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کروں تمہیں اختیار ہے میرے ساتھ چلو یا رسولؐ کے پاس پلٹ جاؤ، ابوبکر نے کہا میں پلٹ ہی جاؤں گا، علیؑ باقی حاجیوں کو لے کر مکہ پہنچے اور ابوبکر مدینہ واپس آئے اور خدمت پیغمبرؐ میں آکر عرض کی یا رسولؐ اللہ پہلے تو آپ نے مجھے امتیازی درجہ دیا، حج کی افسری اور برأت کی تبلیغ کا شرف عنایت فرما کر روانہ کیا اور جب میں روانہ ہوگیا تو آپ نے واپس بلا لیا کیا خطا مجھ سے ہوئی؟ کیا میرے بارے میں قرآن کی کوئی آیت اُتری؟ آں حضرتؐ نے فرمایا نہیں، البتہ جبریل امین خدا کا یہ پیغام میرے پاس لے کر آئے کہ اس کام کو یا تو آپ خود انجام دیں یا وہ انجام دے جو آپ سے ہو اور علیؑ مجھ سے ہیں میری طرف سے علیؑ ہی کاموں کو انجام دے سکتے ہیں۔

خود حضرت ابوبکر کا بیان ہے:

قال ان النبی بعثنی ببرأة لأهل مكة لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان ولا يدخل الجنة إلا نفس مسلمة ومن كان بينه وبين رسول الله مدة فأجله إلى مدته والله برى من المشركين ورسوله (قال) فسرت بها ثلاثة ثم قال رسول الله لعلي ألحق أبا بكر فرده علي وبلغها أنت (قال) ففعل علي ذالك ورجعت إلى المدينة فلما قدمت على النبي بكيت إليه وقلت يا رسول الله حدث فيَّ شيء؟ قال ما حدث فيك إلا خير ولكني أمرت أن لا يبلغها إلا أنا أو رجل مني، (مسند امام احمد جلد ا ص ۲)

پیغمبرؐ نے مجھے سورہ برأت دے کر روانہ کیا تا کہ میں اہل مکہ کے سامنے جاکر اعلان کرآؤں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، نہ خانہ کعبہ کا کوئی شخص برہنہ طواف کرے اور جنت میں مسلمان ہی جائے گا اور جس کے اور رسولؐ کے درمیان کوئی معاہدہ پہلے سے ہے وہ بس مقررہ وقت تک نافذ رہے گا، توسیع نہ ہوگی اور اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں، ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے تین دن کی راہ طے کی ہوگی کہ پیغمبرؐ نے علیؑ سے کہا کہ ابوبکر سے جاکر ملو اور انہیں میرے پاس واپس کردو اور خود جاکر (سورہ برأت کی) تبلیغ کرو چنانچہ علیؑ نے ایسا ہی کیا اور میں مدینہ واپس آگیا جب میں پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رو پڑا اور عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے متعلق کوئی نئی بات رونما ہوئی پیغمبرؐ نے کہا کوئی نئی بات نہیں جو ہوا اچھا ہی البتہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سورہ برأت کی تبلیغ یا تو میں خود کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علیؑ سے مروی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں ''جب سورہ برأت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو پیغمبرؐ نے ابوبکر کو بلایا اور انہیں وہ آیتیں دے کر بھیجا کہ اہل مکہ کو جاکر سنا آؤ پھر آپ نے مجھے بلا کر کہا جا کر ابوبکر سے

ملو، جہاں بھی ان سے ملاقات ہو جائے نوشتہ ان سے لے لو اور خود اہل مکہ کے پاس جا کر سناؤ، چنانچہ میں ابوبکر سے جا ملا اور ان سے وہ نوشتہ لے لیا اور ابوبکر پیغمبرؐ کے پاس پلٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی آیت اتری ہے، آپ نے فرمایا نہیں، البتہ جبریل یہ حکم لے کر آئے تھے کہ تمہاری طرف سے ادائے فرائض یا تم خود کرو یا وہ شخص کرے جو تم سے ہو۔" (مسند امام احمد جلد ص ۱۵۱)

ایک اور مقام پر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے "پیغمبرؐ نے تبلیغ برأت کے لئے ابوبکر کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا پھر مجھے ان کے پیچھے بھیجا اور ارشاد فرمایا نوشتہ ابوبکر سے جا کر لے لو اور تم خود لے کر جاؤ، چنانچہ میں نے ابوبکر کو راستہ میں جا لیا ان سے نوشتہ لے لیا وہ محزون و غمگین پلٹ آئے اور آ کر خدمت پیغمبرؐ میں عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی، آپ نے فرمایا، نہیں البتہ مجھے یہ حکم ہوا کہ یا تو میں خود تبلیغ کروں یا میرے اہلبیتؑ میں سے کوئی مرد کرے، (خصائص نسائی ص ۲۰ امام احمد اور نیز دیگر محققین و محدثین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے یہی مضمون ابن عباس کی ایک مشہور حدیث میں ہے، انہوں نے ایک مرتبہ[1] امیر المومنینؑ کے دشمنوں کو قائل کرتے ہوئے حضرتؑ کے فضائل اور اسباب فضیلت میں ایک طولانی تقریر کی تھی جس میں یہ بھی کہا تھا:

ثم بعث رسول الله ابابكر بسورة التوبة فبعث علياً خلفه فأخذها منه وقال يا يذهب بها إلا رجل هو مني و أنا منه۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۳ ص ۳۲، ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۲۰۳، تلخیص مستدرک۔ خصائص نسائی ص ۶، مسند امام احمد جلد اول ص ۳۳۱، اصابہ جلد ۴ ص ۲۷۰، ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۶۱)

پھر پیغمبرؐ نے ابوبکر کو سورۂ برأت دے کر بھیجا اور ان کے پیچھے فوراً ہی علیؑ کو روانہ کیا، علیؑ نے ان سے وہ سورہ جا کر لے لی اور آں حضرتؐ نے ابوبکر سے کہا اس سورہ کو یا تو میں خود لے کر جا سکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہو۔

یہ واقعہ اتنا مہتم بالشان اور نتائج کے لحاظ سے دوررس تھا کہ کبار صحابہ خصوصیت کے ساتھ اپنے سلسلے بیان میں ذکر کیا کرتے

---

[1] ایک اور واقعہ انہیں ابن عباس کی زبانی مذکور ہے ابن عباس بیان کرتے ہیں "میں ایک مرتبہ مدینہ کے راستوں میں کسی راستہ پر عمر کے ہمراہ چل رہا تھا عمر نے کہا اے ابن عباس میں تو تمہارے صاحب (علی) کو مظلوم ہی تصور کرتا ہوں" میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ آج مجھ سے بازی نہ لے سکیں گے میں نے کہا حضور تو ان پر جو ظلم ہوا ہے اس کی تلافی کر دیجیے، (یعنی خلافت ان کے حوالے کر دیجئے) اس پر انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے نکال لیا اور غراتے ہوئے آگے بڑھ گئے پھر ٹھہرے، میں جلدی سے آگے بڑھ کر جا ملا، انہوں نے کہا اے ابن عبداللہ میرا خیال ہے کہ لوگوں نے علی کو جو خلیفہ نہ ہونے دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے انہیں کم سن سمجھا، میں نے عرض کیا، مگر خدا کی قسم اللہ و رسول نے تو اس وقت بھی ان کو کم سن نہ جانا جب کہ حکم دیا تھا کہ ابوبکر سے جا کر ملو، اور سورہ برأت لے لو۔ اس پر حضرت عمر نے میری طرف سے منہ پھیر لیا اور آگے بڑھ گئے، اس حدیث کو زبیر بن بکار نے اپنی تاریخ مفقیات میں درج کیا ہے جسے اس نے متوکل کے بیٹے موفق باللہ کے لیے تحریر کیا تھا، قصہ یہ تھا کہ خود حضرت عمر اس واقعہ میں حضرت ابوبکر کے ہمراہ موجود تھے اور انہیں کے ساتھ ہی پلٹ آئے تھے۔

سعد ابن ابی وقاص، انس، ابورافع، حضرت ابوبکر وغیرہ سبھی کے بیانات کتب احادیث میں موجود ہیں، عبداللہ بن عمر سے جمیع بن عمیر اللیثی نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے متعلق پوچھا، عبداللہ نے جھڑک دیا اور کہا میں نے تمہیں علیؑ کے متعلق بتایا نہیں؟ یہ مسجد کے اندر پیغمبرؐ کا گھر ہے اور یہ علی کا گھر ہے، رسول اللہ نے ابوبکر وعمر کو سورۂ برأت دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا وہ دونوں روانہ ہوئے، جا ہی رہے تھے کہ ایک سوار کو آتے دیکھا، دونوں نے پوچھا کون؟ سوار نے کہا میں ہوں علی، اے ابوبکر وہ نوشتہ جو رسولؐ نے تمہیں دیا ہے مجھے دو، ابوبکر نے کہا میرے متعلق کیا ہوا؟ علی نے کہا مجھے تو کوئی بات معلوم نہیں، علیؑ نے وہ نوشتہ ان سے لے لیا، اور ابوبکر وعمر مدینہ پلٹ آئے اور آکر پیغمبرؐ سے کہا ہمارے بارے میں کیا ہوا حضورؐ؟ پیغمبرؐ نے فرمایا کچھ نہیں البتہ مجھ سے کہا گیا کہ تمہاری طرف سے تبلیغ یا تم کر سکتے ہو یا تم سے کوئی شخص۔ (مستدرک جلد ۳ ص ۵۱)

یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ وہ مہم جو صرف پیغمبرؐ سے سر ہو سکے یا جو لگ بھگ پیغمبرؐ کے ہو اس سے انجام پا سکے وہ انتہائی زبردست مہم ہی ہو سکتی ہے یہ حقیقت اس وقت اور اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جب ہم حضرت ابوبکر کو معزول کر کے پلٹا لینے اور علیؑ کو مقرر کر کے بھیجنے پر غور کرتے ہیں، پیغمبرؐ اسلام کا مشرکین کے معاہدوں کے منسوخ کرنا اور ان سے بیزاری و برأت کا اعلان بڑی اہمیتوں کا حامل تھا اس میں حق اور صاحبان حق کی قوت کا مظاہرہ بھی تھا اور باطل واہل باطل کی طاقت شل ہو جانے کا قطعی فیصلہ بھی برأت کے بعد مسلمانوں کو مکمل غلبہ واقتدار حاصل ہو گیا اور مشرکین کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زوال، خداوند عالم کی مصلحت ومشیت بھی ہوئی کہ یہ عظیم الشان مرحلہ علیؑ کے ہاتھوں انجام پائے اور خلافت پیغمبرؐ کی ابھی سے داغ بیل پڑ جائے آئندہ سال (حجۃ الوداع میں) جو اعلان عام پیغمبرؐ کرنے والے ہیں اس کی تمہید قائم ہو جائے، اس کا سبب یہ تھا کہ معاہدہ کو توڑنا ہر کس ناکس کے لئے ممکن نہ تھا بس خود معاہدہ کرنے والا فرمانروا توڑ سکتا تھا، یا اس معاہدہ کرنے والے فرمانروا جیسا اس کا نائب وقائم مقام مجاز ہو سکتا تھا، پیغمبرؐ نے حضرت ابوبکر کو معزول اور علیؑ کو اپنی نیابت میں بھیجتے ہوئے اس امر کو واضح بھی کر دیا تھا چنانچہ ارشاد فرمایا تھا لا یبلغ عنی غیری أو رجل منی، میری طرف سے کوئی تبلیغ احکام کر ہی نہیں سکتا سوا میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو (فتح الباری پارہ ۹ ص ۱۹۴) پیغمبرؐ کی لفظیں علیؑ کے متعلق کار رسالت کے انجام دہی کی بعینہ وہی صلاحیت ثابت کرتی ہیں جس صلاحیت کے خود پیغمبرؐ حامل تھے، پیغمبرؐ کے اس فقرے سے دو باتیں ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے ایک تو یہ کہ کوئی بھی کار نبوت ہو یا پیغمبرؐ اسے انجام دے سکتے ہیں یا علی۔ دوسری یہ کہ علیؑ ہر کار نبوت کو انجام دینے کی اہلیت رکھتے تھے، یہ کہنا غلط ہے کہ یہ جملہ عمومی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ تبلیغ سورۂ برأت کے محل وقوع سے مخصوص ہے مطلب یہ ہے کہ تبلیغ سورۂ برأت یا تو پیغمبرؐ کر سکتے تھے یا جو آپ سے ہو لہٰذا جب خاص محل مخصوص موقع سے مختص تھا تو پھر یہ کہنا کہ علی ہر کار

نبوت کو انجام دینے کی اہلیت رکھتے تھے کیونکر صحیح ہے؟ اس لئے کہ مورد و محل کے خاص ہونے سے حکم مخصوص نہیں رہ سکتا صرف تبلیغ سورۂ برأت کے موقع پر یہ جملہ وارد ہونے کی وجہ سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ علی بس تبلیغ سورۂ برأت کے اہل تھے، علاوہ برایں یہ فقرہ صرف تبلیغ سورۂ برأت کے موقع پر پیغمبرؐ نے ارشاد نہیں فرمایا بلکہ اور بھی بہت سے مواقع ایسے پیش آئے کئی مرتبہ پیغمبرؐ نے یہ لفظیں استعمال کیں بغیر کسی امر خاص کے تخصیص ہے منجملہ ان مواقع کے ایک موقع حجۃ الوداع کا تھا جبکہ عرفہ کے دن اپنے ناقہ پر سوار ہو کر پیغمبرؐ نے ایک اہم تقریر فرمائی اور اثنائے تقریر میں فرمایا **علی منی و أنا من علی لا یؤدی عنی إلا أنا أو علی**، (سنن ابن ماجہ جلد ا ص ۹۲، جامع ترمذی سنن نسائی، مسند جلد ۴ ص ۱۶۴ کنز العمال وغیرہ) علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میری طرف سے ادائیگی یا تو میں کرسکتا ہوں یا علی کرسکتے ہیں۔ یہ کوئی خاص موقع نہیں تھا نہ یہاں کسی خاص امر کی انجام دہی کے متعلق پیغمبرؐ فرماتے ہیں بلکہ عمومی حیثیت سے علی الاطلاق اعلان فرماتے ہیں کہ میرے کام یا تو میں خود کرسکتا ہوں یا علی کرسکتے ہیں۔

واقعۂ مباہلہ:

نجران یمن کے شہروں میں ایک شہر ہے جہاں نصاری آباد تھے پیغمبرؐ نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی تھی اس دعوت نامہ کے جواب میں نصاری نجران کے منتخب اشخاص کا وفد پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا تھا، شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ لکھا ہے:

آں حضرتؐ مکتوبے به نصاری نجران فرستاد وایشاں رو دعوت با اسلام کرد پس آں جماعت بعد از مشاورت یکدیگر چهارده کس را از قوم خویش اختیار کرده بمدینه فرستادند تا احوال رسول رو تحقیق کنند وخبر بایشاں رسانید وسه نفردریں بودند که کاروبار واختیار بدست ایشاں بود یکے عبد المسیح ملقب به عاقب دیگر ایهم ملقب نه سید بود دیگر ابوالحارث چوں بمدینه رسید ند جامه ئے راه از خود دور کرده حلهائے ابریشمیں پوشیده وانگشتریهائے طلا در دست کرده به مسجد نبوی در آمدند وسلام کردند حضرت جواب سلام ایشاں نداد وروئے مبارک از ایشاں باز گردانید (إلی أن قال) پس از مسجد بیروں آمدندن به عثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف گفتند پیغمبرؐ شما مکتوبی بما نوشت ومارا دعوت نموده و ما نزد او آمدیم وسلام کردیم جواب نه شنیدیم وہر چند سخن کردیم زوے غیر سکوت چیزے ندیدیم اکنوں رائے شما دریں باب چیست آیا باز گردیم بدیار خود یا توقف کنیم عثمان وعبدالرحمن

گفتندباعلی گفتند رائے تو در یں مہم چیست ، گفت رائے من آنست کہ ایں جامہ ائے فاخروانگشتریہائے طلااز خود دور کنند وجامہ ہابرسم رہبانان پوشیدہ در مجلس شریف در آیندآں قوم بموجب فرمود علی عمل نمودہ بنزدآں حضرتﷺ رفتندوسلام کردند حضرت جواب سلام ایشاں بازدادوفرمود کہ آں خدا ے کہ مرا براستی مبعوث فرمود کہ ایں قوم نوبت اول چوں بمجلس من در آمدند شیطان بایشان بود بعد از اں سرور عالم ایشاں را باسلام دعوت نمود ایشاں بآں حضرتﷺ گفتند چہ میگوئی درشان عیسی آں حضرتؐ فرمود امروز جواب شما میگویم اقامت کنید دریں بلدہ تا جواب ایں سوال بشنوید گویا انتظار وحی کرد پس روز دیگر ایں آیت نازل شد إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ، سید علام ایشاں را طلبید وآیات بر ایشاں خواند مگر آنہا اقرار نہ کردند وبر اعتقاد خوش مصر بودند حضرت فرمود چوں باور نمی کنید بیائید تا بیک دیگر مباہلہ کنیم در شان یک دیگر گوئیم لعنت خدا بردروغ گویان باد گفتند مارا مہلت دہ تا دریں باب تأملے کنیم وفردا بیائیم روز دیگر صباح بہ نزد رسولؐ آمدند وحضرت خود مستعد ومشتہی مباہلہ بود حسین علیہ السلام بن علی را در بغل گرفتہ حسن علیہ السلام را بدست مبارک خود گرفتہ وفاطمہ زہرا در عقب آں حضرتﷺ وعلی مرتضی علیہ السلام در عقب فاطمہ علیہا السلام وحضرتؐ فرمود بایشاں کہ چوں دعا کنم شماآمین گوئید سبحان اللہ ایں چہ وقت وچہ حالت است وچہ شاہد وچہ مشہود گروہ نصاری چوں ایں پنجتن پاک را دیدند وحدیث دعا وآمین شنیدند بترسیدند ابوالحارث بن علقمہ کہ دانشمند ایشاں بود گفت اے قوم بدرستیکہ من روے چند می بینیم اگر بخواہند از خدا کہ زائل گرداند کوہ را از جائے خود زائل می گردد بخواہش ایشاں زنہار مباہلہ کنید کہ ہلاک شوید وہیچ نصرانی بروے زمین نماند وفرمودآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوگند بخدا کہ بقائے ذات من در دست قدرت اوست کہ اگر مباہلہ می کردند مسخ کردہ می شدند بصورت قردہ وخنازیر می ریخت ایں راوی بر ایشاں آتش را وبیخ برکندہ می شوند اہل نجران ہمہ مرغان کہ برسر درختان ایشاں اندویک نمی گذاشت کہ تمام نصاری ہلاک شدند پس گفتند یا ابا القاسمؐ باتو مباہلہ نمی کنیم ،

فرمود پس مسلمان شوید گفتند ایں کار از ما نمی آید فرمود پس محاربہ را آمادہ شوید گفتند مارا طاقت وقوت محاربہ باتو نیست ولیکن مصالحت می کنیم باتو برآنکہ ہر سال دوہزار حلہ ہر حلہ چہل درم باشد دہیم وبروایتے آمدہ کہ سی اسپ وسی شتر وسی زرہ وسی نیزہ دہیم پس بریں جملہ مصالحت واقع شد۔" (مدراج النبوۃ جلد دویم ص ۴۹۸ تا ص ۵۰۰ مطبوعہ مطبع نول کشور واقع کان پور)

پیغمبرؐ خدا نے نجران کے نصرانیوں کو ایک خط بھیجا تھا جس میں انہیں اسلام کی طرف دعوت دی تھی ان لوگوں نے باہم صلاح ومشورہ کر کے اپنی قوم میں سے ۱۴ آدمیوں کو منتخب کیا اور انہیں مدینہ بھیجا تا کہ پیغمبرؐ کے حالات جا کر تحقیق بھی کریں اور ان سے گفتگو کر کے قوم والوں کو حقیقت حال سے مطلع کریں۔ اس وفد کے لیڈر تین شخص تھے اور انہیں کے ہاتھوں میں سارے امور کی باگ ڈور تھی ایک عبدالمسیح جس کا لقب عاقب تھا دوسرے ایہم جو سید کے لقب سے پکارا جاتا تھا تیسرا شخص ابوالحارث تھا یہ لوگ جب مدینہ پہنچے تو سفر کا لباس اُتار کر ریشمین لباس سے آراستہ ہوئے، سونے کی انگوٹھیاں ہاتھوں میں پہنیں اور مسجد نبوی میں پہنچے پیغمبرؐ کو سلام کیا، پیغمبرؐ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا بلکہ ان کی طرف سے منھ پھیر لیا۔ وہ لوگ مسجد سے باہر نکلے، عثمان بن عفان اور عبدالرحمان بن عوف سے ملاقات ہوئی کہنے لگے کہ آپ کے پیغمبرؐ نے خود ہمیں خط لکھ کر بھیجا تھا اور ہمیں اسلام کی دعوت دی تھی اور جب ہم آئے اور سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب تک نہ دیا اور ہماری ہر بات کے جواب میں وہ چپ ہی رہے اب آپ لوگوں کی کیا رائے ہے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں یا ابھی ٹھہریں؟ عثمان اور عبدالرحمان نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے، حضرت علیؑ نے فرمایا میری رائے تو یہ ہے کہ یہ زرق برق لباس اُتار کر سیدھے سادے کپڑے پہنیں راہبوں جیسے، اور سونے کی انگوٹھیاں ہاتھ سے اتار دیں پھر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوں، حضرت علیؑ نے جیسا مشورہ دیا تھا ان لوگوں نے ویسا ہی کیا اور پیغمبرؐ کی خدمت میں دوبارہ آئے سلام کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم جب یہ لوگ پہلی مرتبہ آئے تو شیطان ان کے ساتھ تھا پھر آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ان لوگوں نے پوچھا آپ جناب عیسیٰؑ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ پیغمبرؐ نے فرمایا میں آج اس کا جواب تمہیں نہیں دوں گا تم اسی شہر میں ٹھہرو میرا جواب تمہیں معلوم ہوجائے گا، گویا پیغمبرؐ وحی کے منتظر تھے دوسرے دن یہ آیت نازل ہوئی إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ الخ خدا کے نزدیک تو جیسے عیسیٰؑ کی حالت وہی آدم کی حالت کہ ان کو مٹی کا پتلا بنا کر کہا کہ ہوجا پس (فوراً ہی) وہ (انسان) ہوگیا (اے رسول یہ ہے) حق بات (جو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (بتائی جاتی ہے) تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجانا پھر جب تمہارے پاس علم (قرآن) آچکا اس کے بعد بھی تم سے کوئی (نصرانی) عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کرے تو کہو کہ (اچھا میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی

عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں اور ہم اپنی جانوں کو بلائیں اور تم اپنی جانوں کو اس کے بعد ہم سب مل کر خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں، پیغمبر خدا نے ان لوگوں کو بلایا اور انہیں یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں مگر ان لوگوں نے تسلیم نہیں کیا اور اپنے اعتقادات پر جمے رہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا جب تم لوگ میری بات کا یقین نہیں کرتے تو آؤ ہم تم مباہلہ کریں یعنی ایک دوسرے کے متعلق بددعا کریں اور کہیں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں تھوڑی مہلت عنایت کیجئے تا کہ اس معاملہ میں ہم سوچ سمجھ لیں ہم کل آئیں گے چنانچہ وہ لوگ دوسرے دن علی الصباح پیغمبرؐ کی طرف روانہ ہوئے یہاں خود پیغمبرؐ مباہلہ کے لئے آمادہ و مستعد تھے، حسینؑ کو آپ نے گود میں لیا، حسنؑ کی انگلی پکڑی فاطمہؑ کو اپنے عقب میں رکھا اور ان کے پیچھے علیؑ کو رکھا اور ان حضرات سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا سبحان اللہ (تاریخ اسلام میں) یہ کتنا عظیم تر وقت تھا کیسا منظر تھا اس وقت کا کیسے گواہ تھے اور کیسا مشہود تھا گروہ نصاریٰ نے جب ان پنجتنؑ پاک کو دیکھا اور پیغمبر کا یہ کہنا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا سنا وہ سراسیمہ و خوفزدہ ہو گئے ابوالحارث بن علقمہ جو ان سب میں زیرک و دانا تھا کہنے لگا قوم والو سچی بات تو یہ ہے کہ میں چند ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو یقیناً ان کی خواہش پر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے خدا کے لئے ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا، پیغمبر خدا کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم اگر نصرانیوں نے مباہلہ کیا ہوتا تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہو جاتے، خداوند عالم ان پر ایسی آگ برساتا کہ اہل نجران سب کے سب جل کر ہلاک ہو جاتے، ان کے درختوں پر ایک طائر بھی باقی نہ رہتا، نصرانیوں نے کہا ابوالقاسم آپ کے ساتھ مباہلہ نہ کریں گے، آپ نے فرمایا تو مسلمان ہو جاؤ، ان لوگوں نے کہا یہ بھی ہمارے بس کا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، انہوں نے کہا ہمیں آپ سے لڑنے کی طاقت بھی نہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم میں آپ میں مصالحت ہو جائے ہم ہر سال آپ کو دو ہزار لباس کہ ہر لباس ۴۰ درہم کا ہوگا دیا کریں بعض روایتوں میں ہے کہ ۳۰ گھوڑے ۳۰/اونٹ ۳۰ زرہیں ۳۰ نیزے دیا کریں گے، پس ان تمام باتوں پر مصالحت ہوگئی۔

یہی مضمون تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو سیوم ص ۳۷ و ۴۷ پر بھی مذکور ہے اور تقریباً تمام مفسرین محدثین نے آیت مباہلہ کی تفسیر میں اسی سے ملتی جلتی عبارت لکھی ہے مورخین وارباب سیر نے بھی واقعہ مباہلہ کو کم وبیش انہیں الفاظ میں لکھا ہے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۳۹۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی جلد ۲ ص ۷۰۰، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۳۰۷، البدایہ والنہایہ ابن کثیر شامی جلد ۷ ص ۳۳۹ و صواعق محرقہ ص ۹۳، مستدرک جلد ۳ ص ۱۵۰، سیرہ الحلبیہ جلد ۳ ص ۲۴۰، روضۃ الاحباب ص ۵۲۳، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۱۲ وغیرہ)

اس آیہ مباہلہ سے بہت سے حقائق پر روشنی پڑتی ہے:

(۱) پیغمبرؐ کی حقانیت وصداقت: نصاریٰ سے مباہلہ کی قرارداد طے پاتی ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ ہم اپنے نفسوں کو لائیں تم اپنے نفسوں کو لاؤ اور ہم دعا کریں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو، پیغمبرؐ کو اپنی صداقت وحقانیت پر اتنا کامل اعتماد کہ میدان میں مسلمانوں کی جمعیت کو نہیں بلکہ اپنے جگر گوشوں کو لے کر آتے ہیں اور یہ آپ کی حقانیت ہی کا بول بالا تھا کہ نصاریٰ نے دب کر صلح کر لی اور مباہلہ سے یہ یقین کر کے گریز کیا کہ پیغمبرؐ اپنے ساتھ ان لوگوں کو لے کر آئے ہیں کہ اگر وہ چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ضرور ہٹ جائے۔

(۲) اس آیت مباہلہ سے حضرت امیر المومنینؑ کی وہ عظیم الشان فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی ساری فضیلتیں اس کے آگے گرد نظر آتی ہیں اور وہ ہے آپ کا نفس پیغمبرؐ ہونا۔ یہ وہ جلیل القدر فضیلت ہے کہ اس کے سامنے ہر ایک کی پیشانی جھک جاتی ہے تمام سر خم ہو جاتے ہیں اور سینے ہیبت وجلال سے بھر جاتے ہیں اس حقیقت کے بعد کہ خداوند عالم نے علیؑ کو بمنزلہ نفس پیغمبرؐ قرار دیا ہے، کوئی شبہ ذرہ برابر تردد اس میں باقی نہیں رہتا کہ پیغمبرؐ کے بعد تمام خلائق سے افضل وبہتر علیؑ ہیں، امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

المسئلة الخامسة كان فی الری رجل يقال له محمود بن الحسن الحمصی وكان معلم الإثنی عشرية وكان يزعم أن علياً أفضل من جميع الأنبياء سوى محمد عليه السلام قال والذی يدل عليه قوله تعالى وأنفسنا وأنفسكم ،وليس المراد بقوله وأنفسنا نفس محمد لا الإنسان لا يدعو نفسه بل المراد به غيره واجمعوا على أن ذالك الغير كان علی ابن أبی طالب عليه السلام فدلت الآية على أن نفس علی هی نفس محمد ولا يمكن أن يكون المراد منه أن هٰذه النفس هی عين تلك النفس فالمراد أن هٰذه النفس مثل تلك النفس وذالك يقتضی الإستواء فی جميع الوجوه ترك العمل بهٰذا العموم فی حق النبوة وفی حق الفضل لقيام الدلائل على أن محمداً عليه السلام كان أفضل من سائر الأنبياء عليهم السلام فيلزم أن يكون علی أفضل من سائر الأنبياء فهٰذا وجه الإستدلال بظاهر هٰذه الآية ، ثم قال ويؤيد الإستدلال بهٰذه الآية الحديث المقبول عند الموافق ولا المخالف وهو قوله عليه السلام من أراد أن يرى آدم فی علمه ونوحاً فی طاعته وإبراهيم فی خلته وموسى فی هيبته وعيسى فی صفوته فلينظر إلى علی ابن أبی طالب فالحديث دال على انه اجتمع فيه ما كان متفرعاً فيهم وذالك يدل على أن علياً أفضل من جميع الأنبياء سوى محمد ۔وأما سائر الشيعة فقد كانوا قديماً وحديثاً يستدلون بهٰذه الآية على أن

علياً أفضل من سائر الصحابة وذالك لأن الآية لما دلت عليا أن نفس علی مثل نفس محمد عليه السلام إلا فيما خصه الدليل و كان نفس محمد أفضل من الصحابة رضوان الله عليهم فوجب أن يكون علی أفضل من سائر الصحابة هذا تقرير كلام الشيعة والجواب أنه كما انعقد الإجماع بين المسلمين على أن محمداً أفضل من علیٍ فكذالك انعقد الإجماع بينهم قبل ظهور هذا الإنسان على أن النبی أفضل ممن ليس بنبی واجمعوا على أن علياً ما كان نبياً فلزم القطع بأن ظاهر الآية كما أنه مخصوص فی حق محمد فكذالك مخصوص فی حق سائر الأنبياء عليهم السلام ۔ (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۷۰۱)

پانچواں مسئلہ یہ کہ رے میں عالم محمود بن الحسن الحمصی مذہب اثناعشری کے بڑے استاد رہتے تھے اور وہ دعوی کرتے تھے کہ حضرت علیؑ حضرت رسالتمآب ؐ کو چھوڑ کر سب انبیاء سے افضل ہیں کہتے تھے کہ اس کی دلیل یہ آیت مباہلہ ہے کیونکہ اس میں انفسنا سے مراد حضرت رسالتمآبؐ کا نفس تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کوئی شخص اپنے نفس کو بلا نہیں سکتا بلکہ مراد کوئی دوسرا شخص تھا اور لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ وہ دوسرا شخص حضرت علیؑ تھے، تو اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت علیؑ کا نفس ہی حضرت حضرت رسالتمآب ؐ کا نفس تھا اور یہ ممکن نہیں کہ اس سے مراد یہ ہو کہ حضرت علیؑ کا نفس بعینہ حضرت رسول کا نفس تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس بالکل ویسا ہی ہے جیسے حضرت رسول ؐ کا نفس ہے اور اس بات کو چاہتا ہے کہ دونوں نفس ہر اعتبار ہر لحاظ سے برابر ہوں (صرف نبوت اور افضلیت میں حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسولؐ کے نفس کے برابر نہیں ہو سکتا) چونکہ اس کی دلیلیں موجود ہیں کہ حضرت رسولؐ تمام انبیاء سے افضل تھے تو نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ تمام انبیاء سے یقیناً افضل تھے اس آیت کے ظاہر مطلب سے اسی طرح استدلال کیا گیا ہے پھر (انہیں مولانا محمود بن الحسن نے) کہا ہے کہ اس آیت سے اس استدلال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو موافق و مخالف سب میں مقبول ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا جو شخص چاہے کہ حضرت آدم کو ان کے علم میں نوح کو ان کی طاعت میں، ابراہیم کو ان کی دوستی میں موسیٰ کو ان کی ہیبت میں اور عیسیٰ کو ان کی صفوت میں دیکھے وہ علیؑ کو دیکھ لے، اس حدیث نے بتایا کہ حضرت علیؑ میں وہ سب فضائل کمالات جمع ہو گئے تھے جو انبیاء میں الگ الگ تھے اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو چھوڑ کر حضرت علیؑ سب انبیاء سے افضل تھے رہے باقی سب شیعہ تو وہ لوگ پہلے زمانے میں بھی اس زمانے میں بھی اس آیت سے ثابت کرتے آئے ہیں کہ حضرت علیؑ سب صحابہ سے افضل ہیں کیونکہ یہ آیت بتاتی ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس حضرت محمدؐ کے نفس ایسا ہے سوائے اس بات کے جس کو دلیل نے خاص کر دیا ہو اور معلوم ہے کہ حضرت محمدؐ کا نفس سب صحابہ سے افضل تھا تو واجب ہوا کہ حضرت علیؑ کا نفس بھی صحابہ سے افضل ہو شیعوں کے

---

[۱] یہ محمود ابن حسن حمصی امام رازی کے استاد تھے دیکھئے قاموس لفظ حمصی ۔

استدلال کا یہ خلاصہ ہے۔ اور ان کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کے درمیان اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ حضرت علیؑ سے افضل تھے اسی طرح اس کے ظاہر ہونے سے پہلے ان کے درمیان اس بات پر بھی اجماع تھا کہ جو شخص نبی ہوگا وہ اس شخص سے افضل ہوگا جو نبی نہیں ہوگا اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ حضرت علیؑ نبی نہیں تھے تو لازم آیا کہ اس بات پر یقین کیا جائے کہ آیت کا ظاہری مطلب جس طرح حضرت محمد مصطفیؐ کے حق میں مخصوص ہے بالکل اسی طرح باقی سب انبیاء کے بارے میں بھی مخصوص ہے، اس وجہ سے حضرت علیؑ کو باقی سب انبیاء سے افضل نہیں کہا جا سکتا (ہاں سب صحابہ سے افضل ضرور کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کو کوئی جواب نہیں ہے)

علامہ فخر الدین رازی نے آخر میں شیعوں کو جو جواب دیا ہے وہ نہایت ہی حیرت خیز ہے کبھی اور کسی کتاب میں یہ اجماع نہیں ہے اور نہ مل سکتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے پہلے جتنے انبیاء گذرے ہیں وہ حضرات ائمہ طاہرینؑ سے افضل تھے، حضرت کی تو مشہور حدیث ہے علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل میری امت کے علماء ان انبیاء کے ایسے ہیں جو بنی اسرائیل سے گذرے ہیں، علاوہ ازیں اگر حضرت علیؑ سابق کل انبیاء مرسلین سے افضل نہیں ہوتے تو حضرت رسولؐ خدا اس قسم کی حدیثیں نہ ارشاد فرماتے علي خير البشر فمن أبى فقد كفر، حضرت علیؑ سب آدمیوں سے بہتر ہیں جو اس سے انکار کرے وہ کافر ہے۔ من لم يقل علي خير الناس فقد كفر جو شخص یہ اعتقاد نہ رکھے کہ حضرت علیؑ سب آدمیوں سے بہتر ہیں وہ کافر ہے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۹)

(۳) علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ پیغمبرؐ کے علاوہ بالعموم ہر فرد بشر سے افضل ہیں۔ چنانچہ علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں آیۂ مباہلہ کی تفسیر میں یہ واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفيه دليل لا شئ أقوى منه على فضل أصحاب الكساء۔ (تفسیر کشاف جلد ا ص ۳۰۸)

اس میں اصحاب کساء (اہلبیت طاہرینؑ) کی فضیلت پر ایسی زبردست دلیل ہے جس سے زیادہ قوی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

علامہ سید علی ہمدانی اپنی کتاب مودۃ القربیٰ میں لکھتے ہیں:

عن أبي رباح مولى أم سلمة قال قال رسول الله لو علم الله تعالى فى الأرض عباداً أكرم من علي وفاطمة والحسن والحسين لأمرني أن أباهل بهم ولكن أمرني بالمباهلة مع هؤلآء وهم أفضل الخلق فغلبت بهم اليهود والنصارى۔

ابو رباح حضرت ام سلمہ کے غلام بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا اگر خداوند عالم علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ سے زیادہ کسی کو افضل جانتا ہوتا تو یقیناً مجھے انہیں کی مدد سے مباہلہ کرنے کا حکم دیتا لیکن اس نے مجھے حکم دیا کہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی مدد

سے مباہلہ کروں اور یہی لوگ دنیا کے تمام لوگوں سے افضل ہیں اور انہیں کی وجہ سے میں یہود ونصاریٰ پر غالب آیا۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں رقمطراز ہیں آیۂ مباہلہ کی تفسیر میں کشاف میں ہے کہ کوئی دلیل اصحاب کساء کی فضلیت میں آیۂ مباہلہ سے قوی تر نہیں اور وہ اصحاب کساء علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبرؐ نے انہیں حضرات کو بلایا، حسینؑ کو اپنی گود میں لیا، حسنؑ کی انگلی پکڑی، آپ کے پیچھے فاطمہ تھیں اور ان کے عقب میں علیؑ، پس یہی لوگ اس آیت میں مقصود ہیں۔'' (صواعق محرقہ باب افضل اول ص ۹۳)

(۴) امام حسنؑ وامام حسینؑ پیغمبرؐ کے بیٹے ہیں پیغمبرؐ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں گے اور بیٹوں کی جگہ آپ اپنے نواسوں کو لے کر گئے یہ ظاہر ہے کہ آپ نے ایسا خدا ہی کے حکم سے کیا اور خداوند عالم ہی نے حسنؑ وحسینؑ کو فرزندان پیغمبر قرار دیا۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

المسئلة الرابعة هٰذه الآية دالة على أن الحسن والحسين عليهما السلام كانا ابنى رسول الله، وعد أن يدعو أبناءه فدعا الحسن والحسين فوجب أن يكونا ابنيه ومما يوكد هذا قوله تعالى فى سورة الأنعام ومن ذريته داؤد وسليمان۔ إلى قوله وزكريا ويحيى وعيسىٰ ومعلوم أن عيسىٰ عليه السلام إنما انتسب إلى إبراهيم ؑ بالأم لا بالأب فثبت أن ابن البنت قد يسمى ابنا والله أعلم۔ (تفسیر جلد ۲ ص ۷۰۱)

چوتھا مسئلہ کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ امام حسنؑ وامام حسینؑ حضرت رسولؐ خدا کے بیٹے تھے کیونکہ حضرت نے نجران والوں سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے بیٹوں کو بلائیں گے پھر اس وعدے کو یوں پورا کیا کہ امام حسنؑ وحسینؑ کو بلالیا تو واجب ہوا کہ انہیں دونوں کو حضرت کے بیٹے مانا جائے ہمارے اس بیان کی تاکید خدا کے اس کلام سے بھی ہوتی ہے جو سورۂ انعام میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ہی کی اولاد سے داوؑد سلیمانؑ وایوبؑ ویوسفؑ وموسیٰؑ وہارونؑ سب کی ہم نے ہدایت کی اور نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں اور زکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس سب کی ہدایت کی (پارہ ۷ رکوع ۱۶ سورہ انعام) اور معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا کوئی باپ تھا نہیں وہ اپنی ماں حضرت مریم ہی کی وجہ سے تو حضرت ابراہیم کی اولاد میں قرار پائے تو ثابت ہوا کہ نواسے کو بھی بیٹا کہتے ہیں۔ واللہ اعلم،

حجاج کے پاس لوگوں کا مجمع تھا، امام حسینؑ کا ذکر چھڑا، حجاج نے کہا حسینؑ پیغمبر کی اولاد سے نہیں تھے۔ حجاج کے پاس یحییٰ بن یعمر بیٹھے ہوئے تھے بول اُٹھے آپ جھوٹے ہیں اے امیر، حجاج نے کہا حسینؑ کے اولاد پیغمبرؐ ہونے پر کوئی دلیل کتاب خدا سے پیش کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر کے رہوں گا، اور دیکھو آیت مباہلہ کو دلیل میں پیش نہ کرنا یحییٰ نے اس آیت کی تلاوت کی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا

وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۔ یحیٰی نے کہا اے امیر خداوند عالم نے آیت میں خبر دی ہے کہ عیسیٰ اپنی ماں کی طرف سے نسل جناب ابراہیم سے ہیں اسی طرح امام حسینؑ بھی اپنی ماں کی طرف سے آں حضرتؐ کی نسل سے حجاج نے کہا سچ کہا تم نے (مستدرک جلد ۳ ص ۱۴ ۳، تاریخ ابن خلکان، حیٰوۃ الحیوان دمیری)

ذکوان معاویہ کے غلام نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ معاویہ نے کہا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں لڑکوں یعنی حسنؑ و حسینؑ کو کس نے آں حضرتؐ کا بیٹا قرار دیا ہے یہ تو علیؑ کے بیٹے ہیں پھر معاویہ نے مجھ کو دفتر میں اپنی اولاد کے نام لکھنے کا حکم دیا میں نے ان کے بیٹے اور پوتوں کے نام لکھے نواسوں کے نام چھوڑ دیئے اور وہ کاغذ دکھانے معاویہ کے پاس لے گیا، معاویہ مجھ سے کہنے لگے کہ تم میرے بڑے بیٹوں کا نام لکھنا بھول گئے، میں نے پوچھا وہ کون؟ کہنے لگے کہ میری فلاں بیٹی کے بیٹے میرے بیٹے نہیں ۔ میں نے کہا اللہ اکبر تمہاری بیٹی کے بیٹے تو تمہارے بیٹے ہوجائیں اور حضرت فاطمہؑ کے بیٹے آں حضرت کے بیٹے نہ ہوں، کہنے لگے چپ رہ تجھ سے اب یہ بات کوئی نہ سُنے ۔'' (سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی ص ۱۱۸)

''خود آں حضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ کی اولاد کے متعلق ان سے فرمایا جیسا کہ طبرانی میں ہے کہ ہر ایک بنی اُب کی نسبت ایک عصبہ کی طرف جاتی ہے مگر فاطمہؑ کی اولاد کا میں ولی اور عصبہ ہوں، علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بہت سے طریقوں سے مروی ہے بعض بعض سے قوی ہیں حضرت جابر سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی اُب کے عصبہ ہوا کرتا ہے جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا ہے مگر اولاد فاطمہؑ کہ جن کا ولی اور عصبہ میں ہوں وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا ہوئے ، ۔ (مستدرک حاکم و تاریخ ابن عساکر، ابوصالح و ابونعیم حلیۃ الاولیا میں اور ابن السمان کتاب الموافقہ میں اور مسلم متابعات میں اور دار قطنی سنن میں اور طبرانی معجم اوسط میں اور بیہقی شعب الایمان میں اور ابوالحسن مغازلی مناقب میں اور دولانی ذریت طاہرہ میں حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ ہر ایک سبب ونسب قیامت کے روز منقطع ہوجائے گا مگر میرا نسب اور سبب اور ہر ایک ماں کے بیٹوں کے لئے عصبہ باپ کی طرف سے ہوتے ہیں بجز اولاد فاطمہؑ کے جن کا باپ اور عصبہ میں ہوں ، مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آں حضرتؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ جناب امیرؑ آئے آں حضرتؐ انہیں دیکھ کر خوش ہوگئے ، میں نے کہا یا رسول اللہ اس لڑکے کو دیکھ کر آپ کا چہرہ کیوں چمک اُٹھا آں حضرت فرمانے لگے اے چچا واللہ مجھ کو اس سے بہت محبت ہے، کوئی نبی نہیں گذرا جس کی ذریت اس کے صلب سے باقی نہ رہی ہو، میرے بعد میری ذریت اسس کے صلب سے باقی رہے گی جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ اپنے ناموں اور اپنے ماؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے مگر یہ اور اس کی

اولاد اپنے ناموں اور اپنے باپ کے ناموں سے پکارے جائیں گے اسی مضمون کی حدیث کو ابوالخیر حاکمی نے اور خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی ابن عباس کہتے ہیں کہ اس مجمع میں میں بھی موجود تھا، جناب امیرؑ جب ائے تو آں حضرتؐ نے کھڑے ہو کر معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا،،،، متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ کی نسل کو اپنی نسل اور اپنی ذریت کو صلب جناب امیر سے ظاہر ہونا بیان فرمایا ہے اور متعدد مرتبہ جناب امیرؑ کو ابو ولدی یعنی میرے بچوں کے باپ فرمایا اور ان کی ذریت کو اپنی ذریت فرمایا۔" (سیرۃ علویہ ص ۱۱۹)

(۵) یہی آیت مباہلہ یہ بتاتی ہے کہ آیت تطہیر میں بھی اہلبیتؑ سے مراد یہی چاروں حضرات ہیں اور آیت تطہیر بس انہیں کے متعلق نازل ہوئی جس طرح آیت مباہلہ کے نازل ہونے پر پیغمبرؐ نے خواتین میں سے سوا جناب معصومہ کے کسی خاتون کو ہمراہ لیا نہ بیٹوں میں سے سوا اپنے جگر گوشوں حسنؑ وحسینؑ کے کسی کو ساتھ لے گئے نہ آپ کے انفس میں سوا علیؑ ابن ابی طالب کے کوئی اور متنفس آپ کے ساتھ تھا یہی چار فرد یں تھیں جنہیں پیغمبرؐ میدان مباہلہ میں اپنے ہمراہ لے کر گئے، ازواج پیغمبر بھی تھیں مگر اپنے حجروں کے اندر، خاندان کی مخدرات بھی تھیں، صفیہ بنت عبدالمطلب حقیقی پھوپھی پیغمبرؐ کی، امام ہانی حضرت علیؑ کی خواہر ابوطالب ایسے حامی اسلام کی دختر اور بہت سی گھر کی معزز خواتین دختران ہاشم وعبدالمطلب جن کے لہو میں پیغمبرؐ کا لہو شامل تھا، نہ خلفائے ثلاثہ کی عورتوں میں کسی کو ساتھ لیا نہ دیگر مہاجرین وانصار کی عورتوں کو زحمت دی کسی کو ساتھ نہ لے گئے، لے گئے تو بس سیدہؑ کو جس طرح بیٹوں میں سوا حسنؑ وحسینؑ کے کسی کو ساتھ نہ لیا حالانکہ بنی ہاشم کے بہت سے بچے موجود تھے چندے آفتاب اور چندے ماہتاب، نہ صحابہ کی اولاد میں سے کسی کو ساتھ لیا باوجود یکہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور اکثر ہونہار بچے تھے، اسی طرح نفوس میں علیؑ کے علاوہ نہ تو اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کو ہمراہ لیا جو اس وقت بنی ہاشم کے معزز و محترم بزرگ تھے چچا ہونے کی وجہ سے پیغمبرؐ کی نگاہوں میں اوروں کی بہ نسبت ان کا احترام زیادہ تھا، نہ اپنے قریب سے قریب کسی عزیز کو ساتھ لیا نہ سابقین اولین مسلمانوں کو، آیت منحصر ہو کر رہ گئی، بس علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ وحسینؑ کے اندر ان کے علاوہ کوئی اس قابل نکل نہ سکا جسے پیغمبرؐ اپنے ہمراہ لے کر جاتے، اسی طرح آیت تطہیر بھی منحصر ہو کر رہ گئی انہیں ذوات مقدسہ میں، نہ پیغمبرؐ کی بیویوں میں سے کوئی بیوی اس آیت میں داخل نہ بنی ہاشم کی کوئی فرد نہ پیغمبرؐ کے عزیز قریب اس کے مصداق چنانچہ واقعہ مباہلہ کے متعلق کتب احادیث وتفاسیر میں جو روایتیں مذکور ہیں ان سے بھی صاف صاف اس کی صراحت ہوتی ہے۔

عن عامر بن سعد عن ابیه قال لما نزل هذه الآیة نَدۡعُ أَبۡنَآءَنَا وَأَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ الآية دعا رسول الله علياً وفاطمة وحسناً وحسينا فقال اللهم هؤلآء أهلي۔

(صحیح بخاری پارہ ۷ ص ۷۷ صحیح مسلم ص ۲۷۸، جامع ترمذی ص ۴۶۱، مشکوٰۃ جلد ۸ ص ۱۲۹)

عامر ابن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَ كُمْ نازل ہوئی تو پیغمبرؐ نے علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور دعا کی خداوندا یہی میرے اہلبیت ہیں۔

کتب تفاسیر میں یہ حقیقت زیادہ واضح لفظوں میں ملتی ہے، علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

وروی أنه علیه السلام لما خرج فی الموط الأسود فجآء الحسن فأدخله ثم جآء الحسین فأدخله ثم فاطمه ثم علی ثم قال إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا، واعلم أن هذه الروایة کالمتفق علی صحتها بین أهل التفسیر والحدیث۔ (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۷۱)

روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب حضرت سیاہ کمبل میں نکلے تو آپ کے پاس امام حسنؑ آئے حضرت نے ان کو کمبل میں لے لیا پھر امام حسینؑ آئے ان کو بھی داخل کر لیا پھر فاطمہؑ اور علیؑ بھی اس میں چلے گئے، تب حضرت نے فرمایا اے اہل بیت اللہ کا یہی ارادہ ہے کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور تم کو اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے، اور یقین کر لو کہ اس روایت کی حالت ایسی ہے کہ گویا اس کی صحت پر علماء علم تفسیر و حدیث نے اتفاق کر لیا ہے۔

یہی عبارت کشاف جلد ا ص ۳۰۸/اور دیگر تفاسیر کی بھی ہے۔

ارباب فہم سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ پیغمبرؐ کا مباہلہ میں انہیں چاروں ذوات مقدسہ کو ساتھ لے جانا، اس عظیم الشان معرکۂ حق و باطل میں انہیں چار ہستیوں کا انتخاب قرآن کی آیت کا نازل ہو کر تخصیص کر دینا کہ انہیں کی مدد سے مباہلہ کیا جائے، یہ وہ جلیل القدر فضیلتیں ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا، یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آیۂ کریمہ کی لفظیں صریحی طور پر عموم پر دلالت کرتی ہیں أبناء، نسآء، أنفس، یہ سب جمع کی لفظیں ہیں صرف جمع ہی نہیں بلکہ جمع مضاف ہیں جو ایک ایک فرد کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے کوئی شخص اس سے ناواقف نہیں کہ جمع مضاف حقیقتاً استغراق کے لئے ہوتی ہے أبناءنا ہم اپنے بیٹوں کو لائیں یہ لفظ تمام ان بچوں کو شامل تھی جو پیغمبرؐ کے بیٹے کہے جا سکتے تھے، نساءنا کے تحت میں وہ تمام خواتین آتی ہیں جنہیں پیغمبرؐ سے سببی یا نسبی کوئی بھی وابستگی حاصل تھی، أنفس کی لفظ میں وہ تمام مسلمان شریک تھے جو پیغمبرؐ کے نفوس کہے جا سکتے تھے، اگر پیغمبر اسلام تمام اہل مدینہ، ہر مرد و زن بچے بوڑھے کو بھی ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے جاتے تو الفاظ آیہ کی عین مطابقت ہوتی مگر قدرت معنا کی کھلی ہوئی لفظیں استعمال کر کے حصر کر دیتی ہے انہیں چار ذاتوں میں اُبناء کہہ کر صرف حسنؑ و حسینؑ مراد لئے جاتے ہیں نساء سے مقصود فقط سیدہؑ ہوتی ہیں اُنفس کی لفظ منحصر کر دی جاتی ہے علیؑ کی ذات میں، اس حصر و انحصار سے قدرت نے واضح کر دیا کہ حقیقتاً یہی چاروں ذاتیں اسلام کی بنیاد و ارکان ہیں، یہی مکمل ترین خلائق ہیں، یہی منتخب روزگار ہیں اولاد آدم میں منتخب افراد ہیں اور انہیں میں اسلام کی حقیقی روحانیت ہے، اور وہ خالص عبودیت ہے جو سارے عالم میں نہیں اور ان کا

مباہلہ میں مدعو کیا جانا برابر ہے ساری امت اسلام کے مدعو کئے جانے کے ان کے آمین کہنے کے بعد کسی کے آمین کہنے کہ ضرورت نہیں رہتی۔

ایک امر قابل غور یہ ہے کہ نساء سے صرف سیدہ اور اُنفس سے فقط علیؑ مراد لئے گئے مگر ابناء کی لفظ سے قدرت نے حسنؑ وحسینؑ میں سے کسی ایک کو کافی نہیں سمجھا یہ ثبوت ہے کہ نساء میں سیدہ بے نظیر اور اُنفس میں علیؑ بے مثال، سیدہؑ کے بعد نہ کسی اور عورت کی ضرورت تھی، نہ علیؑ کے بعد کسی دوسرے مرد کی برخلاف حسنینؑ کے کہ حسن کے بغیر نہ تنہا حسینؑ کافی تھے نہ حسینؑ کے بغیر تنہا حسنؑ، دونوں برابر کی فردیں تھیں اسی لئے پیغمبرؐ دونوں کو ہمراہ لے گئے ابناء کا تحقق ہو ہی نہیں سکتا تھا جب تک دونوں ساتھ نہ ہوتے اگر پیغمبرؐ ایک کو لے جاتے اور دوسرے کو نہیں تو یہ ترجیح بلا مرجح اور عدالت کے خلاف ہوتا ہاں اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ابنیت پیغمبرؐ کے لائق ہوتا تو اسے بھی پیغمبرؐ ساتھ لیتے مگر علیؑ وسیدہؑ کا کوئی نظیر نہ تھا اس لئے ان کے علاوہ کسی کو نہیں لیا اسی طرح ابنیت پیغمبرؐ کا نامہ حسنؑ وحسینؑ کے علاوہ کسی پر پورا نہیں اترتا تھا اس لئے دونوں جگر گوشوں کو ساتھ لیا پیغمبرؐ نے۔

یمن کا تیسرا سفر:

مورخین کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت امیر المومنینؑ کو دو مرتبہ یمن بھیجا مگر ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ آپ تین مرتبہ یمن تشریف لے گئے، ۸ھ میں قبیلہ ہمدان کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے ۸و۹ھ کے درمیان احکام اسلام کی تعلیم اور ان کے مقدماتے کے فیصلے کے لئے، تیسری مرتبہ ۱۰ھ میں اسی تیسرے سفر سے فارغ ہو کر آپ حجۃ الوداع میں پیغمبرؐ سے مکہ میں جا ملے تھے، اس تیسرے سفر میں پیغمبرؐ نے کئی اہم خدمتیں آپ کے سپرد کیں، نصاری نجران جنہوں نے مباہلہ سے گریز کرتے ہوئے خراج پر مصالحت کر لی تھی ان سے خراج بھی وصول کرنا تھا اور قبیلہ مذحج جس نے یمن میں فساد برپا کر رکھا تھا اس کی سرکوبی بھی مقصود تھی، عمرو بن معد یکرب جو اپنی شجاعت اور اپنی مشہور شمشیر کی وجہ سے تاریخ عرب میں کافی شہرت رکھتا ہے قبیلہ مذحج کی شاخ بنو زبید کا رئیس وسردار تھا پیغمبرؐ جب غزوۂ تبوک سے مدینہ واپس ہوئے تو یہ حاضر ہوا، آں حضرتؐ نے اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کی قوم کے جتنے لوگ آئے تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے، مگر عمرو واپس جا کر مرتد ہو گیا اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا، پیغمبرؐ نے دو لشکر ترتیب دے کے ایک پر حضرت امیر المومنینؑ کو افسر مقرر کیا دوسرے پر خالد بن ولید کو اور انہیں تاکید کی کہ اعراب جعفی کی طرف سے ہوتا ہوا جائے اور فرمایا کہ جب دونوں فوجیں ایک منزل پر جمع ہو جائیں تو دونوں فوجوں کے افسر علیؑ ہی ہوں گے، (جامع ترمذی ص ۲۱۵ و ۲۶۱، سیرۃ ابن ہشام وغیرہ) پیغمبرؐ نے دست مبارک سے علم سجا کر علیؑ کے ہاتھوں میں دیا، اپنے ہاتھوں سے آپ

کے سر پر عمامہ باندھا اور فرمایا اب چل کھڑے ہو ادھر ہی کا دھیان رہے جب تم ان کے سامنے پہنچ جاؤ تو جب تک ہو لوگ خود ابتدائے جنگ نہ کریں تم اپنی طرف سے آغاز نہ کرنا، (طبقات ابن سعد) حضرت علیؑ نے اپنی فوج کا ہراول خالد بن سعید بن عاص کو اور خالد بن ولید نے اپنی فوج کا ہراول ابوموسیٰ اشعری کو مقرر کیا آگے بڑھنے پر اعراب جعفی جن کی طرف سے ہوکر جانے کی خالد کو تاکید کی گی انہیں جب لشکر کی آمد آمد معلوم ہوئی تو ان کی دو جماعتیں ہوگئی ایک تو یمن کو روانہ ہوگئی دوسری بنو زبید سے جاملی، حضرت امیرالمومنینؑ کو جب یہ خبر ملی تو خالد بن ولید سے کہا بھیجا کہ جہاں تک پہنچے ہو وہیں ٹھہرے رہو مگر وہ نہ مانے تو آپ نے خالد بن سعید کو حکم دیا کہ خالد کی طرف بڑھو اور روک لو کہ آگے نہ بڑھنے پائیں، خالد بن سعید آگے بڑھ کر سد راہ ہوگئے، امیرالمومنینؑ بھی آپہنچے اور خالد کی اس نافرمانی پر سختی سے سرزنش کی پھر آپ دونوں لشکر کی قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھے اور بنو زبید کے مقابل جا پہنچے جب بنو زبید نے آپ کو دیکھا تو عمرو سے کہنے لگے ابوثور! کیا حال ہوگا تمہارا جب اس قریشی نوجوان سے تمہاری مڈبھیڑ ہوگی، اور وہ تمہارے سارے کس بل نکال کر رکھ دے گا، عمرو نے کہا انہیں بھی پتہ چل جائے گا کہ کس سے آج مقابلہ ہوا ہے، پھر وہ ہتھیار سج کر میدان میں آیا اور دعوت مبارزت دی، امیرالمومنینؑ اُٹھ کھڑے ہوئے خالد بن سعید نے کہا یا علیؑ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اس سے مجھے نپٹ لینے دیجئے، آپ نے فرمایا نہیں تم بیٹھو میں جاتا ہوں، آپ مقابلہ کو نکلے اور پوری طاقت سے حملہ آور ہوئے، عمرو بھاگ کھڑا ہوا اس کے بھائی، بھتیجے مارے گئے اور عمرو کی بیوی رکانہ بنت سلامہ گرفتار کرلی گئی، اور بہت سی عورتیں قید ہوئیں، حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنی جگہ خالد بن سعید کو مقرر فرمایا کہ بنی زبید سے صدقات وصول کرلیں اور بھاگے ہوئے لوگ اگر واپس آئیں اور اسلام قبول کریں تو ان کی جان بخشی کی جائے، وہاں سے روانہ ہوکر مکہ پہنچے اور حجۃ الوداع میں پیغمبرؐ کے شریک ہوئے تھوڑے ہی دنوں میں عمرو بن معدیکرب تائب اور دوبارہ مسلمان ہوکر واپس ہوا خالد نے اسے معافی دی اور اس کی بیوی بچے اس کے حوالے کردیے۔

بنو زبید سے جو صدقات وصول ہوئے اس کے خمس سے حضرت امیرالمومنین نے ایک خادمہ اپنے لئے لے لی اور خالد بن ولید جنھیں عدول حکمی پر آپ تنبیہ کرچکے تھے کے ایما پر کچھ لوگوں نے پیغمبرؐ سے اس کی شکایت کی، اس موقع پر پیغمبرؐ سے جس طرز عمل کا مظاہرہ ہوا وہ ہر مسلمان کے لئے لائق غور ہے، ہم صرف چند حدیثیں ذکر کردیتے ہیں ان پر تفصیلی تبصرہ خلافت والی جلد میں کریں گے۔

عن البراء أن النبی بعث جیشین وأمر علی أحدهما علی ابن أبی طالب وعلی الأخر خالد بن الولید وقال إذکان القتال فعلی قال فافتح علی حصنا فأخذ منه جاریة فکتب معی خالد إلی النبی بفئی فقدمت علی النبی فقرأ الکتاب فتغیر لونه ثم قال ماتری فی رجل یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله

قلت أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله إنما أنا رسول نسكت۔ (جامع ترمذی ص ۲۱۵ و ۴۶۱)

براء بن عازب صحابی پیغمبرؐ ناقل ہیں کہ حضرت سرور کائناتؐ نے دو لشکر روانہ کئے ایک کا سردار حضرت علیؑ کو مقرر کیا دوسرے کا خالد بن ولید کو اور ارشاد فرمایا کہ جب جنگ چھڑ جائے تو دونوں لشکر کے سردار علیؑ ہی ہوں گے چنانچہ حضرت علیؑ نے ایک قلعہ فتح کیا اور مال غنیمت سے ایک خادمہ اپنے لئے لے لی، خالد نے حضرت سرور کائناتؐ کی خدمت میں میرے ہاتھوں شکایتی خط لکھ کر بھیجا، میں خط لے کر خدمت رسالتمآب میں حاضر ہوا، آں حضرت نے وہ خط جب ملاحظہ فرمایا تو آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو خدا اور اس کا رسول دوست رکھتا ہو اس کے متعلق تم کیسا خیال رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی میں خدا اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں، حضورؐ میں تو پیامبر ہوں یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے

عن عمران بن حصين قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم جيشا واستعمل عليهم علي بن أبي طالب فمضى في السرية فأصاب جارية فأنكروا عليه وتعاقد أربعة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا إذا لقينا رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبرناه بما صنع علي وكان المسلمون إذا رجعوا من السفر بدءوا برسول الله صلى الله عليه وسلم فسلموا عليه ثم انصرفوا إلى رحالهم فلما قدمت السرية سلموا على النبي صلى الله عليه وسلم فقام أحد الأربعة فقال يا رسول الله ألم تر إلى علي بن أبي طالب صنع كذا وكذا فأعرض عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قام الثاني فقال مثل مقالته فأعرض عنه ثم قام الثالث فقال مثل مقالته فأعرض عنه ثم قام الرابع فقال مثل ما قالوا فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم والغضب يعرف في وجهه فقال ما تريدون من علي ما تريدون من علي ما تريدون من علي إن عليا مني وأنا منه وهو ولي كل مؤمن بعدي۔

(جامع ترمذی ص ۴۶۰، مشکوۃ جلد ۸ ص ۱۲۰، مسند جلد ۵ ص ۳۵۶، و ۴۳۸ و ۴۳۹، کنوز الحقائق ص ۲۰)

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سردار علیؑ ابن ابی طالب کو مقرر کیا۔ آپ فوج کے ہمراہ روانہ ہوئے آپ نے ایک خادمہ حاصل کی لوگوں نے اس بات کو ناگوار جانا اور صحابہ پیغمبرؐ سے چار شخصوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ جب پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو علیؑ کے اس فعل سے انہیں آگاہ کریں گے، مسلمانوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے پلٹتے تو سب سے پہلے پیغمبرؐ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتے اس کے بعد اپنے گھروں کو جاتے جب یہ لشکر پلٹ کر آیا تو حسب دستور مسلمان لشکری پیغمبرؐ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوئے، جن چار شخصوں نے آپس میں علیؑ کی شکایت کرنے کے متعلق معاہدہ کیا تھا، ان میں سے ایک اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپ علیؑ کو نہیں

دیکھتے کہ انہوں نے ایسا ایسا کیا، آں حضرتؐ نے یہ سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر دوسرا شخص اٹھا اس نے بھی وہی بات دہرائی اور اس مرتبہ بھی آں حضرتؐ نے منہ پھیر لیا، پھر تیسرا اٹھا اور اس نے بھی پہلے دونوں کی طرح شکایت کی اس مرتبہ بھی آں حضرتؐ نے منہ پھیر لیا چوتھا اٹھا اس نے بھی اسی طرح شکایت کی اس مرتبہ رسولؐ مڑے اور غیظ وغضب کے آثار آپ کے چہرے سے ہویدا تھے آپؐ نے فرمایا تم لوگ علیؑ کے متعلق کیا چاہتے ہو، علیؑ کے متعلق تمہارا کیا ارادہ ہے، علیؑ کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو؟ یقیناً علی مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے حاکم ہیں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شَاسٍ الأَسْلَمِيِّ، قَالَ: وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَةِ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عَلِيٍّ إِلَى الْيَمَنِ، فَجَفَانِي فِي سَفَرِي ذَلِكَ، حَتَّى وَجَدْتُ عَلَيْهِ فِي نَفْسِي، فَلَمَّا قَدِمْتُ أَظْهَرْتُ شِكَايَةً فِي الْمَسْجِدِ، حَتَّى بَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ (ص) فَدَخَلْتُ الْمَسْجِدَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَرَسُولُ اللَّهِ (ص) فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا رَآنِي أَحَدَّنِي عَيْنَيْهِ، يَقُولُ: حَدَّدَ إِلَيَّ النَّظَرَ، حَتَّى إِذَا جَلَسْتُ، قَالَ: "يَا عَمْرُو، أَمَا وَاللَّهِ لَقَدْ آذَيْتَنِي"، قُلْتُ: أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أُوذِيَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: »بَلَى، مَنْ آذَى عَلِيًّا فَقَدْ آذَانِي۔ (مسند جلد ۴ ص ۴۸۳)

عمر بن شاس الاسلمی جو غزوہ حدیبیہ میں پیغمبرؐ کے ہمراہ رہ چکے تھے ناقل ہیں کہ میں حضرتؑ کے ہمراہ یمن کی طرف روانہ ہوا، سفر کے دوران میں حضرت علیؑ کا سلوک میرے ساتھ سخت رہا جس سے مجھے بے حد تکلیف پہنچی جب میں پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے مسجد میں علیؑ کی شکایت کی پیغمبرؐ کو بھی اس کی خبر ہوگئی، ایک صبح میں مسجد میں آیا رسولؐ اللہ اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، جب آپؐ کی نظر مجھ پر پڑی تو آپ نے گھور کر مجھے دیکھا، میں بیٹھ گیا، رسالت مآبؐ نے فرمایا اے عمرو! خدا کی قسم تم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے۔ میں نے عرض کی خدا کی پناہ، بھلا میں آپؐ کو اذیت پہنچاؤں گا، آں حضرتؐ نے فرمایا ہاں جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بریدہ صحابی پیغمبرؐ کی حدیث درج کی ہے بریدہ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے دو رسالے یمن کی جانب روانہ کئے ایک پر حضرت علیؑ کو افسر بنایا، دوسرے پر خالد بن ولید کو اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب دونوں مل جاؤ تو دونوں کے افسر علیؑ ہی ہوں گے اور جب الگ رہو تو ہر ایک اپنے اپنے دستے کا افسر رہے گا بریدہ کہتے ہیں کہ اہل یمن کے بن زبیدہ سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی، اور گھمسان کا رن پڑا آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی ہم نے جنگ آزماؤں کو موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی عورتوں بچوں کو قید کرلیا، حضرت علیؑ نے انہیں قیدیوں میں سے ایک خادمہ کو اپنے لئے الگ کرلیا، بریدہ کہتے ہیں کہ خالد نے ایک نامہ میرے ہاتھوں رسولؐ کی خدمت میں بھیجا جس میں واقعہ کی رسولؐ کو خبر دی تھی، میں نے خدمت میں پہنچ کر وہ نامہ پیش کیا، خط جب پڑھا گیا تو غیظ وغضب کے آثار رسولؐ کے چہرے پر نمایاں ہوئے، میں نے عرض کی میں معافی کا خواستگار ہوں آپ نے مجھے ایک شخص کے

ہمراہ بھیجا اور مجھے اس کی اطاعت کا حکم دیا، میں نے اس کی فرمانبرداری کی، رسولؐ نے فرمایا، خبردار علیؑ کے متعلق کچھ کہنا سننا نہیں، علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ میرے بعد تم لوگوں کے ولی ہیں (مسند امام احمد جلد ۵ ص ۳۵۶)

امام نسائی نے خصائص علویہ میں یہ عبارت لکھی ہے ''اے بریدہ مجھے علیؑ کا دشمن بنانے کی کوشش نہ کرو کیوں کہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد تم لوگوں کے ولی ہیں، طبرانی نے اس حدیث کو ذرا تفصیل سے درج کیا ہے ان کی روایت میں ہے کہ بریدہ جب یمن سے واپس آئے اور مسجد میں پہونچے تو رسولؐ کے حجرے کے دروازے پر ایک جماعت لوگوں کی موجود تھی، لوگ انہیں دیکھ کران کی طرف بڑھے سلام ومزاج پرسی کرنے اور یمن کے حالات دریافت کرنے لگے کہ کیا خبر لے کے آئے بریدہ نے کہا اچھی ہی خبر ہے خدا نے مسلمانوں کو فتح بخشی لوگوں نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا مال خمس سے علیؑ نے ایک کنیز لے لی ہے میں اسی کی رسولؐ کو خبر کرنے آیا ہوں، لوگوں نے کہا سناؤ سناؤ رسولؐ کو تا کہ علیؑ، رسولؐ کی نظروں سے گریں، آں حضرت دروازے کے عقب سے لوگوں کی یہ گفتگو سن رہے تھے آپ غیظ وغضب کی حالت میں برآمد ہوئے، ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ علیؑ کی برائی کرتے ہیں جس نے علیؑ کو غضبناک کیا مجھے غضبناک کیا جو علیؑ سے جدا ہوا مجھ سے جدا ہوا علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں، میری طینت سے علیؑ کی خلقت ہوئی، اور میں جناب ابراہیم کی طینت سے خلق ہوا اور میں جناب ابراہیم سے بہتر ہوں، اے بریدہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ علیؑ کا حصہ اس کنیز سے بہت زیادہ ہے جو انہوں نے لی ہے اور میرے بعد وہی تم لوگوں کے ولی ہیں''۔[1]

---

[1] علامہ ابن حجر نے اس حدیث کو طبرانی سے صواعق محرقہ باب ۱۱ میں نقل کیا ہے لیکن جب اس جملہ پر پہنچے أما علمت أن لعلي أكثر من الجارية کیا تم نہیں جانتے کہ علیؑ کا حصہ اس کنیز سے بہت زیادہ ہے۔ ان کا قلم رک گیا اور ان کے نفس نے گوارا نہ کیا کہ جملہ پورا لکھیں إلى آخر الحديث لکھ کر عبارت ختم کردی۔

ساتواں باب

زندگی کا تیسرا دور
اعلان خلافت

حجۃ الوداع:

اسی ۱۰ھ میں پیغمبرؐ خدا نے حج کا قصد وارادہ فرمایا، مسلمانوں کو بھی پیغمبرؐ نے اپنے اس ارادے کی اطلاع دی، جہاں جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی وہاں بھی یہ خبر پہنچی، ہر دل میں جذبہ پیدا ہوا کہ پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ اس فریضۂ حج میں شرکت کی جائے، مدینہ میں چار جانب سے مسلمان امنڈ کر آ گئے اور مسلمانوں کی کثرت سے مدینہ چھلکنے لگا، پیغمبرؐ خدا مسلمانوں کی کثیر جمعیت کے ساتھ پنجشنبہ یا ہفتہ کے روز عازم سفر ہوئے، سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ آپ کے ہمراہ ۴۰ ہزار مسلمانوں کی تعداد تھی بعض روایتوں میں ستر بعض میں نوابے ہزار کی تعداد مذکور ہے، بعض میں ایک لاکھ چودہ ہزار بعض میں ایک لاکھ بیس ہزار بعض روایات سے اس سے بھی زیادہ تعداد معلوم ہوتی ہے، یہ تعداد صرف ان مسلمانوں کی تھی جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ چلے تھے مکہ اور یمن کے ہزاروں مسلمان جو مکہ میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ ان تمام روایات کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ مدینہ اور اس کے آس پاس مقامات سے جو مسلمان پیغمبرؐ کے ساتھ ہو گئے تھے وہ چالیس ہزار تھے اور جب مدینہ سے قریبی فاصلہ کے شہروں کے مسلمان بھی آ کر مل گئے تو ستر ہزار کی تعداد تھی اور مکہ پہنچنے پر تمام اطراف عرب سے آئے ہوئے مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اس سفر میں امہات المومنین بھی ہمرکاب تھیں اور معصومہؑ عالم بھی، امیرالمومنین یمن میں تشریف فرما تھے پیغمبرؐ نے خط لکھ کر تاکید کی کہ حج میں ہمارے ساتھ آ کر شریک ہو مگر پیغمبرؐ نے نوعیت حج کی نہیں تحریر

فرمائی جس کا ارادہ کر کے آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ نے اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ لئے تھے مقام ذی الحلیفہ پر پہنچ کر آپؐ نے اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے احرام حج باندھے اور ادھر یمن سے امیر المومنینؑ اپنے رسالہ کو لیکر مکہ کی طرف بڑھے اور آپ کے ساتھ وہ تمام حلے بھی تھے جو نصاری نجران سے بطور خراج وصول ہوئے تھے۔ امیر المومنینؑ رسالہ پر کسی کو مقرر کر کے خود آگے بڑھ گئے اور جا کر خدمت پیغمبرؐ میں باریاب ہوئے، یمن میں جو واقعات پیش آئے پیغمبرؐ سے ان کی تفصیل بیان کی اور ان تمام پارچہ جات کی بھی جو نجران سے وصول ہوئے تھے، علیؑ کو دیکھ کر پیغمبرؐ کی مسرت کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے، پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ سے پوچھا اے علیؑ تم نے کس نیت کا احرام باندھا ہے؟ علیؑ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ آپ نے اپنے خط میں اپنے حج کی نوعیت کی صراحت نہیں فرمائی اور نہ مجھے کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوسکا، میں نے تو وہی نیت کی تھی جو آپ کی ہوگی، میں نے نیت کی تھی، اللهم أهلا لاً كاهلال نبيك، بارالہا تیرے پیغمبرؐ نے جس نیت کا احرام باندھا ہے وہی میرا بھی احرام ہے اور میں اپنے ساتھ ۳۴/اونٹ قربانی کے لئے لایا ہوں پیغمبرؐ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ میں اپنے ساتھ ۶۶ اونٹ لایا ہوں تم میرے حج اور عبادات حج اور قربانی میں برابر کے شریک ہو تم احرام باندھے رہو، (صحیح بخاری پارہ ۶ و ۱۰ و ۱۷ و ۲۹ و ۹ ص ۶۲۷) اور اپنے رسالہ کی طرف واپس جاؤ اور انہیں ساتھ لیکر مکہ میں آؤ۔

امیر المومنینؑ پیغمبرؐ سے رخصت ہو کر اپنے رسالہ کی طرف روانہ ہوئے، رسالہ والے قریب آگئے تھے آپ نے وہاں پہونچ کر دیکھا کہ لوگوں نے وہ حلے زیب تن کر رکھے ہیں جو نصارائے نجران سے خراج میں وصول ہوئے تھے آپ کو یہ حرکت بہت ناگوار معلوم ہوئی، جس کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے اس سے باز پرس کی کہ پیغمبرؐ کی خدمت میں بغیر پہنچائے اور آپ کے ملاحظہ سے گزرے لشکر والوں کو تم نے یہ حلے کیوں دیدیئے، میں کب تمہیں اس کی اجازت دی تھی،، اس نے عذر کیا کہ رسالہ والوں نے درخواست کی کہ پاک وصاف کپڑے ہیں اس وقت عاریۃ پہن لیں اور اسی میں احرام باندھیں پھر واپس کردیں گے، آپ نے تمام لوگوں سے حلے واپس لئے، امیر المومنینؑ کی یہ سختی لوگوں کو بہت ناگوار گزری جب رسالہ والے مکہ پہنچے تو کئی شخصوں نے پیغمبرؐ کی خدمت میں علیؑ کی شکایت کی، آں حضرت نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ علیؑ کے متعلق لب کشائی مناسب نہیں کہ وہ خدا کے بارے میں بہت سخت ہیں دینی معاملات میں انہیں فریب نہیں دیا جاسکتا۔

اسیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ سے پوچھا تمہارے ساتھ قربانی کے لیے اونٹ بھی ہیں، علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہ میں تو اپنے ساتھ نہیں لایا پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنی قربانی میں شریک کرلیا اور علیؑ حالت احرام پر باقی رہے یہاں تک کہ دونوں حضرات حج سے فارغ ہوئے اور پیغمبرؐ نے اپنے اور علیؑ دونوں کی طرف سے اونٹ ذبح کئے علامہ حلبی نے سیرۃ حلبیہ میں ان دونوں روایتوں کو کہ یمن سے قربانی کے اونٹ لائے اور اونٹ نہیں لائے یوں جمع کیا ہے کہ علیؑ یمن سے قربانی کے اونٹ ساتھ لے کے چلے تھے مگر وہ پیچھے رہ گئے تھے کیونکہ علیؑ اپنے رسالہ سے آگے بڑھ کر پیغمبرؐ سے جا ملے تھے اس لئے پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنی قربانی کے اونٹوں میں شریک کرلیا۔ ۱۲

ابو سعید خدری صحابی پیغمبرؐ کی مشہور روایت ہے:

اشتکی الناس علیاً رضوان الله علیه، فقام رسول الله (صلی الله علیه وسلم) فینا خطیباً، فسمعته یقول: أیها الناس، لا تشکوا علیاً، فوالله إنه لأخشن فی ذات الله، أو فی سبیل الله، (مسند جلد ۳ ص ۸۶)

لوگوں نے پیغمبرؐ کی خدمت میں علیؑ کی شکایت کی اس پر پیغمبرؐ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے میں نے آپ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ علی کی شکایت نہ کرو کہ خدا کے بارے میں یا راہ خدا میں بہت کھرے ہیں۔

پیغمبرؐ کی ہدایت کے مطابق امیر المومنین حالت احرام پر باقی رہے، پیغمبرؐ نے فریضۂ حج ادا کیا، قربانی کے کچھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کئے باقی کے متعلق حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ تم نحر کرو، جب فریضۂ حج سے فراغت ہوگئی تو پیغمبرؐ مدینہ کو واپس ہوئے مسلمانوں کی پوری جمعیت آپ کے ہمرکاب تھی، ۱۸ ذی الحجہ کو مقام غدیر خم پر پہنچے جو جحفہ سے قریب واقع ہے یہ کوئی ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی مگر آیت نے نازل ہو کر پیغمبرؐ کو منزل کرنے پر مجبور کر دیا، پیغمبرؐ کی جانشینی و نیابت کے مسئلہ کو قدرت نے نبوت کے آغاز ہی میں صاف کر دیا تھا جس دن پیغمبرؐ نے قریش کے اکابر کو اپنی رسالت کی طرف دعوت دی اسی دن آپ نے علیؑ کے متعلق صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا تھا کہ یہی میرے وصی ہیں، وزیر ہیں میرے وارث ہیں اور میرے بعد میرے جانشین ہیں، یہ ۳ھ بعثت کا واقعہ تھا جس کے بعد دس برس پیغمبرؐ مکہ میں رہے اور اپنے افعال سے اقوال سے مسلمانوں کے ذہن نشیں کراتے رہے کہ ہمارے بعد ہدایت کی توقعات تم علیؑ ہی سے وابستہ کرنا اور جس طرح مجھے دینی و دنیوی امیر و حاکم سمجھتے رہے علیؑ کو سمجھنا، پیغمبرؐ کی بعثت سے رحلت تک کے حالات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں، اعلان نبوت کے بعد ہر موقع پر پیغمبرؐ کا جو امتیازی و خصوصی سلوک علیؑ سے رہا اور اٹھتے بیٹھتے جو کلمات آپ نے علیؑ کے متعلق فرمائے ان کی اہمیت سے آشنا شخص آسانی سے نتائج اخذ کر سکتا ہے، اب یہ پیغمبرؐ کی زندگی کے آخری دن تھے آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس دنیا میں مجھے زیادہ دن رہنا نہیں، قدرت کا یہی منشا تھا کہ عرب کا چپہ چپہ توحید کے نعروں سے گونج رہا ہے مسلمانوں کی تعداد لوگوں تک پہنچ گئی ہے مختلف ممالک اور متفرق شہروں میں مسلمان روز افزوں ترقی پر ہیں ممکن ہے بہت سے ایسے ہوں جنہیں پیغمبرؐ کے ارشادات پانے نیابت کے متعلق نہ معلوم ہوئے ہوں ضرورت ہے کہ ایک آخری مرتبہ مجمع عام میں نیابت پیغمبرؐ کا معاملہ اور واضح کر دیا جائے، پیغمبرؐ پر وحی پہلے ہی نازل ہو چکی تھی مگر آپ منتظر تھے کہ ایسا مناسب موقع آجائے جس میں لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ نہ ہو مگر اس حکیم و علیم کے نزدیک غدیر خم سے بہتر کوئی موقع نہ تھا ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کی جمعیت مکہ سے پیغمبرؐ کے ہمراہ تھی اسی جگہ سے رستے بٹتے تھے مختلف شہروں کے مسلمانوں کو یہیں سے جدا ہونا تھا، امین وحی آیت لے کے نازل ہوئے، يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ

يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ، اے رسول پہنچادو اس چیز کو جو تم پہ نازل کی گئی ہے اور اگر تم نے نہیں پہنچایا تو گویا تم نے کار رسالت ہی انجام نہیں دیا۔ ڈرو نہیں تم کو خدا لوگوں سے محفوظ رکھے گا'۔ آپ مرکب سے اتر پڑے، آپ کے ساتھ پورا مجمع اتر پڑا جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ آپہنچے اور جو لوگ آگے بڑھ چکے تھے وہ واپس بلالئے گئے، دوپہر کا وقت گرمی کی شدت عرب کا بیابان تپتی زمین، جہاں ببول کے درختوں کے علاوہ کسی درخت کا سایہ بھی نہیں اسی جگہ پیغمبرؐ نے نماز جماعت پڑھائی پھر منبر پر جو اونٹ کے کجاوؤں سے تیار کرایا گیا تھا آپ تشریف لے گئے، مجمع میں بے چینی ہے اضطراب کی کیفیت سب پر طاری ہے سبب کھلتا نہیں کہ آخر یہ بے منزل کی منزل کیسی یہ اتنی تیاری کس مقصد کے لئے، سب کی آنکھیں رسول کے چہرے پر جمی ہوئی، سب کے کان آپ کی آواز پر لگے ہوئے حضرت رسالت مآبؐ اس منبر پر تشریف لے گئے علیؑ کو بھی اپنے دائیں پہلو برابر کھڑا کرلیا، بعد حمد وثنائے الٰہی ارشاد فرمایا أیها الناس یوشك أن ادعی فأجیب وأنی مسئول وأنکم فما أنتم قائلون قالوا نشهد أنك قد بلغت وجاهدت ونصحت فجزاك الله خیراً ، اے لوگو قریب ہے کہ مجھے بلایا جائے اور مجھے جانا پڑے مجھ سے بھی سوال ہوگا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا تم بتاؤ تم لوگ کیا کہنے والے ہو، سارے مجمع نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پوری تبلیغ کی، ہمیں راہ راست پر لانے کے لئے بے حد جدوجہد کی، ہماری خیر خواہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی آپ کو خداوند عالم جزائے خیر دے، آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا ألیس تشهدون أن لآ إله إلا الله وأن

---

[1] اس آیت کا بروز غدیر خم ولایت امیر المومنین کے متعلق نازل ہونا کافی مشہور ہے علامہ واحدی نے سورہ مائدہ کی اس آیت کی تفسیر میں اپنی کتاب اسباب النزول ص ۱۵۰ پر دو معتبر طریقوں سے روایت کی ہے عطیہ جناب سعید خدری صحابی پیغمبرؐ سے ناقل ہیں کہ یہ آیت یَآ أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ بروز غدیر خم علیؑ ابن ابیطالب کے متعلق نازل ہوئی اسی مضمون کی حدیث حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب نزول القرآن میں دو سندوں سے روایت کی ہے ایک ابوسعید خدری سے دوسرے ابورافع سے نیز علامہ حموینی شافعی نے اپنی کتاب فرائد السمطین میں متعدد طریق سے روایت کیا ہے، ابو اسحاق ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے متعلق اسی مضمون کی حدیث درج کی ہے، تفسیر کبیر در منثور تفسیر نیشاپوری سیرۃ الحلبیہ میں بھی اسی مضمون کی روایتیں موجود ہیں، علامی عینی شارح صحیح بخاری تحریر فرماتے ہیں معناہ بلغ ما أنزل إلیك فی فضل علی ابن ابی طالب فلما نزلت هذه الآیة أخذ بید علی وقال من کنت مولاه فعلی مولاه، عمدۃ القاری فی شرح صحیح بخاری) آیہ بلغ کے معنی یہ ہیں کہ اے رسول پہنچادو اس حکم کو جو تمہارے پروردگار نے علی ابن ابی طالب کی فضیلت میں نازل فرمایا ہے چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبر خدا نے علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے، مزید برآں قابل غور ہے یہ امر کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی نماز رائج ہوچکی تھی زکوٰۃ فرض ہوچکی تھی، روزے رکھے جارہے تھے، ہر سال حج بھی کیا جاتا تھا، شریعت کے احکام مدون ہوچکے تھے اب سوا پیغمبرؐ کی جانشینی کے اعلان کے کون سی بات ایسی باقی بچی رہی تھی جس کے لئے خداوند عالم کی تاکید اتنے شدید پیمانے پر ہوئی اور اتنے سخت وشدید الفاظ آیت میں استعمال کئے گئے جو دھمکی سے مشابہ تھے إن لم تفعل فما بلغت رسالته، اگر تم نے اے رسول یہ بات لوگوں تک نہ پہنچائی تو تم نے کار رسالت انجام ہی نہ دیا اور خلافت پیغمبرؐ کے علاوہ کونسی ایسی بات ہوسکتی ہے جس کے اظہار سے پیغمبرؐ ایسے ہراساں تھے قلب پیغمبر کو فتنہ وفساد کا اندیشہ لاحق تھا اور اس کے اعلان کے بعد پیغمبر خداوند عالم کی حمایت وحفاظت کے محتاج تھے۔

محمداً عبدہ ورسولہ وأن جنتہ حق وأن نارہ حق وأن الموت حق وأن البعث حق بعد الموت وأن الساعة اٰتیة لاریب فیھا وأن اللہ یبعث من فی القبور قالوا بلی نشھد بذالك قال اللھم اشھد، کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ بس معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے موت کے بعد پھر زندہ ہونا حق ہے اور قیامت آ کر رہے گی کوئی شک وشبہ نہیں اس کے آنے میں اور یہ کہ خداوند عالم تمام قبروں سے مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا مجمع نے کہا، ہاں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، آں حضرتؐ نے فرمایا خداوندا تو بھی گواہ رہنا پھر آپ نے فرمایا إنی تارك فیکم الثقلین أحدھما أکبر من الآخر کتاب اللہ وعترتی أھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما فإنھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض، دیکھو تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن میں ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہل بیت''(۱) اب دیکھنا ہے کہ تم ان دونوں سے کیسا طرز عمل اختیار کرتے ہو یہ دونوں کبھی جدا نہیں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔

(۱) مولوی احسان اللہ عباسی مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں اس کا منشا بظاہر یہ تھا کہ قرآن تمہارے واسطے ایسا عمدہ قانون چھوڑتا ہوں جو ضروریات زندگی میں تمہارا سب سے بڑا رفیق ہے اور قرآن کے سمجھانے کے لئے میرے اہلبیت سب سے زیادہ قابل ہیں کہ فیض صحبت نے انہیں دوسرے اصحاب سے زیادہ ترفیضیاب بنا رکھا ہے زمانہ وفات قریب تھا اس سبب سے مسلمانوں کو آئندہ رہنمائی کے لئے یہ سب باتیں اس طرح پر کہی گئیں جس طرح مرنے والے وقتاً فوقتاً وصیت کے طور پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں اس میں کلام نہیں کہ دس بارہ برس کے سن سے ہوش سنبھالنے کے بعد حضرت علیؑ سے ایسے ایسے نمایاں کام ہوئے اور اشاعت اسلام میں ایسی کچھ مدد ملی کہ آں حضرتؐ کے نزدیک یہ بہت زیادہ ممتاز اور پیارے تھے، جو خونی تعلق آں حضرت کو ان کے ساتھ تھا اس سے قطع نظر کر کے دیکھئے جب بھی مسلمانوں کی جماعت میں حضرت علیؑ سے زیادہ کوئی دوسرا بہمہ صفت موصوف نہ تھا، شجاعت، تہور، راستی، اتقا، دانشمندی، سخاوت، توکل اسلام کے جان نثار، محمد پر جان قربان کرنے والے جس پہلو سے دیکھو یہ شخص اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اس کو پیغمبریؐ درجہ نہیں ملا ورنہ ہارون نے موسیٰ کے ساتھ اتنا نہیں کیا جتنا علیؑ نے محمدؐ کے ساتھ کیا انگریز مورخ بھی اس مرد میدان کے مداح ہیں بعض مسلمانوں نے علیؑ کی محبت کو جز وایمان سمجھ رکھا ہے۔

پیغمبرؐ کا یہ ارشاد کہ انی تارك فیکم الثقلین ان انگلیوں پر گنی جانے والی پیغمبرؐ کی حدیثوں میں سے ہے جو متواتر کی حیثیت رکھتی ہیں پیغمبرؐ کے زمانے سے آج تک ہر عہد وہر زمانہ کے علماء ومحدثین اس حدیث کو بیان کرتے اور اپنے مصنفات میں ذکر کرتے آئے ہیں ہم اس حدیث پر مفصل روشنی انشاء اللہ خلافت والی جلد میں ڈالیں گے۔ مولوی احسان اللہ عباسی مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں اس کا منشا بظاہر یہ تھا کہ قرآن تمہارے واسطے ایسا عمدہ قانون چھوڑتا ہوں جو ضروریات زندگی میں تمہارا سب سے بڑا رفیق ہے اور قرآن کے سمجھانے کے لئے میرے اہلبیت سب سے زیادہ قابل ہیں کہ فیض صحبت نے انہیں دوسرے اصحاب سے زیادہ ترفیضیاب بنا رکھا ہے زمانہ وفات قریب تھا اس سبب سے مسلمانوں کو آئندہ رہنمائی کے لئے یہ سب باتیں اس طرح پر کہی گئیں جس طرح مرنے والے وقتاً فوقتاً وصیت کے طور پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں اس میں کلام نہیں کہ دس بارہ برس کے سن سے ہوش سنبھالنے کے بعد حضرت علیؑ سے ایسے ایسے نمایاں کام ہوئے اور اشاعت اسلام میں ایسی کچھ مدد ملی کہ آں حضرتؐ کے نزدیک یہ بہت زیادہ ممتاز اور پیارے تھے، جو خونی تعلق آں حضرت کو ان کے ساتھ تھا اس سے قطع نظر کر کے دیکھئے جب بھی مسلمانوں کی جماعت میں حضرت علیؑ سے زیادہ کوئی دوسرا بہمہ صفت موصوف نہ تھا شجاعت، تہور، راستی، اتقا، دانشمندی، سخاوت، توکل اسلام کے جان نثار، محمد پر جان قربان کرنے والے جس پہلو سے دیکھو یہ شخص اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اس کو

پیغمبریؐ درجہ نہیں ملا ورنہ ہارون نے موسیٰ کے ساتھ اتنا نہیں کیا جتنا علیؑ نے محمدؐ کے ساتھ کیا انگریز مورخ بھی اس مرد میدان کے مداح ہیں بعض مسلمانوں نے علیؑ کی محبت کو جزو ایمان سمجھ رکھا ہے۔

پیغمبرؐ کا یہ ارشاد کہ انی تارك فیکم الثقلین ان انگلیوں پر گنی جانے والی پیغمبرؐ کی حدیثوں میں سے ہے جو متواتر کی حیثیت رکھتی ہیں پیغمبرؐ کے زمانے سے آج تک ہر عہد و ہر زمانہ کے علماء و محدثین اس حدیث کو بیان کرتے اور اپنے مصنفات میں ذکر کرتے آئے ہیں ہم اس حدیث پر مفصل روشنی انشاء اللہ خلافت والی جلد میں ڈالیں گے۔۔

یہ حدیث ۲۰ سے اوپر صحابیوں سے بکثرت طریقوں سے مروی ہے اہل بیت کی پیروی کو واجب بتانے کے لئے ایک مرتبہ نہیں بار ہا اور متعدد مواقع پر پیغمبرؐ نے علی الاعلان کھلے لفظوں میں فرمایا کبھی غدیر خم میں اعلان کیا جیسا ابھی بیان کیا جا چکا ہے حج آخری کے موقع پر عرفہ کے دن اعلان کیا ایک مرتبہ جب آپ بستر مرگ پر حجرہ میں تھے اور آپ کا حجرہ صحابہ سے بھرا ہوا تھا آپ نے ارشاد فرمایا، اے لوگوں، عنقریب تم سے رخصت ہونے والا ہوں میں پہلے ہی تم سے سب کچھ کہہ سن چکا ہوں پھر کہے دیتا ہوں کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنے عترت واہلبیت پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور ارشاد فرمایا دیکھو یہ علی ہیں، یہ قرآں کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں، صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ کی آخری سطران کے ساتھ میں) رسالت مآبؐ کی اس چلتے چلاتے وصیت کا جمہور مسلمین کے سر برآوردہ افراد کی ایک جماعت نے اقرار و اعتراف کیا ہے یہاں تک کہ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب میں حدیث ثقلین درج کر کے کہا ہے کہ "حدیث تمسک بکثرت طریقوں سے مروی ہے اور ۲۰ سے زیادہ صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ" یہاں ایک شبہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حدیث ثقلین بکثرت طریقوں سے مروی تو ہے مگر کہیں یہ ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں فرمایا، کہیں یہ ہے کہ مدینہ میں جب آپ بستر بیماری پر تھے تب ارشاد فرمایا اور حجرہ اصحاب سے بھرا ہوا تھا، کہیں یہ ہے کہ غدیر خم میں فرمایا، کہیں یہ ہے کہ آپ طائف سے واپس ہوئے ہیں تو دوران خطبہ میں آپ نے فرمایا لیکن یہ شبہ درست نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آں حضرت نے کلام اللہ اور اہلبیت کی عظمت وجلالت کا لحاظ کرتے ہوئے اور لوگوں کو ان کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دلانے کے لئے ان تمام مواقع پر اس حدیث کو بہ تکرار ارشاد فرمایا ہوتا کہ اگر پہلے سے کسی کے کانوں میں یہ بات نہ پڑی ہو تو اب پڑ جائے، پہلے کسی نے نہ سنا ہو تو اب سن لے، (صواعق محرقہ باب الافصل اول ص ۸۹)۔

ثم قال أيها الناس أن الله مولاى وأنا مولى المؤمنين وأنا أولى بهم من أنفسهم فمن كنت مولاه فهذا مولاه يعني علياً اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله وأدر الحق معه حيث كان، پھر فرمایا اے لوگو خداوند عالم میرا مولا ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں اور میں ان کی جانوں پر ان سے زیادہ قدرت واختیار رکھتا ہوں تو یاد رکھنا کہ جس جس کا میں آقا و مولا ہوں یہ یعنی علی بھی اس کے مولا و آقا ہیں خداوندا تو دوست رکھ اسے جو انہیں دوست رکھے اور دشمن رکھ اسے جو انہیں دشمن رکھے اور جو اس کی مدد کرے اس کی تو مدد کر اور جو اسے چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے اور حق کو ادھر گردش دے جدھر علی ہوں، تین مرتبہ کہہ کر ارشاد کیا کہ تم حاضرین

کو چاہئے کہ غائبین تک اس خبر کو پہنچاؤ[۱]۔

اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت امیر المونین کو حکم دیا کہ تم خیمے میں بیٹھو اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ ایک ایک جماعت علیؑ کی خدمت میں آئے اور امیر المومنین کہہ کر سلام کرے چنانچہ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی پھر آپ نے امہات المومنین اور دیگر خواتین کو جوج میں ہمراہ تھیں حکم دیا کہ وہ علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوں اور امیر المومنین کہہ کر سلام کریں، حضرت ابوبکر وعمر نے بھی اس موقع پر بہت جی کھول کر مبارک باد دی اور اپنی مسرت کا اظہار کیا حضرت عمر کا یہ فقرہ کافی شہرت رکھتا ہے جو انہوں نے تہنیت کے طور پر امیر المومنینؑ سے کہے تھے بخ بخ لی یا علی أصبحت مولایَ ومولی کل مؤمن ومؤمنة، مبارک ہو مبارک ہو آپ کو یا علی کہ آج سے آپ میرے بھی مولا و آقا ہو گئے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے،

(مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۸۱، تاریخ حبیب السیر جلد اول جز سیوم ص ۷۷، معارج النبوۃ رکن چہارم باب سیز دہم ص ۲۲۰، کنز العمال جلد ۸ ص ۶۰، حدیث

---

[۱] علامہ ابن عقدہ نے اس حدیث کے متعلق ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے اور اس کا نام "حدیث الموالاۃ" رکھا ہے اور ایک سو اٹھائیس طریقوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔

حدیث پیغمبرؐ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ، جتنی مشہور و معروف اور اہمیت کی حامل ہے اور جس قدر بکثرت صحابہ سے مروی ہے اور اس کے بیان تحریر میں جتنا اہتمام علمائے اسلام نے صرف کیا ہے شاید ہی کوئی حدیث اس شان کی مل سکے، محدث کبیر مورخ اعظم علامہ طبری نے اس حدیث کو پچہتر طریقوں سے روایت کر کے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام کتاب الولایہ ہے جس کے کثرت طرق کو دیکھ کر حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں بسلسلہ ترجمہ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ ،فرماتے ہیں ألف محمد ابن جریر فیه کتاباً ووقفنا علیه فاندهشت الکثرة طرقه یعنی اس حدیث کے متعلق محمد بن جریر طبری نے ایک رسالہ تالیف کیا ہے میں اس کے کثرت طرق کو دیکھ مدہوش رہ گیا۔

حدیث من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ أخرجه النسائی والترمذی و کثیر الطرق جدا وقد استوعبها ابن عقدة فی کتاب مفرد و کثر من اسانیدها صحاح وحسان۔ یعنی من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کی حدیث کو ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کے بہت سے طریقے ہیں ابن عقدہ نے ایک کتاب میں اس کے طریقوں کو جمع کیا ہے جس کی سندیں اکثر صحیح اور حسن ہیں، علامہ حسکانی المتوفی ۴۷۰ھ نے اس حدیث کے اسناد کو ایک بارہ جز کے رسالہ میں جمع کر کے اس کا نام دعاۃ الھداۃ إلی أداء حق الموالاۃ رکھا، علامہ سجستانی المتوفی ۴۷۷ھ نے اس حدیث کو ایک سو بیس صحابہ سے روایت کر کے ستر جز کا رسالہ لکھا اور اس کا نام "درایۃ" "حدیث الولایۃ" رکھا۔

علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے ایک رسالہ میں اس حدیث کے طریقوں کو جمع کیا ہے چنانچہ مفتاح کنز الدقائق میں بذیل ترجمہ صحیح عبد اللہ بن الحاکم لکھتے ہیں،

واما حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ فله طرق جیدة وقد افردت ذالك ایضا، حدیث من کنت مولاہ بہت عمدہ اور جید طرق سے مروی ہے میں نے بھی اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے ان کے ماسوا بعض ائمہ حدیث نے ان سے بھی بڑھ کر اس حدیث کے طریقوں کو جمع کرنے میں اہتمام کیا ہے چنانچہ ابن کثیر شامی ابوالمعانی جوینی سے نقل کرتے ہیں انه کان یتعجب ویقول شاهدت مجلد ببغداد فی ید صحاف فیه روایت هذا الخبر مکتوبا علیه المجلدة الثامنة والعشرون من طرق من کنت مولاہ فعلی مولاہ یتلوه المجلد التاسع والعشر، یعنی ابوالمعانی جوینی تعجب کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں ایک جلد ساز کے پاس اس حدیث کی روایتوں کے متعلق ایک ضخیم جلد دیکھی اس پر لکھا ہوا تھا من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے طریقوں کے متعلق یہ اٹھائیسویں جلد ہے اس کے بعد انتیسویں جلد ہوگی۔

نمبر ۱۲۰۹، ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۲۱۷ مسند داؤد طیالسی وغیرہ)

اسی موقع پر امین وحی مژدۂ خداوندی لے کر پہنچے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ،آج کے دن ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کیں اور دین اسلام کو تمہارا دین بنانا پسند کیا، پیغمبرؐ نے فرمایا اللہ اکبر دین کے کامل اور نعمت کے تمام ہونے پر اور میری رسالت اور علی کی ولایت سے خدا کے خوشنود ہونے پر، (درمنثور سیوطی جلد ۲ ص ۲۵۹، تاریخ حبیب السیر وغیرہ)

حسان بن ثابت شاعر اسلام نے اپنا مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس کے چند اشعار یہ ہیں ۔

يناديهم يوم الغدير نبيهم * بخم وأسمع بالرسول مناديا

فقال: فمن مولاكم ونبيكم؟ * فقالوا ولم يبدوا هناك التعاميا

:إلهك مولانا وأنت نبينا * ولم تلق منا في الولاية عاصيا

فقال له: قم يا علي؟ فإنني * رضيتك من بعدي إماما وهاديا

فمن كنت مولاه فهذا وليه * فكونوا له أتباع صدق مواليا

هناك دعا اللهم؟ وال وليه * وكن للذي عادا عليا معاديا

بروز غدیر ان کے نبی مقام غدیر خم پر اعلان فرماتے ہیں پیغمبر کو اعلان کرتے سنو، آپ فرما رہے ہیں کہ کون تمہارا مولا و آقا ہے لوگوں نے بیک زبان کہا اور جواب میں درنگ نہ کی کہ اے رسول آپ کا معبود ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے آقا ہیں اور اپنی حکومت میں آپ ہمیں نافرمان نہ پائیں گے، اس پر پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا اے علی اٹھو میری مرضی ہے کہ تم میرے بعد امام اور ہادی ہو، تو اے لوگو! جس کا میں مولا ہوں یہ علی اس کے مولا ہیں تم انہیں کے سچے مددگار اور اطاعت گذار بن جاؤ، اسی موقع پر پیغمبرؐ نے یہ دعا فرمائی کہ خداوندا جو ان کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو انہیں دشمن رکھے تو اس کا دشمن ہو۔" (تاریخ حبیب السیر روضۃ الاحباب وغیرہ)

ان اشعار کے سننے کے بعد پیغمبرؐ نے حسان کو دعا دی تھی لا تزال يا حسان مؤيدا بروح القدس ما نصرتنا بلسانك، حسان روح القدس سے ہمیشہ تمہاری مدد ہوتی رہے گی جب تک تم اپنی زبان سے ہماری نصرت کرتے رہو گے، یہ شرط پیغمبرؐ نے اس لئے لگادی تھی کہ آپ کو حسان کا انجام معلوم تھا، یہ بعد میں حضرت امیر المومنینؑ کے مخالفین کے ہمنوا ہو گئے

تھے اگر مستقبل ان کا تاریک نہ ہوتا تو پیغمبر بغیر کسی شرط کے دعا دیتے[1]۔

اس مہتم باشان فرض سے بخیر وخوبی فارغ ہوکر پیغمبرؐ مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے علی کی جانشینی کی خبریں تمام اطراف وقبائل عرب میں مشتہر ہوچکی تھیں حج میں شریک ہونے والے مسلموں نے اپنے اپنے شہروں میں پہنچ کر دوسرے مسلمانوں کو یہ خبریں پہنچائیں تھوڑے ہی دنوں میں اسلامی آبادیوں کے اندر یہ خبر اچھی طرح پھیل گئی اور ایک ایک متنفس کو معلوم ہوگیا کہ پیغمبرؐ نے علی کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے اور بعد پیغمبرؐ مرکز حکومت اسلامیہ وہی ہوں گے، سچے مسلمانوں کو جہاں بے اندازہ مسرت تھی وہیں منافقین کے لئے یہ خبر صدمۂ جانکاہ ثابت ہوئی بہتوں نے ظاہرداری میں مصلحت سمجھی اور اپنے منصوبوں کو وقت پر اٹھا رکھی، بعضوں کی طرف سے سخت ردعمل کا اظہار ہوا چنانچہ پیغمبرؐ کے مدینہ پہنچنے پر حارث بن نعمان فہری ناقہ پر سوار ہوکر رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ناقہ کو بٹھا کر اترا اور کہا یا محمدؐ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں، ہم نے آپ کا حکم مانا، آپ نے حکم دیا کہ پانچ وقت نماز پڑھیں، ہم نے اسے بھی قبول کیا، آپ نے حکم دیا کہ ہم زکوٰۃ دیں ہم نے یہ بھی منظور کیا، آپ نے حکم دیا کہ رمضان المبارک میں روزے رکھیں ہم نے اس حکم کی بھی تعمیل کی، آپ نے حکم دیا کہ ہم حج کریں ہم نے حج بھی کیا، ہم نے اتنی باتیں آپ کی مانیں اور آپ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور آپ نے یہ کیا کہ اپنے چچازاد بھائی علی کی آستین پکڑ کر ان کو کھڑا کیا ان کو ہم لوگوں پر فضیلت دی اور ان کے متعلق فرمایا کہ میں جس کا مولا ہوں اس کے یہ علی مولا ہیں، یہ بات آپ کی جانب سے تھی یا خدا کی جانب سے آں حضرتؐ نے فرمایا قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ خدا کی جانب سے تھا، اور اسی کے حکم سے میں نے ایسا کیا، یہ سن کر حارث پلٹا اور اپنی سواری کی طرف یہ کہتا ہوا بڑھا کہ پروردگار محمد جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا دردناک عذاب ہم پر بھیج، وہ ابھی

---

[1] یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا خداوند عالم نے ازواج پیغمبرؐ کے متعلق فرمایا ہے۔ یَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ اے ازواج پیغمبر تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم خدا سے ڈرتی رہیں، یعنی جب تک خدا سے ڈرتی رہیں گی ان کے مدارج عام عورتوں سے بلند رہیں گے لیکن تقوی اگر ہاتھ سے گیا تو پھر ان میں اور دیگر عورتوں میں کوئی فرق نہیں جو اوروں کا حشر ہوگا وہی ان کا بھی حشر اللہ اکبر! قدر ہوتی ہے اس موقع پر اہلبیت پیغمبرؐ کی، ازواج کے متعلق تو تقوی شرط قرار دے دیا گیا، اگر تقوی آخر دم تک رہا تب تو قیامت میں یہ عورتوں سے ممتاز رہیں گی اور علی و فاطمہ و حسن و حسین علیھم السلام نے یتیم و مسکین و اسیر کو صرف اپنا کھانا دے دیا اور اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دی تو خداوند عالم نے اس ایثار کو اتنا عظیم سمجھا کہ آیت اتری وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا۔ اور اس کی محبت میں محتاج اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تو بس خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلے کے خواستگار ہیں اور نہ شکرگزاری کے ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر ہے جس میں منھ بن جائیں (اور) چہرے پر ہوائیاں اڑتی ہوں گی تو خدا انہیں اس دن کی تکلیف سے بچائے گا اور ان کو تازگی اور خوشدلی عطا فرمائے گا۔'' صرف اتنے سے ایثار کے لئے ان نعمات آخرت کا قطع ویقین کے ساتھ حکم صادر فرمایا خداوند عالم نے اور ان کے لئے کوئی شرط عائد نہ کی۔

مرکب تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ خداوند عالم نے اسے اپنے عذاب میں مبتلا کیا ایک پتھر آسمان سے اس کی کھوپڑی پر گرا جو سر کو توڑتا ہوا اسفل سے نکل گیا اور اسنے وہیں جان دے دی ا۔ اور اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ (نورالابصار علامہ شبلنجی ص ۷۱ سیرہ حلبیہ جلد ۳ ص ۲۷۴ تفسیر خواص الامہ باب دوم ص ۱۸ و ۱۹ وغیرہ)

عید غدیر:

۱۸ رذی الحجہ جس دن پیغمبرؐ نے علی کی جانشینی کا آخری اعلان فرمایا بڑی اہمیت کی تاریخ ہے اسی دن دین کامل ہوا اور خداوند عالم کی نعمتیں امت مرحومہ پر تمام ہوئیں اور آیت نازل ہوئی، الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۲۰۹) اسی سبب سے موالیان امیر المومنین کے نزدیک یہ تاریخ ہمیشہ سے عید کی تاریخ رہی، پیغمبرؐ نے اس تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب فرمایا ہے اور اس کے متعلق بہت سی حدیثیں پیغمبرؐ کی ملتی ہیں۔

ا اسی سے ملتا جلتا واقعہ امام حاکم نے لکھا ہے:

عن قيس بن حازم قال كنت بالمدينة فبينا أنا أطوف في السوق إذ بلغت أحجار الزيت فرأيت قوما مجتمعين على فارس قد ركب دابة وهو يشتم علي بن ابي طالب والناس وقوف حواليه إذ أقبل سعد بن أبي وقاص فوقف عليهم فقال: ما هذا؟ فقالوا: رجل يشتم علي بن أبي طالب (ع). فتقدم سعد فأفرجوا له حتى وقف عليه. فقال: يا هذا على ما تشتم علي بن أبي طالب (ع). ألم يكن أول من أسلم، ألم يكن أول من صلى مع رسول الله صلى الله عليه (وآله) وسلم، ألم يكن أزهد الناس، ألم يكن أعلم الناس، وذكر حتى قال ألم يكن ختن رسول الله صلى الله عليه (وآله) وسلم على ابنته. ألم يكن صاحب راية رسول الله صلى الله عليه (وآله) وسلم في غزواته، ثم استقبل القبلة ورفع يديه وقال: اللهم إن هذا يشتم ولياً من أوليائك. فلا تفرق هذا الجمع حتى تريهم قدرتك. قال قيس: فوالله ما تفرقنا حتى ساخت به دابته فرمته على هامته في تلك الأحجار. فانفلق دماغه ومات۔ (مستدرک جلد ۳ ص ۴۹۹)

قیس بن حازم سے روایت ہے کہ میں مدینہ میں تھا بازار کا چکر لگا رہا تھا کہ میں مقام احجار زیت پر پہنچا وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ ایک سوار کے گرد ہجوم کئے ہوئے ہیں وہ شخص چوپایے پر سوار ہے اور علیؑ کو برا بھلا کہہ رہا ہے اور لوگ اس کے چاروں طرف کھڑے ہیں اتنے میں سعد بن ابی وقاص صحابی پیغمبر آتے نظر پڑے وہ بھیڑ کے پاس آکر رک گئے پوچھا یہ بھیڑ کیسی ہے، لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص علی کو برا بھلا کہہ رہا ہے سعد یہ سن کر آگے بڑھے لوگوں نے راستہ دیدیا وہ اس شخص کے پاس جا کھڑے ہوئے اور پوچھا اے شخص آخر علی کو کس قصور پر گالیاں دے رہا ہے کیا علیؑ سب سے پہلے ایمان لانے والے نہ تھے، کیا رسول اللہ کے ساتھ سب سے پہلے علی نے نماز نہ پڑھی؟ کیا علی سب سے بڑھ کر زاہد نہ تھے؟ کیا سب سے علم میں بڑھے ہوئے نہ تھے؟ سعد ایک ایک فضیلت حضرت علی کی گناتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے کہا کیا علیؑ داماد پیغمبرؐ نہ تھے؟ کیا تمام غزوات میں علی علمدار لشکر پیغمبرؐ نہ رہے؟ پھر سعد قبلہ رو ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا خداوند یہ شخص تیرے اولیاء میں سے ایک ولی کو دشنام دے رہا ہے یہ مجمع پراگندہ نہ ہونے پائے کہ تو ان مجمع والوں کو اپنی قدرت دکھادے، قیس کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگ پراگندہ ہونے بھی نہ پائے تھے کہ اس کا چوپایہ جس پر وہ سوار تھا زمین میں دھنس گیا اور اس کو سر کے بل پتھر پر پھینک دیا اس کا بھیجا پھٹ گیا اور وہ اسی وقت مر گیا۔

۱۱ھ

پیغمبرؐ کی علالت کا آغاز اور تجہیز جیش اسامہ:

جب پیغمبرؐ حج سے فارغ ہو کر تشریف فرمائے مدینہ ہوئے تھے خاطر اقدس پر اضمحلال طاری رہتا تھا دیکھنے والے سمجھے کہ سفر کی تکان ہے، مگر پیغمبرؐ جانتے تھے کہ اب یہ زندگی کے آخری دن ہیں غدیر خم کے موقع پر آپ نے اپنے سلسلۂ بیان میں اس کی طرف اشارہ بھی فرما دیا تھا، دن گذرتے جاتے تھے اور آپ کا اضمحلال ترقی کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ مرض کی شکل اختیار کر لی بارہا ایسا ہوا کہ آپ بیت السرا سے باہر تشریف نہ لا سکے اور پورا ماہ محرم اسی کیفیت میں تمام ہوا اور صفر کی بھی آخری تاریخیں ہو گئیں۔ پیغمبرؐ گو کہ اپنے ادائے فرض سے سبک دوش ہو چکے تھے اپنی ابتدائے بعثت سے آخری دنوں تک ہر موقع و ہر محل پر علیؑ کو اپنا جانشین، اپنا وصی، اپنا نائب اپنے بعد کے لئے مسلمانوں کی اُمید گاہ ظاہر کیا اور اب آخری مرتبہ حج سے واپسی میں غدیر خم پر ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کے سامنے بہت واضح لفظوں میں اپنے بعد کے لئے مالک و مختار مقرر فرما چکے تھے مگر مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو ابتداء ہی سے پیغمبرؐ کے اس انتظام کا مخالف اور علی کا دشمن تھا اور اس مخالفت و دشمنی کا مظاہرہ پیغمبرؐ کی ۲۳ برس کی مدت تبلیغ رسالت میں بارہا ہوتا رہا، کچھ اس وجہ سے بھی کہ علی پیغمبرؐ کے کار رسالت میں برابر کے شریک رہے علیؑ و پیغمبرؐ کی متحدہ کوششوں ہی سے اہل عرب کا صدیوں پرانا مذہب نیست و نابود ہوا، بتوں کی جگہ خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کی جانے لگی وہ ہر قدم پر پیغمبرؐ کے سینہ سپر رہے اور پیغمبرؐ اسلام پر جتنی یورشیں ہوئیں اپنی جان پر کھیل کر مدافعت کی کچھ اس سبب سے بھی کہ اہل عرب کی عادت و فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ اگر ان کا کوئی شخص قتل کر دیا جاتا تھا تو جب تک اس کا انتقام نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے، پیغمبرؐ سے جنگ کرنے کے نتیجے میں سینکڑوں کفار و مشرکین علیؑ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے تھے ان سب کا انتقام وہ علیؑ سے لینے کی فکر میں تھے، کچھ اس سبب سے بھی کہ ہر لحہ فدا کاری کے گھاٹ اترے تھے ان سب کا انتقام وہ علیؑ سے لینے کی فکر میں تھے پیغمبرؐ کے نزدیک جو غیر معمولی رسوخ، خصوصی تقرب علیؑ کو حاصل تھا کسی ایک کو بھی حاصل نہ ہوا۔ پیغمبرؐ جو انتہائی امتیازی سلوک علیؑ کے ساتھ روا رکھتے تھے بہت سے لوگوں پر شاق گزرتا تھا وہ موقع بے موقع پیغمبرؐ کی خدمت میں علیؑ کی شکایت کرتے اور اس کے جواب میں پیغمبرؐ بجائے ان کی شکایت سننے کے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار فرماتے اور علیؑ کی مدح و ستائش میں کچھ اور ایسی گراں قدر لفظیں استعمال کر دیتے جس سے ان کی فضیلت و برتری کی زیادہ تشہیر ہوتی، اس طبقے کو علیؑ کی طرف سے ایک اور بات کا بھی غصہ تھا وہ یہ کہ آپ دشمنان خدا کو سختی سے کچل ڈالتے اور جو شخص حدود الٰہی سے تجاوز کرتا، حرمت خداوندی برباد کرتا اسے آپ دردناک سزا دیتے وہ ڈرتے تھے کہ اگر

علیؑ حاکم ہو گئے تو اچھے کاموں کا پوری سختی سے حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکنے میں پورا پورا تشدد کام میں لائیں گے، ان کو یہ ڈر بھی لاحق تھا کہ وہ رعایا میں کوئی فرق و امتیاز نہ رکھیں گے ہر ایک سے عادلانہ سلوک کریں گے، ہر معاملہ میں سب کو برابر سمجھیں گے ان سے کسی بات کی طمع ہی نہیں رکھی جا سکتی، قوت و طاقت والے ان کے نزدیک ضعیف و ذلیل رہیں گے، جب تک وہ ان سے حق نہ وصول کرلیں اور حقیر و ناتواں ان کے نزدیک قوی و عزیز ہوں گے جب تک ان کا حق نہ دلوا دیں

ظاہر ہے کہ ان امور کی وجہ سے اس طبقہ کے لوگوں کو قطعی گوارا نہ تھا کہ پیغمبرؐ کے بعد زمام حکومت اسلامیہ علیؑ کے ہاتھوں میں آئے ان کی بہت پہلے سے نیت تھی کہ رسولؐ نے علیؑ کی خلافت کے لئے جتنے عہد و پیمان کئے ہیں سب توڑ دئے جائیں گے حکومت کو نبی کے مقرر کردہ جانشین اور معین کردہ قائم مقام کے ہاتھوں میں جانے ہی نہ دیں گے خود حضرت عمر(۱) کے بیانات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں عبداللہ بن عباس سے انہوں نے بارہا اپنے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ عرب والوں نے ناپسند کیا کہ تمہیں میں نبوت بھی رہے اور تمہیں میں خلافت بھی۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۴ وغیرہ)

(۱) حضرت حضرت عمر نے ایک مرتبہ عبداللہ ابن عباس سے کہا اے ابن عباس تم جانتے ہو کہ رسول کے بعد خلافت سے تمہیں کس چیز نے محروم رکھا، ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے مناسب نہ جانا کہ جواب دوں بولا اے حضور! اگر میں نہیں جانتا تو آپ جانتے ہی ہیں، حضرت عمر نے کہا لوگوں کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ نبوت و خلافت دونوں تم ہی میں جمع ہو کر رہ جائے اور تم خوش ہو ہو کر اپنی قوم والوں کو روندو لہٰذا قریش نے خلافت کو اپنے لئے چنا اور وہ اس خیال میں درست تھے اور وہ موفق بھی ہوئے، ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے حضور اگر مجھے بھی بولنے کی اجازت دیں اور خفا نہ ہوں تو کچھ عرض کروں، حضرت عمر نے کہا ہاں ہاں کہو، ابن عباس کہتے ہیں تب میں نے کہا آپ کا یہ کہنا کہ قریش نے خلافت کو پانے کے لئے اختیار کیا اور اس خیال میں وہ درستی پر تھے اور وہ اس کے لئے موفق بھی ہوئے تو اگر قریش خدا کی مرضی سے اپنے لئے یہ اختیار کئے ہوتے (یعنی خدا بھی انہیں خلافت کے لئے پسند کئے ہوتا تو وہ یقیناً حق پر تھے نہ انکی رد کی جاسکتی اور نہ ان پر حسد کیا جاتا آپ نے جو کہا کہ قریش والے راضی نہ ہوئے کہ خلافت و نبوت دونوں تمہارے ہی اندر رہے تو خداوند عالم نے ایک قوم کی اسی راضی نہ ہونے پر ان الفاظ میں توصیف کی ہے ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ "انہوں نے ناپسند کیا ان آیات کو جو خداوند عالم نے نازل کیں تو خدا نے بھی ان کے سارے اعمال خاک میں ملا دئے" اس پر حضرت عمر بولے وائے ہو اے ابن عباس تمہارے بارے میں مجھے کچھ باتیں معلوم ہوتی رہتی ہیں مجھے تو پسند نہیں کہ واقعاً وہ صحیح ہوں جس کی وجہ سے تمہاری منزلت میرے نزدیک گھٹ جائے، ابن عباس بولے حضور وہ کون سی باتیں ہیں اگر وہ باتیں حق ہیں تب تو کوئی وجہ نہیں کہ میری منزلت آپ کے دل سے جاتی رہے اور اگر وہ باطل ہیں تو میں اس سے کنارہ کشی پر تیار ہوں، حضرت عمر نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت کو لوگوں نے ہم سے حسد کر کے باغی ہو کر از راہ ظلم پھیر لیا۔" تو یہ ہر دانا و نادان پر روشن ہے، رہ گیا یہ فقرہ کہ حسد کی وجہ سے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ جناب آدمؑ سے بھی حسد کیا گیا تھا اور ہم تو انہیں کی وہ اولاد ہیں جن سے حسد کیا گیا، حضرت عمر بولے ہائے ہائے خدا کی قسم اے بنی ہاشم تمہارے دلوں سے تو حسد کبھی جائے گا ہی نہیں۔ ابن عباس بولے ٹھہریے ٹھہریے آپ ایسے لوگوں کو عیب نہ لگائیں جس سے خداوند عالم نے ہر گندگی کو دور کیا اور انہیں ایسا طاہر بنایا جیسا کہ حق ہے طاہر بنانے کا۔" (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۴، شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۱۰۷)

دوسری مرتبہ گفتگو ہوئی، حضرت عمر نے ابن عباس سے پوچھا اپنے چچا کے بیٹے کو کس حال میں چھوڑا، ابن عباس کہتے ہیں کہ میں سمجھا عبداللہ ابن جعفر کے متعلق پوچھ رہے ہیں، میں نے کہا کہ میں نے انہیں ان کے ہمسنوں میں چھوڑا، حضرت عمر بولے میں انہیں نہیں پوچھتا میری مراد تم اہل بیت کے راس و رئیس

بزرگ ہے، ابن عباس نے جواب دیا میں انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ ڈول کھینچتے جاتے تھے اور قرآن کی تلاوت جاری تھی، حضرت عمر نے کہا اے ابن عباس سچ سچ بتاؤ کیا اب بھی وہ یہی کہتے ہیں کہ رسولؐ نے ان کو خاص کر خلیفہ مقرر کیا، ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں اس سے زیادہ بتاتا ہوں آپ کو میں نے اپنے باپ (جناب عباس) سے حضرت علیؑ کے متعلق (یعنی یہ کہ رسولؐ نے انہیں خود خلیفہ مقرر کیا) دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ سچ کہتے ہیں، حضرت عمر نے کہا رسولؐ علیؑ کے متعلق ایسی ہی مبالغہ کی باتیں کیا کرتے تھے جن کا حجت ہونا ثابت نہیں اور نہ وہ ثبوت میں پیش کئے جانے کے قابل ہیں، رسول اللہ حضرت علیؑ کے متعلق وقتاً فوقتاً ایسی مبالغہ کی باتیں کہہ کرامت والوں کو جانچتے تھے کہ علیؑ کو خلیفہ بنانا پسند کریں گے کہ نہیں، رسولؐ نے بستر مرگ پر چاہا بھی کہ علیؑ کا نام لے کر اپنے جانشین کی تصریح کردیں میں روکاوٹ بن گیا اور میں نے رسولؐ کو ایسا کرنے نہ دیا، (امام ابوالفضل احمد بن ابی طاہر کی تاریخ بغداد اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۳ ص ۹۷)

ایک اور موقع پر حضرت عمر اور عبداللہ ابن عباس میں گفتگو ہوئی، حضرت عمر بولے میں تو سمجھتا ہوں کہ علیؑ واقعاً مظلوم ہیں اور خلافت ان سے چھین کر ان پر ظلم کیا گیا، ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا تو حضور خلافت انہیں واپس کیوں نہ کردیں؟ اس پر حضرت عمر نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور غراتے ہوئے آگے بڑھ گئے، پھر ٹھہرے، میں قدم بڑھا کر پاس پہنچا، حضرت عمر بولے اے ابن عباس میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ علیؑ کو لوگوں نے صغیر السن سمجھ کر خلیفہ نہ ہونے دیا، ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا مگر خدا کی قسم خدا اور رسولؐ نے تو اس وقت انہیں چھوٹا نہ جانا جب علیؑ کو خدا اور رسولؐ نے حکم دیا کہ جا کر آپ کے دوست ابوبکر سے سورہ برأت لے لیں، ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر حضرت عمر نے منہ پھیر لیا اور جلدی سے آگے بڑھ گئے، میں پلٹ آیا، (شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۱۰۵)

حساس پیغمبرؐ پہلے سے جانتا تھا کہ میری زندگی میں ان لوگوں کا یہ رنگ ہے تو میری آنکھ بند ہوجانے کے بعد خدا جانے کیا ہو اس لئے بیماری کے عالم میں مرض کی شدت میں بھی افہام و تفہیم سے غافل نہیں رہے ''حضرت نے اس خطرہ کے وقوع کی صریحی پیشین گوئی کی ہے بخاری کی حدیث ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچوں گا، کچھ لوگ تم سے میری طرف لائے جائیں گے اور جب میں چاہوں گا کہ انہیں اپنے قریب بلاؤں تو وہ مجھ سے جدا کردیے جائیں گے، میں کہوں گا خداوندا یہ تو میرے اصحاب ہیں ارشاد ہوگا تمہیں معلوم نہیں انہوں نے تمہارے بعد کیا گل کھلائے۔ (صحیح بخاری جلد ۴ ص ۱۳۶)

''آں حضرتؐ کو جن چیزوں کے متعلق یہ خطرہ تھا ان کو صاف طور پر حجۃ الوداع کے خطبے میں ظاہر فرما دیا، اس میں آں حضرتؐ نے اس تمہید کے ساتھ کہ أنا فرطكم على الحوض، میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں'' یہ فرمایا ہے کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا دوسرے اپنی عترت واہلبیت دیکھو میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو، اس طرح حضرتؐ نے اس پہلی دعوت کے موقع پر جو أنذر عشيرتك الأقربين کا حکم لے کر نازل ہونے کی گئی تھی، علیؑ کی وزارت ووصایت وخلافت کا اعلان فرمادیا تھا پھر اس کے بعد مختلف طرح سے علیؑ کے کمالات کو روشن کیا علمی حیثیت سے أنا مدينة العلم وعلى بابها فرما کر یہ ثابت کیا کہ میرے علوم اگر دستیاب ہو سکتے ہیں تو صرف علیؑ کے ذریعہ سے أقضاكم على کہہ کر فصل مقدمات بہترین ماہر بتایا علی منی فرما کر انتہائی یگانگت ووابستگی کا اظہار فرمایا

اور سب کے آخر میں غدیر خم کے میدان میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہہ کر علیؑ کی حکومت وولایت وخلافت کا صریح اعلان فرمادیا یہاں تک کہ صحابہ نے علیؑ کو مبارکبادبھی دی لیکن کیا رسولؐ اللہ کو اطمینان ہوگیا تھا؟ ہرگز نہیں، واقعات بتاتے ہیں کہ آپ مطمئن نہ ہوئے تھے۔ حضرتؐ نے اس بیماری کی حالت میں تقریر کی اور فرمایا اے لوگو! بہت قریب ہے وہ وقت کہ میں دنیا سے اُٹھ جاؤں اور تم سے رخصت ہوں، میں نے اس سے قبل تم سے سب کچھ کہہ دیا ہے اور حجت تمام کردی ہے، پس تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمہارے درمیان خدا کی کتاب اور اپنی عترت واہلبیت چھوڑے جارہا ہوں، یہ کہہ کر حضرتؐ نے جناب امیر کا ہاتھ پکڑااور اسے بلند کر کے فرمایا ھٰذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض فاسئلھما ماخلفتم فیھما علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں، میں ان سے دریافت کروں گا کہ تم نے ان سے میرے بعد کیا سلوک کیا، صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص ۷۷ (خلافت وامامت پنڈت ہرنام منقول از رسالہ نگار مارچ ۱۹۳۵ء)

پیغمبرؐ کی ناسازی مزاج بڑھتی جاتی ہے مرض کی شدت نے اُٹھنے بیٹھنے سے آپ کو مجبور کردیا ہے آخری حملہ مرض کا جس کے بعد پیغمبرؐ نے رحلت کی ہے چہارشنبہ کو ہوا، پنجشنبہ کے دن اسی شدت مرض کے عالم میں آپ نے ایک علم اسامہ بن زید کو دے کر روم والوں سے جنگ کرنے کی تاکید کی اور تمام بڑے بڑے صحابہ کو اسامہ کی ماتحتی میں روانگی کا حکم دیا۔

۸ھ میں پیغمبرؐ نے زید بن حارثہ اسامہ کے باپ کی سرکردگی میں ۳ہزار مسلمانوں کی جمعیت، حارث بن عمر صحابی پیغمبرؐ جو مقام موتہ میں شرجیل بن عمرو غسانی کے حکم سے قتل کردیے گئے تھے کے خون کا انتقام حدود شام کے عربوں سے لینے کے لئے روانہ کی تھی مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست کا سامنا ہوا تھا اور زید بن حارثہ اور جناب جعفر طیار اور کئی جلیل القدر صحابہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، انہیں مقتولین راہ خدا کا قصاص باقی تھا جسے حکیم اسلام اور مصلحت میں پیغمبرؐ نے ایک خاص وقت کے اُٹھا رکھا تھا دو تین برسوں کے اندر باوجودیکہ بہت سی لڑائیاں فتح ہوئی بہت سے معرکے سر ہوئے اور مسلمانوں کی تعداد کئی گنا بڑھ چکی تھی مگر پیغمبرؐ اس مہم کو برابر ملتوی فرماتے رہے، اب جب کہ زندگی کے تھوڑے دن باقی رہ گئے تھے آپ نے انتہائی ضعف ونقاہت اور شدت مرض کی کیفیت میں اپنے ہاتھوں سے علم لشکر سج کر اسامہ کے ہاتھوں میں دیا اور فوری روانہ ہوجانے کے لئے سختی سے تاکید کی اس لشکر کی روانگی میں پیغمبرؐ نے اہتمام عظیم فرمایا تھا اور تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا تھا مسلمانوں کے ارادوں کو مضبوط اور ان کی ہمتوں کو بڑھانے کے لئے لشکر کے ساز وسامان کی فراہمی خود بہ نفس نفیس فرمائی، مہاجرین وانصار

کے سر برآوردہ افراد جیسے حضرت ابوبکر[1] وعمر، ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص وغیرہ میں سے کوئی بھی فرد ایسی نہ بچی جسے فوج میں آپ نے نہ رکھا ہو[2] سوا حضرت علیؑ کے کہ پیغمبرؐ نے آپ کو کبھی کسی کا ماتحتی میں نہیں رکھا۔

یہ ۱۱ھ ماہ صفر کی ۲۶ تاریخ کا واقعہ ہے جب صبح ہوئی ۲۷ تاریخ آئی تو آپ نے اسامہ کو طلب کیا اور فرمایا کہ جہاں تمہارے باپ قتل کئے گئے ہیں اس طرف روانہ ہوا اور ان لوگوں کو اس لشکر سے روند ڈالو میں تمہیں اس لشکر کا افسر اعلیٰ مقرر کرتا ہوں، تم پہنچتے ہی صبح سورے اہل ابنیٰ[3] پر چڑھائی کر دینا اور بہت تیزی سے جانا کہ وہاں خبر پہنچنے کے پہلے پہنچ جاؤ اگر فتح یابی ہو تو بہت تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنا، اپنے ساتھ راہ بتانے والے لے لو، جاسوسوں کو آگے روانہ کر دو، جب ۲۸ صفر ہوئی تو رسولؐ کا مرض موت نمایاں ہوا تپ آ گئی، سر کا درد بڑھ گیا، جب ۲۹ تاریخ ہوئی اور آپؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ جانے میں تساہلی کر رہے ہیں تو آپ باہر تشریف لائے مسلمانوں کی جمعیت کو جنبش میں لانے اور ارادوں کو پختہ بنانے کے لئے آپ نے اپنے ہاتھ سے لشکر کا علم درست کر کے اسامہ کو بخشا اور ارشاد فرمایا کہ خدا کا نام لے کر چل کھڑے ہو اور راہ خدا میں جہاد کرو اسامہ رسولؐ کا علم لے کر چلے، علم کو بریدہ کے حوالہ کیا، مدینہ کے باہر پہنچ کر لشکر سمیت قیام کیا وہاں پہنچ کر مسلمانوں میں پھر سستی پیدا ہوئی اور وہاں سے آگے نہ بڑھے باوجودیکہ صحابہ نے ارشادات پیغمبرؐ سنے، جلد روانہ ہونے کا آپ نے جس قدر سختی کے ساتھ صاف صاف لفظوں میں تاکیدی حکم دیا تھا وہ سنا مگر صحابہ نے ارشاد پیغمبرؐ پر کوئی توجہ نہ دی، بعض لوگوں نے اسامہ کو افسر مقرر کرنے پر اعتراض بھی کیا جس طرح سابق میں اسامہ کے باپ زید کو افسر مقرر کرنے پر وہ اعتراض کر چکے تھے اور بہت کچھ باتیں اسامہ کے متعلق لوگوں نے کہیں، آخر کار ان کے اعتراض وطعنہ زنی سے رسولؐ شدید غصہ میں اسی بخار کی حالت میں سر پر پٹی باندھے چادر اوڑھے باہر تشریف لائے، یہ سنیچر ۱۰ ربیع الاول انتقال سے صرف دو یوم پیشتر کا واقعہ ہے۔ آپؐ منبر پر گئے حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا (تمام مورخین نے اجماعی طور پر رسولؐ کے اس خطبہ کو نقل کیا ہے اور تمام علمائے

---

[1] جملہ اہل سیر ومورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر بھی اس لشکر میں تھے، (طبقات ابن سعد، تاریخ طبری، تاریخ کامل سیرۃ حلبیہ دحلانیہ وغیرہ) علامہ حلبی وغیرہ نے اسی جیش اسامہ کے ذکر کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی ذکر کیا ہے خلیفہ مہدی جب بصرہ آیا تو اس نے ایاس بن معاویہ کو جو اس وقت بہت کم سن تھے اور جن کی ذہانت وفراست بطور ضرب المثل مشہور ہے امامت کرتے اور ۴۰۰ بوڑھے علماء وفقہا کو ان کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا خلیفہ مہدی نے کہا خدا ان داڑھی والوں کو غارت کرے کیا اتنے لوگوں میں کوئی بوڑھا اس قابل نہیں جو آگے ہو کر نماز پڑھائے پھر مہدی خود ایاس کی طرف مڑا اور پوچھا صاحبزادے کیا سن ہے تمہارا؟ ایاس نے جواب دیا، حضور میرا سن اس وقت وہی ہے خدا حضور کو زندہ وسلامت رکھے جو اسامہ بن زید کا اس وقت تھا جب رسولؐ خدا نے انہیں اس لشکر کا افسر مقرر کیا تھا جس میں حضرت عمر بھی تھے اور حضرت ابوبکر بھی، مہدی نے کہا تقدم آگے بڑھو خدا تمہیں برکت دے، (بے شک تم امامت کے مستحق ہو) علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس وقت اسامہ کا سن ۱۷ سال کا تھا۔ ۱۲

[2] حضرت عمر اسامہ سے کہا کرتے کہ ''پیغمبرؐ نے جب انتقال کیا تو تم میرے افسر تھے'' اس جملہ کو بکثرت مورخین مثلاً علامہ حلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

[3] اُبنیٰ شام میں موتہ جہاں جناب جعفر طیار اور زید بن حارثہ شہید ہوئے تھے کے قریب ایک جگہ ہے ۱۲

امت کا اتفاق ہے کہ رسولؐ نے اس دن یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا:

''میرے اسامہ کو افسر فوج مقرر کرنے پر تمہیں اعتراض ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اسامہ کے باپ زید کو جب میں نے افسر فوج مقرر کیا تھا تب بھی تم لوگ معترض تھے خدا کی قسم زید بھی افسری کے لائق تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی افسری کا سزاوار ہے۔ اس کے بعد آں حضرتؐ نے مسلمانوں کو جلدی روانہ ہونے کے لئے جوش دلایا، صحابہ آپؐ سے رخصت ہونے لگے اور لشکر گاہ کی طرف روانہ ہونا شروع ہوئے آپ حضرتؐ انہیں جلد روانگی پر برانگیختہ کرتے رہے اس کے بعد آپ کے مرض میں شدت پیدا ہو چلی مگر آپؐ شدت مرض میں یہی فرماتے رہے ''لشکر اسامہ کو جلد روانہ کرو'' لشکر اسامہ کو جلد بھیجو'' لشکر اسامہ کو فوراً روانہ کرو'' یہی جملے برابر دہراتے رہے مگر ادھر لشکر والے سستی برتتے رہے، جب ۱۲ ربیع الاول کی صبح ہوئی تو اسامہ لشکر گاہ سے رسولؐ کی خدمت میں پہنچے، رسولؐ نے فوراً روانگی کا انہیں حکم دیا، ارشاد فرمایا'' خدا کی برکتوں کے ساتھ سویرے روانہ ہو جاؤ اسامہ نے رسول کو رخصت کیا اور لشکر گاہ کی طرف واپس ہوئے پھر پلٹے اور ان کے ساتھ حضرت عمر اور ابو عبیدہ بھی تھے لوگ رسولؐ کے پاس جا پہنچے، اس وقت آں حضرت کا دم واپسیں تھا اسی دن آپؐ نے دنیا سے انتقال کیا، رسولؐ کے انتقال کے بعد علم سمیت لشکر بھی مدینہ میں واپس آ گیا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۳۱، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۷۱، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۸۸، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۰ وغیرہ)

روایات بتاتی ہیں کہ پیغمبر کو اتنی بے چینی، اتنی پریشانی لاحق تھی کہ ہر لمحہ زبان مبارک پر یہی فقرہ تھا **جهزوا جيش أسامة أنفذوا بعث أسامة** اسامہ کا لشکر جلدی جائے، اسامہ کی مہم جلد روانہ ہو، جب صحابہ نے اسامہ کے ماتحت ہو کر جانے میں تامل کی تو آں حضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ نہ جانے والوں پر صاف صاف کھلے لفظوں میں لعنت فرمائی۔ علامہ جوہری اپنی کتاب السقیفہ میں روایت کرتے ہیں ''مجھ سے بیان کیا احمد بن اسحاق بن صالح نے انہوں نے احمد بن سیار سے سنا انہوں نے سعید بن کثیر انصاری سے سنا انہوں نے اپنے بزرگوں سے انہوں نے عبد اللہ بن عبد الرحمان سے کہ رسولؐ اللہ نے اپنے مرض موت میں اسامہ بن زید حارثہ کو سردار فوج مقرر کیا، اس فوج میں اکثر معزز مہاجرین و انصار تھے حضرت ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن جراح عبد الرحمان بن عوف طلحہ و زبیر وغیرہ اور رسولؐ نے اسامہ کو تاکید کی کہ موتہ پر چڑھائی کرو جہاں تمہارے باپ زید قتل کئے گئے نیز وادی فلسطین میں تھی جنگ کرو اسامہ نے ذرا سستی سے کام لیا ان کی سستی دیکھ کر لشکر والے بھی سستی کرنے لگے، رسولؐ کی حالت کبھی بگڑتی تھی کبھی سنبھلتی تھی مگر اس حالت میں بھی لشکر کی روانگی کے متعلق مسلسل تاکید فرماتے رہے آخر کار اسامہ نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت مل سکتی ہے کہ میں اتنے دن

ٹھہر جاؤں کہ آپ کو صحت ہو لے۔ رسولؐ نے فرمایا جاؤ روانہ ہو، خدا کی برکت تمہارے شامل حال رہے۔ اسامہ نے کہا اگر میں اس حال میں آپ کو چھوڑ کر جاؤں گا تو میرے دل میں گہرا زخم رہے گا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا چل کھڑے ہو خدا تمہیں عافیت و کامیابی نصیب کرے پھر اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے یہ بہت شاق ہے کہ میں جاؤں اور راستہ میں ہر سوار سے آپؐ کی خیریت پوچھتا رہوں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ میں نے جو حکم دیا ہے اسے پورا کرو۔ اس کے بعد آں حضرتؐ کو غش آ گیا، اسامہ نے جانے کی تیاری شروع کی۔ جب رسولؐ کو ہوش آیا تو آپ نے اسامہ اور لشکر کے متعلق دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ وہ جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسامہ کا لشکر جلد روانہ کرو خدا لعنت کرے اس پر جو اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہ جائے، بار بار اسی فقرے کو دہراتے رہے۔ اسامہ روانہ ہوئے رایت لشکر ان کے سر پر لہرا رہا تھا اور صحابہ ان کے اردگرد تھے یہاں تک کہ جب مدینہ سے باہر مقام جرف پر پہنچے تو اسامہ اتر پڑے ان کے ساتھ ابوبکر و عمر اور اکثر مہاجرین و انصار بھی تھے اور انصار میں سے اسید بن خضیر اور بشیر بن سعد وغیرہ جو معززین انصار سے تھے۔ اتنے میں ام ایمن کا قاصد اسامہ کے پاس پیغام لے کر پہنچا کہ جلدی آؤ رسولؐ کا وقت آخر ہے۔ اسامہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ میں آئے علم لشکر بھی ساتھ تھا اسے رسول کے دروازے کے سامنے نصب کر دیا اور ٹھیک اسی وقت رسولؐ نے دنیا سے انتقال کیا۔" اس حدیث کو مورخین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۲۰ پر بھی اس حدیث کو درج کیا ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں الخلاف الثانی فی مرضه أنه قال جهزوا جيش أسامة لعن الله من تخلف عنها دوسرا اختلاف حضرت رسولؐ خدا کے مرض موت میں یہ پیدا ہوا کہ حضرتؐ نے فرمایا اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کرو، خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ جانے سے گریز اختیار کریں (ملل و نحل مطبوعہ مصر جلد ا ص ۲۰)۔ جیش اسامہ سے گریز کرنے والوں پر پیغمبرؐ کا بار بار لعنت فرمانا بہتیرے علماء محققین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ (شرح مواقف میر زاہد، افکار الابکار علامہ آمدی، رسالہ عقائد ملا یعقوب متبانی وغیرہ)

تھوڑی دیر کے لئے انسان اپنے عقائد و رجحانات سے خالی الذہن ہو کر اس وقت کی کیفیت پر نظر کرے تو یہ تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل کی گنجائش نہیں رہتی کہ سرور عالم کو باوجودیکہ اس امر کا پورا یقین ہو چکا تھا کہ اب میرا دم واپسیں ہے خواہ یہ یقین وحی کے ذریعہ ہوا ہو یا مرض موت کی رفتار سے اور آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس ایک نہ ایک دن پیش آنے والی مصیبت کی طرف اشارہ بھی فرما دیا تھا کہ فإني لا أدري لعلي لا ألقاكم بعد عامي هذا میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر تم لوگوں کو میری زیارت نصیب ہو سکے گی یا نہیں۔ کسی موقع پر یہ بھی آپ نے فرمایا تھا قد حان مني خفوق من

بین أظهر کم تمہارے درمیان سے میرے اُٹھ جانے کا وقت بہت قریب آ گیا ہے پھر ثقلین کے ساتھ متمسک رہنے کی آپؐ کی تاکیدی وصیت نیز یہ اطلاع کہ جبریل ہر سال قرآن کا ایک مرتبہ دورہ میرے سامنے کرتے تھے اب کی مرتبہ دو بار کیا ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اب میری زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں نیز آپ کا اس سال ۲۰ دن معتکف رہنا حالانکہ آپ عموماً دس دن سے زیادہ اعتکاف نہیں فرماتے تھے جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں اور دیگر علماء نے بھی روایت کی ہے۔ یہ سب جزئی جزئی واقعات بتاتے ہیں کہ پیغمبرؐ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب دنیا سے عنقریب ہی میرا سفر ہے پھر مرض کی جو شدت تھی وہ ظاہر ہے، ہر وقت شدید تپ عارض، سر کا درد اتنا زیادہ کہ کسی وقت سر سے پٹی جدا نہ ہوتی مگر باوجود اس انتہائی قطع و یقین کے آپؐ کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح اسامہ کا لشکر مدینہ سے جلد سے جلد روانہ ہو جائے۔ کوئی خواہش تھی تو یہی، کوئی تمنا تھی تو یہی، بار بار آپؐ اس کی تاکید فرماتے، ہر لحہ آپؐ کی زبان پر یہی فقرہ رہتا أنفذوا بعث أسامة اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کرو بے چین ہو کر حرم سرا سے باہر تشریف لاتے ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ تاکید فرماتے کہ اسامہ کا لشکر جلدی روانہ ہو اسامہ کی مہم فوراً کوچ کرے۔ بیماری کی شدت تھی، شدت درد سے سر نہ اٹھایا جاتا تھا مگر اسی کیفیت میں خود آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے اسامہ کا علم سجا تھا۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ بدھ کے دن سے پیغمبرؐ کا مرض الموت شروع ہوا اور پنجشنبہ کے دن آپؐ نے اسامہ کے لئے علم آراستہ کیا ہے مہاجرین وانصار میں سے کوئی فرد ایسی نہ تھی جسے آپ نے اسامہ کے ہمراہ روانہ ہونے کی تاکید نہ کی ہو تو آپؐ کو تپ کے بڑھ جانے کا خوف دامنگیر تھا نہ سر کے انتہائی درد کی پرواتھی بس دُھن تھی تو یہی، فکر تھی تو یہی کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی ابھی ہو جائے۔ ہر مرنے والے کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ بے کسی و بے چارگی کے عالم میں موت نہ آئے موت کے ایسے کٹھن مرحلے میں اکیلا نہ چھوڑ دیا جاؤں۔ پھر پیغمبرؐ کی رحلت!! وہاں تو موقع محل کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ آپ اپنے رفقاء وانصار، احباب واصحاب اور اپنے عقیدت کیش مسلمانوں کو اپنے سے علیٰحدہ ہی نہیں کرتے اس لئے کہ آپ کی آنکھیں بند ہونے سے شریعت اسلامیہ جس شدید بحران سے دوچار ہونے والی تھی اس کی روک تھام اور آپؐ کے جیتے جی ہی آپؐ کے جانشین کا تقرر زیادہ اہم تھا بہ نسبت اس کے کہ روم والوں سے لڑنے کے لئے کوئی لشکر روانہ کیا جائے آپؐ کے بعد اسلامی حکومت کی بقا و فنا کا سوال اہم تھا یا میدان جنگ گرم کرنا مناسب تھا، غور سے دیکھا جائے تو پیغمبرؐ کا اس وقت مدینہ سے سینکڑوں میل دور لشکر بھیجنا کسی طرح مناسب ہی نہیں تھا کہ کیونکہ پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد فتنوں کے سر اٹھانے کا شدید خطرہ لاحق تھا اور خود پیغمبرؐ فرما چکے تھے کہ فتنے رخ کر چکے ہیں جس طرح تاریک رات کی آمد آمد ہو'' آپؐ کو یہ خبر مل چکی تھی کہ میری علالت کی خبر سن کر عربوں کی جماعتیں متفرق مقامات پر مرتد ہونے لگی ہیں اور بہتوں نے نبوت کا دعوی کر دیا ہے جیسا کہ طبری

نے اپنی تاریخ میں صراحت کی ہے پھر آپ پر تو فیضان الٰہی ہوتا تھا وحی ڈھکی چھپی باتوں کا انکشاف کر دیتی تھی، ذہن وذکا اور طبع رسا کی وجہ سے جو امتیازی شان آپ کی تھی وہ ظاہر ہے معمولی عقل والا بھی سوچ سکتا ہے، پیغمبرؐ ان سارے حالات کا اندازہ کرتے ہوئے ان تمام خطرات سے لاپرواہو کر محض ہوس ملک گیری میں صرف انتقام کے لئے جیش اسامہ کی روانگی پر اتنا اہتمام بلیغ فرمارہے تھے؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ پیغمبرؐ کی ساری کوششیں رائگاں ساری تمنائیں خاک میں مل گئیں، اسامہ کا لشکر نہ جانا تھا نہ گیا، اسامہ مدینہ سے باہر ہی نکل کر فروکش رہے، ہمراہی کسی طرح چلنے پر رضامند نہ ہوئے اور آخر پیغمبرؐ کی وفات بھی ہوگئی۔ کوئی ایسی بات ہی تو تھی کہ باوجودیکہ پیغمبرؐ کی تاکید وتہدید کے لوگ جان بوجھ کر جانے سے پہلو تہی کررہے تھے۔ ان تمام حقائق کو ملحوظ رکھنے کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ پیغمبرؐ کا لشکر اسامہ کو روانہ کرنا معمولی بات نہیں تھی جہاد وفتحیابی کے لئے آپ بے تاب نہ تھے بلکہ آپ ان تمام لوگوں سے مدینہ کو خالی کر دینا چاہتے تھے جن سے علیؑ کی خلافت میں مزاحمت کا خطرہ تھا آپ کی انتہائی خواہش تھی کہ جب میں دنیا سے اٹھوں اور خلافت کے قیام کا وقت آئے تو وہ لوگ جو علیؑ کے دشمن اور خود مسند حکومت کی خواہش رکھتے ہیں مدینہ میں موجود نہ ہوں اور سکون واطمینان کے ساتھ بغیر کسی اختلاف ونزاع کے علیؑ تخت خلافت پر متمکن ہوجائیں۔ جب یہ صحابہ جنگ سے پلٹیں گے اور یہاں خلافت کا معاملہ طے ہو چکا ہوگا، بیعت ہو چکی ہوگی تو پھر نزاع واختلاف کا انہیں کوئی موقع ہی باقی نہ رہے گا، لوگ رسولؐ خدا کے اس منشا کو سمجھتے تھے اسی لئے تعمیل حکم میں عمداً تساہلی برتتے تھے، اسامہ کا لشکر نہ جانا تھا نہ گیا اور گیا اس وقت جب رسولؐ خدا کی وفات ہو چکی تھی اور خلافت کا مسئلہ تکمیل کو پہنچ گیا تو حقیقت یہ ہے کہ لشکر اسامہ کا بھیجنا بہت بڑے فتنہ کا سد باب کرنے کی خاطر تھا جس کے سر اٹھانے کا پورا پورا اندیشہ پیدا ہو چکا تھا ورنہ سچ پوچھئے تو شدت مرض اور انتہائی درد و اذیت میں ہونے کی وجہ سے جنگ وجہاد کا دھیان بھی آپ کو نہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ نہ دشمن آپؐ پر چڑھے آتے تھے نہ ان کے حملے کا کوئی خطرہ تھا نہ فوری فوجی اقدام کی کوئی ضرورت درپیش تھی اس وقت اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ نے اپنے بعد بہت سے فتنوں کے رونما ہونے کی پیشین گوئی فرمائی ہے اور لوگوں کو ان برے دنوں سے خوف دلایا ہے چنانچہ علامہ ابن سعد طبقات میں ابومویہبہ آزاد کردہ غلام رسولؐ سے روایت کرتے ہیں ابومویہبہ کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ نے نصف شب کے وقت مجھ سے فرمایا کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل (قبرستان) بقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں، تم میرے ساتھ آؤ، میں ہمراہ ہوگیا۔ آپ بقیع میں تشریف لائے اور وہاں کے مدفون مردوں کے لئے بہت دیر تک دعائے مغفرت فرماتے رہے پھر ارشاد فرمایا تم لوگ جس حال میں ہو وہ کتنا خوشگوار ہے بہ نسبت اس حال کے جس میں آج زندہ لوگ مبتلا ہیں فتنے یوں اُمنڈ چلے ہیں جیسے تہ بتہ کالی اندھیری رات۔''

تو یہ کون سے فتنے تھے جن سے اتنا سہمے ہوئے تھے پیغمبرؐ اور اتنا عظیم سمجھتے تھے اور شب دیجور سے تشبیہ دیتے تھے اگر یہ حدیث صحیح ہے اور پیغمبرؐ اپنے بعد فتنوں کے رونما ہونے کی صحیح پیشین گوئی فرمائی تھی تو اس روایت کا کیا حشر ہوگا کہ خیر القرون قرونی ثم الذی یلیه ثم الذی یلی ہ تمام زمانوں سے میرا زمانہ بہتر ہے اور میرے بعد اس سے متصل زمانہ اس کے بعد اس سے متصل اس کے بعد اس سے متصل جب پیغمبرؐ کے بعد کا دور ایسے فتنوں کا دور تھا جیسے تہ بتہ کالی اندھیری رات تو پھر آپ کے بعد والے زمانہ کو بہترین زمانہ کس حیثیت سے کہنا صحیح ہوگا؟

جناب عائشه کی کوششیں که پیغمبرؐ کے آخری دن همارے یهاں گزریں:

پیغمبرؐ کا دستور تھا کہ باری باری اپنے ازواج کے یہاں اقامت فرماتے تھے جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو جناب میمونہ یا ام سلمہ کے گھر آپ کا قیام تھا جناب عائشہ نے کوششیں کیں کہ کسی طرح پیغمبرؐ میرے گھر آجائیں اور یہیں آپ کی تیمارداری کی جائے جناب عائشہ نے ازواج سے درخواست کی ازواج نے کوئی عذر نہ کیا اور پیغمبرؐ عائشہ کے گھر میں منتقل ہوگئے چنانچہ صحیح بخاری میں زہری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبید بن عبداللہ نے کہ "لما ثقل النبی صلی الله علیه وسلم واشتدَّ وجعُه، استأذن أزواجه أن يُمرَّض في بيتي، فأَذِنَّ له، فخرج بين رجلين تخطُّ رجلاه الأرض، وكان بين العباس ورجل آخر حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں جب حضرت رسولؐ خدا بیمار ہوئے اور حضرتؐ کا درد تیز ہوگیا تو اپنی بیویوں سے اجازت چاہی کہ بیماری کے دن میرے (عائشہ) ہی گھر میں گذاریں اور یہیں حضورؐ کی تیمارداری کی جائے سب بیویوں نے حضرتؐ کو اجازت دی اسی زمانے میں ایک روز حضرت دو شخصوں پر تکیہ کئے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ (صحیح بخاری پارہ ا ص ۱۵۱)

یہ خیال کرنا کہ یہ معمولی سی بات تھی اور جناب عائشہ محض پیغمبرؐ کی محبت میں اس کی کوشش کی کہ پیغمبرؐ میرے گھر میں آجائیں اور تیمارداری کا مجھے زیادہ سے زیادہ موقع ملے عقل ماننے پر تیار نہیں بلکہ غور سے دیکھا جائے تو جناب عائشہ کے اس اقدام میں بڑی سیاست کام کررہی تھی ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی جس پر جیش اسامہ کی روانگی کے دن سے عمل کیا جارہا تھا، تیمارداری کے پردہ میں اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں تھیں۔ کوئی باعقل وہواس مسلمان اس کا تصور بھی کرسکتا ہے کہ جناب ام سلمہ ہوں یا میمونہ یا کوئی اور بیوی پیغمبرؐ کی جناب عائشہ کی تیمارداری وخدمت سے کم تیمارداری کرتیں؟ کیا بس جناب عائشہ ہی کے دل میں پیغمبرؐ کی محبت تھی اور کسی کے دل میں نہیں پھر پیغمبرؐ کو کوئی ایسا مرض بھی تو نہ تھا جس سے ہر وقت کسی کا پاس رہنا

ضروری ہو، مثلاً فالج وغیرہ کہ انسان مضغہ گوشت ہوتا ہے اور اسے ہر نقل وحرکت میں دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے، آپ کو تو بس شدید تپ تھی اور انتہائی سر کا درد اگر پیغمبرؐ کی حالت ایسی نازک بھی ہوتی جس میں آپ کے ساتھ انتہائی ہمدردی کی ضرورت تھی تو یہ ہمدردی جناب ام سلمہ کے گھر میں بھی تو برتی جاسکتی تھی جناب ام سلمہ کا گھر کوئی دور نہیں تھا۔ ہم ابتدا میں بیان کرچکے ہیں کہ پیغمبرؐ نے مدینہ پہونچنے کے بعد سب سے پہلے مسجد بنوائی اور مسجد سے متصل ازواج کے لئے حجرے بنوائے۔ عمارت ایک ہی تھی گو حجرے الگ الگ تھے، زیادہ سے زیادہ ام سلمہ کا گھر جناب عائشہ کے گھر سے دو چار قدم کے فاصلہ پر رہا ہوگا، پیغمبرؐ کسی حجرے مین بھی ہوتے تمام ازواج پیغمبرؐ باری باری پیغمبرؐ کی تیمارداری کرسکتی تھی، جناب معصومہؑ کا گھر بھی متصل ہی تھا یہ بھی ناممکن ہے کہ معصومہؑ باپ سے دن یارات کسی وقت جدا ہوتی ہوں گی۔ بہت سی حدیثیں بتاتی ہیں ہیں حضرت امیر المومنینؑ اور فضل بن عباس چوبیس گھنٹے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ تو جب ام سلمہ کے گھر میں بھی پیغمبرؐ کی ویسی ہی تیمارداری ہوسکتی تھی، جب پیغمبرؐ کو ایسا مرض بھی نہ تھا کہ ہر وقت کسی کا پاس رہنا ضروری ہو، جب ازواج کے گھر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، جب تمام ازواج ہر وقت پیغمبرؐ کی نگہداشت کرسکتی تھیں پھر یہ آخر کیا ضرورت لاحق ہوئی کہ جناب عائشہ اپنے سوکنوں سے منت وآرزو کریں کہ اپنا حق ہمیں بخش دو اور پیغمبرؐ کو ہمارے گھر جانے دو اس وقعہ کے پس منظر سے ایک بافہم وبابصیرت بہت کچھ نتائج اخذ کرسکتا ہے اگر عائشہ پیغمبرؐ کو اپنے حجرہ میں نہ لے گئی ہوتیں تو پیغمبرؐ ان کے حجرے میں دفن بھی نہ ہوتے نہ آپ کے پہلو میں حضرت ابوبکر وعمر کی میتوں کو جگہ ملتی اور پیغمبرؐ کا نواسہ نانا کے پہلو میں جگہ پانے سے محروم رہتا اور نہ آپ کے اہل بیت سے پھر وہ کیونکر راضی ہو گئے کہ پیغمبرؐ جناب عائشہ کے گھر میں آخری سانسیں لیں اس کی کئی وجہیں ہوسکتی تھی:

(۱) یہ امر واقعہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ ازواج رسولؐ دو جماعتوں میں منقسم تھیں ایک میں حضرت عائشہ وحفصہ تھیں دوسری میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا مزاج جیسا تھا اس کا تذکرہ قرآن شریف میں آگیا ہے۔ حضرت ام سلمہ اور ان کی جماعت کی ازواج نے تو آں حضرتؐ کو اجازت دے دی کہ حضرت عائشہ کے مکان میں قام فرمایں لیکن اگر آں حضرتؐ ام سلمہ کے مکان میں قیام فرمانا چاہتے تو حضرت عائشہ اور حفصہ کبھی اجازت نہ دیتیں اور ایک تنازعہ پیدا ہوجاتا۔

(۲) آں حضرت کا ارادہ تھا کہ مرض کے آخری ایام میں حضرت علیؑ کے حق میں وصیت تحریر کرائیں گے اگر آں حضرتؐ اپنی دختر یا حضرت ام سلمہ کے گھر میں ہوتے تو مخالفین کہتے کہ آں حضرتؐ پر زور ڈال کر وصیت لکھائی گئی ہے اپنے گھر میں

ہوتے ہوئے تو یہ کہہ دیا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے اگر دوسرے کے گھر پر ہوتے تو معلوم نہیں کیا کہتے۔

(۳) آں حضرتؐ جب حضرت عائشہ کے گھر آ گئے تو پھر اتنی طاقت نہ رہی کہ دوسرے گھروں پر باری باری سے جاتے

(سیرۃ فاطمہ الزہراؑ مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی)

مگر ان وجہوں کے علاوہ ایک اور ابھی بڑی وجہ یہ تھی اور وہ یہ کہ پیغمبر علیؑ کے خلاف ان تیاریوں کی نگرانی رکھنا چاہتے تھے جو آں حضرتؐ کی تجویزوں کو ملیا میٹ کرنے کے لئے مدتوں پہلے سے کی جا رہی تھیں پیغمبر ان سازشوں کا سد باب کرنا چاہتے تھے جو ایک خاص حلقے میں سرگرمی کے ساتھ جاری تھیں۔ حضرت عائشہ کو علیؑ سے جو دلی کدورت تھی وہ دنیا جانتی ہے علیؑ کا نام لینا تک انہیں گوارا نہ تھا ولکن عائشة لاتطیب نفسا له بخیر وعن الزهری ولکنها لاتقدر ان تذکره بخیر، حضرت عائشہ کا نفس حضرت علیؑ کی کسی بھلائی سے خوش ہوتا ہی نہیں تھا اور زہری سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ سے ممکن ہی نہ تھا کہ علیؑ کا کوئی ذکر خیر کر سکیں (ارشاد قد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۳۲) کانت لاتقدر علی أن تذکره بخیر عائشہ کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ علی کا ذکر خیر کر سکیں۔ (طبری جلد ۳ ص ۱۹۱) اس کے ساتھ ان کی دلی تمنا تھی کہ مسند خلافت کسی طرح میرے باپ کے قبضہ میں آ جائے اور اس کے لئے وہ اپنی پوری طاقت سے کام لے رہی تھیں۔

شمس العلماء ڈپٹی احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں ''اب سوچنے کی بات ہے کہ پیغمبرؐ صاحب نے یہ کیا فرمایا إن کن لصواحب یوسف اس کا مطلب کیا تھا؟ إن کن لصوحب یوسف کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ تم عورتیں یوسف والیاں ہو لیکن معلوم کرنا چاہئے کہ پیغمبرؐ صاحب نے عائشہ اور ان کے ساتھ والیوں کو کیا سمجھ کر یوسف والیاں فرمایا یوسف کا قصہ قرآن کی ایک مستقل سورہ یوسف میں موجود ہے اور یوسف والیاں زلیخا کی لونڈیاں باندیاں اس کی مصاحب (کہ زلیخا کوئی گری پڑی عورت تو تھی نہیں عزیز مصر کی بیوی تھی) اور وہ بی بیاں جنہیں یوسف کے دکھانے کو زلیخا نے دعوت دی تھی اور پھر انہیں عورتوں نے بادشاہ مصر کے آگے یوسفؑ کی صفائی کی شہادت دی تھی۔ اچھا پھر عائشہ اور زلیخا سے کیا منسطت کہ پیغمبرؐ صاحب نے عائشہ کو زلیخا بنا دیا۔ شراح حدیث نے اس کی کئی توجیہیں کی ہیں سو ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں آخر سوچ کر ہم ہی نے مطلب نکالا کہ پیغمبرؐ صاحب نے عائشہ کے مطلق چرِ تر کی طرف اشارہ کیا۔

قرآن مجید میں زلیخا کے چرتر کو لفظ کید سے تعبیر کیا إن ربی بکیدھن علیم إنه من کیدکن عظیم (بے شک ان کے چرتروں کو پروردگار ہی خوب جانتا ہے یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں) کید کے معنی ہیں مکر، تدبیر، چھل، فریب بہر کیف کید کے مفہوم میں تدبیر کے ساتھ چالاکی بھی داخل ہے اسی کو ہمارے یہاں چرتر کہتے ہیں اور ہم نے کید کا ترجمہ چرتر ہی کیا ہے زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو، عائشہ کا چرتر یہ تھا

کہ وہ دل سے تو باپ کی امامت وخلافت سبھی کچھ چاہتی تھیں اور پیغمبرؐ صاحب کو معلوم تھا اور اس وقت ظاہر میں تو باپ کو نا قابل امامت بتایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہوا کہ ابوبکر سے بڑھ کر پیغمبرؐ صاحب کا کوئی ہوا خواہ نہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ابوبکر سے بڑھ کر کسی کو امامت وخلافت کا استحقاق نہیں اور یہی تمام صحابہ میں افضل اور اولی بالامامت ہیں اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

ولا عیب فیھم غیر أن سیوفھم بھن فلول من قراع الکتائب

ذم کے پیرائے میں مدح، من چاہے منڈیا ہلائے اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں اور اس پر پیغمبرؐ نے عائشہ کو زلیخا سے تشبیہ دی۔"(امہات الامہ مطبوعہ دہلی)

ظاہر ہے کہ ان اختلافات اور پیغمبرؐ کی تجویزوں کو اکارت کرنے کی تیاریوں کا مرکز حجرہ جناب عائشہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے حضرت عائشہ کے گھر کو کفر کا سر فرمایا ہے خود حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے قال خرج رسول اللہ من بیت عائشۃ فقال رأس الکفر من ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطان ایک دفعہ حضرت رسول خدا حضرت عائشہ کے گھر سے اباہر نکلے تو فرمایا کہ کفر کا سر اسی جگہ سے ہے اسی جگہ سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔(صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ ص ۳۹۴ مطبوعہ دہلی)

ان حقائق کی کڑیوں کو ملا کر دیکھنے سے یہ بات مثل آفتاب روشن ہوجاتی ہے کہ پیغمبرؐ کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ علیؑ کی خلافت میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔لشکر اسامہ کے ساتھ بڑے بڑے صحابہ کو روانگی کا تاکیدی حکم دے کر نہ جانے والوں پر لعنت فرما کر مدینہ سے ان تمام لوگوں کو باہر کردینا چاہتے تھے جو علیؑ کی خلافت میں مزاحم ہوسکتے تھے اور حجرہ عائشہ میں قیام فرما کر ان اختلافات کے مرکز کو قابو میں رکھنا چاہتے تھے۔

قصہ امامت نماز:

جناب عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہوجانے کے بعد پیغمبرؐ کی بیماری میں اضافہ ہوگیا۔ایک دن صبح کو نماز کے لئے بلال موذن پیغمبرؐ نے آکر خبر کی۔پیغمبرؐ درد سر اور بخار کی تکلیف سے بیچین تھے بلال کی آواز آپ کے کانوں میں نہ پہنچ سکی۔حضرت عائشہ نے کہا ابا جان (ابوبکر) سے کہا وہ جاکر نماز پڑھادیں ۔حفصہ بولیں میرے بابا عمر سے کہو وہ اس وقت نماز پڑھا دیں پیغمبرؐ کے گوش اقدس میں یہ دونوں آوازیں آگئیں۔آپ کو صورت حال کی خرابی اور ان دونوں ازواج کی نیتوں کے فساد کا اندازہ ہوا آپ نے فرمایا کہ ایسی باتیں زبان سے نہ نکالو تم تو انہیں عورتوں جیسی ہو جنھوں نے یوسف کا گمراہ کرنا چاہا تھا۔

پیغمبرؐ حضرت ابوبکر عمر دونوں کو اسامہ کی ماتحتی میں جانے کی تاکید فرما چکے تھے اور اسامہ کے ساتھ نہ جانے والوں پر لعنت فرمائی تھی جناب عائشہ وحفصہ کے یہ کہنے پر کہ ابوبکر سے کہدو نماز پڑھا دیں، عمر سے کہہ دو وہ نماز پڑھا دیں آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ دونوں حضرات کس ارادے سے مدینہ واپس آگئے ہیں، آپ بے حد رنجیدہ ہوئے اور اسی شدت مرض کی کیفیت میں بستر سے اٹھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابوبکر یا عمر نماز پڑھا دیں اور لوگوں کو ان کے متعلق غلط فہمی ہو جائے طاقت جواب دے گئی تھی، ضعف سے چلا نہیں جاتا تھا آپ نے ایک ہاتھ علیؑ کے کاندھے پر رکھا ایک فضل بن عباس کے کاندھے پر اور دونوں پر تکیہ کئے ہوئے انتہائی ضعف ونقاہت سے پیر گھسیٹتے مسجد تک پہنچے جب محراب کے پاس پہنچے دیکھا کہ حضرت ابوبکر آگے بڑھ چکے ہیں اور پیغمبرؐ کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے ہیں آپ نے انہیں ہاتھ سے اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور خود آگے بڑھ کر محراب میں پہنچے اور بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی ابتدا سے پڑھی یہ نہیں کہ جہاں سے ابوبکر علیحدہ ہوئے تھے وہاں سے نماز کا سلسلہ جوڑ ہوا، نماز سے فارغ ہو کر آپ پھر دولت سرا میں واپس تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر وعمر اور بہت سے آدمیوں کو اپنے پاس طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ میں نے تو تمہیں اسامہ کے ساتھ جانے کی تاکید کی تھی؟ تمہیں تو اس وقت مدینہ سے باہر ہونا چاہئے تھا۔ لوگوں نے کہا بے شک یا رسول اللہ آپ کا یہی حکم تا آپ نے پوچھا تو تم نے میرا حکم مانا کیوں نہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا میں باہر جا چکا تھا مگر جی چاہا کہ ایک مرتبہ اور آپ کی زیارت کرلوں، حضرت عمر بولے یا رسول اللہ میں باہر گیا تو مگر پھر واپس آگیا، میرے دل کو گوارا نہ ہوا کہ میں راہ میں جتنے مسافر مدینہ سے آتے ہوئے ملیں ان سے آپ کی حالت دریافت کرتا رہوں، یہ سن کر آپؐ نے پھر تاکیدی لہجے میں فرمایا کہ اسامہ کا لشکر جلدی روانہ کرو تم لوگ اسامہ کے ساتھ جلد جاؤ، خدا لعنت کرے اس پر جو اسامہ کے ساتھ نہ جائے۔ تین مرتبہ آپ نے یہی فقرے دہرائے اور پھر آپ مسجد تک جانے آنے کی اور لوگوں کی نافرمانی ومخالفت کے صدمہ سے غش آگیا۔ یہ مختصر کیفیت تھی۔ قصہ امامت نماز کی مگر سواد اعظم نے اس فسانہ کو حقیقت کا رنگ دے کر بہت اہمیت پیدا کردی ہے ان کا دعویٰ ہے کہ خود پیغمبرؐ نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا مگر اس مسئلہ میں ان کی حدیثیں اتنی متضاد ومتغائر ملتی ہیں کہ ایک جویائے حقیقت کو سوا ذہنی کوفت کے کچھ اور نہیں حاصل ہوتا ہم اس موقع پر صرف چند حدیثوں کا اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں۔

(۱) سب سے آخری نماز جو آں حضرتؐ نے پڑھائی وہ مغرب کی تھی، سر میں درد تھا اس لئے سر میں رومال باندھ کر آپؐ باہر تشریف لائے اور نماز ادا کی عشا کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضور کا انتظار ہے لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آگیا افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی پہلا

جواب دیا، آپ نے پھر غسل فرمایا ار پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہوگی جب افاقہ ہوا تو ارشاد ہو کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ابوبکر نہایت رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔ آپ نے پھر یہ حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ (سیرۃ النبی جلد ۳ ص ۱۳۷)

اس عبارت میں کئی باتیں الجھن پیدا کرتی ہیں پہلی بات تو یہ کہ حضرت جب نماز مغرب پڑھانے تشریف لے گے تھے اس وقت تو آپ نے غسل نہیں فرمایا تھا تھوڑی ہی دیر کے بعد جب عشا کی اذان ہوئی تو آپ نے لگن میں پانی منگا کر غسل کیوں کیا؟ آپ نے کون سا موجب غسل فعل کیا تھا اس حالت علالت وضعف میں کوئی ایسی بد پرہیزی بلکہ مہلک حرکت ہوگی؟ قیامت یہ ہے کہ پیغمبرؐ عشا کی نماز کے لئے ایک ہی دفعہ غسل نہیں فرماتے بلکہ ایک دفعہ غسل کرنے کے بعد جب حضرت غش طاری ہوگئی تو ہوش میں آنے کے بعد پھر غسل فرمایا سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ بار بار غسل کیوں فرماتے تتنے، اس سے بھی زیادہ حیرت خیز امر یہ ہے کہ دوسرے غسل کے بعد حضرتؐ کو پھر غش آ گیا تو افاقہ ہونے پر اب بھی حضرتؐ نے اپنے کو نماز کے قابل نہیں سمجھا اور جسم مبارک پر پانی ڈالا حضرتؐ کو شدید تپ عارض تھی کمزوری کا عالم یہ کہ صرف اٹھنے کا ارادہ کرتے اور غش آجاتا تھا۔ ایسی حالت میں یہ کل باتیں واقع کیونکر ہوئیں اور کون سا فعل آپ سے ابو بار ہوا جس آپ پر بار بار غسل واجب ہوگیا اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح بولنے میں حضرتؐ پر (معاذ اللہ) ہذیان کا غلبہ تھا اسی طرح بار بار نہانا بھی سرسامی کیفیت اور دماغی توازن درست نہ ہونے کی وجہ سے تھا تو مسئلہ اور زیادہ مشکل ہوجاتا ہے کہ حضرت عائشہ اور دیگر ازواج وصحابہ کرام حضرت کے غسل کا پانی کہیا کیوں کرتے تھے اور حضرت کو غسل کیوں کرنے دیتے تھے جس طرح کاغذ ودوات مانگنے پر ہذیان کہہ کر لکھنے سے روک دیا پانی مانگنا اور غسل کرنا کیوں نہیں روک دیا غسل کرنے میں تو لکھنے سے زیادہ تکلیف بلکہ جان کا خطرہ تھا۔ مولوی شبلی صاحب کی س تحریر سے جو انہوں نے صحیح بخاری ومسلم کی روایتوں سے خلاصہ کر کے لکھیں ایک معمولی سے معمولی عقل والے کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ آں حضرت نے نماز مغرب پڑھنے کے بعد شب میں کسی زوجہ سے جماع کیا اور نماز عشا کا وقت آیا تو غسل جنابت کرلیا پھر غش آ گیا تو افاقہ ہونے پر آں حضرت نے پھر جماع کیا پھر غش آ گیا تو افاقہ ہونے پر پھر تو افاقہ ہونے پر پھر جماع کیا مگر اس مرتبہ انتہائی ضعف سے پورا غسل نہ کر سکے صرف بدن پر پانی ڈال لیا مگر یہ بھی کسی قاعدے سے درست نہیں کیونکہ تیسری دفعہ جماع کرنے کے بعد شرع کی رو سے حضرت کو غسل کرنا چاہئے تھا یا تیمم لیکن حضرتؐ نے غسل وتیمم کے بدلے صرف بدن پر پانی گرا لیا اس ے طہارت کیونکر ہوگئی اور شریعت کے قاعدے کے

مطابق کیونکر جائز ہوا واقعہ تو یہ ہے کہ اس شدید تپ اور انتہائی ضعف کی حالت میں حضرتؐ کے لئے پہلا ہی غسل جائز نہیں تھا کیونکہ آپ اس سے معذور تھے اور حالت عذر میں بجائے غسل اور وضو کے تیمم کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس زمانے کا قصہ بیان کیا جاتا ہے انہیں دونوں تین دن پہلے کبار صحابہ کو اسامہ کے لشکر کے ساتھ روانہ ہونے کا پیغمبرؐ نے تاکیدی حکم دیا تھا اور نہ جانے والوں پر لعنت فرمائی تھی پھر اس وقت حضرت ابوبکر کو امامت کا حکم کیسے دے سکتے تھے اس لئے کہ ایک ہی وقت میں ایک جماعت پر لعنت کرنا پھر انہیں میں سے ایک شخص کو امامت کے لئے معین کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) امامت نماز کے متعلق ایک حدیث مولوی شبلی صاحب کے لفظوں میں آپ نے ملاحظہ فرمائی جو صحیح بخاری کتاب الاذان پارہ ۳ ص ۳۸۱ پر موجود ہے دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے۔ جناب عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت رسولؐ خدا مرض موت میں مبتلا ہوئے اور نماز کا وقت آیا، اذان ہوگئی تو آں حضرتؐ نے فرمایا ابوبکر سے کہہ دو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں اس پر حضرتؐ سے کہا گیا کہ حضرت ابوبکر رقیق القلب ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے مگر حضرت نے پھر وہی حکم دیا لوگوں نے بھی دوبارہ ہی عذر کیا تب حضرت تیسری مرتبہ فرمایا کہ تم سب صواحب یوسف (یوسف والیاں) ہو۔ ابوبکر ہی کو کہہ دو کہ نماز پڑھائیں غرض حضرت ابوبکر گئے اور نماز پڑھا دی۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان پارہ ۳ ص ۳۷۰)

پہلی روایت جس میں حضرتؐ کے بار بار غسل فرمانے اور ہر مرتبہ غش ہو جانے کا ذکر ہے اس میں حضرت ابوبکر کے متعلق لوگوں سے ردوقدح ہونے کا بالکل ذکر نہیں مگر اس دوسری روایت میں ہے کہ ردوقدح ہوئی، آپ نے بار بار ابوبکر کا نام لیا اور کہنے والے نے ابوبکر کی رقت قلب کا عذر کیا اس روایت میں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ پیغمبرؐ نے ردوقدح کی کیا حجت تھی خود حضرت ابوبکر سے آپ فرما دیتے بات ختم ہو جاتی اور حضرت ابوبکر بھی تو وہیں تھے ان سے خود کیوں نہیں کہا (اگر نہیں تھے تو پھر حضرت کے صواحب یوسف فرمانے پر لوگوں نے یہ عذر کیوں نہیں کیا کہ حضرت ابوبکر موجود ہی نہیں ہیں کہا کس سے جائے) پہلی روایت کا مضمون ہے کہ حضرت نے تین مرتبہ غسل فرمایا اور جب اٹھنا چاہا غشی طاری ہوگئی، دوسری روایت میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں، خلاصہ یہ کہ ایک روایت بتاتی ہے کہ حضرتؐ نے کئی بار کوشش کی کہ خود جا کر نماز پڑھائیں اور جب تھک گئے تب حضرت ابوبکر کا نام لیا۔ دوسری روایت بتاتی ہے کہ حضرت نے نماز کا نام سنتے ہی فرما دیا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ نماز پڑھا دیں نیز پہلی روایت میں اس کا بالکل ذکر نہیں کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو رقیق القلب کہا ہو یا ان کے بارے میں سفارش کی ہو کہ ان کو معاف رکھئے اور دوسری روایت میں تین مرتبہ اصرار اور انکار کی تفصیل ہے عقل حیران ہے کہ کس کو صحیح کہا جائے اور کس کو غلط؟

(۳) تیسری روایت ہے کہ ''جب حضرت رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لئے کہا تو حضرت عائشہ بولیں کہ والد صاحب جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں گے، آپ حضرت عمر سے کہیے کہ نماز پڑھا دیں مگر پھر آں حضرتؐ نے حضرت ابوبکر ہی کو کہا تب حضرت عائشہ نے حفصہ سے کہ اگر تم حضرتؐ کو سمجھا دو کہ ابوبکر نہیں پڑھا سکتے عمر کو حکم دیں۔ حضرت حفصہ نے ایسا ہی کیا اس پر حضرتؐ بگڑ گئے اور فرمایا تم سب صواحب یوسف ہو، ابوبکر ہی کو پڑھانے کے لئے کہو۔'' (صحیح بخاری کتاب الاعتصام پارہ ۲۹ ص ۶۶۳) یہ روایت سابق دونوں روایتوں سے بالکل مختلف ہے ان دونوں میں حضرت عمر کا بالکل ذکر نہیں اور اس تیسری میں بار بار حضرت عمر کے لئے حضرت عائشہ کی سفارش ہوتی ہے مگر رسولؐ خدا کسی طرح اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔

(۴) چوتھی روایت یہ ہے کہ ''زہری بیان کرتے تھے حضرت رسول خدا نے عبداللہ بن زمعہ سے کہا کہ لوگوں سے کہہ دو خود نماز پڑھ لیں اس پر عبداللہ بن زمعہ نکلے تو حضرت عمر فاروق سے ملاقات ہوگئی ان سے کہا کہ لوگوں کو تم نماز پڑھاؤ حضرت عمر فوراً آمادہ ہوگئے مگر وہ بڑی آواز کے تھے زور زور سے پڑھانے لگے جس کو پیغمبرؐ نے سن لیا تو پوچھا کہ کیا کیا یہ عمر کی آواز نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں یا حضرت وہی ہیں تب آں حضرت نے فرمایا کہ خدا کو اور مومنوں کو اس بات سے انکار ہے کہ عمر نماز نہ پڑھائیں چاہیے کہ لوگوں کو ابوبکر نماز پڑھائیں'' (تاریخ خمیس جلس ۲ ص ۱۸۱۸، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۳ وغیرہ)

اس روایت کا مضمون کل روایتوں سے علیحدہ اور نہایت حیرت خیز ہے۔ جب پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو خود اجازت دے دی تھی کہ جس طرح چاہیں نماز پڑھ لیں تو پھر حضرت عمر کے پڑھانے پر اعتراض کیوں کیا اور یہ کیوں فرمایا کہ بس پڑھائیں تو حضرت ابوبکر ہی دوسرا نہیں۔

(۵) پانچویں روایت یہ ہے ''بلال موذن نے حضرت رسول خدا کے زمانۂ علالت میں اذان دی تو آپ نے عبداللہ ابن زمعہ سے فرمایا کہ جاؤ اور ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں وہ گئے اور دروازے پر حضرت عمر اور بہت سے صحابہ کو دیکھا مگر ان میں حضرت ابوبکر نہیں تھے تو عبداللہ بن زمعہ نے حضرت عمر سے کہا کہ اے عمر لوگوں کو تم نماز پڑھا دو حضرت عمر پڑھانے لگے مگر یہ بلند آواز کے تھے آں حضرتؐ نے ان کی آواز سن کر فرمایا اللہ اکبر مسلمانوں کو عمر کے نماز پڑھانے سے انکار ہے پس ابوبکر ہی پڑھائیں۔ اس بات کو آں حضرتؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔ تب حضرت عمر نے عبداللہ بن زمعہ سے کہا کہ تم نے بڑا برا کیا میں تو سمجھا تھا کہ رسولؐ خدا نے تم سے کہا تھا کہ مجھ سے کہہ دو۔ عبداللہ نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم حضرتؐ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ میں کسی سے بھی کہوں۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۸۱)

اس روایت کا مضمون بھی نہایت درجہ پریشان کن ہے شروع میں تو یہ ہے کہ آں حضرتؐ نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو نماز پڑھا دیں اور آخر میں عبداللہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آں حضرت نے مجھ سے کسی کے بارے میں نہیں فرمایا تھا۔اب اس روایت کے ابتدائی حصے کو صحیح مانا جائے کہ آخری حصے کو۔

(۶) چھٹی روایت ہے کہ ''آں حضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو کو نماز پڑھا دیں، حضرت عائشہ بولیں حضرت ابوبکر نہیں پڑھا سکتے آپ عمر سے کہہ دیجئے ،اس پر فوراً حضرت ابوبکر چلے گئے اور نماز پڑھا دی۔'' (مسند جلد ا ص ۳۵۶)

اس میں بالکل ذکر نہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت عمر کی سفارش کی تو آں حضرتؐ نے فرمایا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اسی جگہ تھے اور جیسے ہی حضرت عائشہ نے عمر کا نام لیا آپ اٹھے ار جا کر نماز پڑھانے لگے لیکن اس صورت میں آں حضرت نے دوسروں سے کیوں فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو خود انہیں سے کیوں نہ کہا کہ تم جا کر نماز پڑھا دو اس میں حضرت عائشہ سے ردوقدح کی نوبت بھی نہیں آتی۔

(۷) حضرت رسولؐ خدا نے دریافت کیا کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا؟ لوگوں نے کہا ہاں! حضرتؐ نے فرمایا اچھا ابوبکر سے کہہ دو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں اس پر حضرت عائشہ بولیں یا حضرت وہ نرم دل کے ہیں آپ عمر کو حکم دیں حضرتؐ نے فرمایا اچھا تم لوگ عمر ہی سے کہہ دو حضرت عمر بولے واہ وبوبکر کے رہتے میں کیسے پڑھا سکتا ہوں؟ اس پر حضرت ابوبکر آگے بڑھ کر نماز پڑھانے لگے۔'' (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۵)

پہلی روایتوں میں ہے کہ حضرت عائشہ اصرار پر اصرار کرتی رہیں کہ حضور عمر کو حکم دیں مگر حضرت ان کی بات نہیں مانے بلکہ مصر رہے کہ ابوبکر ہی نماز پڑھائیں لیکن روایت بتاتی ہے کہ حضرت عائشہ کے پہلے ہی بار کہنے پر آں حضرت نے فرمادیا کہ ہاں عمر ہی کو کہہ دو مگر حضرت عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے رہتے میں کیسے پڑھا سکتا ہوں؟

(۸) حضرت ابن عباس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولؐ خدا نے پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ لوگ ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ (مسند جلد ا ص ۲۱۹ و جلد ۳ ص ۱۹۹)

اس میں اس کا مطلق ذکر نہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے نماز پڑھانے کے لئے کہا تھا۔

(۹) حضرت عائشہ بیان کرتی تھی کہ جب حضرت رسولؐ خدا میرے گھر میں تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ ابوبکر سے کہہ دو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیا کریں۔ (مسند جلد ۶ ص ۲۲۹)

سابق روایتوں سے معلوم ہوا کہ جب حضرتؐ خدا بہت کمزور ہو گئے اور بار بار کوشش کرنے پر بھی مسجد میں تشریف نہیں

لا سکے تب فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو۔ روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی اور آپ حجرۂ عائشہ میں آرہے تو آمد ورفت کی جب تک قوت رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی مغرب کی تھی۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۱۳۶)

اس روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ کے حجرے میں داخل ہوتے ہی یہ حکم دے دیا۔ اب کس کو صحیح اور کس کو غلط سمجھا جائے؟

(۱۰) حضرت رسولؐ خدا نے جب حضرت عمر کی آواز سنی تو نکلے یا تک کہ اپنا سر مبارک حجرے سے باہر کر دیا پھر فرمایا نہیں نہیں نہیں! چاہیے کہ لوگوں کو فرزند ابوقحافہ (ابوبکر) ہی نماز پڑھائیں، حضرت اس بات کو حالت غیظ وغیض میں فرماتے تھے۔ (ریاض نضرہ جلد ۱ ص ۱۱۵)

اس روایت میں پیغمبرؐ کا نکلنا بھی مذکور ہے مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرتؐ کہاں سے نکلے اور نکل کر کس جگہ تشریف لے گئے۔ اگر حجرے سے نکلے تو پھر سر مبارک کو حجرے سے باہر نکالنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

یہ تین روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جس میں پیغمبرؐ کے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دینے یا نہ دینے کے متعلق اختلافات ہیں ان سب کا بیان ایک دوسرے کے مغائر ہے۔

پھر حضرت ابوبکر کے نماز ادا کرنے کی کیفیت میں بھی شدید اختلاف ہے کسی میں ہے کہ آپ نے نماز پڑھائی، کسی میں ہے کہ پیغمبرؐ نے پڑھائی اور حضرت ابوبکر آپ کے پیچھے پڑھتے رہے اور کسی میں ہے کہ ابوبکر کے پیچھے پیغمبرؐ نماز پڑھتے رہے، چند روایتیں غور کرنے کے قابل ہیں:

(الف) ''پھر حضرت رسولخدا نے اپنے مرض میں کچھ افاقہ دیکھا تو نماز ظہر کے لئے دو شخصوں کے سہارے سے نکلے ایک عباس تھے دوسرے علیؑ، مسجد میں تشریف لائے تو ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے پیغمبرؐ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپ نے اشارہ سے روک دیا اس کے بعد آپ نے دو شخصوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھاؤ ان دونوں نے بٹھا دیا اس طرح ابوبکر رسول کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے اور دوسرے لوگ ابوبکر کی اقتداء کر رہے تھے اس وقت رسول خدا بیٹھے ہوئے تھے۔ (فتح الباری پارہ ۳ ص ۳۸۱ کتاب الاذان) اس وقت دوسرے نمازی حضرت ابوبکر کی اقتدا کس طرح کرتے تھے اس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں وتعقب بأن أبابکر انما کان مبلغاً حضرت ابوبکر تو لوگوں کو صرف تکبیر سناتے تھے، جس طرح امام آگے نماز پڑھاتا ہے اور جب رکوع یا سجدے میں جانے کے لئے تکبیر کہتا ہے تو امام کے پیچھے والا شخص زور سے تکبیر کہتا ہے تاکہ دور کے نمازی سمجھ جائیں کہ امام نے تکبیر کہی اور وہ بھی رکوع یا سجدے میں چلے جائیں وعلی ہذا فمعنی الاقتداء اقتداء ھم بصوتہ ویویدہ أنہ کان جالساً وکان ابوبکر قائماً فکان بعض

أفعاله يخفى على بعض الماموميين فمن ثم كان ابوبكر كالامام فى حقهم اس بنا پر نمازیوں کے اقتدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ صرف حضرت ابوبکر کی آواز پر رسول کی اقتدا کرتے تھے اور اس مطلب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ بیٹھے ہوئے تھے اور ابوبکر کھڑے تھے اس سبب سے پیغمبرؐ کے بعض افعال ماموین پر مخفی رہتے تھے غرض کہ حضرت ابوبکر امام تو نہیں تھے البتہ ان مسلمانوں کے لئے مثل امام کے ہو رہے تھے۔(فتح الباری پارہ ۳ ص ۳۷۳)

علامہ نووی نے لکھا ہے ان النبی صلی فی مرض وفاته بعد هذا قاعداً وابوبکر والناس خلفه قياماً وإن كان بعض العلماء زعم أن ابابكر كان هو الإمام والنبى مقتد به لكن الصواب أن النبى كان هو الإمام وقد ذكره مسلم بعد هذا الباب صريحاً أو كالصريح فقال فى روايته عن ابى بكر بن شيبه بإسناده عن عائشه قالت فجاء رسول الله حتى جلس من يسار ابى بكر وكان رسول الله يصلى بالناس جالساً وبوبكر قائماً يقتدى ابوبكر بصلوة النبى ويقتدى الناس بصلوة ابى بكر ۔(صحیح مسلم جلد ۱۷۷)

پیغمبرؐ نے اپنے مرض موت میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر اور دوسرے مسلمان آں حضرت کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اگر چہ بعض علماء کا گمان یہ ہے کہ اس نماز میں حضرت ابوبکر امام اور پیغمبرؐ ان کے ماموم تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ پیغمبرؐ ہی امام تھے۔ اور امام مسلم نے اس بات کو اس باب کے بعد تصریح سے بیان کیا ہے چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت لکھی ہے کہ جب حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے تھے حضرت رسول خدا وہاں پہنچ گئے اور حضرت ابوبکر کے بائیں طرف بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے اس طرح کہ حضرت بیٹھے ہوئے اور حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے تھے، حضرت ابوبکر نماز میں پیغمبرؐ کی اقتدا کئے ہوئے تھے اور دوسرے لوگ حضرت ابوبکر کی اقتدا کر رہے تھے۔"

یہی مضمون صحیح بخاری میں بھی ہے کہ فكان ابوبكر يصلى بصلاة رسول الله والناس يصلون بصلاة ابى ابكر حضرت ابوبکر تو حضرت رسول خدا کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے اور دوسرے مسلمان حضرت ابوبکر کی اقتدا کرتے تھے۔
(صحیح بخاری پارہ ۳ ص ۷۷ ۱۳ایسی روایتیں نہایت کثرت سے ہیں)

(ب) رہیں وہ روایتیں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ پیغمبرؐ ہی حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو وہ بے حد وحساب میں ہیں مثلاً:

عن أنس قال آخر صلاة صلاها رسول الله مع القوم فى ثوب واحد متوشحاً خلف ابى بكر أخرجه النسائى والطبرانى فى معجمه ۔(ریاض نضرہ جلد ا ص ۱۱۷)

انس بیان کرتے تھے کہ پیغمبرؐ نے مسلمانوں کے ساتھ آخری نماز پڑھی وہ ایک ہی کپڑے میں تھی جس کو حضرت لپیٹے

ہوئے تھے حضرتؐ نے یہ نماز ابوبکر کے پیچھے پڑھی اس مضمون کو امام نسائی نے اپنی کتاب میں اور امام طبرانی نے اپنے معجم میں بیان کیا ہے۔

وعن جابر أن النبی صلی خلف ابی بکر ۔(ریاض النضرہ جلد ا ص ۱۱۷)

جناب جابر کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔

وعن سهل بن سعید مثله وعن عائشه نحوه۔(ریاض النضرہ جلد ا ص ۱۱۷)

سہل بن سعید اور حضرت عائشہ سے بھی اس مضمون کی روایت ہے۔

(ج) مگر زیادہ روایتیں اسی مضمون کی ہیں کہ حضرت رسول خدا مکان میں تھے اور حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے تھے کہ نہ آں حضرتؐ آپ کی اقتدا کرتے تھے، نہ ابوبکر آپ حضرت کے پیچھے پڑھتے تھے۔(صحیح بخاری پارہ ۳ ص ۳۷۶)

وقد اختلف فی ذالك (أی فی إمامة الصلوٰة فی مرض النبی لأبی بکر) اختلافاً شدیداً کما قال الحافظ ففی روایة لأبی دائود ان رسول الله کان مقدم بین یدی ابی بکر وفی روایة الابن خزیمة فی صحیحه عن عائشة أنها قالت من الناس من یقول کان ابوبکر المتقدم بین یدی رسول الله ومنهم من یقول کان النبی المقدم (إلی أن قال فی الفتح) تضافرت الراویات عن عائشة بالجزم بما یدل علی أن النبی کان هو الإمام فی تلك الصلوٰة (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۳۹)

حضرت ابوبکر کی امامت کرنے کے بارے میں لوگوں نے شدید اختلاف کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے چنانچہ ابوداؤد والی ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا ہی امام تھے اور حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے جو ان کی صحیح میں ہے حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتی تھیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر امام اور حضرت رسولؐ خدا ماموم تھے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا امام تھے یہاں تک کہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ بہت قوی وہی روایتیں ہیں جو حضرت عائشہ سے اس مضمون کی مروی ہیں یقیناً حضرت رسول خدا ہی اس نماز میں امام تھے۔

ویوید الإمام مالكاً فی ذالك اختلاف الصحابة فی صلواة رسول الله خلف ابی بکر فإن طائفة من الصحابة کانت تقول إن رسول الله کان إماما۔(میزان کبری جلد ا ص ۱۶۹)

حضرت ابوبکر کے پیچھے حضرت رسول خدا کے نماز پڑھنے میں صحابہ کا جو اختلاف ہے وہ امام مالک کی اس امر میں تائید کرتا ہے کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت کی تحقیق یہ تھی کہ اس نماز میں حضرت رسول خدا ہی امام تھے۔

ان اختلافات میں غور کرنے سے ہر بافہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ اصلیت کچھ اور ہے یعنی پیغمبرؐ نے حالت علالت میں چاہا کہ حضرت علیؑ کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کریں مگر حضرت عائشہ وحفصہ نے علیؑ کو آنے نہیں دیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد حضرت ابوبکر پڑھانے لگے۔ جب آں حضرتؐ کو اس کی خبر ہوئی تو باوجودیکہ آپ میں قوت نہیں تھی دو آدمیوں کے سہارے سے خود مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی تاکہ ابوبکر نہ پڑھانے پائیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے مرض کے حالات میں لکھا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " ابْعَثُوا إِلَى عَلِيٍّ فَادْعُوهُ ". فَقَالَتْ عَائِشَةُ : لَوْ بَعَثْتَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ . وَقَالَتْ حَفْصَةُ : لَوْ بَعَثْتَ إِلَى عُمَرَ . فَاجْتَمَعُوا عِنْدَهُ جَمِيعًا . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " انْصَرِفُوا ، فَإِنْ تَكُ لِي حَاجَةٌ أَبْعَثْ إِلَيْكُمْ " . فَانْصَرَفُوا . وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " آنَ الصَّلَاةُ " . قِيلَ : نَعَمْ . قَالَ : " فَأْمُرُوا أَبَا بَكْرٍ لِيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ " (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۵)

حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ کسی کو بھیج کر علی کو میرے پاس بلا دو اس پر حضرت عائشہ بولیں کاش آپ ابوبکر کو بلاتے اور حضرت حفصہ بولیں کاش آپ عمر کو بلاتے اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر آں حضرتؐ کے پاس پہنچ بھی گئے تو حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا تم سب یہاں سے چلے جاؤ!!! اگر مجھے کوئی ضرورت ہوگی تو میں خود تم لوگوں کو بلا بھیجوں گا اس پر وہ سب کے سب چلے گئے اسی وقت حضرت رسولؐ خدا نے پوچھا کہ نماز کا وقت آگیا؟ لوگوں نے کہا ہاں، حضرت نے فرمایا تو ابوبکر سے کہہ دو وہ نماز پڑھا دیں۔

روایت کے الفاظ بہت سے امور کا پردہ فاش کرتے ہیں، آخری جملہ بتاتا ہے کہ نماز کا وقت آچکا تھا اس وقت پیغمبرؐ نے علیؑ کو بلایا اس سے حضرت عائشہ سمجھ گئیں کہ علیؑ نماز پڑھانے کے لئے بلائے جاتے ہیں، آپ نے کہا کہ حضرت ابوبکر کو کیوں نہیں بلاتے۔ حضرت حفصہ بھی یہی سمجھیں اور بولیں کہ آپ حضرت عمر کو کیوں نہیں بلاتے، اگر حضرت عائشہ وحفصہ کو یہ خوف نہ ہوتا تو اپ اپنے اپنے باپ کے لئے سفارش کیوں کرتیں؟ مگر پیغمبرؐ نے نہ عائشہ کی بات مانی نہ حفصہ کی نہ ابوبکر کو بلایا نہ عمر کو پھر بھی یہ حضرت وہاں پہنچ گئے۔ کیوں پہنچے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں جو ان کے لئے سفارش کر رہے تھے انہیں نے بلیا ہوگا مگر ان کے آنے پر بھی پیغمبرؐ نے ان لوگوں سے نماز پڑھانے کو نہ کہا بلکہ اپنے پاس سے رخصت کر دیا کہ تم لوگ چلے جاؤ مجھے ضرورت ہوگی تو خود بلوالوں گا وہ لوگ فوراً چلے گئے ان کے جاتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ ابوبکر سے نماز پڑھانے کو کہہ دو یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آئی کہ جب نماز کا وقت داخل ہو چکا تھا اور حضرت انے ابوبکر کو اس کام کے لئے مناسب بھی سمجھا تھا تو ان کے آنے پر ان سے کیوں فرمایا کہ تم لوگ چلے جاؤ جب ضرورت ہوگی تو بلا بھیجوں گا اور فوراً ہی دوسروں سے کیوں فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ نماز پڑھا دیں؟ کیا کوئی بھی صاحب عقل ایسی باتیں کر سکتا ہے؟

حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کی جس قدر روایتیں ہیں خواہ حدیث کی کتابوں میں ہوں یا سیرۃ کی تاریخ کی سب کو لفظ بہ

لفظ پڑھ جانے سے بھی ایک کتاب تک میں یہ عبارت نہیں ملتی کہ پیغمبرؐ نے اپنی زبان سے ابوبکر سے کہا ہو کہ تم نماز پڑھا دو جو کچھ ہے دوسروں کی زبانی کہ پیغمبرؐ نے لوگوں سے کہا اور لوگوں نے ابوبکر سے کہا اس توسط کی کیا ضرورت تھی پیغمبرؐ نے خود ہی ان سے کیوں نہ کہہ دیا اس میں راز کیا ہے؟ غالباً ہر عقل سلیم یہی فیصلہ کرے کہ جب کوشش کرنے والوں کی خواہش پوری نہ ہوئی پیغمبرؐ نے نہ ابوبکر سے نماز پڑھانے کو کہا نہ عمر سے بلکہ اپنے پاس سے چلے جانے کو کہا اور چاہنے والوں کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو احضرت علیؑ سے پیغمبرؐ کہہ دیں تو ان حضرت کے کمرے سے باہر نکلتے ہی کسی نے اپنے طور پر حضرت ابوبکر سے کہلا دیا کہ پیغمبرؐ تمہیں کو نماز پڑھانے کو کہتے ہیں جس کی پیغمبرؐ کو خبر بھی نہ ہوئی اور حضرت ابوبکر نماز پڑھانے لگے مگر پیغمبرؐ کو اس کا علم ہوا تو دو آدمیوں کے سہارے سے خود تشریف لائے اور ابوبکر کو ہٹا کر خود لوگوں کو نماز پڑھائی۔

اگر واقعاً پیغمبرؐ کی خواہش تھی کہ ابوبکر نماز پڑھائیں تو وہاں دوسرے لوگ نہیں تھے جن سے پردہ وغیرہ مانع ہوتا عائشہ وحفصہ ہی موجود تھی پھر حضرت کو خوف کس کا تھا خود اپنی زبان سے ابوبکر کو حکم دیدیتے کہ تم ہی جا کر نماز پڑھا دو جس پر نہ عائشہ سے بحث ہوتی نہ حفصہ سے نہ پیغمبرؐ ان لوگوں کو صواحب یوسف (یوسف والیاں) فرماتے لیکن حدیث، سیرۃ، تاریخ وغیرہ کی کل کتابیں دیکھ جائے کسی معتبر یا غیر معتبر، مشہور یا گمنام کتاب میں کوئی ادنی روایت بھی اس مضمون کی نہیں ملے گی کہ پیغمبرؐ نے ابوبکر سے ایک مرتبہ بھی خود اپنی زبان سے فرمایا ہو کہ تم نماز پڑھا دو۔

ہمارے اس قول کی تائید ان بکثرت روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں حضرت ابوبکر کا نماز پڑھانا مذکور ہے مگر پیغمبرؐ کے حکم یا اجازت کا بالکل ذکر نہیں جس سے یہ یقین پختہ ہوجاتا ہے کہ حضرت ابوبکر کسی اور چالاک ہستی کے اشارے پر نماز پڑھانے لگے جس کی خبر پیغمبرؐ کو ملی تو آپ غیظ وغضب سے بے چین ہو گئے اور اسی وجہ سے اس ناتوانی کے عالم میں دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں پہنچ گئے اور مسلمانوں کی امامت کی خدمت خود انجام دی، حضرتؐ کے مسجد میں تشریف نہ لانے سے بگڑتا ہی کیا تھا جس کے روکنے کو آپ اتنی شدید تکلیف گوارا فرمائی اور اس درجہ ضعف ونقاہت میں آپ کو دو شخصوں پر تکیہ کر کے مسجد میں تشریف لانا اور امامت کی خدمت خود انجام دینا بے وجہ نہیں ہوسکتا اور وہ وجہ اس کے سوا کچھ اور قطعاً نہیں ہوسکتی کہ حضرت ابوبکر آں حضرتؐ کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانے لگے تھے جو آں حضرتؐ کو ناگوار ہوا اور انہیں اس سے روکنے لئے پیغمبرؐ خود موقع پر پہنچے اور امامت کا شرف ان سے لے کی اس فعل پر اپنا غیظ وغضب ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

واقعۂ قرطاس:

حضرت ابوبکر کی اس جرأت امامت نماز پر جو غیظ وغضب پیغمبرؐ کو ہوا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں پیغمبرؐ اسی انتہائی ضعف

ونقاہت کے عالم میں دوآدمیوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لے گئے اور ابوبکر کو ہٹا کر آپ نے خود نماز پڑھائی۔ مرض کی شدت اس پر قلبی صدمہ، مزاج مبارک کی برہمی پھر حجرہ سے مسجد تک آنے جانے کی تکان، آپ جب نماز سے فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لائے تو آپ کو غش آگیا، بہت دیر تک غشی طاری رہی حاضرین کی آنکھیں اشکبار، ازواج پیغمبرؐ میں اور اہلبیت طاہرینؑ میں کہرام برپا تھا، تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا، یہ دن جمعرات کا دن تھا ہوش میں آنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کاغذ ودوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ رسولؐ اللہ کو مرض کی شدت ہے اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہو گیا بعض کہتے تھے کہ تعمیل کی جائے بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف اور شور وغل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا اهجر استفهموه خود آپ سے دریافت کرو، لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ (صحیح بخاری)

امام بخاری نے اس حدیث کو کئی جگہ ذکر کیا ہے (پارہ ۱۲ص ۱۲۶ پارہ ۸ ص ۱۰۰ پارہ ۲۳ ص ۳۸۴ پارہ ۳۰ ص ۱۰۷) لیکن عبارت میں ذرا سا تغیر کر کے ایک جگہ تو مخالفت کرنے اور پیغمبرؐ کو نوشتہ لکھنے سے روک دینے والے کا نام صاف صاف کر دیا ہے مگر پیغمبرؐ کے کاغذ مانگنے پر جو جواب دیا گیا اس کی اصلی لفظیں نہیں ذکر کی گئیں بلکہ عبارت بدل دی گئی اور دوسری جگہ روکنے والے کا نام نہیں لیا گیا البتہ کاغذ و دوات مانگنے پر جو جواب دیا گیا اس کی اصلی لفظیں بیان کر دی گئیں، ایک جگہ یہ حدیث یوں مذکور ہے

عن ابن عباس قال: لمّا اشتدّ بالنبی صلی اللہ علیه وسلم وجعه قال: «ائتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعده» قال عمر: انّ النبی صلی اللہ علیه وسلم غلبه الوجع، وعندنا کتاب اللہ حسبنا. (صحیح بخاری پارہ ا ص ۱۰۶)

جناب عباس سے روایت ہے کہ جب پیغمبرؐ کی بیماری نے بڑی شدت اختیار کر لی تو آپ نے فرمایا میرے پاس نامہ لاؤ تا کہ میں ایسا نوشتہ لکھ جاؤں جس کے بعد تم پھر کبھی گمراہ نہ ہو، حضرت عمر نے کہا پیغمبرؐ پر مرض کا غلبہ ہے ہمارے پاس خدا کی کتاب موجود ہے (نوشتہ کی حاجت ہی کیا ہے)

اس حدیث میں غلبه الوجع پیغمبرؐ پر مرض کا غلبہ ہے کی لفظ ہے اور کہنے والے حضرت عمر کے نام کی صراحت بھی ہے دوسرے باب جوائز الوفود میں یہ حدیث ان الفاظ میں مذکور ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: أنه قال: یوم الخمیس وما یوم الخمیس، ثم بکی حتی خضب دمعه الحصباء، فقال: اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وجعه یوم الخمیس، فقال: (ائتونی بکتاب

أكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده أبدا). فتنازعوا، ولا ينبغي عند نبي تنازع. فقالوا: هجر رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: (دعوني، فالذي أنا فيه خير مما تدعوني إليه).

ابن عباس کہتے تھے پنجشنبہ کا دن ہائے وہ کیسا پنجشنبہ کا دن تھا پھر وہ رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں سے سنگریزے تر ہوگئے پھر انہوں نے کہا کہ پیغمبرؐ کی تکلیف پنجشنبہ کے دن بہت بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا میرے پاس نامہ لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد تم پھر کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس پر لوگ آپس میں جھگڑنے لگے حالانکہ نبی کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں لوگوں نے کہا پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں۔ پیغمبرؐ نے کہا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں جس حال میں ہوں وہ کہیں بہتر ہے اس سے جس کی طرف تم مجھے دعوت دے رہو۔

اس حدیث میں غلبة الوجع کی لفظ نہیں بلکہ هجر کی لفظ ہے پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں مگر یہاں کہنے والے کا نام مذکور نہیں۔ دونوں حدیثوں کو سامنے رکھ کر دیکھنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ جس حدیث میں پیغمبرؐ کو نوشتہ لکھنے سے روک دینے والے کا نام مذکور ہے اس کی اصلی لفظیں محدثین نے نہیں ذکر کیں بلکہ اس کا مطلب ومفہوم بیان کر دیا عبارت ہلکی کر دی گئی، صرف غلبة الوجع پر اکتفا کی گئی تاکہ حضرت عمر کے دامن پر دھبہ نہ آئے، دوسری حدیث میں چونکہ حضرت عمر کا نام نہیں لیا گیا اس لئے کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوا جو اصلی لفظیں جواب کی تھیں وہ بیان کر دی گئیں، دونوں حدیثوں میں کتر بیونت اسی غرض سے کی گئی کہ حضرت عمر کی شخصیت کو ٹھیس نہ پہنچے۔ امام بخاری نے اصل وقعہ پر تو پردہ ڈالا مگر دوسرے علماء ومحدثین نے واقعہ کی اصلیت کھول کر رکھ دی ہے چنانچہ دیگر کتابوں میں حضرت عمر کا نام بھی صراحت کے ساتھ مذکور ہے اور انہوں نے جو لفظیں کہی تھی هجر پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں وہ بھی وضاحت سے ملتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فلما كان يوم الخميس هم أن يكتب كتاباً فقال له عمر ماله اهجر۔ (منہاج السنۃ)

بعینہ یہی عبارت علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھی ہے، ابن تیمیہ اور نووی دونوں کو اعتراف واقرار ہے کہ حضرت عمر نے یہ فقرہ کہا کہ پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں۔

شیخ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاضی میں لکھتے ہیں: ان النبي قال في مرضه أنتوني بدواة أكتب لكم كتاباً لا تضلون بعدي فقال عمر أن الرجل ليهجر پیغمبرؐ نے اپنی بیماری میں فرمایا کہ میرے پاس دوات لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے حضرت عمر نے کہا یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔

علامہ حمیدی اپنی کتاب الجمع بین الصحیحین میں بسلسلہ حدیث قرطاس لکھتے ہیں فقالوا ما شانه فقال إن الرجل لیھجر لوگوں نے پوچھا رسولؐ اللہ کا کیا حال ہے، حضرت عمر نے کہا یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔

مشہور شاعر متنبی کا ایک شعر ہے۔

أأنطق فيك هجر أبعد اعلمی بأنك خير من تحت السماء

(کیا میں یہ سمجھتے ہوئے کہ تو زیر آسمان تمام لوگوں سے بہتر ہے تیرے بارے میں بیہودہ بکواس کروں گا)

اس کی شرح میں علامہ عکبری شارح دیوان متنبی جن کی جلالت قدر کسی سے مخفی نہیں لکھتے ہیں الهجر القبيح من الكلام والفحش وهجر إذا هذى وهو ما يقول المحموم عند الحمى ومنه قول عمر ابن خطاب عند مرض رسول الله إن الرجل ليهجر۔ ھجر بیہودہ فحش کلام ھَجَرَ فعل ماضی بمعنی ہذیان بکا بخار اور سرسامی کیفیت میں مریض جو بے سروپیر کی باتیں کرتا ہے اس کو بھی کہتے ہیں اور اسی ھجر سے حضرت عمر بن خطاب کا قول پیغمبرؐ کے متعلق تھا کہ إن الرجل ليهجر یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔

یہ واقعہ تاریخ اسلام کا وہ سانحہ عظمیٰ اور دردناک المیہ ہے جس پر جہاں تک ماتم کیا جائے کم ہے منصف مزاج اور سنجیدہ مسمانوں نے اس واقعہ پر خون کے آنسو بہائے ہیں، عبداللہ بن عباس اس واقعہ کو یاد کر کے اتنا روتے تھے کہ سامنے کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ اسی واقعہ نے مسلمانوں کو بُرا دن دکھایا افراق و انتشار کی تخم ریزی ہوئی اور دین اسلام کا تارو پد بکھر کر رہگا۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد جتنے اختلافات اسلام میں رونما ہوئے اور جتنے فرقے اور جماعتیں عالم وجود میں آئیں وہ سب اسی ایک واقعہ کا خمیازہ تھہ۔ زبان سے نہ کہیں مگر تقریبا تمام اہل عقل و خرد اور سچے مسلمان حضرت عمر کی اس جسارت و جرأت پر گریبانوں میں سر ڈالے ہوئے ہیں۔ پیغمبرؐ کی اس ہتک حرمت اور کھلی ہوئی توہین پر انگشت بدنداں ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا عذر کریں؟ کوئی جواب بن نہیں پڑتا، کوئی تاویل دل لگتی نہیں، تیرہ سو برس سے آج تک ان تھک کوششوں کے بعد بھی کسی سے حضرت عمر کے اس اقدام کی مناسب توجیہ نہیں ہو سکتی، حضرت عمر کے فدائیوں نے باتیں بہت سی بنائیں، حضرت عمر کے ہَوا خواہی میں بہت سی تاویلیں کیں مگر ان تاویلوں سے کسی سچے مسلمان کی تسلی ناممکن ہے اور سچ تو یہ ہے کہ تاویل کرنے والوں کے دل بھی ان تاویلوں سے مطمئن نہ ہوئے ہوں گے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے ان تمام تاویلوں پر جو اس واقعہ کے سلسلہ میں کی گئی ہیں، ہم سرسری تبصرہ کرتے چلیں اس لئے کہ یہ واقعہ جہاں اسلام کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور وہاں امیر المومنین کے داستان مصائب کے سرنامہ کی بھی حیثیت اسے حاصل ہے کہا جاتا ہے کہ ”آں حضرت نے جس

وقت قلم ودوات لانے حکم دیا تھا آپ کوئی چیز لکھنا چاہتے ہی نہ تھے بلکہ محض آزمانا چاہتے تھے اور کچھ مقصود نہ تھا، دوسرے صحابہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی مگر حضرت عمر سمجھ گئے کہ رسولؐ درحقیقت ہم لوگوں کو جانچنا چاہتے ہیں لہٰذا انہوں نے قلم ودوات لانے سے صحابہ کو روک دیا لہٰذا اس بنا پر حضرت عمر کی ممانعت کو منجملہ آپ کی توفیقات ربانیہ کے سمجھنا چاہئے اور آپ کی مخصوص کرامات شمار کرنا چاہئے۔

یہ عذر جس قدر مہمل ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ رسولؐ کا فقرہ **لا تضلوا بعدی** میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے اس عذر کو بننے نہیں دیتا، یہ فقرہ حکم پیغمبرؐ کا دوسرا جواب ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم دوات کاغذ لاؤ گے اور میں تمہارے لئے وہ نوشتہ لکھ دوں گا تو اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو گے اور یہ امر مخفی نہیں کہ اس قسم کی خبر بیان کرنا محض آزمانے کے لئے یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ علاوہ بریں یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آں حضرتؐ کا دم واپسیں تھا حالت احتضار طاری تھی لہذا وہ وقت اختبار وامتحان کا نہ تھا بلکہ اعذار وانذار کا تھا، ہر امر ضروری کے لئے وصیت کر جانے کا وقت تھا۔ جو شخص دم توڑ رہا ہو بھلا دل لگی اور مذاق سے اسے کیا واسطہ اسے تو خود اپنی پڑی ہوتی ہے اہم امور پر اس کی توجہ رہتی ہے، اپنے والوں کی مہمات میں اس کا دھیان ہوتا ہے خصوصاً جب وہ دم توڑنے والا نبی ہو نیز جب پیغمبرؐ نے بحالت صحت اپنے پورے عرصۂ حیات میں اختبار نہیں لیا تو وقت احتضار کیا امتحان واختبار لیتے۔ مزید براں شور وغل کرنے، چیخ پکار مچانے پر ان لوگوں سے رسولؐ کا کہنا کہ **قوموا عنی** میرے پاس سے اٹھ جاؤ صاف صاف بتا رہا ہے کہ رسولؐ کو ان لوگوں سے صدمہ پہنچا، آپ رنجیدہ ہوئے اگر نوشتہ لکھنے سے روکنے والے ہی جادۂ صواب پر ہوتے تو ان کے اس روکنے کو رسولؐ پسند فرماتے، مسرت ظاہر کرتے۔ حدیث کے مطالعہ اور حضرت عمر کے قول هجر رسول اللہ پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں، پر نظر کرنے سے یہ پردہ اٹھ جاتا ہے کہ حضرت عمر اور ان کے تمام ہوا خواہ جانتے تھے کہ رسول ایسی بات لکھنا چاہتے ہیں جو ہمیں پسند نہیں اسی وجہ سے ایسا فقرہ کہہ کر رسول کو ناگہانی صدمہ پہنچایا گیا، آپ کے حضور میں انتہا سے زیادہ شور مچایا گیا اختلافات خوب اُچھالے گئے، جناب ابن عباس کا اس واقعہ کو یاد کر کے شدت سے گریہ کرنا اور اس واقعہ کو مصیبت شمار کرنا بھی اس عذر لنگ کے باطل ہونے کی روشن دلیل ہے۔ یہ کہنا کہ حضرت عمر مصالح کے پہچاننے اور جاننے میں موفق للصواب تھے اور خدا کی جانب سے آپ پر الہام ہوا کرتا تھا یہ عذر ایسا ہے کہ بچے بھی ہنس دیں گے کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں راستی ودرستی حضرت عمر کی طرف تھی نہ کہ رسول کی طرف نیز یہ کہ حضرت عمر کا اس دن کا الہام اس دن کی وحی سے جو رسولؐ پر امین وحی لے کر نازل ہوئے زیادہ سچ تھا۔ یہ بھی عذر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رسول کی تکلیف کم کرنا چاہتے تھے، بیماری کی حالت میں رسولؐ لکھنے کی زحمت کرتے تو آپ کا تعب اور بڑھ

جاتا اسی تعب کے بڑھنے کے خوف سے عمر نے یہ فقرہ کہا مگر یہ بالکل واضح ہے کہ نوشتہ لکھنے میں آپ زیادہ بے خوف ہو جاتے رسولؐ کی فرمائش قلم و دوات کے متعلق تھی کسی کوئی حضرت کی تجویز کے خلاف قدم اٹھانا صحیح نہ تھا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ جب خدا اور رسول کسی بات کا فیصلہ کرلیں تو پھر مومن مرد یا مومن عورت کو اس بات کے پسند ناپسند کی گنجائش نہیں۔ علاوہ اس کے حضرت عمر اور ان کے ہوا خواہوں کا مخالفت کرنا اس اہم ترین مقصد میں رکاوٹ ڈالنا ار پیغمبرؐ کی نظروں کے سامنے شور وغل مچانا، جھگڑا فساد کرنا یہ زیادہ شاق، زیادہ گراں تھا، رسولؐ پر بہ نسبت ایسا نوشتہ لکھنے کے جس سے امت ہمیشہ کے لئے گمراہی سے محفوظ ہو جاتی۔ سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عمر سے رسولؐ کی اتنی زحمت تو دیکھی نہ گئی کہ آپ بیماری کی حالت میں نوشتہ تحریر فرمائیں مگر ایسا کرنے میں انہیں کوئی تامل نہ ہوا کہ رسولؐ قلم و دوات مانگیں اور وہ تکرار کرنے لگیں' ہذیان بک رہے'' کہہ کرنا گہانی صدمہ پہنچائیں لکھنے میں اگر زحمت ہوتی بھی تو رسولؐ کو تو کیا اس صدمہ سے بڑھ کر ہوتی؟۔

یہ بھی لوگوں نے حضرت عمر کی طرف سے معذرت پیش کی ہے کہ حضرت عمر کو منافقین کی طرف سے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں حالت مرض میں نوشتہ تحریر ہونے کی وجہ سے منافقین اس نوشتہ کی صحت میں قدح نہ کریں اس لئے حضرت عمر نے کہا حسبنا کتاب اللہ'' ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے کیونکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہ چھوڑی جو بیان نہ کردی ہو۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ آج کے دن ہم نے دین کو تمہارے لئے مکمل کیا۔ غالباً حضرت عمر کو اپنے طور پر اطمینان تھا کہ امت تو اب گمراہ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ خداوند عالم دین کو کامل اور امت پر اپنی نعمتوں کا تمام کر چکا ہے لہذا جب امت کی گمراہی کا خوف ہی نہ تھا تو اب نوشتہ لکھنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ عذر جس قدر رکیک و مہمل ہے وہ ظاہر ہے رسول کے لن تضلوا کہنے کے بعد اس اندیشہ کی کوئی وجہ ہی نہ تھی کیونکہ جب خود پیغمبرؐ وضاحت فرمادیں کہ میرا نوشتہ گمراہی سے محفوظ رہنے کا سبب ہوگا تو پھر منافقین کی قدح کی وجہ سے وہ نوشتہ باعث فتنہ وفساد کیونکر ہو جائے گا۔ اگر حضرت عمر منافقین ہی سے ڈرتے تھے ان کو یہی اندیشہ تھا کہ منافقین نوشتہ کی صحت میں قدح نہ کریں تو خود منافقین کے لئے انہوں نے قدح کا تخم کیوں بویا، رسولؐ کی بات کاٹ کر لکھنے سے روک کر ہذیان بک رہے ہیں کہہ کر منافقین کے لئے راہ کیوں پیدا کردی؟ حضرت عمر کے ہوا خواہ ان کے فقرہ حسبنا کتاب اللہ کی تفسیر میں یہ جو کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی، نیز الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ آج کے دن ہم نے دین کو تمہارے لئے کامل کیا۔ تو یہ درست نہیں اور نہ خداوند عالم کے

ارشاد سے حضرت عمر کے فقرے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ آیت سے یہ تو نہیں نکلتا کہ امت گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ بھی ہوگئی نہ یہ دونوں آیتیں ہدایت خلق کی ضامن ہیں پھر دونوں آیتوں پر بھروسہ کر کے نوشتہ رسولؐ سے بے پروائی کیونکر جائز ہوگی اگر قرآن کا وجود ہی گمراہی سے محفوظ رہنے کا موجب ہوتا تو یہ گمراہی کیوں ہوتی، اتنی پراگندگی کیوں ہوتی جس کے دور ہونے کی طرف سے قریب قریب مایوسی ہو چکی ہے۔

بعض حضرات نے یہ عذر بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عمر حدیث کا مطلب نہ سمجھے، ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ نوشتہ امت کی ہر ہر فرد کے لئے گمراہی سے بچنے کا ایسا ذریعہ کیونکر ہوگا کہ قطعی طور پر کوئی گمراہ نہ ہو سکے بلکہ حضرت عمر رسولؐ کے اس جملہ سے کہ لا تضلوا تم گمراہ نہ ہوگے، یہ مطلب سمجھے کہ تم سب کے سب کل کے کل گمراہی پر مجتمع نہ ہوگے اور حضرت عمر یہ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی اسی وجہ سے آپ نوشتہ کو بیکار سمجھے اور یہ خیال کیا کہ رسولؐ کا نوشتہ لکھنے سے مقصود صرف مزید احتیاط ہے اور کچھ نہیں، چونکہ آپ مجسم رحمت واقع ہوئے ہیں اس لئے آپ کا رحم و کرم چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کے گمراہی سے محفوظ رہنے کی احتیاطی تدابیر کر دی جائیں یہی سمجھ کر حضرت عمر نے آپ کو وہ جواب دیا یہ طے کر کے کہ یہ رسولؐ کا حکم واجبی نہیں بلکہ رحم و کرم کی وجہ سے ایسا فرما رہے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر اس قدر نا سمجھ نہ تھے اور نہ یہ حدیث جس کا مطلب سب پر واضح و روشن تھا ان کی سمجھ میں نہ آسکی کیونکہ ارشاد پیغمبرؐ سے ہر شہری و دیہاتی کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اگر رسول وہ نوشتہ تحریر فرما دیتے تو وہ نوشتہ ہر ہر فرد کے لئے گمراہی سے محفوظ رہنے کی علت تامہ ہوتا یہی معنی یہی مفہوم اس حدیث سے ساری دنیا کی سمجھ میں آتے ہیں حضرت عمر بھی یقینی طور پر جانتے تھے کہ رسولؐ کو امت کی طرف سے گمراہی پر مجتمع ہونے کا خطرہ نہیں کیونکہ حضرت عمر رسولؐ کا یہ ارشاد سنتے رہتے تھے کہ ''میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی'' ''خطا پر کبھی مجتمع نہ ہوگی'' ''ہمیشہ میری امت سے ایک جماعت حق کی حمایتی ہوگی'' نیز حضرت عمر نے خداوند عالم کا یہ ارشاد بھی سنا تھا ''تم میں سے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان سے خداوند عالم نے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں وہ روئے زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان کے قبل لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا'' اسی طرح کی اور بہت سی کلام مجید کی واضح آیتیں اور احادیث پیغمبرؐ میں سے صریحی حدیثیں حضرت عمر اس بارے میں سن چکے تھے کہ پوری کی پوری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی لہٰذا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ باوجود یہ سب سننے کے جب رسولؐ نے قلم و دوات طلب کیا تو حضرت عمر یا دوسرے لوگوں کے ذہن میں خطور ہوا ہوگا کہ رسولؐ اپنی امت کی گمراہی پر مجتمع ہونے کا خوف رکھتے ہیں جبھی قلم و دوات طلب کر رہے ہیں۔

حضرت عمر کے مناسب حال تو یہ ہے کہ وہ بھی اس حدیث سے وہی سمجھیں جو دنیا سمجھ رہی ہے نہ کہ ایسی بات سمجھیں جس کی

آیات کلام مجید بھی نفی کریں اور صحیح حدیثیں بھی، علاوہ اس کے رسالت مآبؐ کا اظہار ناگواری کرنا اور میرے پاس سے اُٹھ جاؤ فرمانا یہ بھی دلیل ہے کہ جس بات کو ان لوگوں نے ترک کر دیا وہ واجب تھی، قلم ودوات جو رسولؐ نے مانگا تھا وہ لانا ضروری تھا اور نہ لا کر انہوں نے واجب ترک کیا۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت عمر نے رسولؐ کی مخالفت جو کی اور آپ کے پاس قلم ودوات لانے جو نہ دیا وہ غلط فہمی کی وجہ سے تھا رسولؐ کی بات ان کی سمجھ میں نہ آسکی اس وجہ سے ایسا ہوا ایسی حالت میں رسولؐ کو کیا چاہئے تھا؟ ایسے وقت میں تو رسولؐ کو یہ چاہئے تھا کہ آپ ان کے شکوک وشبہات زائل کر دیں، اچھی طرح اپنا مقصود واضح فرمادیں بلکہ رسولؐ کے لئے اس کی بھی گنجائش تھی کہ ان کو جس بات کا حکم دیا تھا اس پر مجبور فرماتے لیکن رسولؐ نے یہ سب نہیں کیا بلکہ اپنے پاس سے اُٹھا دیا حکم دیا قوموا عنی تم سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ، معلوم ہوا کہ رسول جانتے تھے کہ حضرت عمر کی مخالفت غلط فہمی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور جذبے کے ماتحت وہ ایسا کر رہے ہیں اس لئے آپ نے اپنے پاس سے دور ہو جانے کو حکم دیا، جناب ابن عباس کا گریہ فرمانا، اس دن کو یاد کر کے نالہ وفریاد کرنا یہ بھی اس کا پورا پورا مؤید ہے۔

بعض حضرات سے جب حضرت عمر کی اس جسارت وجرأت کی کوئی تاویل ممکن نہ ہوسکی تو انہوں نے اصل واقعہ کا ہی انکار کر دینے میں خیریت سمجھی اور بات یہ بنائی کہ ''اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن عبداللہ بن عباس کے سوا اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں نیز ابن عباس کی عمر اس واقعہ کے وقت کل ۱۳۔۱۴ برس کی تھی اور وہ وہاں موجود بھی نہ تھے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف ابن عباس کے روایت کرنے سے کیا یہ کہہ دینا ممکن ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ سینکڑوں حدیثیں ایسی ہیں جو تنہا ابن عباس سے مروی ہیں اور ان کو بالکل اسی طرح تسلیم کیا جاتا ہے جس طرح ان روایتوں کو جن کے راوی بکثرت صحابہ ہیں پھر یہ شبہ ان دوسری حدیثوں میں جن کے بیان کرنے میں ابن عباس منفرد ہیں کیوں نہیں کیا جاتا؟ دوسرے صحابہ بھی جن روایتوں کے بیان میں منفرد ہیں کیوں نہیں اسی نظر سے دیکھے جاتے؟ جس طرح واقعۂ قرطاس کے متعلق ابن عباس دیکھے گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ابن عباس کی اپنی خلافت کا مسئلہ نہیں تھا پیغمبرؐ کے وصیت نامہ لکھنے سے ان کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی، وصیت نامہ لکھا جاتا تو ابن عباس کا نہ کوئی نفع ہوتا نہ نقصان ایسی صورت میں ان کی حیثیت بے لوث مخبر کی ہو جاتی ہے جس کی تنہا روایت کافی ہے برخلاف اس کے حضرت ابو بکر نے تن تنہا حدیث **نحن معاشر الأنبياء** بیان کی حالانکہ اس روایت کے مان لینے پر حضرت ابو بکر کا نفع ہی نفع ہوا وہ ساری میراث پیغمبرؐ کی جو سیدہؑ کا حق تھا حضرت ابو بکر کے قبضہ میں آ گئی چاہئے تو یہ تھا کہ ایسی حدیث قابل قبول نہ ہوتی مگر باوجود اس کے کہ حضرت ابو بکر کی روایت جو دید نہ شنید کسی

ایک نے بھی پیغمبرؐ سے نہیں سنا قبول کر لی جاتی ہے اور ابن عباس کی یہ روایت جس کا اثر ان کی ذات پر کچھ نہیں پڑسکتا تھا ہوا میں اڑادی جاتی ہے۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حضرت ابوبکر کی اس حدیث کے بارے میں تو اور زیادہ زور سے کہنا چاہئے تھا کہ یہ حدیث ان کے خاص نفع کی ہے اور بجز ان کے اور کسی صحابی سے اس حدیث کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں اس وجہ سے یہ نا قابل اعتبار و نالائق توجہ ہے درصورتیکہ حضرت ابوبکر کی حدیث نحن معاشر الأنبیاء قرآن مجید کے بھی مخالف ہے قرآن کا توصریح حکم ہے وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اور جو ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں تو ہم نے ہر ایک مرنے والے کی میراث کے حق ٹھہرادئے ہیں اور ابن عباس کی حدیث قرآن مجید کے بالکل موافق ہے کہ وہ حکم دیتا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ مسلمانوں تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور وہ کوئی اچھی چیز چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر وصیت کر جائے جو خدا سے ڈرتے ہیں ان پر یہ ضروری فرض ہے، اسی آیت کی تعمیل میں حضرت رسول خدا وصیت نامہ لکھوا دینا چاہتے تھے مگر روک دئے گئے۔ حضرت عائشہ کی متعدد روایتیں ایسی ہیں جن کو ان کے سوا کسی نے نہیں بیان کیا تو وہ روایتیں کیوں مان لی گئی تھیں مگر کسی اور نے اس کو روایت نہیں کیا اس سبب سے یہ روایت نا قابل اعتبار ہے، صحابہ کی حیثیت سے جو درجہ حضرت ابوبکر و عمر کا ہے وہی ابن عباس کا بھی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان دونوں حضرات کی وہ روایتیں جن کے راوی صرف یہ لوگ ہیں مان لی جائیں اور وہ روایت جس کے راوی صرف ابن عباس ہیں شبہ کی نظر سے دیکھی جائے ابن عباس کے متعلق بھی یہ شبہات صرف اس وجہ سے کئے گئے کہ انہوں نے حدیث قرطاس کی روایت کی اگر وہ کسی اور مضمون کی روایت بیان کرتے مثلاً کہہ دیتے کہ حضرت ابوبکر کو رسولؐ نے اپنا دوست کہا ہے یا حضرت عمر کو رسولؐ نے اپنا معتمد علیہ کہا ہے یا حضرت عائشہ کو رسولؐ نے سب عورتوں سے بہتر کہا ہے تو پھر یہ نکتے پیدا نہیں کئے جاتے بلکہ بڑے کلّے ٹھلّے سے کہا جاتا ابن عباس ایسے صحابی نے اس کی روایت کی ہے جو رسولؐ کے چچازاد بھائی تھے جو حبر امت تھے جو رسولؐ کے بڑے مقرب صحابی تھے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف ابن عباس کے بیان کرنے کی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے تو دوسرے صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے اسے روایت کیوں کیا؟ کیوں ان لوگوں نے بھی نہیں کہا کہ حدیث قرطاس کی روایت جب صرف ابن عباس کرتے ہیں اور دوسرے صحابہ اس کے متعلق خاموش ہیں تو روایت کمزور

معلوم ہوتی ہے لہٰذا ہم لوگ اس کی روایت نہ کریں اور نہ امام بخاری وامام مسلم نے بھی اس خیال سے اس کی روایت ترک کردی، مگر بجائے اس کے امام بخاری نے ابن عباس کی اس حدیث کو ایک دو جگہ نہیں سات جگہ درج کیا ہے اور قیامت یہ کہ اس روایت کو بڑے بڑے صحابہ وتابعین نے ابن عباس سے لیا اور دوسروں سے بیان کرتے رہے۔

اب اس کو بھی دیکھئے کہ کیا واقعی ابن عباس اس حیثیت میں منفرد ہیں، کیا کسی اور صحابی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ مسند امام حنبل ہے اس میں یہ حدیث اس طرح بھی مروی ہے: حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا موسیٰ دائود حدثنا ابن لهيعه عن ابی الزبير عن جابر أن النبی دعا عند موته بصحيفة ليكتب فيها كتاباً لا تضلوا ان بعده قال فخاف عليها عمر بن الخطاب حتى رفضها امام احمد سے عبداللہ نے ان سے ان کے باپ نے ان سے موسیٰ نے ان سے ابن ابی لہیعہ نے ان سے ابوزبیر نے اور ان سے جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے بیان کیا کہ حضرت رسولؐ خدا نے اپنی وفات کے قریب کاغذ مانگا تا کہ اس میں ایسا وصیت نامہ لکھوادیں جس کے بعد اہل اسلام گمراہ نہ ہوں تو اس کے متعلق حضرت عمر بن الخطاب نے پیغمبرؐ سے مخالفت کی یہاں تک کہ موصوف نے اس کاغذ کو لے کر پھینک بھی دیا (مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۴۶ مطبوعہ مصر)

انہیں لفظوں میں علامہ ابن سعد نے بھی طبقات میں جناب جابر کی یہ حدیث لکھی ہے۔ اس روایت میں کہیں ابن عباس کا نام نہیں بلکہ اس کے مستقل بیان کرنے والے جابر بن عبداللہ انصاری ایسے معزز و محترم صحابی رسول ہیں جن کی عظمت وجلالت دنیا جانتی ہے انہیں کی ایک اور روایت طبقات بن سعد میں موجود ہے عن جابر دعا النبی عند موته بصحيفة ليكتب فيها كتاباً لأمته لا يضلوا ولا يضلوا فلغطوا عنده حتى رفضها النبی جابر بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے وقت مرگ کاغذ مانگا تا کہ اس پر وصیت نامہ تحریر فرمادیں جس کی وجہ سے لوگ گمراہ نہ ہوں اس پر لوگوں نے دھینگا مشتی کر کے پیغمبر کو نوشتہ لکھنے سے روک دیا۔''

تماشا یہ کہ ابن عباس اور جابر ہی سے یہ واقعہ مروی نہیں بلکہ خود حضرت عمر نے بھی روایت کی ہے مگر اپنی زبان سے چونکہ اعتراف قصور نہیں کر سکتے تھے اس لئے اصلی لفظیں گول کر گئے، امام طبری اپنی اوسط میں اور ان سے علامہ علی متقی نے کنز العمال میں یہ حدیث روایت کی ہے:

عَنْ عُمَرَ، قَالَ: لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ قَالَ: " ادْعُوا لِي بِصَحِيفَةٍ وَدَوَاةٍ، أَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا "، فَكَرِهْنَا ذَلِكَ أَشَدَّ الْكَرَاهَةِ، ثُمَّ قَالَ: " ادْعُوا لِي بِصَحِيفَةٍ أَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا "، فَقَالَ النِّسْوَةُ مِنْ وَرَاءِ السِّتْرِ: أَلَا تَسْمَعُونَ مَا يَقُولُ رَسُولُ اللهِ فَقُلْتُ: إِنَّكُنَّ صَوَاحِبَاتُ يُوسُفَ إِذَا

مَرِضَ رَسُولُ اللّٰہِ عَصَرْتُنَّ أَعْيُنَكُنَّ، وَإِذَا صَحَّ رَكِبْتُنَّ عُنُقَهُ ! فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ: دَعُوهُنَّ فَإِنَّهُنَّ خَيْرٌ مِنْكُمْ " (کنزالعمال جلد ۳ ص ۱۳۸)

حضرت عمر بیان فرماتے ہیں کہ جب پیغمبرؐ مرض موت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ جاؤں جن کے بعد تم قیامت تک گمراہ نہ ہوگے۔(اب یہاں پر حضرت عمر نے اپنے فقرے کو کہ پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں اوراس نزاع وتکرار کو جواس موقع پر ہوئی اڑ گئے کیونکہ اپنے جرم کا اپنی ہی زبان سے اقرار ہوا جاتا تھا) عورتوں نے پردے کے پیچھے سے کہا رسول اللہ جو فرمارہے ہیں تم لوگ سنتے نہیں۔ میں نے کہا تم لوگ تو یوسف والیاں ہو جب رسولؐ اللہ بیمار پڑتے ہیں تو تم اپنی آنکھیں نچوڑ ڈالتی ہو اور جب اچھے ہوتے ہیں گردن پر سوار ہوجاتی ہو، اس پر پیغمبرؐ نے فرمایا کہ عورتوں کو تو جانے ہی دو یہ تم سے تو بہتر ہی ہیں۔

حضرت عمر نے اپنے جواب کو چھپانا چاہا تھا وہ لفظیں نہیں ذکر کیں جوانہوں نے پیغمبرؐ کے قلم، دوات مانگنے پر کہی تھیں مگر پیغمبرؐ کے اس فقرے نے سارا حال آئینہ کردیا کہ عورتوں کو جانے دو یہ تم سے تو بہتر ہی ہیں کیونکہ ان کو بہر حال یہ ہمت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ پیغمبرؐ کو ہذیان بکنے کی تہمت لگائیں۔

جب عبداللہ ابن عباس کے علاوہ جابر بن عبداللہ اور حضرت عمر تک اس واقعہ کے ناقل ہیں تو یہ دعویٰ کہ صرف ابن عباس راوی ہیں حقیقت پر پردہ ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ رہ گیا یہ کہ عبداللہ ابن عباس اس وقت ۱۳۔۱۴ برس کے تھے اور خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے یہ بھی انتہائی مہمل ورکیک ہے۔ خود ابن عباس کا بیان حدیثوں میں موجود ہے کہ ان کی عمر اس وقت ۱۵ سال کی تھی۔ امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے قال توفی رسول اللہ وأنا ابن خمس عشرة سنة عبداللہ بن عباس بیان کرتے تھے وفات پیغمبرؐ کے وقت میں پندرہ سال تھا۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۳۷۳)

بہر حال ۱۵ سال کی عمر ہو یا ۱۳۔۱۴ سال کی اس سے ان کی روایت میں قدح ناممکن ہے، ان کے علم وفضل ذہن وحافظہ کی حالت تو ایسی تھی کہ اگر وہ اس سے بھی کم عمر کے ہوتے تو ان کے بیان پر کسی کو شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی، انہوں نے وہ بلا کا ذہن وحافظہ پایا تھا جو کمتر کسی کو نصیب ہوا ہوگا۔ کامل للمبرد اور بہت سی ادب وتاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ابن ابی ربیعہ اپنے عنفوان شباب میں ابن عباس کی خدمت میں آئے ان کے پاس اس وقت نافع بن ازرق مشہور خارجی متکلم بیٹھا ہوا تھا، ابن ابی ربیعہ سے ابن عباس نے کہا بھتیجے اپنے اشعار نہ سناؤ گے۔ ابن ابی ربیعہ نے ۱۸۰ اشعار کا ایک طولانی قصیدہ سنایا تھا، ابن ازرق نے کہا اللہ غور تو کیجئے کہ ہم تو اتنی دور دراز کی مسافت طے کر کے اور اپنی سواریوں کو ہلکا کر کے آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ دینی مسائل آپ سے حاصل کریں اور آپ کی حالت یہ ہے کہ قریش کا ایک چھوکرا آتا ہے اور حماقت

بھرے اشعار آپ کو سناتا ہے۔ ابن عباس نے کہا خدا کی قسم میں نے تو کوئی حماقت بھرا شعر نہیں سنا۔ ابن ازرق نے کہا کیا ابن ربیعہ نے ابھی یہ شعر آپ کو نہیں سنایا۔

رأت رجلاً أيما إذا الشمس عارضت فيخزى أما بالعشى فيخسر

ابن عباس نے کہا اس نے یہ نہیں کہا بلکہ اس نے فیضحی وأما بالعشي فیحضر کہا ہے اور دونوں کے معنوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابن عباس نے کہا خدا کی قسم میں نے تو یہ اشعار سارے کے سارے بھی اسی وقت سنے ہیں۔ پھر انہوں وہ اسی کے اسی اشعار ایک ایک کر کے شروع سے آخرت تک پھر آخر سے شروع تک سنا دئے۔ اس پر لوگوں نے کہا آپ سے بڑھ کر حافظہ والا تو ہم نے آج تک دیکھا نہیں، ابن عباس نے کہا میں نے آج تک اپنے کانوں سے سنی ہوئی بات فراموش نہیں کی۔ میں جنازے پر بین کرنے والی عورتوں کی آواز سنتا ہوں تو اپنے کان بند کر لیتا ہوں تا کہ ان کے فقرے میرے حافظہ میں محفوظ نہ جائیں۔

علماء رجال نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''پیغمبرؐ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا خداوندا ان کو کتاب وحکمت کا علم عطا فرما۔ خود ابن عباس کہتے تھے کہ مجھ کو رسولؐ اللہ نے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا اے اللہ ان کو حکمت تعلیم فرما۔ ان کو لوگ بحر (سمندر) کہتے تھے اس وجہ سے کہ ان کا علم بہت وسیع تھا اور لوگ ان کو حبر الامۃ بھی کہتے تھے نبی نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ انھوں نے جبریل کو رسولؐ کے پاس دو مرتبہ دیکھا تھا اور رسولؐ نے آپ کے لئے دو مرتبہ دعا کی۔ حضرت عمر کے پاس جب پیچدار مقدمات آتے تو وہ ابن عباس سے کہتے کہ یہ پیچ دار مقدمات ہمارے پاس آئے ہیں ایسے مقدمات کے لئے تم ہی ہو پھر انہی کے قول پر عمل کرتے اور اس قسم کے کاموں کے لئے سوا ابن عباس کے کسی کو طلب نہ کرتے تھے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور تابعین نے آپ سے استفادہ حدیث کیا۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۶۶)

قابل غور ہے کہ اجلۂ اصحاب اور عظیم القدر تابعین نے ان سے اخذ واستفادہ میں تو کوئی عار نہ سمجھا ان کی کمسنی کی وجہ سے انہیں کوئی جھجک محسوس نہ ہوئی اور آج ہم ان کی کم سنی کا بہانہ تراشتے ہیں۔ ان کی سینکڑوں حدیثیں تو سر آنکھوں پر رکھی جائیں اور ان کی روشنی میں دینی مسائل مرتب ہوں اور واقعہ قرطاس والی حدیث محض اس وجہ سے ٹھکرا دی جائے کہ اس سے خلافت مآب افراد پر آنچ آتی ہے۔ اگر ان کی کم سنی حدیث قرطاس کی نامقبولیت کا سبب ہو سکتی ہے تو دوسری سینکڑوں حدیثیں کیوں قبول کر لی گئیں۔ یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ آپ جن کی حمایت میں ان کی اس حدیث کو کمسنی گا ذکر کے سبک کر رہے ہیں خود وہ بزرگ ابن عباس کو کیا سمجھتے تھے۔ علامہ ابن عبد البر استعاب میں لکھتے ہیں کان عمر یحب ابن عباس ویقربه

حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ ابن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے حضرت عمران کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں۔ (الفاروق حصہ ۲۲۳۹)

اس کو کہتے ہیں من چہ می سرایم وطنبورہ من چہ می سراید۔ حضرت عمر کی نگاہوں میں ابن عباس کی یہ عظمت وجلالت اور پیروان حضرت عمر کے ابن عباس کے متعلق یہ خیالات!!

اب رہ گیا یہ کہ ابن عباس اس واقعۂ قرطاس میں موجود تھے یا نہیں تو اسے بھی صحیح بخاری کے الفاظ نے صاف صاف واضح کر دیا ہے۔ حدیث کی عبارت ہے فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ وبین کتابہ۔ (صحیح بخاری باب کتابۃ العلم پارہ ۱ ص ۱۰۶) فخرج ابن عباس ابن عباس وہاں سے نکل گئے زیادہ واضح اور کیا چاہئے، اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے جو بتائے کہ وہ وہاں موجود تھے اور جب دیکھ لیا کہ حضرتؐ وصیت نامہ نہیں لکھ سکے تو اس صدمہ میں اس حجرے سے باہر نکل آئے۔

یہ اتنے عذر وتاویلات تھے جو حضرت عمر کی بے گناہی وبریت کے لئے آپ کے عقیدتمندوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں معمولی نظر میں یہ بہانے بچوں کی باتیں معلوم ہوتی ہیں مگر لائق ماتم ہے یہ حقیقت کہ بڑے بڑے اسلامی دماغ محققین جو فرقہ اہل سنت کی بنیاد وستوں کی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے پیش کئے ہیں۔

زمانہ حال کے نامور عالم شمس العلما شبلی نعمانی جنہوں نے اپنی تحقیق وتدقیق قوت تحریر کی بدولت ہندوستان کے گوشے گوشے سے خراج عقیدت وصول کیا ہمیں امید تھی کہ اس مسئلہ میں شاید خدا لگتی بات کہیں مگر سچ کہا ہے کسی نے کہ حب الشیٔ یعمی ویصم کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ حضرت عمر کی محبت میں انہوں نے دامن تحقیق کو جس طرح داغدار کیا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ انہوں نے بھی واقعہ قرباس کے مسئلہ میں وہی گھسے گھسائے اعذار وتاویلات پیش کیے ہیں جو تیرہ سو برس سے ہوا خواہان حضرت عمر لفظیں بدل بدل کر بیان کرتے رہے جنہیں ہم نے اوپر کی سطروں میں مختصراً ذکر کیا ہے۔

واقعۂ قرطاس صحیح بخاری کے حوالہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں "اس بنا پر یہ روایت شیعہ سنی کا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت صلعم حضرت علیؑ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، سنی کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا خود قرآن مجید میں آیت الیوم أکملت لکم نازل ہوئی چکی تھی اس لئے حضرت عمر نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آں حضرتؐ کسی کے روکے کیونکر رک سکتے

تھے، اس وقعہ کے چار دن تک آپ زندہ رہے اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائی، جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں یا اگر وہ ان کے علاوہ تھیں تو آپ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے اس کے بدمجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے۔ مجھ کو احتیاط کرنی چاہئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کے دائرہ میں آجائے۔ تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۱۲۸)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سلسلۂ بیان میں مولوی صاحب کی عبارت پر تبصرہ کرتے چلیں۔ آپ لکھتے ہیں ''سنی کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ کو واقعی تکلیف تھی'' صرف سنی ہی نہیں کہتے بلکہ شیعہ بھی کہتے ہیں اور جب حضرتؐ مرض موت ہی میں مبتلا تھے تو ہر شخص یہ کہے گا کہ حضرتؐ کو اس وقت واقعی تکلیف تھی مگر یہ تو حضرتؐ کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی جب وفات کا وقت قریب آ گیا تھا تو یقیناً تکلیف بھی بے حد رہی ہوگی۔ دنیا میں ہر شخص اپنے آخر وقت وصیت لکھنی چاہتا ہے واقعی تکلیف میں ہوتا ہے مگر کیا کوئی اور شخص بھی اس تکلیف کی وجہ سے اپنی وصیتیں لکھنے سے محروم کر دیا جاتا ہے؟ اور کیا اس کی اس عارضی تکلیف کا خیال کیا جاتا ہے یا اس کی دائمی تکلیف سے اس کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کے لئے وہ قلم و دوات طلب کرتا ہے۔ عام طور پر ہر مرنے والے کی انتہائی آرزو ہوتی ہے کہ مرنے سے پہلے اپنی آل اولاد کے لئے اپنی جائداد و املاک کے لئے اپنی محبوب چیزوں کے لئے وصیت کر جائے، وصیت نامہ لکھ جائے تا کہ اس کی آنکھ بند ہونے کے بعد اس کی خواہشوں کے مطابق نظم و انصرام قائم رہے۔ اگر کسی مجبوری سے مرنے والے کو وصیت لکھنے یا لکھوانے کا موقع نہیں ملتا تو مرنے والے کی روح کو جو صدمہ ہوتا ہوگا وہ علیحدہ ہے متعلقین کو دائمی اذیت رہتی ہے کہ مرنے والے کی دلی آرزوئیں دل ہی میں رہیں اس دنیا سے جانے کے بعد اپنے انتظام کے بتا دینے کا موقع نہیں ملا پھر رحمۃ للعالمین پیغمبرؐ کی کیا خطا تھی کہ آپ کے ساتھ یہ اتنی بشری ہمدردی بھی روا نہیں رکھی گئی جو عام انسانوں کے ساتھ کی جاتی ہے وہ کیا وجوہ و اسرار تھے جن کے سبب آپ کے ساتھ وہ اخلاقی سلوک بھی نہیں کیا گیا جو غیروں کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ پیغمبرؐ مرض کی وجہ سے بے حد کرب و اذیت میں تھے مگر حضرتؐ کو اپنی ذاتی تکلیف زیادہ تھی یا اپنی امت کی گمراہی کا خوف زیادہ باعث کرب و اذیت تھا نیز یہ کہ پیغمبرؐ کی وہ مرض کی تکلیف زیادہ تھی یا حضرت عمر کے ہذیان بکنے کا الزام اور آپ کے سوال کا کورا جواب زیادہ باعث اذیت تھا۔ پیغمبرؐ کی

اذیتوں کا سلسلہ تو اسی دن شروع ہو گیا تھا جس دن آپ نے اعلان رسالت فرمایا تھا خود فرماتے تھے ما أوذی نبی کما أذیت جس درجہ مجھے اذیت پہنچائی گئی اتنی اذیت کسی کو نہیں پہنچائی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس سے حضرت کا ارشارہ انہیں اذیتوں کی طرف تھا جو انسانوں سے آپ کو پہنچیں مگر ان اذیتوں کے سبب آپ لوگوں کی ارشاد و ہدایت سے باز نہیں آئے۔ ابتداء رسالت سے وفات تک حضرتؐ کی زندگی کی کون سی ساعت تکلیف و اذیت سے خالی تھی، لیکن اذیت و تکلیف سے کبھی آپ نے اپنے فرائض منصبی میں تساہلی کی؟ پھر جب آپ کی زندگی کے آخری لمحے تھے آپ کو بھی معلوم تھا اور صحابہ کو بھی اندازہ تھا کہ یہ آپ کا دم واپسیں ہے کیوں نہیں حضرت کے پاس قلم و دوات لا کر صحابہ نے دریافت کر لیا کہ حضور کیا لکھوانا چاہتے ہیں اور جو حضور فرماتے، کیوں نہیں لکھ دیا؟ علاوہ اس کے جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر کہا ہے حضرت عمر اور ان کے ہوا خواہوں کا مخالفت کرنا، شور و غل مچانا زیادہ باعث اذیت تھا رسولؐ کے لئے یا نوشتہ لکھنا۔ لکھنے میں پیغمبرؐ کو اگر زحمت ہوتی بھی تو کیا اس دلی صدمہ، انتہائی اذیت سے بڑھ کر ہوتی جو ہذیان بک رہے ہیں، سن کر ہوئی ہوگی۔

آپ لکھتے ہیں ''اور معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں آیۂ الیوم أکملت لکم نازل ہو چکی تھی اس لئے حضرت عمر نے آپ کو زحمت دینا مناسب نہیں سمجھا'' یہ کیسے معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ صحابہ کا علم کیا پیغمبرؐ سے زیادہ تھا کہ حضرتؐ تو کچھ لکھے جانے کی ضرورت محسوس فرماتے تھے اور حضرت عمر وغیرہ اس کو بے ضرورت سمجھتے تھے اور آیۂ الیوم أکملت لکم نازل ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ امت گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی تو پیغمبرؐ قلم و دوات طلب فرماتے تھے کیا پیغمبرؐ نہیں جانتے تھے کہ قرآن میں مذکورہ بالا آیت نازل ہو چکی ہے یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پیغمبرؐ اس آیت کا نازل ہونا بھول گئے ہوں یقیناً پیغمبرؐ کے پیش نظر تھی یہ آیت مگر پیش نظر ہونے کے باوجود آپ نے نوشتہ لکھنا چاہا اور قرآن مجید کی اس آیت کو اپنی امکت کے ہدایت کے لئے کافی نہیں سمجھا جبھی تو یہ فرمایا کہ دوات کا غذ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے پھر حضرت عمر نے قلم و دوات کیوں نہیں دی جب پیغمبرؐ خود طلب فرماتے تھے تو حضرت عمر نے اپنی عقل پر کیوں عمل کیا اور فعل رسولؐ کی مناسبت یا عدم مناسبت کا فیصلہ اپنی رائے سے کیوں کر دیا۔ اگر اور کوئی شخص پیغمبرؐ سے فرمائش کرتا کہ ہمارے لئے کوئی نوشتہ لکھ دیجئے یا حضرت عمر ہی سے کوئی فرمائش کرتا کہ آپ پیغمبرؐ سے کہہ کر ایک نوشتہ لکھوا دیجئے تا کہ ہم لوگ حضورؐ کے بعد گمراہ نہ ہوں تو حضرت عمر کو یہ خیال کرنا یا کہنا کچھ مناسب ہو سکتا تھا کہ اس وقت حضور بڑی تکلیف میں ہیں لکھنے کی زحمت دینے سے آپ کی تکلیف بڑھ جائے گی اور یہ بات سب کو پسند ہوتی اور ہر شخص کہتا کہ آپ کو پیغمبرؐ سے جو محبت تھی اس نے اس بات پر آمادہ کیا

اور یہی آپ کو کرنا اور کہنا چاہئے تھا مگر جب خود پیغمبرؐ نے خواہش کی کہ دوات کاغذ لاؤ تو حضرت عمر نے آپ کو خدا کا رسول سمجھ کر اطاعت کیوں نہیں کی اور قلم و دوات کیوں نہیں دے دی۔ رسولؐ خدا اس وقت اپنے عہدۂ نبوت و رسالت سے معزول تو نہیں کر دیے گئے تھے اور اپ کی اطاعت کا حکم منسوخ تو نہیں ہوا تھا پھر آپ نے ارشاد رسولؐ کی مخالفت کیوں کی؟ دو حال سے خالی نہیں یا حضرت عمر مسلمان نہ مانے جائیں تو آپ پر خدا اور رسولؐ کی اطاعت بھی بظاہر واجب نہیں کہی جاسکتی یا مسلمان مانیں اور حکم رسولؐ کے مخالف کہے جائیں۔ پہلی صورت تو حضرت عمر کا کوئی بہی خواہ قبول نہیں کرے گا لامحالہ دوسری صورت ہی ماننی پڑے گی کہ حضرت عمر نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی اور حضرت کی آخری زندگی میں اپنی نافرمانی سے تکلیف پہنچائی۔ یہ بھی واضح ہے کہ اس وقت پیغمبرؐ مسلمانوں کو جو حکم دے رہے تھے وہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا، اپنی اولاد کے نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے تھا کیوں کہ خطاب صحابہ ہی سے تھا اور ان الفاظ میں تھا ''جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نوشتہ مسلمانوں کی دنیوی اور دینی زندگی ہی کے لئے ہوتا۔ مگر حضرت عمر نے اس کو لکھنے نہیں دیا حالانکہ اگر آپ وہ وصیت نامہ نہ روکتے تو حضرت کے بعد ہی مسلمانوں میں جو جھگڑے پیدا ہوئے وہ نہ ہوتے۔ یہ تو یقینی ہے کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں میں دو فرقے ہو گئے اور یہ بھی یقینی ہے کہ دونوں کے دونوں سیدھے راستے پر نہیں کہے جاسکتے ایک فرقہ یقیناً گمراہ ہوا تو اس گمراہی کا باعث کون قرار پایا؟ اگر حضرت کی وہ وصیت لکھ گئی ہوتی تو حضرت عمر پر کوئی الزام نہیں آتا اور آپ کے دامن پر دھبہ نہ لگتا کہ آخر وقت میں رسولؐ جو وصیت لکھنی چاہتے تھے اس کو آپ ہی نے روک دیا اور رسولؐ دنیا سے جاتے جاتے وقت اپنی آخری تمنا کے پوری نہ ہونے کا داغ حضرت عمر ہی کی وجہ سے لے گئے۔

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں ''اگر ضروری حکم ہوتا تو آں حضرت کسی کے روکے کیونکر رک سکتے تھے اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا'' پیغمبرؐ نے فرمایا تھا میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ جب حسب وعدہ پیغمبرؐ آپ کا نوشتہ ایسا نوشتہ ہوتا جس کے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوتے تو اس کے ضروری ہونے میں کس مسلمان کو شک ہوسکتا ہے۔ آں حضرتؐ کے قول کا نتیجہ یہی تو ہوا کہ اگر وہ تحریر نہیں لکھی جاتی تو لوگ گمراہ ہوجاتے تو پھر جو تحریر مسلمانوں کو گمراہی سے بچاسکتی۔ اس سے زیادہ ضروری بات کیا ہوسکتی تھی۔ قرآن مجید بھی تو اسی لئے نازل ہوا کہ اس کے بعد لوگ گمراہ نہ ہوں اسلام اسی لئے آیا کہ لوگ گمراہی سے نکلیں۔ پیغمبرؐ خدا اسی لئے تو بھیجے گئے کہ لوگوں کو گمراہی سے نجات دیں۔ اسی گمراہی سے بچانے کے لئے آپ وہ وصیت نامہ بھی لکھنا چاہتے تھے۔ پیغمبرؐ کی لفظیں بتاتی ہیں کہ وصیت نامہ کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی قرآن مجید کے نازل ہونے کی۔ آپ کی وصیت کا اتنا ہی فائدہ ہوتا جتنا آپ کے مبعوث

بہ رسالت ہونے سے پہنچا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جس طرح حضرتؐ نے اپنی زندگی بھر مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کی کوشش کی اس طرح اب اپنی وفات کے بعد بھی ان سب کو گمراہی سے محفوظ کرنے کے لئے وصیت لکھ کر دینا چاہی اگر وہ وصیت نامہ لکھ گیا ہوتا تو جس طرح پیغمبرؐ کی زندگی میں قرآن مجید سے اور خود پیغمبرؐ کی ذات سے لوگوں کی ہدایت ہوتی تھی۔ اسی طرح آں حضرتؐ کی وفات کے بعد لوگ ہدایت پر قائم رہتے مگر وہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دیا اس وجہ سے مسلمانوں میں گمراہی کے دروازے کھل گئے۔

یہ سوال کہ کسی کے روکنے سے کیونکر رُک سکتے تھے کس درجہ حیرت خیز ہے حدیثیں بتاتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے نوشتہ لکھنا چاہا اور حضرت عمر نے ہذیان کی تہمت لگا کر قلم ودوات نہیں لانے دیا اور ہنگامہ برپا کر کے وصیت نامہ لکھنے دیا ہی نہیں تو جس طرح اس وقت نہیں لکھنے دیا اسی طرح حضرت کی زندگی کے باقی چار دن بھی مانع رہے۔ حضرتؐ کا اب بس ہی کیا تھا گھر حضرت عائشہ کا تھا جس میں حکومت صرف حضرت ابوبکر وعمر کی تھی اور پیغمبرؐ کے مرض و ناتوانی کی یہ کیفیت کہ تکیہ سے سر نہیں اٹھایا جاتا تھا اگر حضرتؐ کا اختیار کچھ بھی، باوی رہتا تو کاغذ و قلم و دوات طلب کرنے پر کیا لوگوں کو اتنی ہمت ہوتی کہ حضرتؐ کے منھ پر کہہ دیتے ان الرجل لیھجر یہ شخص ہذیان بک رہا ہے یہ جملہ ہی بتاتا ہے کہ پیغمبرؐ کس درجہ مجبور و بے بس ہو چکے تھے کہ آپ کی طاقت جواب دے چکی تھی حضرت عائشہ ابوبکر وعمر کے خلاف کر نہیں سکتی تھیں اور حضرت عمر کسی طرح لکھنے نہیں دیتے تھے تو اب اور کون سی صورت باقی رہ گئی تھی جس کے بعد پیغمبرؐ وہ وصیت نامہ لکھتے یا لکھوا دیتے۔ اور بعد کو لکھواتے تو اس وقت جب پیغمبرؐ حضرت عائشہ کے گھر سے اُٹھ جاتے دوسرے لوگوں کا کچھ بس چلتا یا آپ میں اتنی طاقت آجاتی کہ کسی کے روکے نہیں رکتے خود بڑھ کر قلم و دوات لئے لیتے لیکن جب تک آپ اپنی زندگی میں اس حالت میں رہے جو قلم و دوات طلب کرتے وقت تھے اس وقت تک تو اس وصیت نامہ کے لکھنے میں وہی مشکلات حائل رہتیں جو پہلے ہی وقت مانع ہو گئیں اگر حضرت چار دن کے بعد وہ وصیت نامہ لکھنے کی قدرت پاسکتے تو پہلی ہی دفعہ کیوں اس ناکامی کا صدمہ برداشت کرتے (۱) پھر بالفرض بعد کو

(۱) بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت عمر نے وصیت نہیں لکھنے دی تو حضرت علیؑ نے قلم و دوات کیوں نہیں دے دیا؟ آپ کیوں خاموش رہے اور کیوں نہ وصیت لکھوائی؟ ان کو یہ الفاظ بغور پڑھنے چاہئیں، حضرت علیؑ تو بالکل مجبور کر دئے گئے حجرہ حضرت عائشہ کا تھا جہاں حضرت علیؑ یا فاطمہؑ یا خاندان بنی ہاشم سے کسی کا زور چل سکتا ہی نہیں تھا اور پھر وہاں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور ان کے ہخیال صحابہ کا مجمع تھا، جگہ تنگ تھی، حجرہ تھا ہی کتنا بڑا اور حضرت علیؑ برابر وہاں رہنے بھی نہیں پاتے تھے بلکہ بلائے جاتے تب بھی روک دئے جاتے تھے چنانچہ اسی زمانہ کے واقعات میں یہ بھی ہے کہ علامہ طبری نے لکھا ہے قال رسول اللہ ابعثوا إلی علی فادعوہ فقالت عائشۃ لو بعثت إلی ابی بکر وقالت حفصہ لو بعثت إلی عمر فاجتمعوا عندہ جمیعا فقال رسول اللہ انصرفوا فإن تك لی حاجۃ ابعث إلیکم فانصرفوا۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کسی کو بھیج کر علی کو میرے پاس بلا دو۔ اس پر حضرت عائشہ بولیں کاش آپ ابوبکر کو بلاتے اور حضرت حفصہ بولیں کاش آپ عمر کو بلا لیتے اس کے بعد حضرت ابوبکر وعمر آں حضرتؐ کے پاس پہنچ بھی گئے تو حضرت رسول خدا نے فرمایا تم سب یہاں سے چلے جاؤ اگر مجھے کوئی ضرورت ہو گئی تو میں خود تم لوگوں کو بلا بھیجوں گا اس پر وہ سب کے سب نکل گئے (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۵) اس روایت سے واضح ہوا کہ حضرت رسولؐ خدا اپنے آخری وقت

علیؑ سے ملنا چاہتے تھے تو کامیاب نہیں ہوتے تھے کیونکہ اس کمرے پر حضرت عائشہ اور حفصہ کا قبضہ تھا۔ اور علامہ محب طبری نے لکھا ہے عن عائشه قال رسول الله لما حضرة الوفاة ادعو لی حبیبی فدعوا له ابابکر فنظر إلیه ثم وضع رأسه ثم قال ادعوا لی حبیبی فدعوا له عمر فلما نظر إلیه وضع رأسه ثم قال ادعوا لی حبیبی فدعوا له علیاً فلما رءاہ أدخله معه فی الثوب الذی کان علیه فلم یزل یحتضنه حتی قبض ویده علیه (اخرجہ الرازی) حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جب حضرت رسولؐ خدا کی وفات کا وقت پہنچا تو فرمایا میرے حبیب کو بلادو۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بلادیا، آں حضرتؐ نے ان کو دیکھا تو اپنا سر گرادیا پھر فرمایا میرے حبیب کو بلادو، اب لوگوں نے حضرت عمر کو بلادیا جب حضرتؐ نے آنکھ کھول کر دیکھا کہ حضرت عمر ہیں تو پھر اپنا سر گرادیا اور پھر فرمایا میرے حبیب کو بلادو۔ اب مجبوراً لوگوں نے حضرت علیؑ کو بلایا۔ جب آپ کو آں حضرت نے دیکھا تو اپنی چادر میں لے لیا۔

اور برابر آپ کے سینے سے لپٹے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں انتقال کیا۔ اس وقت حضرت کا ہاتھ آپ ہی کے جسم پر تھا۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۸۰) اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اپنے امکان بھر حضرت علیؑ کو رسول خدا سے دور ہی رکھتی تھیں۔ اور آنے بھی دیتی تھیں تو انتہائی درجہ کی مجبوری کے بعد۔ ایسی صورت میں آں حضرت حضرت علیؑ سے قلم ودوات کیسے طلب کرتے اور حضرت علیؑ سے اگر وہ وصیت نامہ لکھوا بھی دیتے تو اسے مانتا کون؟ سب کہتے کہ غلط ہے، نہ رسولؐ نے لکھوایا نہ رسولؐ نے کچھ کہا، یہ علیؑ نے اپنی خلافت حاصل کرنے کے لئے جعل وفریب سے کام لیا ہے۔ خود حضرت عائشہ حضرت علیؑ کے خلاف ہو جاتیں اور لوگوں سے کہتیں کہ رسول تو میرے حجرے میں میرے فرش پر رہے ہیں برابر حضرتؐ کی خدمت میں موجود رہی۔ آں حضرت نے نہ قلم ودوات طلب کی نہ وصیت نامہ لکھوایا نہ زبانی کوئی وصیت کی۔ مجھ سے بڑھ کر حضرت کا حال جاننے والا کون ہوسکتا ہے؟ علیؑ اس وقت اپنے کو خلیفہ رسول ثابت کرنے کے لئے اس جھوٹے وصیت نامہ کو پیش کرتے ہیں، ایسی صورت میں حضرت رسولؐ خدا کا وصیت نامہ لکھوانا فعل عبث ہی ہوتا۔ حضرت عائشہ اتنا تک ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی تھیں کہ حضرت رسولؐ خدا آپ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لے گئے تو وہ اس کو کیسے پسند کرتیں کہ حضرت رسولؐ خدا علیؑ کے بارے میں وصیت لکھوادیں اور حضرت عائشہ اس وصیت نامہ سے لوگوں کو باخبر ہونے دیں۔ خود معظمہ کا بیان سنئے۔ عبیداللہ نے کہا کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں جب حضرت رسول خدا بیمار ہوئے اور حضرت کا درد تیز ہوگیا تو اپنی بی بیوں سے اجازت چاہی کہ حضرتؐ میرے (عائشہ) ہی (کے) گھر میں رہیں اور یہیں حضرتؐ کی تیمارداری کی جائے۔ سب بی بیوں نے حضرتؐ کو اجازت دے دی۔ اسی زمانے میں حضرت ایک روز دو شخصوں پر تکیہ کئے ہوئے گھر سے باہر نکلے اور وہ دونوں آدمی جن پر تکیہ کئے حضرت باہر نکلے جناب عباس تھے اور ایک شخص اور تھا اس کے بعد (اس روایت کے راوی) عبیداللہ بیان کرتے تھے کہ اس بات کو نیز حضرت عائشہ نے جو کہا اس کو میں نے جناب ابن عباس سے ذکر کیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا کون تھا؟ میں (عبیداللہ) نے کہا نہیں، تو انہوں نے بتایا کہ وہ علی ابن ابیطالب تھے (صحیح بخاری پارہ ۳ ص ۳۷۲ مطبوعہ دہلی) اس کی شرح میں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے ولکن عائشة لا تطیب نفا له بخیر و عن الزهری ولا تقدر أن تذکره بخیر لیکن حضرت عائشہ کا نفس علی کی کسی بھلائی سے خوش ہوتا ہی نہیں تھا۔ اور زہری سے روایت ہے کہ لیکن عائشہ سے ممکن ہی نہیں تھا کہ علی کو کوئی ذکر خیر کرسکیں۔ (ارشاد الساری جلد ۶ ص ۳۲) اور علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قوله قال هو علی ابن ابی طالب زاد الاسماعیلی من روایة عبد الرزاق عن معمر ولکن عائشة لا تطیب له بخیر ولابن اسحاق فی المغازی عن الزهری ولکنها لا تقدر أن تذکره بخیر جناب ابن عباس نے جو کہا کہ جن بزرگ کا نام حضرت عائشہ نے نہیں بتایا وہ حضرت علیؑ تھے اس کے متعلق اسماعیلی نے عبدالرزاق کی روایت سے یہ جملہ بھی زیادہ کیا ہے مگر حضرت عائشہ علی کی کوئی بھلائی برداشت نہیں کرسکتی تھیں اور علامہ ابن اسحاق نے مغازی میں زہری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا لیکن حضرت عائشہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو کسی طرح بھی بھلائی سے یاد کرسکیں (فتح الباری پارہ ۳ ص ۳۷۲) یہ روایت مسند جلد ۶ صص ۳۴ وغیرہ میں بھی ہے، مورخ جلیل علامہ طبری نے لکھا ہے کہ کانت لا تقدر علی أن تذکرہ بخیر (طبری جلد ۳ ص ۱۹۱)۔

اب فیصلہ آسان ہے کہ اگر حضرت علیؑ قلم ودوات دینا بھی چاہتے اور وصیت لکھنے پر آمادہ بھی ہوتے تو کیا کرسکتے تھے۔ حجرہ حضرت عائشہ کا اور وہ تابع حضرت ابوبکر کی اور حضرت ابوبکر رائے میں حضرت عمر کے جوڑے ہوئے تھے کہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دیں گے تو حضرت علیؑ کیسے لکھتے؟ اگر حضرت علیؑ قلم ودوات لا بھی دیتے، پیغمبرؐ وصیت نامہ لکھوا بھی دیتے تو ہوتا کیا؟ علیؑ کے خلاف صف آرائی جو ہوتی وہ تو بعد کو ہوتی پہلے پیغمبرؐ کی رسالت ونبوت ہی پر حرف رکھا جاتا محض کاغذ ودوات مانگنے پر ہذیان بکنے کا الزام لگادیا تھا تو کیا آپ کی تحریر کو واہیات وخرافات نہ کہہ دیا جاتا اگر پیغمبرؐ بردستی لکھ بھی دیتے تو حضرت عمر اور ان کے ہمنوا زیادہ سختی سے کہتے کہ رسول نے جو کچھ لکھا وہ ہذیان لکھا۔ رسولؐ کے نوشتہ کی دھجیاں اُڑا دیتے تاکہ نوشتہ کسی کام کا نہ رہے۔ ۱۲

رسولؐ وہ وصیت نامہ لکھ بھی دیتے تو حضرت عمر اس وصیت نامہ کو زندہ کیسے رہنے دیتے؟ حضرت عمر نے کچھ ہی دنوں میں اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ رسولؐ کا وصیت نامہ لکھ بھی جاتا تو آپ اس کو چاک کر دیتے جب خلافت پر پورا قبضہ ہو گیا، سب جھگڑے ختم ہو چکے، سب مطمئن ہو گئے اور حضرت ابوبکر پوری قوت وشان سے دنیائے اسلام پر بادشاہت کرنے لگے اس وقت تو حضرت عمر نے ان کا نوشتہ پھینک دینے میں کوئی تامل نہیں کیا پھر رسول ایسے قریب الارتحال بے بس شخص کے وصیت نامہ کی خیریت کیونکر ہو سکتی تھی علامہ حلبی نے لکھا ہے وفي كلام سبط ابن الجوزي رحمه الله أنه رضي الله عنه كتب لها بفدك ودخل عليه عمر فقال ما هذا فقال كتاب كتبته لفاطمة بميراثها من أبيها فقال مماذا اتفق على المسلمين وقد حاربتك العرب كما ترثم أخذ عمر الكتاب فشقه، علامہ سبط ابن الجوزی کے کالم میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے فاطمہ کے لئے فدک کا وثیقہ لکھ دیا اتنے میں حضرت عمر وہاں پہنچ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا حضرت رسول خدا کی جو میراث فاطمہ کو پہنچتی ہے اس کے بارے میں یہ وثیقہ میں نے لکھ کر ان کو دے دیا ہے حضرت بولے پھر کس چیز سے تم مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے حالانکہ دیکھتے ہو کہ عرب تم سے جنگ پر آمادہ ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ وثیقہ چھین لیا اور اس کو چاک کر ڈالا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۳۶۳)

مزید برآں یہ کہ اتنی بڑی تہمت اٹھانے کے بعد کہ إن الرجل ليهجر پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں، نوشتہ لکھنے کا کوئی فائدہ نہ تھا سوا اس کے کہ اور فتنہ وفساد برپا ہوتا کیونکہ اگر پیغمبر نوشتہ لکھ بھی ڈالتے تو حضرت عمر وغیرہ آپ کے نوشتہ کے متعلق کہتے کہ کہیں اس میں بھی تو رسولؐ نے واہی تباہی باتیں نہیں تحریر کر دی ہیں۔ جس طرح یہ کہنے پر کہ میرے پاس دوات کاغذ لاؤ میں ایسا نوشتہ لکھ جاؤں کہ اس کے بعد پھر کبھی گمراہ نہ ہو۔ لوگ جھگڑا کرنے لگے اور رسولؐ اس وقت کچھ نہ کر سکے صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ میرے پاس سے دور ہو جاؤ۔ اگر رسولؐ بھی اپنی بات پر اڑ جاتے اور نوشتہ لکھ کر رہتے تو حضرت عمر وغیرہ کو اور بھی ضد ہو جاتی اور زیادہ سختی سے کہتے کہ رسول نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہذیان ہے اور ان کے ہوا خواہ رسولؐ کے لکھے ہوئے کو ہذیان ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے۔ اسی وجہ سے حکیم اسلام نے نوشتہ لکھنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا تاکہ حضرت عمر وغیرہ آپ کی نبوت میں طعن کا دروازہ نہ کھول دیں۔ پھر آپ لکھتے ہیں ''میں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔'' پیغمبرؐ کے اس فقرے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت سچے اسلام پر باقی رہنے کی صورت لکھ کر مسلمانوں کو بتا دینا چاہتے تھے کہ اسی طرح چلو گے تو اس دین پر باقی رہو گے۔ جو میں تم لوگوں کے پاس لایا تھا۔ اگر آپ رسولؐ کے اس قول کو کہ میرے پاس قلم ودوات لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ جاؤں کہ اس کے بعد گمراہ نہ ہو، اور حدیث ثقلین میں

رسول کے اس فقرہ پر کہ میں تم میں دو اگر نقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے عترت واہلبیت، جب تک تم ان سے متمسک ہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے" کو ملا کر دیکھا جائے تو کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ دونوں حدیثوں میں رسولؐ کا مقصد ایک ہی ہے۔ ایک ہی مفہوم کو دونوں حدیثوں میں آپ نے بیان کیا اور وقت وفات قلم و دوات مانگنے کی غرض یہی تھی کہ حدیث ثقلین میں آپ نے جو چیز امت کے لئے واجب بتائی تھی یعنی اتباع قرآن واہلبیت اسی کو تفصیلی طور پر تحریر فرمادیں، جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے کان النبی أراد أن یکتب تعین واحد من الصحابة للخلافة پیغمبرؐ چاہتے تھے کہ صحابہ سے ایک شخص کو اپنی خلافت کے لئے معین فرمادیں۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد ۱)

علامہ خفاجی شارح شفاء قاضی عیاض لکھتے ہیں۔ قال سفیان أراد أن یبین أمر الخلافة بعده حتی لا یختلفوا فیها سفیان کہتے تھے کہ حضرتؐ نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے بعد خلافت کے مسئلہ کو خود ہی طے کردیں تا کہ اس کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف نہ ہو۔

علامہ کرمانی نے خطابی سے نقل کیا ہے هذا یتأول علی وجهین أحدهما أنه أراد أن یکتب اسم الخلیفة بعده لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیودیهم ذالك إلی الضلال اس امر کی تاویل دو صورتوں سے ہوسکتی ہے ایک یہ کہ آں حضرتؐ اپنے بعد اپنے خلیفہ کا نام لکھنا چاہتے تھے تا کہ لوگ اسکے بارے میں اختلاف نہ کرنے لگیں اور ان میں نزاع نہ قائم ہوجائے جو ان کو گمراہی کی حد تک پہنچادے۔ (شرح صحیح بخاری از علامہ کرمانی) اور علامہ نووی نے لکھا ہے قد اختلف العلما فی الکتاب الذی هم النبی به فقیل أراد أن ینص علی الخلافة فی إنسان معین لئلا یقع نزاع وفتن علماء نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آں حضرتؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ کسی خاص شخص کو معین کردیں تا کہ جھگڑا اور فتنہ وفساد نہ قائم ہو۔ (شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے أکتب لکم کتابا کی شرح میں لکھا ہے أراد أن ینص علی أسامی الخلفا بعده اس وصیت نامہ سے حضرت اپنے بعد اپنے خلفاء کی تعین فرمادینا چاہتے تھے۔

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں "سب سے پہلے واقعہ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے روکاوٹوں کی کھچڑی خلافت کے لئے پک رہی تھی۔۔۔۔۔ بات پھر بھی گول مول ہی رہی۔۔۔۔ پیغمبرؐ صاحب نے بھی وصیت کی جس کے لئے کاغذ منگواتے تھے کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھے انہوں نے دھینگا مشتی سے منصوبہ ہی کو چٹکیوں میں اڑادیا اور مزاحمت کی، تاویل نہ کی ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس

کرتا ہے اور چونکہ پیغمبرؐ صاحب کے حواس بجا نہیں، کاغذ، قلم و دوات کا لانا کچھ ضروری نہیں، خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دیں گے۔" (امہات الامہ ص ۹۲)

مولوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے۔ "بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔"

اگر پیغمبرؐ ابوبکر کی خلافت لکھوانا چاہتے تو کیا حضرت عمر اس سے اختلاف کر سکتے؟ اگر حضرت عمر کو اس کی ادنی امید بھی ہو جاتی تو وہ ایک نہیں ہزار قلم ہزار دواتیں اور ہزار اوراق لے کر بیٹھ جاتے اور ہزار صحابہ کو اندر سے باہر تک جمع کر کے سب سے وہ وصیت نامہ لکھوا دیتے اور حسبنا کتاب اللہ کے عوض اطیعوا الرسول اور ما أتاکم الرسول وغیرہ کا شور بلند کرتے، حضرت ابوبکر کے پسینہ کے ایک قطرے پر حضرت عمر اپنے خون کے ہزار قطرے نثار کرنے میں تامل ہی نہیں کر سکتے تھے پھر آپ کی خلافت کے لئے وہ کیا یہ اہتمام کرتے کہ وصیت نامہ لکھنے نہ پائے؟

سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق پیغمبرؐ کے وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ممکن بھی تھا؟ اگر پیغمبرؐ حضرت ابوبکر کو خلافت کے لائق سمجھتے تو سورۂ برأت کی تبلیغ تک کے لئے آپ کو پسند نہیں کیا تو پوری امتِ اسلام کی ہدایت و قیادت کا عظیم الشان بوجھ آپ پر کیسے رکھ دیتے؟ جب رسولؐ کے زندہ رہتے بھی آپ اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ صرف ایک سال ایک مختصر سی سورۂ برأت کی محض تبلیغ کر دیں تو رسولؐ کے بعد حضرت کے کل فرائض کی انجام دہی کا خیال بھی آپ کے متعلق کسی کو نہیں آ سکتا۔ علاوہ بریں پیغمبرؐ نے اپنے مرض موت میں اسامہ کا لشکر مدینہ سے باہر بھیج دینے کی انتھک کوشش کی اور اسی لشکر کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر کو بھی حکم دیا کہ اس شہر کو چھوڑ کر وہاں سے بہت دور چلے جائیں اگر خدا اور رسولؐ اس بات کو پسند کرتے کہ آں حضرتؐ کے خلیفہ ابوبکر ہوں تو آپ کو مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا جاتا بلکہ تاکید کی جاتی کہ یہاں سے ہٹو نہیں کہ یہ حکم کہ اسامہ کی ماتحتی میں تم بھی چلے جاؤ اور پیغمبرؐ نے نہ جانے پر لعنت بھی فرمائی اور ارشاد فرمایا لعن اللہ من تخلف عن جیش أسامة۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ پیغمبرؐ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر و عمر کو حکم دیا گیا تھا کہ اسامہ کے ماتحت مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ اگر حضرت ابوبکر میں خلافت کی قابلیت ہوتی تو پیغمبرؐ آپ کو اسامہ ایسے سترہ اٹھارہ برس کے نوجوان کا ماتحت کیوں بناتے؟ پیغمبرؐ نے اپنی وفات سے قبل دو انتظام کر کے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کی جگہ پر بیٹھ سکیں۔ ایک سورۂ برأت کی تبلیغ سے معزولی تھی جس نے ثابت کیا کہ آپ میں دینی خدمات کی سرداری یا احکام الٰہی کی تبلیغ وحفاظت کی قطعی صلاحیت نہیں ہے دوسرا اسامہ کے ماتحت ہو کر ان کے ساتھ مدینہ سے باہر جانے کے لئے مامور ہونا تھا جس

نے واضح کر دیا کہ آپ دنیوی امور، لشکر کشی، فتح ممالک کے لئے بھی خدا اور رسولؐ کی نظروں میں سرداری کے اہل نہیں تھے، ورنہ بجائے اسامہ کے آپ ہی اس لشکر کے امیر بنائے جاتے اور دوسرے صحابہ کو آپ کی اطاعت کا حکم دیا جاتا۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے ''بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے'' مگر افسوس آپ نے یہ نہیں لکھا کہ بخاری نے اپنی کتاب کے کس باب اور کس فصل میں یہ لکھا ہے ہم کو تو بہت تلاش کرنے پر بھی یہ روایت نہیں ملی۔ امام بخاری نے اس روایت کو (۱) پہلے پارہ کتاب العلم ص ۱۰۶ مطبوعہ دہلی) میں لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ پڑھ جایئے کہیں یہ عبارت نہیں ہے۔ (۲) پھر پارہ ۱۲ کتاب الشروط باب جوائز الوفد ص ۱۱۶ میں یہ روایت لکھی ہے اس میں بھی نہیں ہے۔ (۳) پھر پارہ ۱۲ اباب اخراج الیہود کتاب الجہاد ص ۱۷۶ میں یہ روایت لکھی ہے اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کا ذکر نہیں ہے۔ (۴) پھر پارہ ۱۸ کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاتہ ص ۱۰۰ میں یہ حدیث لکھی ہے اس میں بھی اس کا اشارہ تک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں آپ نے کچھ لکھوانا چاہا تھا۔ (۵) پھر پارہ ۲۳ کتاب المرضی باب قول المریض قوموا عنی ص ۸۴۳ میں لکھی ہے مگر اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق کوئی حرف نہیں ہے۔ (۶) پھر پارہ ۳۰ کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف ص ۱۰۷ میں لکھی ہے مگر افسوس اس میں بھی ہم کو وہ عبارت نہیں ملی۔ معلوم نہیں مولوی صاحب نے واقعاً صحیح بخاری میں یہ عبارت دیکھی بھی ہے یا صرف امام بخاری سے حسن ظن کے بنا پر تحریر کر دیا کہ بخاری میں لکھا ہے۔ کاش آپ بخاری کی اصل عبارت نقل کر دیتے اور اس کے پارے کتاب اور باب کا پتہ بھی بتا دیتے تا کہ اس کی تلاش میں آسانی ہوتی جب تک ان باتوں کا علم نہ ہو اس وقت تک اس کے راویوں کی تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کہ کون اور کیسے تھے، مولوی صاحب نے لکھا ہے ''یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے'' اس وجہ سے امید ہوئی کہ شاید اس جگہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا وہ مضمون بھی مل جائے جس کا دعوی مولوی صاحب نے کیا ہے مگر افسوس وہاں صرف یہی عبارت ملی عن ابن عباس قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس، اشتد برسول الله صلی الله علیه وسلم وجعه فقال: ائتونی اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعده أبداً. فتنازعوا، ولا ینبغی عند نبی نزاع. فقالوا ما شأنه؟ أهجر، استفهموه. فذهبوا یردون علیه فقال: دعونی فالذی أنا فیه خیر مما تدعونی إلیه. وأوصاهم بثلاث قال: أخرجوا المشرکین من جزیرة العرب. وأجیزوا الوفد بنحو ما کنت أجیزهم وسکت عن الثالثة أو قال فنسیتها۔ (صحیح بخاری پارہ ۸ کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاتہ ص ۱۰۰)

جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ آپ جمعرات کا روز ہائے جمعرات کا روز کس قیامت کا تھا کہ اس روز حضرت رسولؐ خدا کا مرض تیز ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس قلم و دوات لاؤ میں تمہارے لئے وصیت نامہ لکھوا دوں جس کے

بعد کبھی تم گمراہ نہیں ہوگے۔ تو اس پر لوگ وہاں جھگڑا کرنے لگے اور کسی نبی کے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے پھر لوگوں نے کہا تم لوگوں نے کہا رسولؐ کی کیا حالت ہے کیا ہذیان بکتے ہیں؟ ان سے دریافت تو کرلو۔ اس پر لوگوں نے پیغمبرؐ سے دوبارہ کہلانا چاہا یہ دیکھ کر حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ مجھے چھوڑ دو کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم لوگ مجھے بلاتے ہو اور ان سے زبانی تین وصیتیں فرمائیں کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا اور وفد کو اسی طرح جائزہ دینا جس طرح میں جائزہ دیتا تھا اور تیسرے سے سکوت کیا یا راوی نے کہا میں اس تیسری بات کو بھول گیا۔'' پوری روایت اسی طرح اور اتنی ہی ہے ایک حرف بھی کم یا زائد نہیں اگر مولوی صاحب زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ وہ صحیح بخاری میں کس جگہ موجود ہے جس میں آپ نے یہ روایت ملاحظہ فرمائی تھی۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے لکھا ہے ''اس اختلاف کے بعد آپ نے زبانی تین وصیتیں فرمائیں جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہی یہی ہوں'' پیغمبرؐ نے پہلی مرتبہ فرمایا تھا کہ میرے پاس دوات وقلم لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ تم گمراہ نہ ہو اور وقت آخر آپ نے تین وصیتیں یہ فرمائیں کہ کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے، سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانے میں دستور تھا۔ تیسری وصیت راوی کو یاد ہی نہیں رہی۔ ان وصیتوں پر نظر کیجئے تو کوئی ایک ایسی نہیں جو گمراہی سے بچانے کی ضامن ہو سکے۔ کسی مشرک کے عرب میں نہ رہنے سے کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ گمراہی کا اندیشہ بالکل زائل ہوگیا۔ دوسری وصیت کہ سفرا کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانے میں دستور تھا، کیا یہ بات بھی ایسی تھی جس کے لئے آن حضرتؐ ایسے اہتمام سے فرماتے کہ ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوگے اگر سفراء کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اس سے مسلمانوں میں گمراہی کیونکر آجاتی۔ تیسری وصیت جو راوی کو یاد نہ رہی اگر یہ خلافت کے متعلق تھی تو بے شک یہی ایسی تھی جس کے بغیر مسلمان گمراہ ہوتے مگر وہ راوی کو یاد ہی نہ رہی۔ بہرحال جو وصیت راوی کو یاد نہ رہی اس کا سوال ہی بیکار ہے لیکن باقی دو وصیتیں تو ہرگز اس اہمیت کی حامل نہیں کہ ان پر عمل کرنے سے گمراہی کا امکان جاتا رہے نہ وہ اس لائق ہیں کہ ان کے فوت ہونے پر نوحہ و ماتم کیا جاتا اگر پیغمبرؐ نے قلم و دوات انہیں وصیتوں کے لکھنے کے لئے طلب کیا تھا تو ابن عباس اس دن کو یاد کر کے رویا کیوں کرتے، اگر وہ نوشتہ انہیں باتوں کے متعلق ہوتا تو ابن عباس بجائے رونے کے خوش ہوتے اور کہتے کہ آں حضرتؐ جو وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے وہ گو لکھا نہیں گیا، مگر آں حضرتؐ نے بعد میں اس کو زبانی وصیتوں کی صورت میں ظاہر فرما دیا لیکن ابن عباس کی تو یہ حالت لکھی ہوئی ہے کہ وہ کہتے ''ہائے جمعرات کا دن جمعرات کا دن کس قیامت کا تھا پھر اس قدر روتے کہ وہاں کے سنگریزے ان کے آنسوؤں سے تر

ہو جاتے (صحیح بخاری پارہ ۱۲ باب جوائز الوفود ص ۱۲۶) حدیث کی لفظیں بتاتی ہیں کہ رسولؐ کی رحلت کے بعد جب تک ابن عباس زندہ رہے برابر اس دن کو یاد کر کے رویا کرتے۔ اگر وہی بات حضرتؐ نے ان زبانی وصیتوں میں فرمادی ہوتی تو آپ اس کے لئے یہ سوگ کیوں منایا کرتے۔ دوسری روایت بھی صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث قرطاس بیان کرنے کے بعد فکان ابن عباس یقول ان الرزیة کل الرزیة ماحال بین رسول الله وبین أن یکتب لهم ذالك الکتاب من اختلافهم وتعظهم جناب ابن عباس کہا کرتے کہ مصیبت سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا جو وصیت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اس کے اور حضرتؐ کے درمیان رُکاوٹ[1] کھڑی کردی گئی۔ (صحیح بخاری پارہ ۲۳ باب قول المریض قوموا عنی ص ۳۸۴) اگر وہ بات جو آں حضرتؐ لکھوانا چاہتے تھے یہی ہوتی جو حضرتؐ نے زبان سے فرمائی تو ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ رسولؐ کی وصیت روک دی گئی اس کے اور حضرت کے درمیان خلیج پیدا کردی گئی یا اس کے سامنے دیوار کھڑی کردی گئی۔

---

[1] اس میں تو کسی سچے مسلمان کو عذر ہی نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا یقیناً حضرت ابوبکر سے افضل تھے پس اگر انسانی اثر کی وجہ سے حضرت رسولؐ خدا میں کوئی عیب پیدا ہوسکتا ہے۔

تو اس سے زیادہ حضرت ابوبکر میں پیدا ہونے کا امکان تھا اور اگر کوئی عیب حضرت ابوبکر میں نہیں پیدا ہوسکتا تو حضرت رسولؐ خدا میں بدرجۂ اولیٰ نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ اب دونوں بزرگوں کی آخری حالت اور اس میں حضرت عمر کا دونوں صاحبوں سے برتاؤ دیکھئے تو آسمان وزمین کا فرق نظر آئے گا، پیغمبرؐ بیمار ہوئے اور وفات کے قریب وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے اس کو روک دیا اور کسی طرح لکھنے ہی نہیں دیا بلکہ رسولؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دے دی اور قرآن کے ساتھ وصیت نامہ کی ضرورت نہیں سمجھی حضرت ابوبکر بھی بیمار ہوئے اور وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے نہ اس کو روکا اور نہ اس کے لکھنے میں کوئی عذر کیا بلکہ ڈنڈا لے کی لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ خلیفۂ رسول کا وصیت نامہ ہے اس کو مان لو۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے: قیس قال رأیت عمر بن الخطاب وهو یجلس والناس معه وبیده جریدة وهو یقول أیها الناس اسمعوا واطیعوا قول خلیفة رسول الله أنه یقول إنی لم آلکم نصحاًقال ومعه مولی، لأبی بکر یقال له شدید معه الصحیفة التی فیها استخلاف عمر قیس بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت عمر کے ساتھ اور لوگ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں اے لوگوں! رسول اللہ کے خلیفہ (حضرت ابوبکر کے وصیت نامہ) کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس میں تمہاری خیر خواہی کی کوئی بات اٹھا نہیں رکھی ہے اس وقت حضرت عمر کے ساتھ ابوبکر کا غلام شدید حضرت ابوبکر کا وہ وصیت نامہ لئے ہوئے تھا جس میں حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا مضمون تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۵۳ وکامل جلد ۲ ص ۱۶۳ وامامت وسیاست جلد ۱ ص ۳۳ وغیرہ) حضرت ابوبکر بھی اسی طرح مرض موت میں مبتلا ہو جس طرح حضرت رسولؐ خدا ہوئے تھے، حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح فرش خانہ پر انتقال کیا جس طرح حضرت رسولؐ خدا نے انتقال کیا یعنی دونوں بزرگوں سے کسی نے جنگ میں یا دشمن کے وار سے رحلت نہیں کی جس میں وصیت نامہ وغیرہ لکھنے کا موقع قدرت ہی کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ دونوں اطمینان سے انتقال کر گئے، حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح جس طرح پیغمبرؐ اپنے خلیفہ ہی کے متعلق وہ وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر کی وصیت کے متعلق حضرت عمر کو کوئی تردد نہیں ہوا ان کے اختلال حواس کا شبہ تک نہیں ہوا، آپ پر مرض کے غلبہ کا شک نہیں ہوا، آپ کو ہذیان کی نسبت نہیں دی گئی آپ کے وصیت نامہ پر حسبنا کتاب اللہ کی آواز نہیں بلند کی تھی، آپ کے سامنے نزاع نہیں پیدا ہوئی اور پیغمبرؐ کے لئے یہ سب باتیں صرف جائز ہی نہیں سمجھی گئیں بلکہ واقع بھی مان لی گئیں پھر اس فرق کی وجہ سوا اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے وصیت نامہ میں حضرت عمر کا نام تھا اس سبب سے گوارا ہوگیا اور حضرت رسولؐ خدا کے وصیت نامہ میں کسی ایسے شخص کے خلیفہ ہونے کا اعلان تھا جس سے حضرت عمر کو آئندہ خلیفہ ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ ۱۲

پیغمبرؐ خدا کی آخری تین وصیتیں:

جب قلم و دوات طلب کرنے پر حضرت عمر کی طرف سے پیغمبرؐ کو ایسا گستاخانہ جواب ملا اور اتنی دھینگا مشتی ہوئی جسے خلق عظیم پیغمبرؐ بھی برداشت نہ کرسکا اور آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دینے پر مجبور ہوگئے تو اب آپ نے وصیت نامہ لکھنے کا خیال ترک کر دینا ہی بہتر سمجھا۔ عاقبت بین پیغمبرؐ جانتا تھا کہ اب اگر میں ضد کر کے وصیت نامہ لکھ بھی جاؤں تو اور زیادہ فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے اور جبکہ میرا دم واپسیں ہے وہ کفر و نفاق کے مجسمے جو اسلامی لباس میں ڈھکے ہوئے ہیں کھلم کھلا آمادۂ پیکار ہو جائیں گے پھر یہ دین اسلام جو ابھی تازہ تازہ تھا ملت اسلام جو ابھی ابھی کفر کی آغوش سے نکلی تھی مملکت اسلامیہ جس کے چاروں طرف دشمنوں کی آبادیاں تھیں یہ سب رحیم و کریم پیغمبرؐ کو مجبور کرتی تھیں کہ اپنے بعد کے لئے کوئی ایسا انتظام ضرور کرتے جائیں کہ انہیں تباہی سے دو چار ہونا نہ پڑے۔ آپ نے چلتے چلاتے تین باتوں کی زبانی وصیت کی۔ (صحیح بخاری مرض النبی میں ہے:

حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا سفيان بن عنيبة عن سليمان أحول عن سعيد بن جبير قال ابن عباس يوم الخميس وما يوم الخميس، اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه فقال: ائتوني اكتب لكم كتاباً لن تضلوا بعده أبداً، فتنازعوا، ولا ينبغي عند نبي نزاع، فقالوا ما شأنه؟ أهجر، استفهموه، فذهبوا يردون عليه فقال: دعوني فالذي أنا فيه خير مما تدعونني إليه، وأوصاهم بثلاث قال: أخرجوا المشركين من جزيرة العرب، وأجيزوا الوفد بنحو ما كنت أجيزهم وسكت عن الثالثة أو قال فنسيتها۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں مجھ سے قتیبہ بن سعید نے ان سے سفیان بن عنیبہ نے ان سے سلیمان احول نے ان سے سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ مجھ سے عبداللہ بن عباس نے کہا کہ ہائے پنجشنبہ کا دن! وہ پنجشنبہ کا دن کس قیامت کا تھا اسی دن پیغمبرؐ کی تکلیف اپنی انتہا کو پہونچ گئی آپ نے فرمایا کہ میرے پاس قلم و دوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد تم پھر کبھی گمراہ نہ ہوگے، اس پر لوگ آپس میں جھگڑنے لگے حالانکہ نبی کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں، لوگوں نے کہا پیغمبرؐ کا کیا حال ہے؟ کیا آپ ہذیان بک رہے ہیں؟ ذرا پوچھو تو آپ سے۔ اس پر لوگوں نے پیغمبرؐ سے پوچھنا چاہا آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں جس عالم میں ہوں کہیں بہتر ہے اس سے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ پھر آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو دوسرے یہ کہ وفود سے جس طرح میں پیش آیا کرتا تھا تم بھی پیش آتے رہنا سعید کہتے ہیں کہ ابن عباس دو ہی باتیں کہہ کر خاموش ہوگئے تیسری وصیت سے سکوت کیا یا یہ کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔

یہ آخری تین وصیتیں پیغمبرؐ کی تقریباً ہر حدیث وسیرت وتاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں مگر ہر جگہ دو ہی وصیتیں ملتی ہیں تیسری وصیت کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ وہ آخر کیا تھی؟ اس حدیث کے راوی ابن عباس ہیں انہیں سے دوسرے لوگوں نے سنا۔ حدیث کی لفظوں سے پتہ چلتا ہے کہ خود ابن عباس نے تیسری وصیت بیان نہیں کی چُپ رہ گئے یا یہ کہا کہ میں تیسری وصیت بھول گیا۔ مذکورہ بالا دونوں وصیتیں کوئی اہمیت اپنے اندر نہیں رکھتیں جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں غالباً ان تینوں وصیتوں میں اہم ترین وہی وصیت تھی جو راوی کو یاد نہ رہی یا جسے عمداً فراموش کر دیا گیا۔

ابن عباس کے ذہن وحافظہ کی جو کیفیت اور مبداء فیاض سے جو بلا کی یادداشت لے کر وہ آئے تھے اس کے پیش نظر کسی کو بھی اس کی توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ پیغمبرؐ کی اس تیسری وصیت کو بھول گئے ہوں اور وہ بھی ایسے وقت کی جبکہ واقعۂ قرطاس کا المیہ پیش آچکا تھا اور پیغمبرؐ چند گھنٹوں کے مہمان تھے، معمولی انسانوں کے آخری کلمات لوگوں کے دل پر نقش ہوتے ہیں چہ جائکہ خاتم النبیینؐ کی آخری وصیت۔ کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ دو باتیں جو کوئی خاص اہمیت اپنے اندر نہیں رکھتی تھی دونوں ابن عباس کو یاد رہی ہوں اور تیسری وصیت جو غالباً ان دونوں وصیتوں سے اہم تھی وہ ذہن سے اتر گئی ہو اس وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین کرنے میں کوئی مانع نہیں کہ وہ تیسری وصیت اسی امر کی تھی جسے پیغمبر تحریری صورت میں امت کے درمیان چھوڑ جانا چاہتے تھے اور جس کے لئے آپ نے قلم ودوات طلب کی تھی مگر حضرت عمر جب پیغمبرؐ پر ہذیان کی تہمت لگا کر ہنگامہ برپا کر کے آنحضرتؐ کو وصیت نامہ لکھنے سے روک دینے پر اختیار رکھتے تھے تو ابن عباس یا دوسرے لوگوں کی کیا مجال تھی کہ ان کے منشاء کے خلاف بات زبان پر لائیں۔

حفاظ ورواۃ خاموش ہیں سب کے دہنوں پر مہر لگی ہوئی ہے، کوئی بتاتا نہیں کہ وہ تیسری وصیت آخر کیا تھی؟ پھر بھی اگر غور وفکر سے کام لیا جائے اور پیغمبرؐ کے منصب ہدایت کی ملحوظ رکھ کر تلاش وجستجو کی جائے کہ اس دم آخر جب دنیا سے کوچ کرنے کو چند گھڑیاں باقی تھیں مسلمانوں کا ہولناک مستقبل آپ کی نظروں کے سامنے تھا آپ اپنے اصحاب کی گمراہی نت نئے فتنوں کے سر اٹھانے کے متعلق پیشین گوئی بھی فرما چکے تھے تو یہ حقیقت مخفی نہیں رہتی کہ آپ کے نزدیک اپنی امت کی فلاح وبہبود سے بڑھ کر اہم کوئی چیز نہ تھی نہ ہوسکتی تھی اور وہ تیسری وصیت اگر رہی ہوگی تو امت کی ہدایت وارشاد ہی کے متعلق رہی ہوگی ہر جو یائے حقیقت کو حدیث کے صفحات پر پیغمبرؐ کی یہ لفظیں ملتی ہیں:

فی روایة أنه صلعم قال فی مرض موته أیها الناس یوشك أن أقبض قبضاً سریعاً فینطلق بی وقدمت إلیکم ألا أنی مخلف فیکم کتاب ربی وعترتی أهلبیتی ثم أخذ بید علی فرفعها فقال هذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علیّ الحوض فاسئلهما ما خلفت فیهما۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب تاسع فصل دوم ص ۷۵)

ایک روایت میں ہے کہ آں حضرتؐ نے اپنے مرض موت میں فرمایا کہ لوگو قریب ہے کہ میں بہت جلد رحلت کر جاؤں اور مجھے میرے پروردگار کے سامنے لایا جائے میں اس سے پیشتر بھی تمہیں بتا چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ میں تم میں اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنی عترت واہلبیتؑ کو چھوڑے جا رہا ہوں پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اونچا کر کے ارشاد فرمایا یہ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں تم انہیں دونوں سے دریافت کرنا کہ میں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں۔

اس صریحی ارشاد کے بعد کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے شک وشبہ کی کہ پیغمبرؐ کی وہ تیسری وصیت کیا رہی ہوگی۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پیغمبرؐ کی آخری وصیتیں:

آں حضرتؐ نے وقت احتضار میں جناب سیدہ سے فرمایا میرے فرزندوں کو قریب کردو۔ حسینؑ قریب ہوئے تو آں حضرتؐ کو اس حال میں دیکھ کر اتنا روئے کہ دیکھنے والے رونے لگے۔ امام حسنؑ نے اپنا منھ حضرتؐ کے منھ پر اور امام حسینؑ نے اپنا سر آں حضرتؐ کے سینے پر رکھ دیا حضرت نے آنکھیں کھول دیں، ان کے بوسے لئے، خوشبو سونگھی اور ان کی تعظیم واحترام کے بارے میں سب کو وصیت کی پھر فرمایا میرے بھائی علیؑ کو قریب کردو، آپ قریب ہوئے تو حضرت نے اپنا سر آپ کے بازو پر رکھ دیا اور فرمایا اے علی فلاں یہودی کا مجھ پر اتنا قرضہ ہے جو تجہیز جیش اسامہ کے لئے اس سے لیا تھا خبردار اس کو ادا کر دینا (۱) اور اے علیؑ تم ہی وہ شخص ہو جو سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوگے اور میرے بعد تم کو سخت صدمات پہنچیں گے چاہئے کہ دل تنگ نہ ہونا تحمل اور صبر کا طریقہ اختیار کرنا اور جب دیکھنا کہ ان لوگوں نے دنیا اختیار کرلی تو تم آخرت اختیار کئے رہنا۔ (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۵۵۹ و مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۶۱)

---

(۱) حضرت حضرت امیر المومنینؑ کے ادا کنندہ دیون پیغمبرؐ ہونے میں کسی تاریخ وحدیث سے واقف انسان کو شک وشبہ نہیں سرور کائناتؐ کا یہ ارشاد کہ علی ینجز عداتی ویقضی دینی علی میرے دیون کو ادا کریں گے اور میرے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کریں گے جملہ مورخین ومحدثین وعلماء اہلسنت نے اپنے مصنفات میں درج کیا ہے ہم اس موقع پر صرف چند حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں علی یقضی دینی علی میرے قرضوں کو ادا کریں گے (منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند جلد ۵ ص ۱۳۰ جامع صغیر سیوطی ص ۵۶) علی ینجز عداتی ویقضی دینی، میرے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کریں گے اور میرے قرضوں کو ادا کریں گے۔ (کنوز الحقائق ص ۲۰ عن قتادہ أن علیاً قضی عن النبی أشیاءً بعد وفاتہ کان عامتہا عدۃ قتادہ ناقل ہیں کہ حضرت علیؑ نے وفات پیغمبرؐ کے بعد آپؐ کی طرف سے کچھ امور پورے کئے زیادہ تر وہ امور وعدے تھے۔ (منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد جلد ۳ ص ۱۲۷) یا علی أنت أخی ووزیری تقضی دینی وتنجز ودتی وتبری ذمتی۔۔

اے علیؑ تم میرے بھائی ہو میرے وزیر ہو میرے دیون کو تمہیں ادا کروگے میرے کئے وعدوں کو ایفا اور میری ذمہ داریوں کو پورا کروگے (منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد جلد ۵ ص ۳۲) کسی کو اس میں تامل نہیں ہوسکتا کہ پیغمبرؐ نے اپنے دیون اور وعدوں کی ادائیگی کا بار علی کے ذمہ ڈالا اور علی نے اس فرض سے کما حقہ سبکدوشی حاصل کی۔ علامہ ابن سعد تحریر فرماتے ہیں قضی علی ابن ابی طالب دین رسول اللہ علی ابن ابی طالبؑ نے پیغمبرؐ کے تمام دیون ادا کئے (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم

۲ ص ۸۹) اتنا اہتمام کیا امیر المومنین نے پیغمبرؐ کے دیون کی ادائیگی کے لئے کہ ہر سال موسم حج میں جبکہ ہر ملک و ہر شہر ہر قوم وقبیلہ کے مسلمان فریضہ حج ادا کرنے آتے آپ کی طرف سے ایک منادی اعلان کیا کرتا کہ پیغمبرؐ کے ذمہ جس کسی کا قرضہ ہو یا پیغمبرؐ نے کسی سے کچھ دینے دلانے کا وعدہ کیا ہو تو وہ آکر لے جائے علامہ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔ إن رسول الله لما توفى أمر على صائحاً يصيح من كان له عند رسول الله عدة أو دين فليأتني فكان يبعث كل عام عقبة يوم النحر من يصيح بذالك حتى توفى ثم كان الحسن بن على يفعل ذالك حتى توفى ثم كان الحسين يفعل ذالك وانقطع ذالك بعده۔ جب آں حضرت کا انتقال ہوا حضرت علیؑ نے ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ یہ اعلان کردے کہ جس رسولؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو یا کسی کا کوئی قرضہ رسولؐ کے ذمہ وہ میرے پاس آکر لے جائے چنانچہ حضرت علی قربانی کے دن موسم حج میں ایک اعلان کرنے والے کو بھیجتے جو اعلان کردے آپ کی زندگی بھر یہ اعلان ہوتا رہا آپ کے بعد امام حسنؑ اس فریضہ کو انجام دیتے رہے یہاں تک کہ ان کا بھی انتقال ہوا امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ کی طرف سے یہ اعلان ہوا کیا یہاں تک کہ آپ شہید ہوئے اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۸۹)

پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد ۳۵ھ تک ۲۵ سال امیر المومنین کی طرف سے اعلان ہوتا رہا اور عالم یہ کہ فلا يأتى أحد من خلق الله إلى على بحق ولا باطل إلا أعطاه (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۸۹) جس شخص نے بھی آکر دعوی کر دیا کہ پیغمبرؐ کے ذمہ میرا اتنا قرض ہے یا پیغمبرؐ نے مجھ سے اتنے کا وعدہ کیا تھا آپ نے آنکھیں بند کر کے ادائیگی کی۔ یہ حدیث کی لفظیں بتاتی ہیں کہ کسی دعوے پر آپ نے نہ گواہ مانگے نہ ثبوت طلب کیا، جھوٹ یا سچ جس نے بھی جتنے کا مطالبہ کیا ادا کر دیا۔ زندگی بھر خود اس فرض کی ادائیگی کرتے رہے جب اٹھنے لگے تو بیٹوں سے وصیت کر گئے اور بیٹوں نے باپ کی نیابت میں یہ فرض اپنے سر لیا۔ امام حسنؑ جب تک زندہ رہے ان کی طرف سے اعلان ہوتا رہا۔ آپ کے بعد امام حسینؑ اپنی زندگی تک اس فرض کو انجام دیتے رہے۔ ۶۰ھ تک آپ کی طرف سے بھی اعلان ہوتا رہا۔ آپ کی شہادت کے بعد جب کہ پیغمبر کو انتقال کئے ہوئے پورے ۵۰ برس ہو گئے اور عادتاً اس وقت تک کسی ایسے شخص کا باقی رہنا دشوار تھا جس سے پیغمبرؐ نے کچھ قرضہ لیا ہو یا کسی قسم کا وعدہ کیا ہو اس لئے بعد کے اخلاف نے اس اعلان کی ضرورت نہ سمجھی۔ ۱۲

علامہ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

أن كعب الأحبار قام زمن عمر، فقال- ونحن جلوس عند أمير المؤمنين- ما كان آخر ما تكلم به رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال عمر: سل عليا، قال: أين هو؟ قال: هو هنا، فسأله فقال علي: أسندته إلى صدري، فوضع رأسه على منكبي، فقال: الصلاة، الصلاة، فقال كعب: كذلك آخر عهد الأنبياء، وبه أمروا، وعليه يبعثون، قال: فمن غسله يا أمير المؤمنين؟ قال: سل عليا قال فسأله فقال كنت أن أغسله۔ (طبقات ابن سعد جلد ۶ قسم ۲ ص ۵۱)

کعب الاحبار حضرت عمر کے دربار میں کھڑے ہوئے اور اس وقت ہم لوگ حضرت عمر ہی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کعب نے پوچھا سرکار! حضرت رسالت مآبؐ کا آخری کلام کیا تھا؟ حضرت عمر نے فرمایا اس کو علی سے پوچھو۔ کعب نے پوچھا علی کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا وہاں بیٹھے ہوئے ہوئے ہیں۔ کعب نے پاس جا کر دریافت کیا، حضرت علیؑ نے فرمایا کہ دم آخر پیغمبر کو میں نے اپنے سینے سے سہارا دیا آنحضرتؐ نے سر مبارک میرے کاندھے پر رکھا اور فرمایا نماز! نماز! کعب نے کہا بے شک نبیوں کا آخری وقت یوں ہی ہوا کرتا ہے اور اسی پر وہ مامور ہوتے ہیں اور اسی پر مبعوث۔ پھر کعب نے حضرت عمر سے پوچھا حضرت پیغمبر کو غسل کس نے دیا؟ اس مرتبہ بھی حضرت عمر نے کہا علیؑ سے جا کر پوچھو، کعب نے علی سے پوچھا آپ نے فرمایا میں نے ہی پیغمبر کو غسل دیا۔

قال على أوصى (۱) النبى ﷺ ألا يغسله أحد غيرى فإنه لا يرى أحد عورتى إلا طمست عيناه قال على

فكان الفضل وأسامه يناولاني الماء من وراء الستر وهما معصوبا العين۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۶۱)

(۱) پیغمبرؐ کا حضرت علیؑ سے وصیت فرمانا ایسی بات ہے جس سے کسی کو انکار ممکن ہی نہیں کیونکہ تاریخ وحدیث اور سیرت کی کتابیں شاہد ہیں کہ پیغمبرؐ نے حضرت امیر المومنین سے وصیت فرمائی تھی، قول وقرار فرمایا تھا کہ علی ہی آپ کو غسل دیں، تجہیز وتکفین کریں، آپ کے دیون کو ادا کریں رسولؐ کے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کریں رسولؐ کی ذمہ داریں اپنے سر لیں، مگر مسلمانوں میں کچھ لوگ آپ کے وصی رسول ہونے کو نہیں مانتے اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر امیر المومنین کو وصی رسول تسلیم کر لیا جائے تو پھر خلفائے ثلاثہ کی خلافت باطل ہو جاتی ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہی جسے امام بخاری نے صحیح بخاری میں اسود سے روایت کی ہے۔

عن الأسود قال ذكروا عند عائشة أن علياً كان وصيا فقالت متى أوصى إليه وقد كنت مسندته إلى صدري أوقالت حجري فدعا بالطست فلقد انخنث في حجري فما شعرت أنه قد مات فمتى أوصى إليه۔ (صحیح بخاری پارہ ۱۱ ص ۱۸ پارہ ۸ ص ۱۰۸)۔

اسود سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت عائشہ کے سامنے ذکر کیا کہ حضرت علیؑ وصی پیغمبرؐ ہیں آپ نے فرمایا رسول اللہ نے انہیں وصی بنایا کب؟ میں تو آں حضرت کو اپنے سینے سے لگائے یا گود میں لئے ہوئے تو حضرت نے طشت منگایا پھر اسی وقت میری گود میں بے قابو ہو گئے مجھے معلوم بھی نہیں ہوا کہ حضرت انتقال فرما گئے تو حضرت علی سے وصیت کب کی؟

نیز امام بخاری نے متعدد طریقوں سے اس روایت کو لکھا کہ جناب عائشہ فرمایا کرتی کہ آں حضرت نے میری آغوش میں دم توڑا۔ (باب مرض النبی وباب وفات النبی صحیح بخاری) یہ بھی فرمایا کرتیں کہ میری گردن وسینہ پر لیٹے لیٹے رسولؐ کا انتقال ہوا۔ کبھی فرمایا کہ رسولؐ کا سر میرے زانو پر تھا کہ ملک الموت قبض روح کو آئے۔ (صحیح بخاری باب آخر ما تکلم بہ النبیؐ)

جب عائشہ پیغمبرؐ سے اتنا وابستہ وپیوستہ رہیں کہ پیغمبرؐ کا انتقال بھی ہوا تو آپ کی گود میں آپ کے سر وسینہ پر تو اگر پیغمبرؐ وصیت فرماتے تو جناب عائشہ کو اس کا علم ضرور ہوتا۔ صحیح مسلم میں جناب عائشہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آں حضرتؐ نے نہ درہم چھوڑا نہ اونٹ نہ بکری نہ کسی چیز کے متعلق آپ نے وصیت فرمائی۔ (صحیح مسلم کتاب الوصیت جلد ۲ ص ۱۴) اور صحیحین میں طلحہ بن مصرف سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن اوفی سے پوچھا کہ کیا پیغمبرؐ نے اپنا وصی مقرر فرمایا؟ تو انہوں نے کہا نہیں تو، میں نے پوچھا یہ کیونکر خود دوسروں کے لئے تو رسولؐ نے وصیت کرنا واجب قرار دیا اور خود وصیت نہ کی۔ تو انہوں نے کہا پیغمبرؐ نے کتاب خدا کے متعلق وصیت کی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب الوصایا)

یہ خلاصہ کلام ہے ان حضرات کا جو امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

وصایت امیر المومنینؑ کی اصل بحث تو خلافت والی جلد میں آئے گی یہاں سرسری طور پر چند امور کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پہلا امر یہ کہ جناب عائشہ کو امیر المومنینؑ سے جو کدورت بلکہ بغض وعناد تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جن معظمہ نے امیر المومنینؑ پر تلوار کھینچنے، جنگ کرنے سے گریز نہ کیا، جنہوں نے امیر المومنینؑ کی خبر شہادت پا کر سجدۂ شکر کیا اور خوشی کے اشعار پڑھے (طبقات جلد ۳ قسم اول ص ۲۷، مقاتل الطالبین ابوالفرج اصبہانی وغیرہ) وہ بھلا امیر المومنینؑ کی کسی فضیلت کو کیونکر گوارا کر سکتی تھیں یا انہیں حضرت کے فضائل سننے یا جاننے میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی ابھی بھی گذشتہ صفحات میں صحیح بخاری کی یہ حدیث لکھی جا چکی ہے کہ جب پیغمبرؐ کی اذیت بہت بڑھ گئی تو آپ برآمد ہوئے اس حالت سے کہ آپ دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے اور آپ کے پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے جن دو آدمیوں کا آپ سہارا لے کر نکلے ان میں ایک تو عباس بن عبد المطلب تھے دوسرا ایک اور شخص، عبید اللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو وہ دوسرا شخص کون تھا جس کا

نام عائشہ نے نہیں لیا؟ کہا نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت علیؑ تھے پھر عبداللہ بن عباس نے کہا علیؑ کی کوئی اچھائی عائشہ کو بھلی نہ معلوم ہوتی لہذا جب جناب عائشہ ان لوگوں تک کے ساتھ علیؑ کا نام لینا پسند نہ کرتی تھیں جن کے سہارے رسول اللہ دو قدم چلے وہ علیؑ کے وصی رسولؐ ہونے کو بیان کرنا کیسے پسند کر سکتی تھیں جو تمام خوبیوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد ۲ ص ۱۱۳ پر جناب عائشہ کی ایک حدیث عطا ابن یسار سے نقل کی ہے قال جاء رجل فوقع في علي وفي عمار عند عائشة فقالت أما علي فلست قائلة لك فيه شيئا وأما عمار فإني سمعت رسول الله يقول فيه لا يخير بين أمرين إلا اختار أرشدهما۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ایک شخص جناب عائشہ کی خدمت میں آیا اور حضرت علیؑ اور جناب عمار کو گالیاں دینے لگا اس پر جناب عائشہ بولیں کہ علیؑ کو گالیاں دینے سے میں منع نہیں کرتی لیکن عمار کو گالیاں نہ دو میں نے رسولؐ کو عمار کے متعلق کہتے سنا ہے کہ عمار وہ شخص ہیں کہ اگر انہیں دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جائے تو وہ وہی اختیار کریں گے جو زیادہ تر موجب رستگاری ہو۔" اللہ اکبر عمار کو گالیاں دینے سے منع کرتی ہیں رسولؐ کے صرف اتنے سے کہنے پر مگر علیؑ کو گالیاں دی جانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتیں۔ ان تمام واقعات سے معمولی سمجھ والا بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ جناب عائشہ سے حضرت علیؑ کے کسی ذکر خیر کی امید رکھنی فضول ہے، وصی رسولؐ ہونا تو کہیں بلند و برتر ہے اس کو جناب معظمہ اپنی زبان سے کیونکر ادا کر سکتی ہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ بغیر وصیت کئے ہی دنیا سے اُٹھ گئے۔ قرآن مجید و احادیث پیغمبرؐ کی روشنی میں یہ بھی قطعی غلط اور سراسر بہتان ہے اگر حضرت عائشہ کا یہ قول مان بھی لیا جائے کہ پیغمبرؐ نے آپ کی گودی میں جان دی تو اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکلے گا کہ آپ بے وصیت کئے ہی دنیا سے اٹھ گئے ایسا تو ہے نہیں کہ وصیت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب دم نکل رہا ہو ورنہ نہیں۔ غالباً کوئی بھی اس کا قائل نہ ہوگا۔ فرقہ اہل حدیث کے پیشوائے اعظم مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدرآبادی اپنی کتاب انوار اللغۃ میں لکھتے ہیں قالوا أوصى إلى علي لوگوں نے حضرت عائشہ سے کہا لوگ کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی بنایا۔ انہوں نے کہا آں حضرتؐ کی وفات میرے سینے اور گردن کے درمیان ہوئی، آپ نے حضرت علیؑ کو کہاں سے وصی بنایا۔

میں کہتا ہوں یہ کیا ضروری ہے کہ آنحضرتؐ نے عین وفات کے وقت حضرت علیؑ کو وصی کیا ہو؟ ممکن ہے آپ نے وفات سے پہلے حضرت علیؑ کو وصی کیا ہو اور اس وقت حضرت عائشہ موجود نہ ہوں۔" (انوار اللغۃ پارہ ۲۶ ص ۵۶)

ارشاد الٰہی ہے کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ "تم لوگوں پر واجب کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو مرنے سے پیشتر اچھی وصیت کر جائے۔" لہٰذا جس امر کو خداوند عالم نے بطور فرض قرار دیا ہو خود پیغمبرؐ اس سے گریز کیسے کر سکتے تھے، ناممکن ہے۔ پیغمبرؐ لوگوں کو تو کسی چیز کا حکم دیں اور خود اس کی پابندی نہ کریں یا دوسروں کو کسی بات سے منع کریں مگر خود انہیں پرہیز نہ رہے، خود اسی صحیح بخاری میں بیسوں حدیثیں اس مضمون کی ہیں کہ رسول اللہ نے فلاں فلاں بات کی وصیت کی، کتاب خدا کی وصیت کی نماز کی وصیت کی۔ زکوٰۃ کی وصیت کی، جناب فاطمہؑ کو وصیت کی کہ جب میں وفات کر جاؤں تو إنا لله وإنا إليه راجعون کہنا۔ حضرت علیؑ سے وصیت کی اذا أنا مت فاغسلوني سبع قرب جب میں مر جاؤں تو مجھے سات مشک پانی سے غسل دینا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ص ۱۸)۔

لہٰذا یہ تو قطعی غلط ہے کہ پیغمبرؐ خدا بغیر وصیت کے دنیا سے اٹھ گئے اس سے انکار تو بدیہیات سے انکار ہوگا غالباً جناب عائشہ کا مطلب یہ ہے کہ علیؑ وصی پیغمبرؐ نہ تھے، وصی بمعنی قائم مقام، جانشین، انتقال کے بعد آپ کے امور کو انجام دینے والا، آپ کے کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا۔ تو واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے تو حضرت علیؑ کو اس وقت اپنا وصی مقرر کر دیا تھا جب حضرت عائشہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں چنانچہ ۳ھ بعثت میں جب آں حضرتؐ کو حکم ہوا وأنذر عشيرتك الأقربين اپنے اعزہ کو اسلام کی طرف دعوت دو، تو جناب رسول خدا نے اپنے قرابتداروں کو جمع کر کے فرمایا، میں تمہارے لئے دنیا

و دین کو بھلائی لایا ہوں اور اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف بلاؤں، تم میں کون ایسا ہے کہ اس کام میں میری مدد اور وزارت کرے اور میرا بھائی، وصی اور خلیفہ بنے قوم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا، حضرت علیؑ نے عرض کی یا نبی اللہ آپ کی نصرت اور وزارت کے لئے میں حاضر ہوں، اس وقت آں حضرتؐ نے علی کی گردن پر ہاتھ رکھا اور قوم سے خطاب کر کے کہا دیکھو یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم لوگوں میں میرا خلیفہ ہے تم سب اس کا حکم سننا اور اطاعت کرنا (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۱۶، تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد ۲ ص ۲۲، تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۱۶، تاریخ حبیب السیر جلد ۱ جز و ۳ ص ۲۱، تفسیر طبری جلد ۱۹ ص ۶۸، تفسیر معالم التنزیل ص ۶۶۳ تفسیر خازن جلد ۳ ص ۳۷۲، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۵۳)

مختصر یہ کہ امیر المومنینؑ کا وصی پیغمبرؐ ہونا ایسا مسلم و مشہود ہے کہ آپ کا نام ہی یہ بڑ گیا تھا وصی جیسے مسمیات کے لئے اسماء کا استعمال ہوتا ہے اسی طرح لفظ وصی بھی آپ کا اسم بن گیا تھا حد یہ کہ صاحب تاج العروس اپنی مشہور لغت تاج العروس جلد ۱۰ ص ۳۹۲ میں لفظ وصی کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں الوصی کغنی لقب علیؓ وصی بروزن غنی یہ حضرت علیؑ کا لقب ہے۔ پیغمبرؐ کے زمانے ہی سے آپ کا یہ نام مشہور ہو چکا تھا اور لفظ وصی استعمال ہونے پر ہر کا ذہن آپ ہی کی طرف منتقل ہوتے تھے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰؑ نے جو تقریر فرمائی تھی اس میں آپ نے فرمایا تھا وأنا ابن النبی وأنا ابن الوصی میں نبی کا فرزند ہوں میں وصی کا بیٹا ہوں۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۳ ص ۱۷۲) ام خیر بنت حریش نے جنگ صفین میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا ھلموا رحمکم اللہ إلی الإمام العادل والوصی الوفی والصدیق الأکبر۔ آؤ آؤ امام عادل اور وصی پیغمبرؐ وفا کرنے والے اور صدیق اکبر کی طرف۔ (بلاغات النساء مطبوعہ مصر ۳۱) علامہ ابن عبدربہ قرطبی لکھتے ہیں کتب عوام صاحب ابی نواس إلی بعض دیار ربیعۃ بحق النبی بحق الوصی، بحق الحسینؑ بحق الحسن بحق التی ظلمت حقھا و والدھا خیر میت دفن ترفق یا رازقنا فی الخران، بترفیھا ویحط المؤون۔ (عقد الفرید جلد ۳ ص ۳۳) اگر ادب تاریخ کی کتابوں سے صحابہ و تبع تابعین کے وہ الفاظ و عبارات نقل کئے جائیں جن میں حضرت علیؑ کو لفظ وصی سے ذکر کیا گیا۔ تو ایک ضخیم کتاب بھی اس کے لئے ناکافی ہو۔

حضرت علی ناقل ہیں کہ پیغمبرؐ نے مجھ سے وصیت فرمائی کہ سوا تمہارے اور کوئی مجھے غسل نہ دے کیونکہ جو شخص میری شرمگاہ پر نظر ڈالے گا اس کی آنکھیں اندھی ہو جائیں گی۔ چنانچہ حضرت علی فرماتے ہیں فضل اور اسامہ پردے کے ادھر سے مجھے پانی دیتے تھے اور اس پر بھی وہ دونوں آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے تھے۔

پیغمبرؐ کا حضرت امیر المومنین کو ھزار باب علوم تعلیم فرمانا:

پیغمبرؐ کی زندگی کی آخری گھڑیاں تھیں حضرت امیر المومنینؑ ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے شاید و باید آپ کسی ضرورت یا پیغمبرؐ کے کسی کام سے باہر تشریف لے جاتے۔ انتقال سے کچھ دیر پہلے پیغمبرؐ نے آپ کو کسی کام کے لئے باہر بھیجا، آنے میں تاخیر ہوئی پیغمبرؐ پر غشی طاری تھی، جب غش سے افاقہ ہوا آپ نے آنکھیں کھولیں تو علیؑ دکھائی نہ دئے، ازواج ارد گرد بیٹھی ہوئی تھیں، نقاہت کے سبب بولا نہ جاتا تھا، صرف اتنا فرمایا "میرے حبیب کو بلا دو" اور آپ خاموش ہو گئے جناب عائشہ نے لوگوں سے حضرت ابوبکر کو بلوا لیا وہ آئے اور آپ کے سرہانے آ کر بیٹھ گئے، آنحضرتؐ نے آنکھیں کھولیں ابوبکر کے چہرے پر نظر پڑی آپ نے منھ پھیر لیا، حضرت ابوبکر اٹھ کھڑے ہوئے، پیغمبرؐ نے فرمایا تم جاؤ مجھے ضرورت ہوگی تو میں خود بلا لوں گا ان کے جانے کے پھر آپ نے یہی جملہ ارشاد فرمایا کہ میرے حبیب کو بلا دو، جناب حفصہ نے کہا حضرت عمر کو کوئی بلا دے، اس

مرتبہ حضرت عمر تشریف لائے، پیغمبرؐ نے آپ کو بھی دیکھ کر منہ پھیر لیا وہ بھی اٹھ کر چلے گئے، تیسری مرتبہ پھر آپ نے یہی فقرہ ارشاد فرمایا کہ "میرے حبیب کو بلاؤ، جناب ام سلمہ جو تمام ازواج میں زیادہ مزاج شناس تھیں کہنے لگی کہ علیؑ کو بلاؤ کہ وہی مقصود ہیں حضرت علیؑ بلائے گئے جب آپ پیغمبرؐ کے پاس پہنچے تو پیغمبرؐ نے اپنے قریب بلایا اپنی چادر میں لے لیا اور بہت دیر تک سرگوشی فرماتے رہے، بعد میں لوگوں نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا کہ پیغمبرؐ نے آپ سے بہت دیر تک کیا باتیں کیں آپ نے فرمایا کہ پیغمبرؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے ہیں کہ ہر باب سے ہزار باب خود بخود منکشف ہوگئے اور اپنے بعد کے لئے وصیتیں فرمائی جن پر انشاء اللہ میں عمل پیرا ہوں گا۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ، منتخب کنز العمال جلد ۵ ص ۴۳)

ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ چند لمحوں میں پیغمبرؐ نے ہزار باب علم کے کیسے تعلیم کر دیے، ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت خاتم النبیینؐ اگر شہر علم تھے تو علیؑ اس شہر کے دروازہ، جیسا استاد تھا ویسا شاگرد، معمولی انسانوں کے ذہنوں کے تفاوت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کسی کے لئے کوئی مفہوم ذہن نشین کرانے میں استاد کو طولانی تقریر کرنی پڑتی تو کوئی مختصر اشارہ ہی سے مطلب سمجھ جاتا، علیؑ کا ذہن رسا پیغمبرؐ کا ذہن رسا تھا جیسا کہ خود امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے أنا من أحمد كالضوء من الضوء مجھے پیغمبرؐ سے وہی نسبت ہے جو چراغ کی لو کو دوسرے چراغ کی لو سے، تو اگر تعلیم دینے والے پیغمبرؐ ہوں اور تعلیم لینے والا علیؑ ایسا انسان تو عام لوگوں کی طرح افہام و تفہیم میں وقت کیا زیادہ صرف ہوتا؟ وہ ہزار ابواب علم مختصر باتیں تھیں بمنزلہ رموز و کنایات کے جو پیغمبرؐ نے علیؑ کو اشاروں اشاروں میں تعلیم فرمائے۔

رحلت پیغمبرؐ:

آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جو پیغمبرؐ کے لقائے الٰہی کے لئے معین تھی، امیر المومنینؑ حاضر خدمت ہی تھے کہ پیغمبرؐ پر احتضار کی کیفیت طاری ہوئی، آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ علیؑ میرے سر کو اپنی آغوش میں لے لو کہ اب خدا کا حکم آپہنچا ہے، جب نفس کی آمد و شد موقوف ہو جائے تو تم میرے سر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرے سے مس کرنا اور مجھے قبلہ رو لٹا دینا اس کے بعد میرے غسل و کفن کی تیاریاں کرنا اور سب سے پہلے تمہیں میرے جنازہ کی نماز پڑھنا ایک لحہ کے لئے مجھے تنہا نہ چھوڑنا یہاں تک کہ سپرد لحد کر دو، میری مفارقت کے صدمہ کو برداشت کرنے میں خدا سے مدد کے طالب ہونا، حضرت امیر المومنینؑ نے پیغمبرؐ کے سر کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ پیغمبرؐ پر پھر غشی طاری ہوگئی، آخری لفظیں جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئیں الصلوٰۃ الصلوٰۃ تھیں، (طبقات ابن سعد) جس وقت آپ کا انتقال ہوا ہے حضرت امیر المومنین سر مبارک کو سہارا دیے ہوئے تھے حکم پیغمبرؐ کے مطابق آپ نے سر مبارک سے اپنے چہرہ کو مس کیا اور آپ کو قبلہ رخ کر کے آنکھیں بند کر دیں، جسد اطہر پر چادر ڈال دی اور تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

گذشتہ صفحات میں بخاری سے ایک حدیث جناب عائشہ کی ذکر ہوئی ہے جس میں ان کا بیان ہے ''میں حضرتؐ کو اپنے سینے سے لگائے یا گود میں لئے ہوئے تھی تو حضرت نے طشت طلب کیا پھر اسی وقت میری گود میں بے قابو ہو گئے مجھے معلوم بھی نہیں ہوا کہ حضرت انتقال فرما گئے۔'' جناب عائشہ کا یہ دعوی حقائق کی روشنی میں جتنا صریحی غلط ہے وہ تاریخ وحدیث کے مطالعہ کنندگان سے مخفی نہیں ان کی ایک حدیث اور ان کے تنہا بیان کے مقابلے بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو ان کے اس دعوے کو غلط ثابت کرتی ہیں، علامہ ابن سعد (جن کی عظمت وجلالت کا علامہ شبلی کے ان لفظوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ''محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے اگر چہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ابن سعد نے آں حضرتؐ اور صحابہ کے حالات میں ایسی جامع مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا۔'' بسلسلۂ اسناد حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں قال رسول الله فی مرضه ادعو الی أخی فأتيته فقال أدن منی فدنوت منه فاستند إلیّ فلم یزل مستند إلی وأنه لیکلمنی حتی أن بعض ریقه لیصیبنی ثم نزل برسول الله حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسالت مآبؐ کو جب دم واپسیں آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے بھائی کو بلا دو، یہ سن کر میں آپ کے قریب آیا، آں حضرت نے فرمایا نزدیک آؤ میں نزدیک گیا رسول اللہ نے میرا سہارا لیا، آخر وقت تک مجھ پر سہارا کئے مجھ سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کا کچھ لعاب دہن بھی مجھ پر گرا اسی حالت میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۵۱ کنز العمال جلد ۴ ص ۵۵)

حضرت عمر کی حالت یہ تھی کہ جب آپ سے رسولؐ کے آخری حالات زندگی کے متعلق پوچھا جاتا تو بس یہی جواب دیتے کہ علیؑ سے جا کر پوچھو کیونکہ انہیں کے ہاتھوں سے تمام امور انجام پائے۔

ہم ابھی طبقات کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ کعب الاحبار نے حضرت عمر سے پوچھا کہ رسولؐ کا آخری کلام کیا تھا؟ حضرت عمر نے حسب دستور جواب دیا علیؑ سے پوچھو، کعب نے علی سے پوچھا، علیؑ نے کہا میں نے رسولؐ کو اپنے سینے پر لٹایا، آں حضرت نے میرے کاندھے پر سر ڈال دیا اور فرمایا الصلوٰۃ الصلوٰۃ کعب نے یہ سن کر کہا کہ تمام انبیاء کی آخری لفظیں یہی ہوا کیں، اسی کی تاکید پر وہ مامور ہوئے اور اسی لئے وہ رسولؐ بنا کر بھیجے گئے کعب نے پھر حضرت عمر سے پوچھا کہ رسولؐ کو کس نے غسل دیا؟ آپ نے فرمایا کہ علیؑ سے جا کر پوچھو۔ کعب نے پھر آ کر حضرت علیؑ سے پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے غسل دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد قسم ثانی ص ۵۱، کنز العمال جلد ۴ ص ۵۵)

عبداللہ ابن عباس سے پوچھا گیا أرأیت رسول الله توفی ورأسه فی حجر أحد قال توفی وهو لمستنف إلی صدر علی قلت فإن عروة حدثنی عن عائشة أنها قالت توفی رسول الله بین سحری ونحری فقال ابن

عباس انتقل واللہ لترہ فی رسول اللہ وأنہ لمستند إلی صدر علی ھو الذی غسلہ آپ کا کیا خیال ہے اس امر میں کہ پیغمبرؐ نے انتقال کیا اس عالم میں کہ آپ کا سر کسی کی گود میں تھا؟ ابن عباس نے فرمایا پیغمبر ﷺ نے اس عالم میں انتقال کیا کہ آپ علیؑ کے سینے سے ٹکے ہوئے تھے میں نے عرض کیا عروہ تو مجھ سے جناب عائشہ کی یہ حدیث بیان کرتے تھے جس میں جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے میرے سروگردن کے درمیان یعنی میری گود میں انتقال کیا۔ ابن عباس نے کہا تمہاری سمجھ میں یہ بات آتی بھی ہے (ایسا ہونا ممکن بھی ہے) خدا کی قسم پیغمبرؐ نے انتقال کیا اور وہ علیؑ کے سینے کا سہارا لئے ہوئے تھے اور علیؑ ہی نے پیغمبرؐ کو غسل دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۵۱، کنز العمال جلد ۴ ص ۵۵) علامہ شعبی جو امیر المومنین کی دشمنی میں شہرۂ آفاق حیثیت رکھتے ہیں خود بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے جب انتقال کیا تو آپ کا سر امیر المومنینؑ کی آغوش میں تھا اور حضرت امیر المومنینؑ نے آپ کو غسل دیا۔ (تذکرۂ خواص الامہ باب ثانی ص ۱۶، طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ثانی ص ۵۵)

جناب ام سلمہ زوجہ پیغمبر قسم کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ:

عن أم سلمة قالت: والذی أحلف به إن کان علی لأقرب الناس عهداً برسول اللہ (ص) قالت: عدنا رسول اللہ (ص) غداة بعد غداة یقول جاء علی مراراً قالت: وأظنه کان بعثه فی حاجة قالت: فجاء بعد فظننت أن له إلیه حاجة فخرجنا من البیت فقعدنا عند الباب فکنت من أدناهم إلی الباب فأکب علیه علی فجعل یساره ویناجیه ثم قبض رسول اللہ (ص) من یومه ذلك فکان أقرب الناس به عهداً۔

علیؑ آخر وقت تک پیغمبرؐ کی خدمت میں باریاب رہے روز انتقال علی الصباح ہم لوگ پیغمبرؐ کی عیادت کو گئے آپ فرما رہے تھے علیؑ آئے؟ علیؑ آئے؟ آپ نے یہ جملہ کئی مرتبہ فرمایا، جناب فاطمہؑ نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ نے انہیں کسی کام سے بھیجا ہے، تھوڑی دیر کے بعد علیؑ آئے میں نے خیال کیا کہ پیغمبرؐ کو علیؑ سے کوئی کام ہے ہم لوگ حجرہ سے نکل کر باہر آبیٹھے، میں دروازے سے بالکل قریب بیٹھی تھی پیغمبرؐ علیؑ پر جھک پڑے اور ان سے چپکے چپکے باتیں کرنا شروع کیں اسی عالم میں پیغمبرؐ کا اس روز انتقال ہو گیا لہٰذا پیغمبرؐ کی خدمت میں سب سے زیادہ آخر تک باریاب رہنے والے علیؑ ہی ہیں۔

اس حدیث کو امام حاکم روایت کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر بخاری و مسلم نے درج نہیں کیا علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ انہوں نے تلخیص مستدرک میں اس حدیث کو باقی رکھا ہے، ابن ابی شیبہ نے بھی سنن میں اس کی روایت کی ہے کنز العمال جلد ۶ ص ۴۰۰ پر موجود ہے۔

تماشا یہ ہے کہ خود جناب عائشہ کے بیانات ان کی اس حدیث کے بالکل برخلاف ہیں علامہ محب الدین طبری جناب

عائشہ کا بیان تحریر فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ (ص) لما حضرته الوفاة: "ادعوا لی حبیبی" فدعوا له أبا بکر فنظر إلیه ثم وضع رأسه فقال: "ادعوا لی حبیبی" فدعوا له عمر فلما نظر إلیه وضع رأسه ثم قال: "ادعوا لی حبیبی" فدعوا له علیا، فلما رآه أدخله معه فی الثوب الذی کان علیه فلم یزل یختضنه حتی قبض ویده علیه (أخرجه الرازی)۔ ریاض نضرہ مطبوعہ مصر ص ۱۸۰، معجم کبیر طبرانی وارجح المطالب ص ۱۹۶)

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ جب حضرتؐ کا بالکل آخری وقت تھا تو آپ نے فرمایا میرے حبیب کو بلادو کوئی جا کر حضرت ابوبکر کو بلالایا آپ نے تکیہ سے سر اٹھا کر دیکھا اور تکیہ پر سر رکھ لیا دوبارہ فرمایا میرے حبیب کو بلادو، اب جا کر کوئی حضرت عمر کو بلالایا آپؐ نے یہی فرمایا کسی نے علیؑ کو بلایا جب آپ نے علیؑ کو دیکھا تو انہیں اپنی چادر میں لے لیا جس کو آپ اُوڑھے ہوئے تھے اور برابر اسی طرح لئے رہے یہاں تک کہ حضرت کی روح مبارک نے جسم سے پرواز کی آپ کا ہاتھ علیؑ کے اوپر تھا۔

پیغمبرؐ کا غسل وکفن:

۲۸ صفر دوشنبہ کا دن تھا جس دن پیغمبرؐ کی رحلت ہوئی ہمارے علماء کے نزدیک یہی تاریخ مشہور ہے حضرات اہلسنت کے یہاں ۲ رربیع الاول کی شہرت ہے۔

۱۲ ربیع الاول کے متعلق بھی متعدد اقوال ہیں۔ پیغمبرؐ کی رحلت مسلمانوں کے لئے ہولناک مصیبت تھی سچے عقیدتمندوں (۱) پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، سارا مدینہ تہ وبالا تھا حضرت امیرالمومنینؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کے حزن واندوہ کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے پیغمبرؐ کی موت امیرالمومنینؑ کے لئے جان چھڑکنے والے باپ، مہربان، خسر، شفیق استاد چاہنے والے مرشد کی موت تھی۔ پیغمبرؐ کی وصیتوں کے مطابق آپ غسل وکفن کی طرف متوجہ ہوئے۔

(۱) امام بخاری وغیرہ نے لکھا ہے:۔

عن عائشة أن رسول الله مات وابوبکر بالسخ فقام عمر یقول والله مامات رسول الله قالت وقال عمر والله ما کان یقع فی نفسی إلاذاك ولیبعثنه الله فلیقطعن أیدی رجال وأرجلهم فجاء أبوبکر فکشف عن رسول الله فقبله فقال بأبی أنت وأمی طبت حیاً ومیتاً والذی نفسی بیده لایذیقك الله الموتتین أبداً ثم خرج فقال أیها الحالف علی رسلك فلما تکلم ابوبکر جلس عمر۔ (صحیح بخاری پارہ ۱۴ ص ۳۶۴)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول خدا نے انتقال فرمایا تو میرے اباجان حضرت ابوبکر (اپنی بی بی کے پاس وہاں سے دور) مقام سخ میں تھے حضرت عمر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے خدا کی قسم رسول خدا مرے نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت عمر نے کہا خدا کی قسم اس وقت میرے ذہن میں اس کے سوا اور کوئی تدبیر آئی ہی نہیں اور یقیناً اللہ حضرتؐ کو دوبارہ بھیجے گا اور حضرت لوگوں کے ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ کر رکھ دیں گے پھر حضرت ابوبکر آئے اور حضرت رسولؐ خدا کی لاش کھولی تو اس کو بوسہ دیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ زندگی میں بھی پاک تھے اور مرنے پر بھی پاک ہیں خدا کی قسم اللہ آپ

کو دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائے گا یہ کہہ کر وہاں سے آپ باہر تشریف لائے اور حضرت عمر سے کہا اے قسم کھانے والے ذرا ٹھہر جاؤ جب حضرت ابوبکر نے ان سے گفتگو کر لی تو حضرت عمر بیٹھ گئے۔

شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔ ''وعمر را اختلاف عقل بحدے راہ یافت کہ می کرد سوگند می خورد کہ رسول خدا نمردہ است ولیکن او را صعقہ شدہ است ہمچوں صعقہ موسیٰ'' اور حضرت عمر کی عقل میں اتنا اختلاف پیدا ہو گیا کہ فریاد کرنے لگے اور قسم کھانے لگے کہ رسول خدا ہرگز مرے نہیں بلکہ آپ کو بھی ایسی بیہوشی ہو گئی جیسی بیہوشی حضرت موسیٰ کو ہو گئی تھی۔ پھر لکھتے ہیں۔ ''عمر چوں ایں سخن بشنید تیغ بر کشید و بر در مسجد بایستاد و گفت ہر کس کہ بگوید کہ پیغمبرؐ مرد بایں شمشیر دو نیمش سازم'' حضرت عمر نے یہ باتیں سنیں تو تلوار کھینچ لی اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ کوئی شخص کہے گا کہ پیغمبرؐ انتقال کر گئے تو اس تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۱۳)

سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عمر کی کس کس بات کی داد دی جائے پیغمبرؐ حالت مرض موت میں جبکہ آپ کو دنیا سے اٹھنے کا یقین ہو چکا تھا، امت کی گمراہی کا اندیشہ آپکو فکر مند بنائے ہوئے تھا قلم و دوات طلب کرتے ہیں تا کہ ایسا نوشتہ لکھ جائیں کہ پھر گمراہی کا امکان نہ رہے۔ حضرت عمر ہذیان بکنے کی تہمت لگا کر جھگڑا فساد پیدا کر کے پیغمبر کو وصیت نامہ نہیں لکھنے دیتے وصیت نامہ لکھنے کے لئے دوات مانگنے کو بکواس قرار دیتے ہیں اور جب پیغمبرؐ کی رحلت ہو گئی ہاتھوں میں تلوار لئے گھما رہے ہیں کہ جو کوئی کہے گا کہ پیغمبرؐ مر گئے ہیں اس کے اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا پیغمبرؐ کے لئے ہذیان بکنا تو جائز قرار دیتے ہیں لیکن موت کو جائز نہیں سمجھتے، خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے۔ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری باتیں سیاسی بازی گری اور شاطرانہ چالیں تھیں، واقعہ قرطاس میں دھینگا مشتی اور ہذیان کی تہمت لگانے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبرؐ علیؑ کے متعلق وصیت نامہ نہ لکھنے پائیں اور آپ کی موت سے انکار اور تلوار گھمانے کی غرض یہ تھی کہ ابوبکر کے آنے تک میری باتوں میں الجھے رہیں اور خلافت کا نام ابھی کسی کی زبان پر نہ آئے۔

علامہ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت علیؑ فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے ملکر پیغمبرؐ کو غسل دیا۔'' حضرت امیر المومنین سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پیغمبرؐ نے وصیت کی کہ میرے سوا آپ کو کوئی غسل نہ دے چنانچہ فضل اور اسامہ آنکھوں پر پٹی باندھے پردے کے باہر سے مجھے پانی دیتے اور میں آپ کو غسل دیتا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۶۱)

پیغمبرؐ کی نماز جنازہ:

جب امیر المومنینؑ پیغمبرؐ کے غسل و کفن سے فارغ ہوئے تو آپ نے جنازہ کی نماز پڑھی اور حسب وصیت پیغمبرؐ تنہا پڑھی، اپنے ساتھ کسی کو شریک نماز نہ کیا ادھر مسجد میں مسلمانوں کا ہجوم تھا ہر زبان پر یہی سوال تھا کہ پیغمبرؐ کی نماز جنازہ کون پڑھائے اور پیغمبرؐ دفن کہاں ہوں۔ امیر المومنین نماز سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا پیغمبرؐ زندگی اور بعد موت دونوں حالتوں میں ہمارے امام ہیں آپ لوگوں کی ایک جماعت آتی جائے اور فرادی کی نیت سے نماز پڑھ کر باہر جاتی جائے اور نبیؐ کی جس جگہ روح قبض ہوتی ہے وہی جگہ اس کی قبر کے لئے بھی مناسب ہے۔ میں پیغمبرؐ کے جسد اطہر کو آپ کے اس حجرہ میں دفن کروں گا جہاں آپ کا وصال ہوا۔ مجمع نے اظہار پسندیدگی کیا۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں، صلی علیه علی والعباس وبنو هاشم ثم المهاجرين ثم الأنصار، پہلے حضرت امیر المومنینؑ نے نماز پڑھی پھر بنو ہاشم نے اس کے بعد مہاجرین نے اور مہاجرین کے بعد انصار نے نماز جنازہ ادا کی۔

دفن پیغمبرؐ:

حضرت امیر المومنینؑ، جناب عباس، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید کو اب دفن کی فکر ہوئی، انصار نے حجرے کے باہر سے آواز دی یا علیؑ ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ آج کے دن ہمیں محروم نہ فرمائیں گے، دفن پیغمبرؐ میں ہمیں بھی شرکت کی اجازت ملنی چاہئے آپ ہم میں سے کسی ایک آدمی کو اپنے ساتھ شریک کرلیں تا کہ اس سعادت میں ہم بھی شریک ہوجائیں۔ امیر المومنینؑ اوس بن خولی کو جو قبیلۂ انصار میں ایک معزز و محترم شخص تھے جنگ بدر میں بھی شریک رہ چکے تھے شرکت کی اجازت دی، امیر المومنینؑ نے انہیں قبر میں اترنے کو کہا اور خود ہاتھوں پر پیغمبرؐ کے جسد اطہر کو لے کر لحد میں اتارا۔ جب جسد اطہر لحد میں لٹا دیا گیا تو آپ نے اوس بن خولی کو باہر بلالیا اور خود داخل قبر ہوئے اور بند کفن کھول کر پیغمبرؐ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹادیا، آپ کے رخسارے کو قبلہ رخ خاک پر رکھ دیا پھر لحد پر اینٹیں بچھا کر مٹی ڈال دی، قبر کو چوکور بنایا، سرہانے ایک اینٹ نصب کردی اور قبر کو ایک بالشت زمین سے بلند رکھا۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ)

علامہ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ قبر بنا کر آپ نے پانی بھی چھڑک دیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا پیغمبرؐ کے پُرسے کو آنا:

علامۂ ابن سعد طبقات میں بسلسلۂ اسناد امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں:۔

قال لما توفی رسول الله جاءت التعزية يسمعون الصوت والحس ولايرون الشخص ،السلام علی أهل البيت ورحمة الله وبركاته كل نفس ذائقة الموت وإنما توفون أجوركم يوم القيامة إن فی الله عزاء من كل مصيبة وخلفاً من كل هالك ودركاً من كل ما فات فبالله فاتقوا وإياه فرجعوا إنما المصاب من حرم الثواب والسلام عليكم ورحمة الله۔

امام جعفر صادقؑ اپنے آباء طاہرین کے سلسلہ سے حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ پیغمبرؐ کا انتقال ہوا تو کلمات تسلی و تعزیت سننے میں آئے لوگ آواز آہٹ سنتے تھے۔ مگر کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا وہ کلمات یہ تھے، سلام ہو آپ پر اے اہلبیتؑ اور خدا کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے، آپ لوگ بروز قیامت اپنا پورا پورا اجر پائیں گے ہر مصیبت میں خدا ہی سے تسلی ہے اور وہی دنیا سے اٹھنے والے کا جانشین پیدا کرنے والا اور ہر فوت ہوجانے والی چیز کی تلافی کرنے والا ہے اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے رجوع کرو مصیبت زدہ ہے وہ جو ثواب سے محروم رہے تم پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمتیں نازل ہوں امیر المومنینؑ نے بتایا کہ یہ خضرؑ ہیں جو پیغمبرؐ کی تعزیت دینے آئے ہیں (طبقات ابن سعد، منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد جلد ۳ ص ۱۱۶)۔